از مفسر قرآن

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

تفسیر قصص القرآن

(بمعہ تعلیمات ونتائج)

مختلف مکاتبِ فکر کی تفاسیر کا خلاصہ

با تفسیر اہلبیتؑ

از مفسّر قرآن

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

6363025

المرجع الدینی آیۃ اللہ العظمیٰ عماد العلماء

پاکستان مجتہدِ اعظم

علامہ السیّد محمّد رضی التقوی الرّضوی

نبیرہ و جانشین حضرت صدر الشریعۃ آیۃ اللہ العظمیٰ شمس العلما سرکار نجم الملۃ رح

C-96, Block 10, Federal "B" Area, Karachi No-75950

اس جدید اور مفید سلسلہ تفسیر کے مؤلف میرے چچا زاد چھوٹے بھائی ثقۃ الاسلام ڈاکٹر سید محمد حسن رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اسکو میں نے جا بجا سے دیکھا ہے اور بہت درست اور مفید پایا۔ اس میں ایک نادر خصوصیت یہ ہے کہ بہت سے مکاتب فکر کے خیالات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جو اس سے پہلے کسی دوسری تفسیری کتاب میں نہیں کیا گیا تھا۔ اس جدید طرز کی مدد سے قرآن فہمی میں لوگوں کو بڑی آسانی ہوگی اور انداز تحریر بھی سادہ اور آسان ہونے کی وجہ سے مطالب قرآنیہ کو سمجھنے میں کسی کو دشواری نہیں ہو سکے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ اسکے مترجم کو اسکی تکمیل کا موقع عطا فرمائے اور علم دوست اشخاص کو اسکے مطالعہ کی توفیق عنایت کرے۔ واللہ ھو الموفّق والمستعان۔

محمد رضی الرضوی

نبیرۂ سرکار نجم الملۃ رح

ALLAMA S.M. RAZI MUJTAHID
MEMBER, COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY
GOVT. OF PAKISTAN.

منظوم تبصرہ

از پروفیسر شاعرِ اہلبیتؑ سبطِ جعفر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

ہیں حقیقت میں ڈاکٹر رضوی — آبروِ ملک و دین و ملّت کی
لے کے جائیں گے حوضِ کوثر تک — فکرِ قرآن و اہلبیتِؑ نبیؐ
یہی مقصودِ فیکم الثقلین — کیجئے اتّباع دونوں کی
واقعاً ہے "خلاصۃ التفاسیر" — کاوشِ ڈاکٹر حسن رضوی
کتنی تفسیروں کا نچوڑ ہے یہ — نور و انوار و مجمع و صافی
فصل و برہان و روح اور تبیان — اور کبیر و نمونہ و کافی
ہے یہ تفسیرِ اہلبیت مگر — ہیں تفاسیرِ اہلسنّت بھی
غیر مسلم حوالہ جات بھی ہیں — کیا ہنود و یہود و عیسائی
خوشہ چینِ مفسر و تفسیر — ہے ہزاروں میں سبطِ جعفر بھی

نوٹ: یہ تبصرہ پروفیسر سبطِ جعفر نے ۲۰۰۷ء کے حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر تحریر فرمایا۔

فہرست

گفتارِ مقدم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم
وآلہ الطیبین الطاہرین اما بعد

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ القرآن (سورۃ ۱۷ آیت نمبر ۹)
بے شک یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔
اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کے بندوں کو محکم و واضح قرآن کے ذریعہ سے بتوں کی پرستش سے خدا کی پرستش کی طرف، اور شیطان کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت کی طرف نکال لے جائیں تاکہ بندے اپنے پروردگار سے جاہل و بے خبر رہنے کے بعد اُسے جان لیں، ہٹ دھرمی اور انکار کے بعد اس کے وجود کا یقین اور اقرار کریں۔ اللہ ان کے سامنے بغیر اس کے کہ اسی دیکھا ہو قدرت کی (ان نشانیوں) کی وجہ سی جلوہ طراز ہے، کہ

جواُس نے اپنی کتاب میں دکھائی ہیں اوراپنی سطوت وشوکت کی (قہرمانیوں سے) نمایاں ہے کہ جن سے ڈرایا ہے اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنہیں اُسے مٹانا تھا۔ انہیں کس طرح اس نے اپنی عقوبتوں سے مٹادیا اور جنہیں تہس نہس کرنا تھا انہیں کیونکر اپنے عذابوں سے تہس نہس کر دیا۔ میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں حق بہت پوشیدہ اور باطل بہت نمایاں ہوگا۔ اور اللہ و رسول ﷺ پر افترا پردازی کا زور ہوگا۔ اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قران سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہوگی۔ اس وقت جبکہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے اور نہ (ان کے) شہروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی ہوگی۔ چنانچہ قرآن کا بار اٹھانے والے اسے پھینک کر الگ کریں گے اور حفظ کرنے والے اس کی (تعلیم) بُھلا بیٹھیں گے اور قرآن اور قرآن والے (اہلبیتؑ) بے گھر اور بے در ہوں گے اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ وہ (بظاہر) لوگوں میں ہوں گے مگر ان سے الگ تھلگ ان کے ساتھ ہوں گے۔ مگر بے تعلق اس لیے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہوسکتی اگر چہ وہ یک جا ہوں لوگوں نے تفرقہ پرازی پر تو اتفاق کرلیا ہے اور جماعت سے کٹ گئے ہیں۔ گویا کہ وہ کتاب کے پیشوا ہیں کتاب ان کی پیشوا نہیں۔ ان کے پاس تو صرف قرآن کا نام رہ گیا ہے اور صرف اس کے خطوط ونقوش کو پہچان سکتے ہیں۔ اس آنے والے دور سے پہلے وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا چکے ہوں گے اور اللہ کے متعلق ان کی سچی باتوں کا نام بھی بہتان رکھ دیا ہوگا اور نیکیوں کے بدلہ میں انہیں بری سزائیں دی ہوں گی۔

تم سے پہلے لوگوں کی تباہی کا سبب یہ ہے کہ وہ اُمیدوں کے دامن پھیلاتے رہے اور موت کو نظروں سی اوجھل سمجھا کیے۔ یہاں تک کہ جب وعدہ کی ہوئی (موت) آگئی تو اُن کے

معذرت کوٹھکرا دیا گیا اور توبہ اٹھالی گئی اور مصیبت وبلا ان پر ٹوٹ پڑی۔

اے لوگو! جو اللہ نے نصیحت چاہے اسے ہی توفیق نصیب ہوتی ہے اور جو اس کے ارشادات کو رہنما بنائے وہ سیدھے راستہ پر ہو لیتا ہے اس لیے کہ اللہ کی ہمسائیگی میں رہنے والا امن وسلامتی میں ہے اور اس کا دشمن خوف وہراس میں جو اللہ کی عظمت وجلالت کو پہچان لے اسے کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی عظمت کی نمائش کرے چونکہ جو اس کی عظمت کو پہچان چکے ہیں ان کی رفعت وبلندی اسی میں ہے کہ اس کے آگے جھک جائیں اور جو اس کی قدرت کو جان چکے ہیں۔ ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں، حق سے اس طرح بھڑک نہ اٹھو جس طرح صحیح وسالم خارش زدہ سے، یا تندرست بیمار سے تم ہدایت کو اس وقت تک نہ پہچان سکو گے جب تک اس کے چھوڑنے والوں کو نہ پہچان لو اور قرآن کے عہد وپیمان کے پابند نہ رہ سکو گے۔ جب تک کہ اس کے توڑنے والے کو نہ جان لو اور اس سے وابستہ نہیں رہ سکتے جب تک اسے دور پھینکنے والے کی شناخت نہ کر لو، جو ہدایت والے ہیں انہی سے ہدایت طلب کرو، وہی علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا (دیا ہوا) ہر حکم ان کے علم کا اور ان کی خاموشی انکی گویائی کا پتہ دے گی اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہ دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ نہ اسکے بارے میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ دین ان کے سامنے ایک سچا گواہ۔ اور ایک ایسا بے زبان ہے جو بول رہا ہے۔ (خطبہ نمبر ''۱۴۵'' نہج البلاغہ)

قران حکیم کی تعلیمات کو عوام تک پہچانے کے لیے ہم ''خلاصۃ التفاسیر'' کے عنوان کے تحت ''قرآن مجید مترجم'' جس میں مختلف مکاتب فکر ''قدیم وجدید'' اہم تفاسیر کا خلاصہ موجود ہے اور جو مفسرِ قرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی مدظلہ کی محنت شاقہ کا ثمر ہے پارہ با پارہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی جو عرصہ ۸ سال میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ عوام نے اسے بے حد پسند فرمایا ہے اور کئی ایڈیشن شائع ہو کر عوام تک پہنچے جس کے لیے ہم قارئین کرام کے شکر گذار ہیں۔

دریں اثنا ہم نے ''کتاب خدا اور اہل بیت رسول خدا'' کے عنوان سے ایک مجلد کتاب جو ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے تصنیف اور شائع کی۔ جس میں فضائل اہلبیتؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بارے میں نازل شدہ ۳۵۶ر آیات مع تفسیر کا تذکرہ تفصیلاً کیا گیا ہے اس کتاب کو قارئین خصوصاً ذاکرین اہلبیت نے بہت پسند فرمایا۔

اس کے بعد ہم نے ۳۰ر منتخب اہم ترین سورتوں کی تفسیر ایک مجلد کتاب کی صورت میں جو کہ تقریباً ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے عوام کے مطالعہ کے لیے پیش کی جس نے بھی کافی مقبولیت حاصل کی۔ پھر ہم نے ایک اور مجلد کتاب ''تفسیر موضوعات قرآن'' کے عنوان کے تحت اکیڈمی آف قرآنک اسٹیڈیز کے تعاون سے عوام تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی جس کو بھی قارئین کرام نے بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

اب ہم ایک اور کتاب ''قصص القرآن'' جو کہ ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شائع کرنے کی جسارت کر رہے ہیں اور ہم پر اُمید ہیں کہ قارئین کرام اس کو بھی پسند فرمائیں گے۔

دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان کوششوں کو قبول فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

الحاج سید غلام نقی رضوی
مینجنگ ٹرسٹی پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ رجسٹرڈ

تعارف

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

قرآن مجید کا ایک تہائی انبیاء کرام علیہ السلام کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ان واقعات میں خداوند عالم نے انسانی اقوام کے طرز فکر و عمل اور ان کے نتائج کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ ہمیں انسان کے صحیح اور غلط فکر و عمل کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور ان کے ٹھوس اور واضح نتائج بھی صاف صاف بھی دکھائی دینے لگتے ہیں اس طرح یہ قرآنی فلسفہ کہ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' دوٹوک الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ہر شخص واضح طور پر عظیم حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ انسانی فکر و عمل پر ہی انسان کی کامیابی اور ناکامیابی عروج و زوال کا دارومدار ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
(اقبال)

(۲) دوسری بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند عالم عادلِ حقیقی ہے اِس نے جزاء و سزا دینے سے پہلے تمام ابدی حقائق کو فکری انداز سے بھی سمجھا دیا ہے تاریخی شواہد اور انسانی تجربات کے حوالوں سے بھی پوری طرح واضح فرما دیا ہے۔ اس طرح انبیاء کرام علیہ السلام کو بھیج کر خداوند عالم نے ہم پر اپنی حُجت کو تمام کر دیا ہے۔ اس لیے اب جو بھی غلط فکر و عمل کو اختیار کر کے تباہ و برباد ہوگا اس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔

(۳) تیسری حقیقت ان قصوں سے واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قوموں کی اصلاح کے لیے کس قدر زبردست کوششیں فرمائی ہیں، کس قدر زحمتیں اٹھائیں ہیں اور کس قدر صبر و تحمل سے انسانوں کی ہدایت کا کام انجام دے کر اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا ہے یہ بات جان لینے کے بعد ہمارا قلبی تعلق انبیاء کرام علیہ السلام سے ہو جاتا ہے اور ہم اپنی قلبی محبت اور عقیدت کے حامل ہو جاتے ہیں۔

(۴) چوتھی حقیقت ان واقعات سے یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی ضد، اندھی تقلید، غلط مفادات کے حصول کی کوشش، فکر و نظر سے کام نہ لینا، خدا، آخرت اور انبیاء کرام علیہ السلام کا انکار اور خواہشات کے دھاروں میں بہہ جانا کس قدر تباہ کن ہوتا ہے خدا، آخرت اور قیامت کا انکار انسان کو بالکل تباہ برباد کر دیتا ہے۔

(۵) پھر سب سے دلچسپ بات یہ کہ ان عظیم حقائق کے واقعات اور انسانی تجربات کی شکل میں بیان کرنے کی وجہ سے طرز بیان بے حد دلچسپ اور پُر لطف ہو گیا ہے پڑھنے والا اِن واقعات کو پڑھنے سے لطف اندوز ہوتا جاتا ہے اور ابدی حقائق کو پوری طرح سمجھتا چلا جاتا ہے اِس طرح اپنی فکر و عمل کو درست کرنا اس کے لیے بہت آسان ہو جاتا ہے خصوصاً بچے عورتیں اور عام آدمی کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ بڑی بڑی حقیقتوں کو جان لیتے ہیں ان کے نتائج کو سمجھ لیتے ہیں اور آخر کار اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

قرآن مجید

کے اہم ترین

واقعات

کی تفسیر

(باتفسیر اہلبیت)

عہد الست (اللہ کا انسانوں سے عہد لینے کا وعدہ)

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ١٧٢

(۱۷۲) اور جب تمھارے پالنے والے مالک نے اولادِ آدمؑ کو اُن کی پشتوں سے نکالا تھا اور اُنھیں خود اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: "کیا میں تمھارا پالنے والا مالک نہیں ہوں؟" اُنھوں نے کہا: "ہاں ضرور (آپؐ ہی ہمارے پالنے والے مالک ہیں اور) ہم اِس بات کی گواہی دیتے ہیں۔" (خدا نے فرمایا کہ یہ ہم نے اِس لیے کیا تھا کہ روزِ قیامت) کہیں تم یہ نہ کہدو کہ: "ہم تو اِس سے بے خبر تھے۔"

خدا نے اولادِ آدمؑ سے عہد لیا تھا کہ؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے آباءِ اطہارؑ سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جب خداوندِ عالم نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اُن سب کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور اُن سے سوال کیا کہ: "تمھارا پالنے والا مالک کون ہے؟" پس سب سے پہلے جس نے جواب دیا تھا، وہ جناب محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھے۔ پھر حضرت علیؑ اور پھر حضرت علیؑ کی اولاد میں سے ائمّہ معصومینؑ تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا: "انت ربنا" یعنی "تو ہی ہمارا مالک ہے۔" پس خدا نے اُن حضرات کو اپنے علم اور دین کا حامل بنایا۔ پھر تمام فرشتوں سے فرمایا: "یہی میرے علم اور دین کے حامل ہیں۔ اور میری مخلوق میں میرے امین ہیں۔ ہر بات اِنہی سے دریافت کی جائے گی۔" پھر خدا نے ساری اولادِ آدمؑ سے فرمایا: "تم سب اللہ کی ربوبیت اور اِن بزرگوں کی ولایت اور اطاعت کا اقرار کرو۔" سب نے کہا: "ہاں۔ اے ہمارے پالنے والے مالک! ہم نے اقرار کیا۔" پھر خدا نے فرشتوں سے فرمایا: "تم گواہ رہنا۔" فرشتوں نے عرض کی: "ہم گواہ ہیں۔" خدا نے فرمایا (یہ ہم نے اِس لیے کیا) ایسا نہ ہو کہ یہ قیامت کے دن کہدیں "حقیقتاً اِس بات سے بالکل بے خبر تھے۔"

. . . . (تفسیر صافی ص۱۸۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

شاہ عبدالقادر نے لکھا: "اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا۔ سب سے اقرار کرایا جاتا، تو پھر انسان کی عقل کا امتحان ممکن نہ ہوتا۔ اِس لیے اِس نقش کو حافظے میں تازہ نہ رکھا گیا، لیکن وہ عہد ہمارے تحت الشعور میں، ہمارے ضمیر، خمیر، وجدان (Conscious) میں یقیناً محفوظ ہے" اور ہمارے اندر سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ جس طرح تہذیب، تمدن، اخلاق، معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں میں آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے، وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوّۃ (Potentially) موجود تھا۔ خارجی محرّکات اور داخلی تحریکات نے مل جُل کر اگر کچھ کیا ہے تو بس اتنا کہ جو کچھ بالقوّۃ تھا اُسے بالفعل actual کر دیا۔ اِس لیے کہ کوئی تعلیم اور کوئی تحریک، کوئی تربیت اور کوئی ماحول، کوئی چیز اُس وقت تک انسان کے اندر پیدا ہی نہیں کر سکی، جب تک وہ چیز انسان میں بالقوّۃ موجود نہ ہو۔ اور نہ کوئی طاقت اُس چیز کو انسان سے محو کر سکتی ہے جو اُس کے اندر بالقوّۃ موجود ہے۔ کتنا بھی دباؤ گے، وہ چیز جو انسان کی فطرت میں موجود ہے ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتی رہے گی۔ غلط خواہشات اور تحریکات، اُن فطری رُجحانات کو دبا تو سکتی ہیں، چھپا تو سکتی ہیں، مگر بالکل معدوم نہیں کر سکتیں۔ اِس لیے اندرونی احساسات اور بیرونی کوششوں سے صرف اصلاح یا تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح ہمیں وجدانی علم دیا گیا کہ ہمارا کوئی خالق، مالک، پالنے والا ہے، جس کے اِس فطری تقاضے کے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انسان اپنے ہر دورِ حیات میں زمین کے ہر خطّے پر، ہر زمانے اور ہر نسل میں خدا پرستی کی طرف مائل رہا ہے۔ پُرانے عہد کے جو آثارِ قدیمہ دریافت ہوئے ہیں، اُن میں عبادت گاہیں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔ اگرچہ اس سلسلے میں کجی یا غلطی ضرور ہوتی ہے کہ خدا کے بجائے فرشتوں، دیوتاؤں، جنّوں، بتوں، بادشاہوں کو پوجنا شروع کر دیا، وہ بھی خدا کا نمائندہ سمجھ کر۔ لیکن ہمیشہ سے فطرتِ انسانی میں اِس وجدانی علم کے آثار ضرور ملیں گے کہ وہ کس کو اپنا خالق مالک مان کر عبادت کرتا رہا ہے۔ اور ہماری زندگی میں جب بھی یہ وجدان اُبھر کر صحیح طریقے سے کارفرما ہوا ہے، تو اُس نے ہمیشہ زندگی میں صالح اور مفید نتائج پیدا کیے ہیں۔ البتہ اِس وجدان یا فطری رُجحانات اور چُھپے ہوئے جذبے کو ظہور میں لانے، اور عملی صورت اختیار کرنے کے لیے خارجی اپیل کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے۔ جسے انبیاء (ائمہ، اولیاء اور صالح علمائے حق) نے ہمیشہ انجام دیا ہے۔ اِسی لیے خدا نے انبیائے کرام کو مذکّر (یاد دلانے والے) فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

اپنی خدائی کا' اور پھر پشت میں داخل کیا۔ اِس سے مدعا مقصد، یہ تھا، کہ خدا کو ماننا ہر شخص کا ذاتی فعل ہے۔ باپ کی تقلید نہیں۔ اگر باپ شرک کرے تو بھی بیٹا ایمان لائے۔ (کیونکہ توحید فطرتِ انسانی میں داخل ہے) اب اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد ہی نہیں رہا۔ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان کہہ رہی ہے کہ خدا سب کا خالق ہے۔ اِسی لیے سارا جہان قائل ہے۔ اور جو کوئی منکر ہے' اور جو شرک کرتا ہے' سو وہ اپنی ناقص عقل کے دخل سے کرتا ہے۔ اِس لیے آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔ * - - - - - (موضح القرآن)

عہدِ وفا کا اثر

غرض یہ عہد اِس لیے کیا گیا تاکہ خدا کو ماننا انسانوں کی عقل' فطرت اور ضمیر میں داخل ہو جائے۔ البتہ یہ عہد لینا بھی ایک امرِ واقعہ ہے جس طرح آدمؑ کی تخلیق کے وقت خدا نے فرشتوں کو جمع کر کے اُنھیں حضرت آدمؑ کے سامنے جھکوا دیا تھا۔ اِسی طرح پوری نسلِ آدمؑ کو خدا نے بیک وقت شعور بخشا اور اپنے سامنے حاضر کیا' اور اُن سے اپنی ربوبیّت اور مالکیّت کی گواہی لی، اُن کو بتایا کہ "میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' میرے سوا کوئی "رب" نہیں، تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' میرے پیغمبرؐ تمھیں تمھارا عہد آ کر یاد دلاتے رہیں گے۔ میں تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔

یہ بات سُن کر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہیں۔ آپؐ کے سوا ہمارا کوئی مالک اور پالنے نہیں۔" اب یہ بات سمجھنا غلط ہے کہ یہ صرف ایک تمثیل ہے۔ خارج میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ قرآن کا بیان بالکل واضح ہے کہ یہ واقعہ خارج میں پیش آیا۔ اور خدا کے لیے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا ہونے کو بعید از امکان سمجھتا ہے' تو صرف یہ بات اُس کے فکر کی تنگی ہے۔ جو خدا تدریجاً انسانوں کو پیدا کر سکتا ہے' وہ اچانک ایک حکم پر بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یہ اصل میں وفاداری کا اقرار (oth of allegiance) تھا جو خالق نے اپنے بندوں سے لیا تھا۔

عہدِ وفا یاد کیوں نہیں؟

رہا یہ سوال کہ اب اِس واقعے کی یاد ہمارے شعور یا حافظے میں محفوظ کیوں نہیں رہی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عہد کا نقش انسان کے شعور یا حافظے میں تازہ رہنے دیا

انبیاء اور آسمانی کتابیں (ذکر = یاد دہانی) ہیں، جو انسان کے اندر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ اس چیز کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں جو اُن کے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کے مطابق قیامت کے دن مجرمین یہ نہیں کہیں گے کہ حقیقتوں سے جاہل تھے یا غافل تھے، بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم کافر (منکر) تھے۔

یعنی: ہم نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا تھا، غرض "وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ حق کے منکر تھے"۔

(سورۃ الانعام ۱۳۰) * ...... (تفہیم)

عہدِ وفا کا تاثر

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا پرستی انسانی فطرت یا گھٹی میں داخل ہے۔ اگر فطرت مسخ نہ ہو جائے تو ایک خالق، رازق، مربی کا اعتراف ہر فطرت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

* .... (قرطبی)

کیونکہ سارے انسانوں نے عہد کے وقت "بلیٰ" کہا تھا۔ یعنی: ہاں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا مالک ہے یہ عہد نسلِ انسانی کی فطرت میں اُتر گیا اور اُس کا نقش ہر انسان کی فطرت میں جم گیا۔ ہر صاحبِ فطرت سے اُس کی فطرت یہی سوال کرتی ہے، اور وہ یہی جواب دیتا ہے۔ یعنی اُس کی عقل و ضمیر، اُس کا علم اور تجربہ، اُس کا مشاہدہ اور فکر ایک رب (خدا) کے ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

* .... (بیضاوی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ نسلِ انسانی کا اصل ابتدائی دین توحید ہے۔ کفر و شرک بعد کی پیداوار ہیں۔

حضرتِ علیؑ کو امیر المومنین کا لقب کب عطا ہوا؟

بروایت جابرؓ، حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت علیؑ کا لقب کب سے امیر المومنین ہوا، تو اُن کے حق کا انکار نہ کرتے۔ راوی نے دریافت کیا کہ آپؑ خود ہی فرما دیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ: یہ لقب اُس دن سے ہے جب روزِ میثاق عہد لیا گیا تھا۔ پھر فرمایا: "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَأَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيُّكُمْ وَأَنَّ عَلِيًّا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اس کے بعد فرمایا: حضرت رسولِ خداؐ نے بخدا اس کی تفسیر و تاویل اسی طرح بیان فرمائی تھی۔

نیز جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: بروزِ میثاق تمام اُمت میرے اوپر پیش ہوئی۔ پس میری نبوت کا پہلا اقرار کرنے والا علیؑ ہے۔ اور وہی پہلے پہل میری تصدیق کرنے والا ہے جب میں مبعوث ہوا ہوں۔ اور وہی صدیقِ اکبر اور وہی فاروقِ اعظم ہے جو حق اور باطل میں فرق (ظاہر) کرے گا۔

* ...... (تفسیر انوار النجف ج ۶ ص ۱۳۲)

لقبِ امیرالمومنین بطریقِ اہلِ سنّت

تفسیرِ برہان میں بطریقِ اہلِ سنّت "کتاب الفردوس"

ابنِ شیرویہ سے بروایت حذیفہ یمانی مروی ہے کہ: جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

" اگر لوگ جانتے کہ علیؑ کا نام (لقب) کب سے امیرالمومنین ہوا تو اُن کی فضیلت کا انکار نہ کرتے ۔

فرمایا: اُن کا امیرالمومنین، نام تو اُس وقت سے ہے جب حضرتِ آدمؑ روح وجسد کے درمیان تھے ۔

جیساکہ ارشادِ خداوندی ہے ۔" پھر آپؐ نے یہی آیتِ مجیدہ تلاوت فرمائی۔ پس سب نے اس کی ربوبیت

کا اقرار کیا، اور فرشتوں نے بھی اقرار کیا تو ارشاد فرمایا:

" اَنَا رَبُّكُمْ وَ مُحَمَّدٌ نَبِيُّكُمْ وَ عَلِيٌّ وَلِيُّكُمْ وَ اَمِيْرُكُمْ "

★ " اصولِ کافی، باب نکت فی الولایۃ " حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

" وَلَايَتُنَا وَلَايَةُ اللّٰهِ الَّتِيْ لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ اِلَّا بِهَا ۔ " یعنی: "ہماری ولایت

اللہ کی ولایت ہے کہ کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث ہی نہیں ہوا ۔"

★ آپؑ نے فرمایا: مَا مِنْ نَبِيٍّ جَآءَ قَطُّ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ حَقِّنَا وَ تَفْضِيْلِنَا عَلٰى مَنْ سِوَانَا

یعنی: "کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ وہ ہمارے حق کی معرفت رکھتا تھا ۔ ہمیں اپنے تمام ماسوا پر فضیلت دیتا تھا۔"

★ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ولایۃ علی مکتوبۃ فی جمیع صحف

الانبیاء ولن یبعث اللہ رسولا الا بنبوۃ محمد و وصیۃ علیؑ ۔

یعنی: "حضرت علیؑ کی ولایت تمام صحفِ انبیاء میں فرض کی گئی ہے اور خدا نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت اور حضرت علی علیہ السلام کی وصایت کے ساتھ۔"

★ اہلِ سنّت کی کتاب "ینابیع المودۃ" ملّا سلیمان حنفی نقشبندی سے روایت کی جاتی ہے:

" لم یبعث نبیٌّ قطّ الا بولایۃ علی ابن طالب "

یعنی: "کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر ولایتِ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ"

★ - - - - (بحوالہ تفسیر انوار النجف ج ۹ صفحہ ۱۳۳)

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ (۳۱) اِس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو وہ تمام نام سکھا دیے۔ پھر اُن "اشخاص" (محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا "اگر تم سچے ہو (کہ تم خلافتِ الٰہیہ کے اہل ہو) تو ذرا اِن (اشخاص) کے نام تو بتاؤ۔؟

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ○ (۳۲) اُنھوں نے عرض کی کہ ہر عیب سے پاک تو آپؑ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اِتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپؑ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ حقیقت میں آپؑ ہی بڑے جاننے والے اور مصلحتوں کو پہچاننے والے ہیں۔

(بقیہ آیت ع ۳۰ گذشتہ:) حاصل کر کے خدا کا نمائندہ بن کر خدا کی طرف سے کارِ ہدایت انجام دے سکتا ہے۔ اور اس طرح وہ مخلوقات پر خدا کی حجت ہوتا ہے اور خدا کی حجت کو تمام کرتا ہے۔ سب سے پہلے خدا کا خلیفہ نبی ہوتا ہے پھر خدا کا بنایا ہوا نبی کا جانشین ہوتا ہے۔

★ حضرت امام جعفر صادق ع سے روایت ہے: "خدا کا خلیفہ تمام زمین پر خدا کی مخلوق کے مقابلے میں خدا کی حجت کے تمام ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے" (صافی)

★ وہ اللہ کا جانشین اس لیے ہوتا ہے کہ وہ زمین میں خدا کے احکام کو قائم کرتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے جاری کرتا ہے۔ (معالم و ماجدی)

★ "اسی طرح خدا نے ہر پیغمبر کو اپنا خلیفہ بنایا، تاکہ زمین آباد ہو، لوگوں میں نظم و نسق قائم ہو اور اُن کے نفوس کمال کی منزلوں پر فائز ہوں اور خدا کے احکامات لوگوں میں جاری اور نافذ ہوں۔" (بیضاوی) ـ ○ ـ اگر خلافت کا منصب ملائکہ کی نگاہ میں بہت بلند نہ ہوتا تو وہ مَلک ہوتے ہوئے اس کی آرزو کیوں کرتے؟ رہا ملائکہ کا سوال، تو اس کا جواب قدرت نے اُس وقت دینا مناسب سمجھا، شاید اس لیے کہ قدرت کو خلیفہ کے تعین کے معاملے میں کسی کی کسی طرح کی شرکت قبول نہ تھی۔ (فصل الخطاب)

آیت ع ۳۱: خدا کا فرمانا کہ "پھر ان اشخاص کو پیش کیا" تو "هُمۡ" کی ضمیر صاحبانِ عقل افراد کے لیے ہی استعمال ہوتی ہے۔ نیز لفظ "هٰٓؤُلَآءِ" "یہ یعنی" یہ "سے معلوم ہوا کہ صرف اَسمار نہ تھے، بلکہ اَسماء کے مسمیات بطور اشباح سامنے موجود کر کے دکھائے گئے۔ کتنے عالی اشخاص ہوں گے کہ جنکی معرفت معیارِ خلافت قرار پائی۔ ان اَسماء سے مراد "محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کی قسم! وہ اَسمار ہم ہیں کسی انسان کا کوئی عمل ہماری معرفت کے بغیر قبول نہ ہوگا۔"

★ عقلاً یہ اسمار تمام چیزوں کے نام نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ وہ چیزیں تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ یہ صاحبانِ عقل شخصیتوں کے نام تھے جنکے نام سن کر ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ یقیناً ایسے پاک انسان خلافتِ الٰہیہ کے سزاوار ہیں۔

قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ○

(۳۳) (پھر اللہ نے) کہا: اے آدم! تم اِن (فرشتوں) کو اِن (اشخاص) کے نام بتادو۔ پس جب اُس (آدم) نے اُن کو سب کے نام بتادیے تو (اللہ نے فرشتوں سے) فرمایا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ یقیناً میں آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی ہوئی حقیقتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے تھے اور وہ بھی جو تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے تھے۔

تفسیر آیت ۳۲ : ۔ آدمؑ اور ملائکہ کا اصل امتحان یہ تھا کہ ملائکہ اور آدمؑ کو ان اشخاص کے نام تو معلوم تھے۔ اب خدا نے ان اشخاص کو ملائکہ اور آدمؑ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اِن اشخاص اور ان کے ناموں کو دیکھکر یہ بتاؤ کہ کونسا نام کس شخص کا ہے۔ یعنی مُسمّیات اور اسماء کی تطبیق کرو۔ یہ حافظہ کا امتحان نہیں تھا، بلکہ ذہانت کا امتحان تھا جسے آدمؑ، ملائکہ سے افضل ثابت ہوئے۔" (البلاغی۔ ملخص حدیث از امام جعفر صادق علیہ السلام)

اگر بتائی ہوئی چیزوں کے صرف نام بتانے کا سوال ہوتا تو مَلَک ہرگز اعتراف نہ کرتے کیونکہ فرشتے بھولا نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ذہانت اور تطبیقِ اسماء کا سوال تھا۔ یعنی۔ نتیجے نکالنا اور تحقیق کرنا۔ اِس سے مَلَک عاجز ہوئے اور کہا: "بس ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا کہ آپ نے ہم کو بتا دیا ہے۔" ہم اُس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے۔ پھر خدا پر اعتراض بھی نہ کیا، بلکہ کہا: "تو" حکیم "ہے۔ یعنی تیرا ہمیں یہ صلاحیت نہ دینا حکمت پر مبنی ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔

تفسیر آیت ۳۳ : ۔ "آدمؑ نے اسماء کو دیکھا، پھر جن کے نام تھے اُن کو دیکھا۔ مناسبتوں کا لحاظ کیا اور غور و فکر سے کام لیا۔ بالآخر یہ بتا دیا کہ یہ نام اِن کا ہے اور وہ نام اُن کا ہے۔" اِس پر ملائکہ نے مان لیا کہ آدمؑ کی صلاحیتیں ہم سے اعلیٰ اور برتر ہیں اور اسی موقع پر خدا نے اُن کو یاد دلایا کہ دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ! جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔" یعنی، اب تو تم سمجھ گئے کہ میں نے تمھیں چھوڑ کر آدمؑ کو خلیفہ کیوں منتخب کیا۔ (تفسیر فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.com

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ (١٠) جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ ١٠

حالانکہ ہم نے تو تمہیں زمین میں با اختیار بناکر آباد کیا اور ہم ہی نے تمہارے لیے زندگی کے تمام ساز و سامان بنائے (پھر بھی) تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ (١١) قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبْلِيسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِينَ ۝ ١١

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری شکل و صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کے سامنے (احتراماً) جھکو۔ تو سب کے سب جھکے سوا ابلیسؑ کے، کہ وہ جھکنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

خدا کی دو نعمتیں

ك یہاں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ اُن میں سے اوّل کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال ہے۔ خدا نے اِن دونوں کو نعمت کے طور پر بیان کر کے یہ سمجھا دیا کہ مال اور حکومت از خود بُری چیزیں نہیں، بلکہ قابلِ شکر ہیں۔ البتہ اِن میں اِنہماک اور اِن کی وجہ سے خدا سے غافل ہو جانا، یا ظلم و گناہ کرنا مذموم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ (تھانوی)

ك (آیت ۱۱) "تم" سے مراد تمہارے مورثِ اعلیٰ یعنی حضرت آدمؑ ہیں۔ اور تمہاری صورت بنائی، یعنی تمہارے مورثِ اعلیٰ حضرت آدمؑ کی صورت بنائی۔ ★ (مجمع البیان، تفسیر تبیان)

بعض مفسرین نے پہلے جمع کو تو حضرت آدمؑ سے متعلق کیا ہے اور دوسرے جمع کو تمام نوعِ انسانی سے متعلق قرار دیا ہے۔ (تفسیر تبیان)

البتہ اگر اس سے مراد "تخلیق" بلا صورت لی جائے تو یہ وہ منزل ہے جب انسان صُلبِ پدر میں ہوتا ہے، کیونکہ اُس وقت سب کی ایک ہی شکل ہوتی ہے۔ دوسری منزل ممکن ہے کہ شکمِ مادر کی ہو جب ہر انسان کی الگ الگ صورت اور شکل بنتی ہے ۔ ۔ ۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

نتیجہ ۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت سے ہوا۔ حیوان ترقی کر کے انسان نہیں بنا۔ انسان اول روز سے انسان بنایا گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ انسان کا امتیاز اُس کی اخلاقی ذمے داری اور اختیارات کی امانت ہے جسے خدا نے اُس کے سپرد کیا ہے اور اِسی بنا پر وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے ۔ ۔ ۔ اول تو ڈاروِن کا نظریہ پوری طرح سائنٹفک دلائل سے ثابت ہی نہیں ہو سکا۔ ابھی تک یہ صرف ایک نظریہ ہے اور اس کے دلائل صرف دلائلِ امکان ہیں۔ پھر اگر اس کو مان بھی لیا جائے، تب بھی یہ سوال آج بھی باقی ہے کہ آج ارتقا کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ ؟

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ○ ۱۲

(۱۲) (اللہ نے) پوچھا کہ آخر تجھے کس چیز نے جھکنے سے روک دیا جبکہ میں نے تجھے اِس کا حکم دیا تھا؟ (ابلیسؑ) بولا: میں اُس سے بہتر ہوں۔ تُو نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے (آدمؑ کو) مٹّی سے پیدا کیا ہے۔

ابلیسؑ کی پست ذہنیت

شیطان (ابلیسؑ) سے پوچھا جا رہا ہے کہ آخر کونسا امر اِس بات سے مانع ہوا کہ تو آدمؑ کو سجدہ کرے؟ یعنی تعمیلِ حکم سے کونسی چیز نے روکا، جس کی وجہ سے تُو نے سجدہ نہ کیا؟ .... (مجمع البیان)

کس چیز نے منع کیا تجھے کہ نہ سجدہ کیا تُو نے؟ .... (شاہ رفیع الدین)

چہ چیز منع کرد ترا ازآنکہ سجدہ کُنی؟ .... (شاہ ولی اللہ)

تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔؟ .... (مولوی فرمان علی)

جن مفسرین نے یہ سمجھا کہ آیت میں "لا" زائد ہے، وہ غلط سمجھا۔.. (بلاغی)

اصل میں ابلیسؑ کو اپنی ذہانت پر بہت ناز تھا۔ مگر اُس کا استدلال بہت بودا اور کمزور تھا۔ اوّل تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ مٹّی سے افضل ہے۔ دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔ پھر یہ کہ خدا کی خلافت کا کام اصل میں امانتداری ہے، اور امانت مٹّی کو دی جاتی ہے آگ کو نہیں دی جاتی۔

محققین نے لکھا کہ ہر وہ شخص جو اپنی رائے، ذوق، فکر اور کشف کو شریعت کے مقابلے میں ترجیح دیتا ہے، وہ شیطان کا چیلہ ہے۔ .... (تھانوی)

نتیجہ:۔ فقہاء نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ: "گناہ میں انسان کی ذلّت اور بازپُرس ہے۔

*........ (قرطبی)

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ (۱۳) فرمایا: اب تو یہاں سے نیچے اُتر جا کیونکر اس جگہ
اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ رہ کر تجھے زیبا نہ تھا کہ تو تکبّر کرتا۔ بس تو نکل۔
مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ۱۳ یقیناً تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (۱۴) اُس نے کہا: مجھے اُس دن تک کی مہلت دیدے
کہ جب سب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ ۱۵ (۱۵) فرمایا: (دفع ہو) تجھے مہلت دی گئی۔

تکبّر ؟

"حضور اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص تواضع کرتا ہے، خدا اُس کو بلند کرتا ہے، اور جو شخص تکبّر کرتا ہے، خدا اُس کو پست کرتا ہے۔" (تفسیر صافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "تکبّر الحاد کا پہلا زینہ ہے۔" ۔ ۔ (تفسیر انوار النجف ص۱۴۱)

آپؑ نے فرمایا: "ہر قوم کے بدترین انسانوں میں تکبّر ہوا کرتا ہے۔ کبر اللہ کی ردا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے وہ اللہ کی ردا میں ہاتھ ڈالتا ہے، اور خدا اُس کو ذلیل کرتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ: خدا اُس کو اوندھے منھ جہنّم میں ڈالے گا۔

آپؑ نے فرمایا: "جہنّم میں ایک وادی کا نام "سقر" ہے جو صرف متکبّرین کے لیے ہے۔ (تفسیر انوار النجف ص۱۴۱)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "جس کے دل میں ایک مثقال برابر بھی تکبّر ہوگا وہ ہرگز جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔"

نتیجہ: علماءِ اخلاق نے نتیجہ نکالا کہ: "تکبّر خدا سے دور کر دیتا ہے اور تواضع خدا سے قریب کرتی ہے۔" ۔ ۔ ۔ ۔ (تھانوی)

آیت ۱۵ :۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "ابلیس کو مہلت اُس دن تک کے لیے دی گئی، جس دن امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر عیاشی)

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ "دعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ دعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی۔" ۔ ۔ ۔ (تھانوی) ۔ ۔ ۔ (مقبولیت کا معیار ایمان اور عملِ صالح ہے)

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (۱۶) بولا: اچھا تو جس طرح تُو نے مجھے گمراہ قرار دیا، تو میں بھی اُن (کو گمراہ کرنے) کے لیے ضرور تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا۔

شیطان کا مقصد اور طریقۂ کار

شیطان (ابلیسؑ) نے اللہ سے کہا: "فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ" "پس جس طرح تُو نے مجھے مایوس کر دیا" "غَىٌّ" کے بہت سے معنی ہیں۔ ایک معنی "نا اُمید کرنا" یا "مایوس کرنا" بھی ہیں۔ جو یہاں زیادہ مناسب ہیں۔ - - - - - - (منتہی الادب و مصباح المنیر)

شیطان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو بہکانے کی پوری پوری کوششیں کروں گا اور میں اسلام کے راستے پر اس طرح ڈٹ کر بیٹھ جاؤں گا جیسے چور، ڈاکو راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ - - (تفسیر صافی ص ۱۶۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہاں" راستہ (صراط)" سے مراد "علیؑ" کی محبت اور معرفت بھی ہے۔" - - - - - - - - (تفسیر عیاشی)

یعنی شیطان لوگوں کو حضرت علیؑ کی محبت، معرفت اور سیرت پر عمل کرنے سے پوری پوری طرح روکے گا اور اُن کی سرپرستی کو کسی قیمت پر قبول نہ کرنے دے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اے زرارہ! اب ابلیس کو صرف تمہاری اور تمہارے دوستوں کی فکر ہے۔ رہے دوسرے لوگ (غیر مسلم یا دشمنانِ علیؑ) تو اُن سے تو وہ پہلے ہی فارغ ہو چکا ہے۔" - - - (الکافی)

گمراہی کی نسبت خدا کی طرف دینا ابلیسؑ کا عقیدہ ہے

آلِ محمدؐ کے ائمہؑ کے نزدیک خدا کی طرف گمراہی کی نسبت نہیں دی جا سکتی۔ یہ شیطانی عقیدہ ہے۔

شیطان (ابلیسؑ) کا یہ کہنا کہ "فبما اغویتنی" (یعنی) تُو نے مجھے گمراہ قرار دیا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی (ابلیسی) عقیدے کے مطابق گمراہی کی نسبت خدا کی طرف دینا جائز ہے۔ کیونکہ:

(۱) "بہ سبب آنکہ مرا گمراہ کردی" (یعنی) کیونکہ تُو نے مجھے گمراہ کیا۔ (شاہ ولی اللہ) ان کے صاحبزادے نے

ترجمہ کیا۔

(۲) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "قسم ہے اُس کی کہ تُو نے گمراہ کیا مجھ کو" ۔ ۔ ۔ ۔ (شاہ رفیع الدین)

انھوں نے "ب" کو قسمیہ سمجھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (بحوالہ تفسیر جلالین)

شیطان اپنی معصیت کی ذمّہ داری خدا پر ڈالتا ہے۔ اُس کا خدا پر یہ الزام ہے کہ اُس نے مجھے آدمؑ کے سامنے جھکا کر میری عظمت پر ٹھیس لگادی اور مجھے اپنی معصیت پر مجبور کر دیا۔ گویا ابلیسؔ کی خواہش یہ تھی کہ اُس کے نفس کی چوری پکڑی نہ جاتی۔ اُس کے تکبّر پر پردہ ہی پڑا رہتا۔ کیونکہ یہ ایک انتہائی احمقانہ بات تھی، اِسی لیے خدا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس اُس کو اپنی بارگاہ سے نکلنے کا حکم دے دیا۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

نتیجہ :۔ محققین نے نتیجے نکالے :۔

(۱) تکبّر اللہ کی بارگاہ سے نکالے جانے کا سبب بنتا ہے۔

(۲) خدا کے عدل کا انکار شیطان (ابلیسؔ) کا عقیدہ ہے۔

(۳) شر کی نسبت خدا کی طرف دینا شیطانی (ابلیسی) عمل ہے۔

(۴) خدا کے مقرر کیے ہوئے خلیفہ کو نہ ماننا شیطان (ابلیسؔ) کا اصل قصور ہے۔

(۵) اپنی رائے اور قیاس پر سب سے پہلے ابلیسؔ نے عمل کیا۔ (بقول امام جعفر صادقؑ)

(۶) خدا کا حکم نہ ماننا اور اپنی ضد پر اڑے رہنا ابلیسی عمل ہے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں: "اِنَّ مَذْهَبَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ اِذَا وَرَدَ عَلٰى خِلَافِ الْقِيَاسِ لَمْ يُقْبَلْ"

یعنی: ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب اکیلی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو وہ قبول نہ کی جائے گی۔ بلکہ قیاس پر عمل کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ چھاپ مصر)

اور دوسری جگہ ابن عباسؓ روایت نقل کرتے ہیں: "ابلیس کے لیے فرمانبرداری قیاس سے بہتر تھی۔ لیکن اُس نے نافرمانی کر کے قیاس کر لیا اور پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہی ہے۔ پس جو شخص بھی اپنی رائے سے دین میں قیاس کرے گا خدا اُس کو ابلیس کے ساتھ مقرون کرے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵ چھاپ مصر)

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ ۱۷

پھر میں اُن (اولادِ آدمؑ) کی طرف اُن کے سامنے سے، اور اُن کے پیچھے سے، اور اُن کے دائیں اور اُن کے بائیں جانب سے آؤں گا۔ اور تو اُن میں زیادہ تر لوگوں کو شکرگزار (عبادت گزار) نہ پائے گا۔

شیطان ہر چہار جانب سے گمراہ کرے گا

شیطان کا یہ کہنا کہ "میں سامنے سے آؤں گا اور دائیں اور بائیں طرف سے آؤں گا"۔ اس پر حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نے نتیجہ نکالا کہ "اوپر کی سمت شیطان کی دسترس سے باہر اس لیے کہ خدا کی رحمت کا راستہ اُس کے بندوں پر کھلا رہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر مجمع البیان)

شیطان کے "آگے سے آنے" سے مراد یہ ہے کہ شیطان لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں۔ نہ حساب نہ کتاب، اور نہ جنت و جہنم کوئی چیز ہے۔ بقول شاعر:۔

ے ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ☆ دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

شیطان کے "پیچھے سے آنے" سے مراد یہ ہے کہ شیطان خیر خیرات سے روکتا ہے۔ شیطان کے "دائیں طرف سے آنے" سے مراد یہ ہے کہ وہ دین کی حقیقتوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے، اور "بائیں طرف سے آنے" سے مراد یہ ہے کہ ہماری خواہشوں میں بے راہ روی پیدا کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر علی بن ابراہیم)

یہی وہ چیلنج تھا جو ابلیسؑ نے خدا کو دیا تھا۔ اُس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مہلت جو آپ نے مجھے دی ہے اِسی میں یہ ثابت کردوں گا کہ آدمؑ کی اولاد اُس فضیلت کی مستحق نہیں ہے جو آپ نے اُس کو میرے مقابلے پر عطا کی ہے۔ میں آپ کو دکھا دوں گا کہ آدمؑ کی اولاد کیسی ناشکری، نمک حرام اور احسان فراموش ہے۔ ( )

ابلیسؑ یہ اعلان کررہا ہے کہ میں لوگوں کو نیکیوں سے روکوں گا اور بدی پر اُبھاروں گا۔ حکماءِ اسلام نے پہلے فقرے سے مراد "قوّتِ شہوی" لی ہے، اور دوسرے سے "قوّتِ غضبی"۔ ۔ ۔ (تفسیر کبیر)

ابلیس نے نہایت مستعدی اور ٹھیک ٹھاک انداز سے لوگوں کو جہنم کیلئے کثیر تعداد میں تربیت دیکر تیار کرلیا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۱۸) لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ۱۸

فرمایا، تُو یہاں نکل جا ذلیل قابلِ نفرت اور ٹھکرایا ہوا مردود ہو کر۔ اور خوب سمجھ لے کہ اُن میں سے جو لوگ بھی تیری پیروی کریں گے، تو میں تم سب کے سب سے جہنّم کو بھر دوں گا۔

ابلیسؑ کے مطالبات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا کہ " جب اللہ نے ابلیس کو نکل جانے کا حکم دیا تو ابلیس نے عرض کی: " خداوندا! تُو عادل ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کیا میرے نیک اعمال کا ثواب بھی تُو باطل کر دے گا؟ " فرمایا: نہیں۔ تُو امرِ دنیا سے جو چاہے بدلہ مانگ لے میں تجھے دیدوں گا۔"

پس پہلی چیز جو اُس نے مانگی وہ قیامت تک کی زندگی تھی۔ خدا نے اُسے ظہورِ امام مہدیؑ تک کی زندگی عطا فرمائی پھر اُس نے کہا، مجھے اولادِ آدمؑ پر تسلط عطا فرما۔ فرمایا: " میں نے مسلّط کر دیا " پھر اُس نے کہا: " رگوں میں جس طرح خون چلتا ہے میں بھی اُسی طرح اُن میں سرایت کر سکوں "۔ فرمایا: " یہ بھی منظور ہے "۔ پھر بولا جب اُن کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو، میرے ہاں دو پیدا ہوں۔ میں اُنھیں دیکھ سکوں، مگر وہ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ اور مجھے یہ بھی اختیار ہو کہ میں جس شکل میں چاہوں اُن کے سامنے آسکوں۔" خدا نے فرمایا: " میں نے یہ سب کچھ عطا کیا " پھر اُس نے کہا: " مالک! کچھ اور بھی دے۔" فرمایا: " میں نے تیرا اور تیری اولاد کا اُن کے سینوں میں ٹھکانہ قرار دیا۔" اُس وقت اُس نے کہا بس اب کافی ہے۔

اس کے مقابلے میں خدا نے اولادِ آدمؑ کو یہ حق دیدیا کہ "جب تک وہ موت کی شکل نہ دیکھ لیں، اگر اپنی غلطیوں اور گناہوں پر سچے دل سے شرمندہ ہو کر معافی مانگ لیں تو اُن کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔" (الحدیث)

خدا نے خود فرمایا: " اے وہ لوگو! جنھوں نے اپنے اوپر (گناہ کر کر کے) ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، خدا تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ (کیونکہ) خدا بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔" (القرآن)

نیز یہ کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے ایسے امام مقرر فرمائے جو ہماری ہدایت خدا کے حکم کے عین مطابق کرتے ہیں (القرآن)

قرآن کے اعتبار سے شیطان کا درجہ خدا کا ہمسر یا مدِّمقابل، حریف یا رقیبِ روسیاہ کا نہیں۔ نہ وہ کوئی چھوٹا موٹا دیوتا ہے۔ وہ خدا کی مخلوق ہے اور وہ بھی تمام تر ذلیل و حقیر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ماجدی)

خدا سے گفتگو کر لینا بھی کوئی مقبولیت کی دلیل نہیں۔ ـــــــ (تھانوی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ "گناہ کا خیال حضرت آدم علیہ السلام میں طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا، بلکہ شیطان نے باہر سے یہ خیال اُن کے دل میں ڈالا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اُس نے حضرت آدم علیہ السلام سے بغیر ملے ہی یہ خیال اُن کے دل میں ڈالا ہو۔" ـــــــ (تفسیر کبیر)

حضرت آدم ع کی خطا کی ذمّے داری "بائیبل" کے مطابق حضرت حوّا ع پر عائد ہوتی ہے۔ بائیبل میں ہے کہ:

" اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے اور دیکھنے میں خوشنما ہے، اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اُس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا۔" ـــــ (پیدائش ۳ : ۶)

مگر قرآن اِس کو نہیں مانتا۔ وہ حضرت آدم ع کو ذمّے دار قرار دیتا ہے۔ اِس لیے واقعے سے عورت کی تحقیر ثابت نہیں نہیں ہوتی۔ قرآن میں فرمایا: " وَعَصٰىٓ اٰدَمُ " (آدم ع نے حکم نہ مانا)۔

نیز یہ کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا کہ: " حضرت آدم علیہ السلام نے دھوکے میں آکر درخت کو چھوا۔ کیونکہ شیطان نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ اِس میں آپ کا فائدہ ہے۔ حضرت آدم ع یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ کوئی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ دوسرے (۲) یہ کہ وہ درخت بعینہٖ وہی درخت نہ تھا جس کی طرف خدا نے اشارہ کر کے حضرت آدم ع و حوّا ع کو روکا تھا۔ یہ درخت اُسی جیسا دوسرا درخت تھا۔ تیسرے (۳) یہ کہ جب حضرت حوّا ع نے، پہلے اُس درخت کا پھل کھایا تو اُن پر اُس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جس سے حضرت آدم ع اور بھی دھوکا کھا گئے اور سمجھے کہ اِس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ چوتھے (۴) یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ ترکِ اولیٰ نبوّت عطا کیے جانے سے پہلے کا تھا۔ نبوت اِس واقعے کے بعد عطا ہوئی۔ ـــــــ (از نور الثقلین)

خدا نے حضرت آدم و حوّا ع دونوں کو فرمایا: " لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ " (نہیں قریب جاؤ دونوں اِس شجر کے)

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۹

(۱۹) اور اے آدم! تم اور تمھاری بیوی دونوں اسی جنّت میں رہو۔ اور تم دونوں کا جہاں سے دل چاہے کھاؤ۔ مگر ہاں، اِس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ ۲۰

(۲۰) پس شیطان نے اُن دونوں (کے دلوں) میں وسوسہ ڈالا، تاکہ اُن کے سامنے اُن کے جسم کے پوشیدہ حصّوں کو اُن کے سامنے ظاہر کردے جو خود اُن سے (ابتک) پوشیدہ تھے۔ اُس نے (اُن سے) کہا: تمہارے پالنے والے مالک نے اِس درخت سے صرف اِس وجہ سے روکا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ ہمیشہ (زندہ) رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

حضرتِ آدمؑ و حوّاؑ کا جنّتی لباس

آیت ۲۰ :۔ اِس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور جناب حوّاؑ شروع ہی سے برہنہ تھے مگر اُنھیں اِس کا احساس نہ تھا۔ جیسا کہ "بائیبل" میں لکھا ہے۔ مگر قرآن کے اعتبار سے اُن دونوں کے جسم پر لباسِ جنّت موجود تھا۔ درخت کا پھل کھانے کے بعد وہ لباس جسم سے اُتر گیا، تب وہ برہنہ ہو گئے۔ اور جلدی جلدی پتّوں سے اپنا اپنا جسم چھپانے لگے۔ گویا جسم چھپا ہوا تھا مگر کھانے کے بعد اُنھوں نے دیکھا کہ وہ برہنہ ہو گئے ہیں۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ شیطان نے یہ چاہا کہ اُن کے لباس کو اُتروا دے۔ اصل میں شیطان کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ آدمؑ و حوّاؑ کو جنّت سے نکلوا دے۔

(فصل الخطاب)

نتیجہ :۔ بعض مفسّرین نے نتیجہ نکالا کہ "شیطان جانتا تھا کہ اِس درخت کے پاس جانے سے آدمؑ و حوّاؑ برہنہ ہو جائیں گے۔ اور جو برہنہ ہو جائے وہ جنّت میں نہیں رہ سکتا۔

(مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: اور خدا نے آدمؑ و حوّاؑ کو جو لباسِ جنّت پہنایا تھا وہ فوراً اُن سے علیحدہ ہو گیا اور گر گیا۔ (صافی، برہان)

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۙ (۲۱)

پھر اُن دونوں کے سامنے قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں ہی کی بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۲۲)

(اِس طرح) اُن دونوں کو اُس نے دھوکے میں ڈال دیا۔ توجب اُن دونوں نے اُس درخت میں سے چکھا، (فوراً ہی) اُن کے جسم کے چھپے ہوئے حصّے ظاہر ہوگئے۔ اور وہ اپنے اوپر جنّت کے پتّوں کو جوڑ جوڑ کر پردہ کرنے لگے۔ تب اُن کے پالنے والے مالک نے انھیں پکارا (اور کہا) کیا میں نے تم دونوں کو اُس درخت سے روکا نہ تھا (کہ اُس کے قریب بھی نہ جانا) اور یہ نہیں بتایا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کا کُھلّم کُھلّا دشمن ہے؟ (اِس لیے اِس سے ہوشیار رہنا۔)

آیت ۲۲ :۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ: "کانت سوأتهما لا تبدو لهما فبدت" یعنی: اُن کی عورتین (پوشیدہ جسمانی حصّے)، اُن پر ظاہر نہ تھے، اب ظاہر ہو گئے۔"

گویا حاجاتِ ضروریہ کا احساس ہوا اور قوائے شہوانیہ میں گرمی پیدا ہوئی، بلکہ غذا کے اندر جانے سے بدنی مشینری چالو ہوگئی تو بدن کے جو حصّے معرضِ توجہ نہ تھے، اب وہ مرکزِ التفات بن گئے، فطرتِ انسانیہ کے ماتحت شرم و حیا لازم تھی پس مقاماتِ شرم و حیا کو ڈھانپنے کے لیے جنّت کے کیلے یا انجیر کے پتّے استعمال کیے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۶، ۲۱،۲۲)

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا ہے کہ "(۱) شرم و حیا و حجاب انسانی فطرت ہے اور عریانی و بے حیائی ابلیسیت ہے (۲)۔ اور یہ کہ اپنے خاص جنسی اعضاء کا سب کو دکھانا قبیح عمل ہے۔" ۔۔۔۔۔۔ (تفسیر کبیر، قرطبی)

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٣ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۲۳

(۲۳) دونوں (آدمؑ وحواؑ) نے عرض کی: اے ہمارے پالنے والے مالک! ہم دونوں نے تو خود اپنے ہی اوپر ظلم کیا، اب اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم دونوں پر رحم نہ کیا، تو یقیناً ہم سخت نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت آدمؑ اور ابلیس ؑ کے قصے کے نتائج

محققین نے ان آیتوں سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں

(۱) انسان کے اندر شرم وحیا کا جذبہ فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ اِسی لیے جسم کے مخصوص حصّوں کو دوسروں کے سامنے کھولنے پر انسان کو فطرتاً شرم محسوس ہوتی ہے۔ یہ شرم وحیا مصنوعی طور پر ارتقا کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتی۔

(۲) شیطان نے انسان کے کمزور ترین پہلو یعنی جنسی پہلو پر حملہ کرتا ہے۔ پہلی ضرب اُس نے جنسی پہلو کے محافظ شرم وحیا پر لگائی جو اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھی تھی۔ آج بھی ہر شیطانی کام جسے جدید لوگ ترقّی کہتے ہیں شروع نہیں ہوتا جب تک عورت کو بے پردہ کر کے منظرِ عام پر لا کر کھڑا نہ کر دیا جائے۔ (لیکن عورت آج تک مرد کے اِس فلسفے کو نہ سمجھ سکی کہ مرد اُس کو برہنہ حالت میں پیش کر کے اپنی ہوس کی آگ بجھا رہا ہے) اشتہارات بھی عورت سے خالی نہیں ہیں۔

(۳) انسان بُرائی کی کھُلی دعوت کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ اِس لیے انسان کو جال میں پھانسنے کے لیے ہر داعیِ شر کو خیر خواہ کے بھیس میں آنا پڑتا ہے۔

(۴) انسان میں جاودانیٔ زندگی اور ترقّی کرنے کا لازوال جذبہ موجود ہے۔ شیطان نے انسان کے اِسی جذبے سے کام لیکر اُس کو یہ سمجھایا کہ اِس درخت کے پاس جانے سے تم ہمیشہ کے لیے اِسی جنت میں رہنے کے مستحق بن جاؤ گے۔

(۵) خدا کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا پردہ کھُل جاتا ہے۔ اِسی لیے حضرت آدمؑ وحواؑ نے جب شجرِ ممنوعہ کے پھل کو چکھا تو اُن کے جنتی لباس برطرف ہو گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھا۔

(۶) جب انسان خدا کی اطاعت سے قدم باہر نکالتا ہے تو خدا اُس کو اُس کے نفس کے حوالے کر دیا کرتا ہے۔ اِسی لیے جب تک حضرت آدمؑ وحواؑ نے خدا کا کہنا مانا اُن کا لباس قائم رہا، جب اطاعت سے قدم باہر نکالا تو خدا نے اپنی حفاظت کا

لباس اُتار لیا اور اُن کو خود اپنی حفاظت کا ذمّے دار بنا دیا۔ اِسی لیے حضورِ اکرمؐ یہ دُعا، فرماتے تھے:

"خدایا! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں، بس مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر۔" (الحدیث)

(۷) اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمؑ اور ابلیسؔ کے معرکے میں انسان اپنے رب کی پوری طرح اطاعت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور انسان کی یہ کمزوری ثابت ہوگئی کہ وہ شیطان کے فریب میں آکر راہِ حق سے ہٹ سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انسان افضلِ مخلوق ہے۔ وہ اِس طرح کہ اوّل (الف) شیطان نے اپنی بڑائی کا خود دعویٰ کیا، جبکہ انسان نے اپنی بزرگی کا خود دعویٰ نہیں کیا، بلکہ خدا نے اُس کو بڑائی عطا فرمائی اور خدا ہی نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

(ب) شیطان نے اپنے غرور اور تکبّر کی وجہ سے جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی کی، جبکہ انسان نے شیطان کے فریب میں آکر خداوندِ عالم کی نافرمانی کا بدنما نشان اپنی پیشانی پر قیامت تک کے لیے لگا لیا۔

(ج) انسان نے شر کی کُھلی دعوت کو قبول نہیں کیا، بلکہ شیطان کو مجبوراً داعیِ خیر اور ناصح بن کر سامنے آنا پڑا۔ انسان کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اُسے پستی کی طرف نہیں، بلکہ بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے، اِس لیے اُس کی بات مان لی۔

(د) اور چوتھی فضیلت انسان کو یہ حاصل ہوئی کہ جب انسان نے اپنی غلطی کو محسوس کیا تو فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا۔ توبہ کی، معافی مانگی، اصلاح کی کوشش کی اور بغاوت سے اطاعت کی طرف پلٹ آیا۔ اور خدا کے دامنِ رحمت کو ڈھونڈنے لگا، جبکہ شیطان نے اپنی غلطی خدا کے ذمّے تھوپ دی، اور خدا کے سامنے تکبّر کیا، اپنے گناہ پر اصرار کیا دوسروں کو بہکانے کے لیے مہلت مانگی، یعنی کُھلم کُھلا بغاوت پر اُتر آیا۔

سارے قصّے کا اصل پیغام یہ ہے:۔

(۱) انسان شیطان کی چالوں کو سمجھنے اور اُن سے بچنے کے لیے ہر وقت چوکنا رہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کبھی اطاعتِ خدا سے ہٹ جائے تو فوراً اپنی غلطی پر شرمندہ ہو اور اپنے رب سے معافی مانگے اور آئندہ اطاعت کی راہ پر چلتے رہنے کا عہد کرے ———— (اور)

(۳) کسی قیمت پر بھی خدائی ہدایت سے بے نیاز نہ ہو کر شیطانوں کو اپنا دوست یا سرپرست نہ بنائے۔

(۴) اپنی غلطی پر کبھی اصرار نہ کرے۔

(۵) تکبّر کی اُس راہ پر چلنے کی کوشش نہ کرے جس پر شیطان چلا اور راندۂ درگاہِ الٰہی ہوگیا بلکہ عجز و انکساری اور بندگی و فرمانبرداری کی وہ راہ اختیار کرے جو حضرت آدمؑ و حوّاؑ نے اختیار کی تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ خدا نے ایک حکم آدمؑ کو دیا اور دوسرا حکم ابلیسؑ کو۔ آدمؑ کو درخت کے قریب نہ جانے کا حکم دیا، اور ابلیسؑ کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں نے حکم پورا نہ کیا۔ آدمؑ درخت کے قریب گئے اور ابلیسؑ نے سجدہ نہ کیا۔ اِس کے باوجود آدمؑ کی فضیلتیں مسلّم رہیں اور ابلیسؑ ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا۔ فرق صرف یہ ہے کہ: (تفہیم)

(۱) حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنی خطا کا اعتراف کیا، اور ابلیسؑ نے اپنی غلطی خدا کے ذمّے ڈالی۔

(۲) حضرت آدم علیہ السّلام کا رویّہ عاجزانہ تھا، جبکہ ابلیسؑ کا رویّہ باغیانہ تھا۔

عاجزی کا اصل تقاضا یہی ہوتا ہے کہ انسان اطاعت و فرمانبرداری سے نہ ہٹے، اور اگر ہٹ جائے تو شرمندگی اور توبہ کی اختیار کرنے میں دیر نہ کرے، جتنی جلدی ہوسکے بہتر ہے۔ کیونکہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "الاستغفار ھی الندم" (شرمندہ ہونا ہی خدا سے معافی طلب کرنا ہے) (الحدیث)

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تین مقامات پر جلدی کرنے کو فرمایا ہے:

(۱) "عجّلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت": "نماز (کا وقت) فوت ہونے سے پہلے جلدی سے پڑھ لو
یعنی جب نماز کا وقت داخل ہوگیا تو اب لاپرواہی نہ کرو، پہلی فرصت میں ادا کرو۔

(۲) "عجّلوا بالتوبۃ قبل الموت": مرنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔

(۳) "عجّلوا بالصدقۃ قبل البلاء": مصیبت نازل ہونے سے پہلے صدقہ دینے میں جلدی کرو۔ (الحدیث)

گناہ کا دھبہ صرف دو چیزوں سے صاف ہوسکتا ہے۔ (۱) جہنم کی آگ (۲) یا شرمندگی کا آنسو۔ (احیاء العلوم۔ غزالی)

ے "موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے ※ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے"

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۲۴

(۲۴) ارشاد ہوا، اُتر جاؤ - اب تم (دونوں ۔ اولادِ آدمؑ اور شیطان) ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، اور اب تمھیں ایک خاص مدت تک زمین پر ہی ٹھیرنا ہوگا، اور (وہیں تمھارے لیے) سامانِ زندگی موجود ہوگا۔

حضرتِ آدمؑ و حوّاؑ جنّت میں چھ گھنٹے رہے

تفسیر بُرہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ: "بروزِ جمعہ زوالِ شمس کے وقت حضرت آدمؑ کے پُتلے میں روح پھونکی گئی (نفخِ روح ہوئی) پھر فرشتوں نے اُن کے سامنے سجدہ کیا۔ اور جنّت میں سکونت ملی۔ اور کلیہ چھ گھنٹے وہاں رہ کر شام کو باہر نکال دیئے" * (تفسیر انوار النجف ج ۶ صـ ۲۲)

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ کو جنّت سے اُترنے کا حکم سزا کے طور پر دیا گیا۔ کیونکہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ کی توبہ تو خدا نے قبول کرلی تھی جس کا ذکر قرآن میں کئی جگہ موجود ہے۔ اصل میں حضرت آدمؑ کو تو زمین پر بھیجنے ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا، اِس لیے خدا کے منشا کو پورا کرنے کے لیے حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیجا گیا..... (تفہیم)

حضرتِ آدمؑ کا زمین پر وارد ہونا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ: "لٹورا ایک بڑے سر والا پرندہ ہے جو چڑیوں کو شکار کرتا ہے اُس کے مارنے کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے کہ اُس نے مہینے بھر تک حضرت آدم علیہ السّلام کی رہبری کی، اور جزیرۂ "سراندیپ" سے آپ کو جدّہ لے گیا تھا۔" (از تہذیب الاسلام (ترجمہ مولانا ظفر حسن صاحب ص ۱۹۴)

نیز امامؑ سے یہ بھی منقول ہے کہ: حضرت آدم علیہ السّلام جب جنّت سے باہر تشریف لائے تو جبرائیلؑ نے پوچھا: اے آدمؑ! خدا نے تم کو اپنے یدِ قدرت سے خلق فرمایا اور تمھارے جسدِ خاکی میں روح پھونکی، پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا، پھر تمھیں حوّاؑ جیسی زوجہ عطا کی، اور جنّت میں سکونت بخشی، پھر صرف ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا، لیکن تم نہ رُک سکے؟

حضرت آدم علیہ السّلام نے جواب دیا: اے جبرئیلؑ! ابلیس (ملعون) نے اللہ کی قسم کھا کر مجھے بتایا کہ

میں تمھارا خیر خواہ ہوں، مجھے تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ مخلوق میں سے کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھایا کرتا ہے۔ (برہان)

وسوسہ کیا ہے اور اس کا محرک کون ہے ؟

احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے :

(۱) " دل مثل ایسے گنبد کے ہے کہ متعدد دروازوں سے اس میں حالات کا ورود ہوتا ہو۔ (۲) یا مثل ایسے نشانے کے ہے جس پر ہر جانب سے تیر برس رہے ہوں، (۳) یا مثل ایسے شیشے کے ہے جس پر یکے بعد دیگرے مختلف صورتوں کے نقش اُبھرتے ہوں، (۴) یا مثل ایسے حوض کے ہے کہ ہر جانب سے نالیوں کے ذریعے سے اُس میں پانی جمع ہوتا ہو"

پس دل میں حالاتِ مختلفہ کا ورود یا تو ظاہری راستوں سے ہوگا جو حواسِ خمسہ کہلاتے ہیں، اور یا باطنی راستوں سے ہوگا جیسے قوّتِ خیالیہ، قوّتِ شہویہ، قوّتِ غضبیہ وغیرہ۔ پس دل پر انہی متعینہ راستوں کے ذریعے سے یکے بعد دیگرے جو بھی خیالات وارد ہوتے ہیں، اُن کا دل پر اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے دل کے تاثرات بدلتے رہتے ہیں، اور دل آثارِ مختلفہ کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ اِن میں بعض دیرپا ہوتے ہیں اور بعض فوری ہوتے ہیں جو اِدھر سے آئے اور اُدھر سے گئے۔ پس یہی خیالات انسان کی عملی قوتوں کی تحریک کرتے ہیں اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو بُرائی کی تحریک کرتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اُخروی خسارہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے وہ جو اچھائی کی طرف اقدام کے محرک ہوتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اُخروی فائدہ ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے خیال کا نام "وسوسہ" ہے، اور دوسری قسم کے خیال کا نام "الہام" ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اِن خیالات کو کون لاتا ہے ؟ یقیناً انسان تو خود لاتا نہیں ہے، کیونکہ دل پر وارد ہونے والے خیالات کو خود انسان دفع کرنے کی ہزار بار سعی کرے، تب بھی ناکام رہے گا، پتہ چلا کہ انسان اپنے لاتے ہوئے خیالات کو دفع کرنے پر قادر نہیں تو لانے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ ظاہر کہ اب اِن خیالات کا محرک انسان کے علاوہ یا تو خدا ہے یا شیطان۔ اگر خیالات اچھے ہیں تو خدا ان کا محرک ہے کیونکہ شیطان سے اچھائی کی توقع ممکن نہیں، اور اگر خیالات بُرے پیدا ہوئے ہیں تو وہ خدا کی جانب سے نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا بُرائی کی دعوت نہیں دیتا، پس ماننا پڑے گا کہ بُرے خیالات شیطان کی طرف سے ہیں جس کو وسوسہ کہا جائے گا اور اچھائی کا الہام خدا کی طرف سے ماننا پڑے گا۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝٢٥

(۲۵) نیز فرمایا: اب اِسی (زمین) میں تم زندہ رہوگے اور اِسی میں مروگے، اور پھر اِسی سے (دوبارہ) نکالے بھی جاؤگے

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

(۱۱۶) اور یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ تو اُن سب کے سب نے سجدہ کر لیا، سوا ابلیس کے کہ اُس نے (سجدہ کرنے سے) اِنکار کر دیا۔

فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴿۱۱۷﴾

(۱۱۷) اِس پر ہم نے آدمؑ کو بتا دیا کہ "اے آدمؑ! یہ تمہارا اور تمہاری زوجہ کا حقیقی دشمن ہے۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے اور تم مشقّتؔ کی مصیبت میں پڑ جاؤ۔"

ؔ یعنی دنیا میں اپنی بنیادی ضرورتیں بھی خود ہی پوری کرنی ہوں گی۔ چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہائے بغیر روٹی (کپڑا وغیرہ) کچھ نہ ملے گا۔ یہی وہ مشقّت ہے جو انسان کو دنیا میں اُٹھانی پڑتی ہے (تفہیم)

* یعنی دنیا میں جاکر محنت مشقّت کرنی پڑے گی، جبکہ یہاں خدا کی عطاؤں سے ہر نعمت مفت مل رہی ہے ...... (ماجدی)

نتیجہ | فقہاء اور محققین نے نتیجہ نکالا کہ: "خدا نے حضرت آدمؑ سے تو کہا کہ تم مشقّت میں پڑ جاؤ گے مگر حضرت حواؑ سے یہ نہ فرمایا، جبکہ کھانے میں پہل حضرت حواؑ نے کی تھی۔" اِس سے ثابت ہوا کہ تحصیل معاش کی مشقّت مردوں کو اُٹھانی پڑے گی۔ اسی لیے فقہِ اسلامی میں زوجہ کی کفالت مرد کے ذمّہ ہوتی ہے۔

*...... (تفسیر تبیان)

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ (۱۱۸) بیشک یہاں تو تمھیں آرام ہی آرام

لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ ہے، اور نہ یہاں تم بھوکے ہو اور نہ ننگے

رہتے ہو۔

وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ (۱۱۹) اور یقیناً نہ یہاں تمھیں پیاس ہی

لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ ستاتی ہے اور دھوپ کی پریشانی،

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ (۱۲۰) لیکن شیطان نے آدمؑ کو بہکا ہی

قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ دیا (یا دل میں وسوسے ڈالے) اور کہا:

عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ "اے آدمؑ! کیا میں تمھیں ہمیشہ کی زندگی

مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ حاصل ہونے والا درخت بتا دوں؟ جس سے

ایسی لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے جو کبھی کمزور یا پرانی نہیں ہو سکتی"۔

"وسوسہ": "آہستہ آہستہ بولنے کو وسوسہ کہتے ہیں، پھر اس کے معنی غلط خیالات پیدا کرنے کے ہو گئے۔ (راغب)

★ اصل میں شیطان نے حضرت آدمؑ کے میلان کو سمجھ لیا کہ آدمؑ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ زندہ رہیں، اور بے زوال قدرت، حکومت اور اختیار مل جائے، اس لیے اس نے اُن کے دل میں یہی خیال ڈالا، جس طرح خدا نے حضرت آدمؑ سے کہا تھا کہ: اگر تم شیطان کو اپنے سے دور رکھو گے، تو ہمیشہ ہمیشہ اپنے رب کی نعمتوں سے لطف اُٹھاتے رہو گے"۔

ملخص (تفسیر نمونہ)

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

(۱۲۱) پس اُن دونوں نے اُس درخت کا پھل کھالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے چھپانے کے اعضاء اُن پر ظاہر ہوگئے (جنت کا لباس اُتر گیا) تو وہ دونوں اپنے آپ کو جنّت کے پتّوں سے ڈھانکنے لگے۔ غرض آدمؑ نے اپنے پالنے والے مالک کا کہنا نہ مانا اور (صحیح طریقۂ عمل سے) بھٹک گئے

غوٰی : یعنی: "بھٹک جانا۔" اِس لفظ سے معلوم ہوا کہ بس ایک فوری جذبے نے جو شیطان کے حرص دلانے پر اُبھرا، وہ اطاعت کے مقام سے ہٹ گئے۔ یہی وہ بھول اور عزم کی کمی ہے جس کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ اسی بھول اور فوری جذبے کی وجہ سے ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوجاتی ہے۔
★۔۔۔۔ (تفہیم)

★ ماہرینِ اخلاق اور فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ لباس سے جسم کو چھپانا طبعی اور فطری چیز ہے۔ جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہتی ہیں، اُن کی فطرت (اُن کی بے حسی کی وجہ سے) مسخ ہوچکی ہوتی ہے۔ ★ (ماجدی)

★ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ غیر مقصود چیزوں کی طلب سالک کے لیے مضر ہوتی ہے۔ ★ (تھانوی)

★ یہاں غوٰی (غی) کا لفظ "رُشد" کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ "رُشد" کے معنی ہیں ایسے راستے پر چلنا جو مقصدِ اصلی تک پہنچا دے۔ اور "غی" یا "غوٰی" بمعنی مقصد سے محروم رہ جانا۔
★۔۔ (امام راغب)

★ غوٰی، جو "غی" سے نکلا ہے۔ اِس کے دوسرے معنی جاہلانہ کام، جہل و نادانی۔ غفلت اور محرومی بھی ہیں۔ زندگی میں فساد پیدا ہونے کے معنی بھی لکھے گئے ہیں۔ ★۔۔۔ (تفسیر نمونہ)

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ پھر اُن کے پالنے والے مالک نے اُنھیں عزّت دے کر مقبول بنالیا، اور اُن کی توبہ قبول کرلی، اور اُن کو سیدھا و صحیح راستہ دکھا دیا۔

خدا نے حضرت آدمؑ کو چُن لیا

یعنی خدا نے حضرت آدمؑ کو گرنے کے بعد وہیں نہ چھوڑا، بلکہ اُٹھا کر اپنی خدمت کے لیے چن لیا۔ وہ سلوک آدمؑ کے ساتھ نہ فرمایا جو ہیکڑی دکھانے والے نوکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آدمؑ نے توبہ کی، شیطان خدا کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ اس لیے اس کے ساتھ دوسرا سلوک ہوا۔ آدمؑ نے بھول اور عزم کی کمی کی وجہ سے غلطی کی تھی، بغاوت کی وجہ سے نہیں کی تھی۔ اسی لیے ہوش میں آتے ہی شرمندہ ہوئے۔ اور اپنی غلطی کا احساس کرتے ہی عرض کی: "مالک! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور برباد (گھاٹے ہی گھاٹے میں) ہو جائیں گے۔"
★ .... (سورۃ الاعراف آیت ۲۳)

پھر یہ نہیں کہ خدا نے آدمؑ کو صرف معاف کیا، بلکہ ہدایت بھی فرمائی۔ .... ★ .... (تفہیم)

★ کیونکہ حضرت آدم علیہ السّلام سے یہ غلطی شیطان کے وسوسے کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لئے خدا نے آدمؑ کو ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے دور نہ کیا، توبہ کی توفیق دی اور توبہ قبول فرمائی، اور (درجۂ عصمت پر فائز کیا، اور پھر) اپنی خلافت کا عہدہ بھی عطا فرمایا۔ ★ ... (تفسیر نمونہ)

توبہ کی اہمیت

(جو شخص اپنے گناہوں سے صدقِ دل سے توبہ کرلے تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔) حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: "مجھے تعجب ہے اُس سے جو خدا کی رحمت سے نااُمید ہے۔ حالانکہ گناہوں کو مٹانے والی شئے اُس کے پاس ہی ہے۔" (الحدیث) پوچھا گیا: وہ کیا شئے ہے"؟
آپؑ نے فرمایا: "استغفار۔" خود کو توبہ و استغفار سے معطّر کرو تاکہ گناہوں کی بدبو تمھیں شرمندہ نہ کرے۔"
★ .... (روح المعنوۃ ص ۲۶۷)

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (۱۲۳)

اور فرمایا: "تم دونوں یہاں سے ایک ساتھ اُترو۔ تم سب ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب اگر میرے پاس سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے، تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، تو وہ نہ تو گمراہ ہوگا، نہ کوئی تکلیف اُٹھائے گا اور نہ محروم رہے گا۔

تخلیقِ حضرت آدمؑ کا مقصد خلافتِ خدا تھا اگرچہ حضرت آدمؑ کا ترکِ اولیٰ یا خطا معاف ہو چکی تھی، مگر طبعی اثرات اُس ممنوعہ غذا کے مرتّب ہونا ضروری تھے اور وہ اثرات جنت کے ماحول کے بالکل منافی تھے۔ اِس لیے آدمؑ کو زمین پر بھیجا گیا۔

دوسری وجہ زمین پر بھیجنے کی یہ تھی کہ حضرت آدمؑ کو خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا، کیونکہ خدا نے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ: "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔" اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ سزا کے طور پر زمین پر نہیں بھیجے گئے، بلکہ امتحان کے لیے بھیجے گئے، تاکہ اپنی کوششوں سے عظیم مراتب حاصل کریں۔ آیت کے الفاظ اسی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ (مؤلف)

* بہرحال حضرت آدمؑ نے ایسا کام کر دیا تھا کہ توبہ قبول ہونے کے بعد بھی پہلی جیسی حالت پر لوٹنا ممکن نہ رہا تھا۔ اِس لیے خدا نے جنت سے زمین پر اُتار کر کہا: اب تم اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، مگر راہِ نجات و سعادت تمھارے سامنے کھلی رہے گی، اگر تم میری ہدایتوں پر عمل کرو گے تو گمراہ نہ ہوگے۔ * ... (تفسیر نمونہ)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ (۱۲۴) اور جو میری یاد اور نصیحت سے
فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا منھ کو موڑ لے گا، تو اُس کے لیے تنگ،
وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اور بے اطمینان زندگی ہوگی، اور قیامت
اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ کے دن تو ہم اُسے اندھا اُٹھائیں گے۔

قیامت کے دن کون اندھا محشور ہوگا؟

اب دنیا میں انسان کا امتحان یہ ہوگا کہ اختیار رکھنے کے باوجود خدا کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں؟ اگر بھول جاتا ہے تو یاددہانی کا اثر قبول کرتا ہے یا نہیں؟ انسان کا آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ خدا کی اطاعت کا 'یا' نافرمانی کا؟'

اب جو لوگ اپنی اطاعت ثابت کردیں گے، انھیں پھر مستقل، دائمی اور لازوال سلطنت عطا کی جائے گی۔ اُن کے لیے جو بھول لاحق ہونے کے بعد بالآخر اطاعت کی طرف پلٹ آئے، جنت میں پھر مسلسل ترقی ہوگی، اگرچہ ہم وہاں کی ترقیوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ ★..... (تفہیم)

★ خدا کی یاد سے مراد خدا کے احکامات کو یاد رکھنا ہے اور اُن احکامات میں ولایت حضرت علیؑ بھی شامل ہے۔ ★.... (تفسیر صافی صفحہ ۳۲۴ بحوالہ کافی)

★ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جو مالدار حج نہ کرے تو وہ اُنہی لوگوں میں سے ہوگا جن کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ ہم اُن کو روزِ قیامت اندھا محشور کریں گے۔ الخبر (بروایت معاویہ بن عمار۔ از مجمع البیان) (بحوالہ تفسیر انوار النجف)

تنگ زندگی سے مراد:

★ دنیا میں تنگ زندگی کا مطلب فقر و فاقہ کی زندگی نہیں، بلکہ مال دار، اور کروڑپتی ہونے کے باوجود اُسے مال کمانے، جمع کرنے اور اُس میں مزید اضافہ کرنے کی حرص و ہوس کے باعث سکون میسر نہ ہوگا، ماحول اور خود اُس کا ضمیر تک اُس کی بدنیتیاں نوچتا رہے گا۔ (دِل کے عذاب میں مبتلا ہوگا) ★... (تفہیم)

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾

(۱۲۵) وہ کہے گا: "اے میرے پالنے والے مالک! تو نے مجھے محشر میں کیوں اندھا اٹھایا؟ حالانکہ (دنیا میں تو) میں آنکھوں والا تھا۔"

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾

(۱۲۶) ارشاد ہوگا: "ہاں! جس طرح تو نے ہماری باتوں، دلیلوں اور نشانیوں کو، جو تیرے پاس آئی تھیں، بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تو بھی بھلایا جا رہا ہے۔"

وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾

(۱۲۷) اور اس طرح ہم ہر حد سے گذرنے والے اور اپنے پالنے والے مالک کی باتوں، دلیلوں کو نہ ماننے والوں کو سزا دیں گے، اور یقیناً آخرت کی سزا بڑی ہی سخت اور پائیدار ہے۔

★ اسراف (اور فضول خرچی) سے مراد خدا کی دی ہوئی نعمتوں، مثلاً آنکھ، کان، دل، دماغ وغیرہ کو غلط راستوں پر ڈال دینا۔ "فضول خرچی" کے معنی: نعمتوں کو غلط طریقے سے برباد کرنا ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہگار دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک وہ جن کے دل میں خدا کا خوف بھی ہوتا ہے اور وہ عبادتوں کے ذریعہ خدا سے اپنا تعلق برقرار بھی رکھتے ہیں، گناہ کر کے خود کو قصوروار بھی مانتے ہیں، وہ بیحساب گناہ نہیں کرتے بار بار خدا کی طرف پلٹتے ہیں اور توبہ کرتے رہتے ہیں۔

(۲) دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جو بیحساب گناہ پر گناہ کیے چلے جاتے ہیں، بلکہ گناہ پر فخر بھی کرتے ہیں، گناہ کو معمولی کام سمجھتے ہیں۔ نہ توبہ کرتے ہیں، نہ گناہ کی تلافی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کرنے میں اسراف کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس آیت سے مراد ہیں، یہی لوگ بجائے توبہ کے گناہ پر فخر کرتے رہے ہیں۔ ★ ۔۔۔۔ (تفسیر نمونہ)

★ مطلب یہ ہے کہ حد سے گذرنے والوں اور اپنے رب کی دلیلوں اور نشانیوں کو نہ ماننے والوں کو ہم دنیا میں سزا دیں گے جو بے اطمینانی اور بے سکون زندگی کی شکل میں ہوگی، اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ ★ ۔۔۔۔ (ماجدی)

نتائج

خدا سے یا اُس کے احکامات سے غافل ہونے سے انسان کی دُنیوی زندگی بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ "ضَنْكًا" سخت تنگی کو کہتے ہیں۔ یہ معیشت کی تنگی کبھی تو فقر و فاقہ کی شکل میں ہوتی ہے اور کبھی مال و دولت ہونے کے باوجود بخل، اور لالچ اُس کی زندگی کو تنگ کر دیتے ہیں یعنی سکون غارت ہو جاتا ہے۔ بخیل آدمی کے لیے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا: "وہ اپنی زندگی فقیروں کی طرح بسر کرتا ہے جبکہ اُس سے حساب سرمایہ داروں جیسا لیا جائے گا۔"

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا اُن سب نے (آدمؑ کو) سجدہ کرلیا۔ مگر ابلیس نے کہا: "کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تُو نے مٹّی (جیسی حقیر چیز) سے بنایا ہے۔

سلسلۂ کلام سے تعلق یہ ہے کہ بنی اُمیّہ کے شجرِ ملعونہ کا ذکر کرنے اور اِس سے پہلے معراج کا ذکر کرنے کے بعد، اب اُن لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو معراج کے منکر ہیں، بنی اُمیّہ کے ساتھی ہیں، وہ اصل میں اُسی ابلیس کے پیروکار ہیں جس نے حضرتِ آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، وہ بھی اپنے تکبّر اور حق دشمنی کی وجہ سے۔ پھر اُسی کمبخت نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ: اے اللہ! اگر تو نے مجھے مہلت دے دی تو میں آدمؑ کی پوری نسل کی بیخ کُنی کر ڈالوں گا، بس تھوڑے سے لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔ اب یہ معراج کے منکرین اور بنی اُمیّہ اور اُن کے ساتھی، یہ سب شیطان کے چیلے اور لشکر ہیں۔ * ..... (تفسیر نمونہ)

سبق (۱) آیت میں اس طرف خاص اشارہ ہے کہ شیطان تکبّر کی وجہ سے تباہ ہوا۔ تکبّر کے سبب اُس نے آدمؑ کی عظمت سے انکار کیا اور نتیجتاً خدا کے حکم کو رد کر دیا۔

اب جو تکبّر کرے گا، خلیفۂ خدا کی عظمت کا انکار کرے گا، اور بالآخر خدا کے احکام کی نافرمانی کرے گا، پھر اُس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ابلیس کا ہوا، کہ وہ لعنتی ہو گیا۔ یہی بات آیت ۶۲ میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ * ..... (مؤلف)

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا (۶۲) پھر بولا: "بھلا دیکھ تو سہی! کیا
الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ یہ اس قابل تھا کہ تُو اِسے مجھ پر فضیلت
اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ دے؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن
لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا تک مہلت دے دے تو میں تو
قَلِيْلًا ○ ۶۲ اِس کی اولاد تک کو جڑ سے اُکھاڑ
پھینکوں۔ سوا تھوڑے سے لوگوں کے" (جو میرے قابو میں نہ آسکیں گے۔)

شیطان کا دعوٰی سچّا ثابت ہوا

ابلیس کا یہ کہنا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔" یعنی اُن کو حق کے راستے سے دور ہٹا کر اُن کی سلامتی کو تہس نہس کردوں گا۔ یعنی اُن کو اطاعتِ الٰہی کے راستے سے ہٹا کر بالکل تباہ و برباد کردوں گا۔ اور جس طرح میں نے آدمؑ کی خلافت کو نہ مانا، آدمؑ کی اولاد کو بھی انبیاءؑ و مرسلینؑ اور اُن کے اوصیاءؑ، جو خدا نائبین اور خلفاء ہیں، اُن سے ہٹا کر اُن کی سلامتی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکوں گا۔ ★.... (مؤلف)

★ شیطان ملعون کی بکواس کا مطلب یہ تھا کہ بس تھوڑے سے آدمیوں کو چھوڑ کر باقی سب پر قابو پالوں گا، جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کرلیا جاتا ہے۔ ابلیس کا استدلال یہ تھا کہ جب آدمؑ کی اولاد میرے سامنے اتنی کمزور ہے تو پھر تُو کیوں آدمؑ کو مجھ پر فضیلت دے رہا ہے۔ ★... (شیخ الاسلام عثمانی)

★ اصل میں انسان کے جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب کو دیکھ کر شیطان بھانپ گیا تھا کہ میں ایسی مخلوق کو گمراہ کرنے میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گا۔ ★..... (ماجدی)

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ (۶۳) اللہ نے فرمایا: "اچھا دفع ہو جا۔

مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ اُن میں سے جو بھی تیرے پیچھے پیچھے چلے گا تو

جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ ۶۳ پھر جہنّم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہو گی۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ (۶۴) اب تُو جس جس کو اپنی آواز[1] سے پھسلا

مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ سکتا ہے اُسے پھسلا لے، اور اُن پر اپنے

عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ سواروں اور پیادوں کو ہلّہ بول کر چڑھا

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ لا، اور اُن کے مال اور اولاد تک میں

الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ شریک ہو کر اپنا حصّہ بنا لے، اور اُن

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ۶۴ سے (خوب خوب) جھوٹے وعدے کر کے

سبز باغ دکھا۔ مگر شیطان کے وعدے سوائے دھوکے اور فریب کے

کچھ بھی تو نہیں ہوتے۔

شیطان کی آواز

[1] ہر وہ آواز جو گناہوں کی طرف بلاتی ہو، شیطان کی آواز ہوتی ہے۔ اِنہی آوازوں سے وہ ہمارے جنسی اور شہواتی جذبات بھڑکاتا ہے۔ باجا گاجا بھی اس میں شامل ہے۔

خدا کے ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ: "اے ابلیس! تیرے پاس جتنی طاقت ہے وہ سب کی سب استعمال کر ڈال"۔ خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب کے سب

شیطان کے سوار اور پیادے ہیں، خواہ وہ جن ہوں یا انسان۔

★ "اور شیطان کا حصّہ لگانے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ناجائز طریقے سے چیزیں حاصل کریں، اور ناجائز حرام کاموں میں خرچ کریں۔ اور شیطان کے سارے وعدے جھوٹ اور فریب ہیں۔ قیامت میں وہ خود اقرار کرے گا۔ "میں نے جو تم سے وعدے کیے تھے، میں نے اُن سب کی وعدہ خلافی کی۔" (سورۃ ۱۴ ابراہیم رکوع ۴ آیت ۲۲)

★ ...... (شیخ الاسلام عثمانی)

اولاد میں شیطان کی شرکت کا اثر

خداوندِ عالم کا شیطان سے فرمانا کہ:
"اُن کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا۔"

اِس سلسلے میں جناب رسولِ خدا ص نے فرمایا، اور روایت فرمایا جناب امیرالمومنین حضرت علی ع نے کہ: "خدا نے ہر بیہودہ فحش گالیاں بکنے والے بے حیا انسان پر جنّت کو حرام کر دیا ہے، جو اِس بات کی کوئی پرواہ نہ کرتا ہو کہ لوگ اُس کے بارے میں کیا کہتے ہیں، اگر تم اُس شخص کے بارے میں تحقیق کرو گے تو اِس کے سوا کچھ نہ پاؤ گے کہ وہ وَلَدُالزِّنا ہوگا یا اُس کے نطفہ منعقد ہوتے ہوئے ضرور شیطان کی شرکت ہوئی ہے۔"

کسی نے پوچھا: یارسولَ اللہ ص! کیا آدمیوں میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے؟

اِس کے جواب میں حضور اکرم ص نے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ "خدا نے شیطان سے فرمایا: "تو اُن کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا۔"

★ ...... (تفسیر صافی صـ ۲۹۲ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت کو پڑھا اور فرمایا:
"شیطان عورت کے پاس آ کر اُسی طرح بیٹھ جاتا ہے جس طرح اُس کا مرد۔ پھر جو کچھ اُس کا مرد کرتا ہے، وہی کچھ وہ بھی کرتا ہے۔" کسی نے پوچھا: اِس کی پہچان کس طرح کی جائے؟

آپؑ نے فرمایا: "ہماری محبت سے، اور ہمارے بُغض سے۔ پس جو ہم سے محبت کرتا ہے وہ بندۂ خدا کا نطفہ ہے، اور جو ہم سے نفرت کرتا ہے، وہ نطفۂ شیطان ہے"۔

پھر امامؑ نے فرمایا: "اگر بسم اللہ کہہ کر مجامعت شروع کی جائے تو شیطان الگ ہو جاتا ہے، اور اگر بغیر بسم اللہ کے پڑھے مجامعت کی جائے گی، تو پھر فعل دونوں کی طرف سے واقع ہو سکتا ہے۔" (الکافی)

مال میں شیطان کی شرکت

جو مال انسان حرام سے حاصل کرتا ہے، وہ شیطان کی شرکت کا مال ہے۔ اب اگر ایسے مال سے مہر ادا کیا جائے، اور اُس سے اولاد پیدا ہو، تو اُس میں شیطان کا حصّہ ضرور ہوتا ہے۔ اور جو حرام طریقے سے مجامعت ہوتی ہے، اُس میں بھی شیطان کا حصّہ ضرور ہوگا، یعنی۔ بچّہ مشترک نطفے سے پیدا ہوگا۔ (تفسیر قمیؒ)

ڈاکو سے تشبیہ

اِس آیت میں خداوندِ عالم نے شیطان کو ڈاکو سے تشبیہ دی ہے۔ جو کسی بستی پر اپنے پیادے اور سوار چڑھا لاتا ہے، اور خوب خوب لوٹتا ہے۔

شیطان کے سوار اور پیادوں سے مراد، وہ سب جن اور انسان ہیں جو مختلف طریقوں سے لوگوں کو گناہوں پر اُکساتے ہیں، اور ہر طرح کے فساد اور خرابیاں پھیلاتے ہیں۔ (تفہیم)

انسان اِس طرح اُتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

شیطان کی آواز

اِس سے مراد شیطان کے مخفی پروپیگنڈے، وسوسے، گانے بجانے، اور کھیل تماشوں کی جنسی جذبات کو بھڑکانے والی آوازیں ہیں، جو گناہ کی رغبت دلاتی ہیں

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ○ ۶۵ (۶۵) مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی قابو حاصل نہ ہوگا۔ (کیونکہ) بھروسے اور کام بنانے کے لیے تیرا پالنے والا مالک بہت کافی ہے۔

اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں

اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، اور دونوں صحیح ہیں۔

★ پہلا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ "خدا" شیطان سے فرما رہا ہے کہ: "میرے بندوں یعنی انسانوں پر تجھے یہ اقتدار ہرگز نہ دوں گا کہ تو انھیں پر رسی کھینچ لے۔ تو صرف اور صرف بہلا پھسلا سکے گا۔ غلط مشورے دے گا۔ جھوٹے وعدے کر سکے گا۔ مگر تیری بات قبول کرنا، لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ تیری اُن پر کوئی حکومت یا زور نہ چلے گا۔"

★ دوسرا مطلب یہ ہے کہ: "اے ابلیس! تو کچھ کر لے، میرے خاص بندوں پر تیری کوئی بدمعاشی اثر نہ کرے گی۔ صرف کمزور ارادے والے لوگ تیرے جھوٹے وعدے اور سبز باغوں سے دھوکہ کھا جائیں گے۔"

نتائج

(۱) پھر آیت کے آخری الفاظ نے یہ بتا دیا کہ جو لوگ اللہ پر بھروسہ کریں گے، خدا کے وعدوں کو سچا مانیں گے، اور اللہ جن کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے گا، وہ تیرے چنگل میں ہرگز نہ پھنسیں گے۔ البتہ جن کو اپنی طاقت یا

تیری طاقت پر بھروسہ ہوگا، یا اللہ کے سوا کسی اور سے لو لگائے رکھیں گے، وہ تیرے قابو میں آجائیں گے۔

* ...... (تفہیم القرآن)

٥ بتوں سے تجھ کو امیدی، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟

* .... (اقبال)

(٢) خدا کے کن بندوں پر شیطان قابو نہ پا سکے گا ؟

خدا کے خاص بندوں پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔ ان خاص بندوں سے اوّلین مراد انبیاء کرامؑ ہیں، اور وہ لوگ بھی مراد ہیں کہ جن کی طہارت کردار کا اعلان خود خداوند بزرگ و برتر نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا: " اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ "

* ---- (سورۃ الاحزاب آیت ٣٣)

یعنی: " بیشک اللہ نے اس بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ اے اہل بیت رسولؐ ! تم سے ہر قسم کی نجاست یا گندگی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک رکھے جو حق ہے پاک رکھنے کا۔"

اہل بیت رسولؐ سے مراد پنجتن پاکؑ اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ *... (مؤلف)

سبق آیت کا حاصل یہ ہے کہ " جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں، خدا خود ان کے کام بناتا ہے، اور ان کو شیطان کے جال سے نکال لیتا ہے۔"

* ..... (شیخ الاسلام عثمانی)

(پسران حضرت آدم علیہ السلام) ہابیل وقابیل

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ (۲۷) بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ ۲۷

اور انھیں آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے۔ جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کی گئی، مگر دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔ تو اُس نے کہا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کرونگا۔ دوسرے نے کہا کہ "خدا صرف بُرے کاموں سے بچنے والوں کے کام قبول کرتا ہے۔"

(پچھلے صفحے کا بقیہ) یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا کے سوا باقی سب نے نافرمانی کی۔ اِس لئے اللہ نے اُن سب کو فاسقین فرمایا۔ اسی نافرمانی کی وجہ سے وہ لوگ چالیس سال سرگرداں رہے۔"

امامؑ نے فرمایا: پھر اِس جیسا واقعہ ہمارے رسولؐ کی وفات کے بعد اِس اُمت پر گذرا۔ اِس طرح جناب رسولِ خداؐ کی پیشنگوئی پوری ہوگئی۔"

———— (تفسیر صافی صہ ۱۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

آیت ۲۷: وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ ۔ مقصد یہ ہے کہ جو بھی نبیؑ کی نافرمانی کرے گا وہ بالآخر تو خسارے وندامت میں رہے گا۔ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبرؑ کا کہنا نہ مانا تو مصائب اُٹھاتے رہے یہ سلسلہ دراصل ابتداء سے چل رہا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے ہابیل نے اپنے باپ پیغمبرؑ کے حکم پر عمل کیا تو وہ متقی بن گیا اور اللہ نے اُس کی قربانی کو قبول فرمالیا، لیکن دوسرا بڑا بیٹا قابیل نافرمان تھا، اُس کی قربانی کو اللہ نے رد فرما دیا تو وہ مزید فسق وفجور میں مبتلا ہوگیا۔

لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۲۸

(۲۸) اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کیونکہ میں تو تمام جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝ ۲۹

(۲۹) میں تو چاہتا ہوں کہ تو ہی میرا بھی گناہ اُٹھا اور اپنا بھی گناہ اُٹھا، اور دوزخی بن جا۔ (کیونکہ) حد سے بڑھنے والوں (ظالموں) کی یہی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ۳۰

(۳۰) آخرکار اُس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کی جان لینے کی رغبت دلا کر اُس کے لیے یہ کام آسان کر دیا۔ اور وہ اُسے قتل کر کے اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

سب سے پہلا قاتل نبیؑ کا نافرمان تھا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قابیل نے ہابیل کو اِس وجہ سے قتل کیا کہ دونوں کا آپس میں اپنی بہن کے بارے میں جھگڑا تھا۔؟ حضرت امامؑ نے فرمایا: "تجھے خدا کے نبیؑ حضرت آدمؑ کے خلاف ایسی بات کہتے شرم نہیں آتی۔" اُس شخص نے پوچھا کہ پھر قابیل نے ہابیل کو کس وجہ سے

قتل کیا تھا۔؟ حضرت امامؑ نے فرمایا: "وصایت کے سبب سے۔ خدا نے حضرت آدمؑ پر وحی کی تھی کہ ہابیل کو اپنا وصی قرار دو، اُن کو اسمِ اعظم کی تعلیم دو۔ جبکہ قابیل، ہابیل سے عمر میں بڑا تھا۔ جب اُس نے یہ سُنا تو غضبناک ہوا۔ اُس نے کہا: "اِس عزّت کا (یعنی وصی ہونے کا) میں مستحق ہوں۔" اِس پر حضرت آدمؑ نے فرمایا: "مجھے خدا کی طرف سے یہ ہدایت و حکم ہوا ہے کہ تم دونوں بھائی اِس سلسلے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانی پیش کرو۔ چنانچہ خدا نے ہابیل کی قربانی قبول فرمائی۔ اِس پر قابیل کو اور زیادہ غصّہ آیا، اور اُس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔"

* ــــــــ تفسیرِ صافی صفحہ ۱۳۳ بحوالہ تفسیرِ عیاشی

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "اُس زمانے میں قربانی کے قبول ہونے کی یہ نشانی تھی کہ آگ اُس کو کھا جاتی تھی۔ اِسی لیے قابیل نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ اور وہی پہلا شخص ہے جس نے اُس مکان میں آگ کی پرستش و عبادت اِس لیے کی تاکہ وہ آگ میری قربانی کو قبول کرے۔ (یہیں سے شرک کی ابتداء ہوئی) پھر ابلیس لعین قابیل کے پاس آیا اور کہا کہ ہابیل کی قربانی تو قبول ہو گئی اور تیری قربانی قبول نہ ہوئی۔ اور تُو نے ہابیل کو چھوڑ دیا۔ اب اُس کی اولاد تیری اولاد کے مقابلے میں ہمیشہ فخر کیا کرے گی۔ پہلا گریہ، پہلا نوحہ و ماتم پہلے نبیؑ نے کیا
اِس پر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ پھر جب قابیل، حضرت آدمؑ کے پاس آیا تو حضرت آدمؑ نے پوچھا کہ ہابیل کہاں ہے؟ اُس نے کہا: میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے اُس کا محافظ تو نہیں بنایا تھا۔ جب حضرت آدمؑ نے ہابیل کو ڈھونڈا تو اُن کو مقتول پایا۔ آپ نے اُس زمین کے ٹکڑے پر لعنت کی جس نے ہابیل کا خون قبول کیا (یعنی چوسا)۔ پھر حضرت آدمؑ ہابیل کے ماتم میں چالیس دن روئے۔ (اکمال الدین)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَهٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَةَ اَخِیۡهِ ؕ قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ هٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَةَ اَخِیۡ ۚ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ۚ (۳۱)

پس اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اُسے دکھائے کہ وہ کیسے اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے (یہ عمل دیکھ کر) وہ بولا: ہائے افسوس کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش ہی کو چھپا سکتا؟ پھر تو وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

تدفینِ میّت کا طریقہ اللہ کی طرف سے ہے

فرزندِ رسولؐ امام زین العابدینؑ

روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "قابیل یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اپنے بھائی کو کس طرح قتل کرے آخرکار ابلیسؔ نے آکر اُس کو بتایا کہ اُس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دے۔ پھر جب وہ قتل کر چکا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اب لاش کو کہاں ٹھکانے لگائے؟ یہاں تک کہ دو کوّے آئے۔ ایک نے دوسرے کو اپنے پنجوں سے مار ڈالا۔ پھر اپنے پنجوں اور چونچ سے زمین کھود کر اس میں دبا دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل نے کہا: "ہائے افسوس۔ میری خرابی۔ کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ میں اس کوّے کی مثل ہو جاؤں۔" پھر بھائی کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا۔ اُسی دن سے مُردوں کو زمین میں دفن کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔" * حوالہ

کہتے ہیں کہ خدا نے ایک فرشتہ کوّے کی شکل میں بھیجا جو مقتول پر مٹی ڈالنے لگا تاکہ قابیل کو مقتول کے دفن کی تعلیم دے۔

(تفسیر انوار النجف۔ صـ۹۱ جلد ۵)

* تفسیر صافی صـ۱۳۳ بحوالہ تفسیر قمی)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا (۳۲) اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ لازمی قرار دیا تھا کہ جو شخص بھی کسی ایک قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ انسان کو قتل کرے سوا اس کے کہ وہ کسی فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ جان کا بدلہ لینے یا زمین پر فساد پھیلانے النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا سے روکنے کے لیے قتل کرنے، تو وہ ایسا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ ہے جیسے کہ اُس نے تمام آدمیوں کو قتل کردیا وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا اور جو کسی انسان کی جان بچائے یا اُس کی بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا زندگی کا سامان کرے، وہ ایسا ہے کہ جیسے مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي اُس نے تمام آدمیوں کی جان بچائی یا اُن کی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ ۳۲ زندگی کا سامان کیا۔ اور ہمارے رسول پے در پے اُن کے پاس کھلی کھلی دلیلیں اور احکامات لے کر آئے، مگر اس کے باوجود بھی، اُن میں سے اکثر لوگ زمین پر ظلم اور زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

بے گناہ کے قتل اور فساد برپا کرنے کی سزا اور بے گناہ انسان کو قتل یا حادثے سے بچالینے کا ثواب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "جہنم میں ایک وادی ہے جس میں تمام آدمیوں کا قتل کرنے والا بھی داخل کیا جائے گا اور اُسی وادی میں ایک آدمی کا قتل کرنے والا بھی جھونکا جائے گا۔"

(تفسیر صافی ص۴۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی اور من لا یحضرہ الفقیہ) (تفسیر کا باقی حصہ اگلے پر ملاحظہ فرمائیں)

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ (۲۵) اور یہ حقیقت ہے کہ تمہارا پالنے
إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ ۲۵ والا مالک اُن سب کو ضرور اکٹھا
کرے گا۔ (کیونکہ) وہ ہر کام بڑی گہری مصلحتوں کی بنا پر بالکل ٹھیک ٹھیک
کرنے والا ہے اور وہ (سب کچھ) اچھی طرح سے جاننے والا بھی ہے۔

خدا کے علم و حکمت کے تقاضے

خدا کا اِس موقع پر خود کو حکیم و علیم کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی حکمت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ساری مخلوقات کو ایک دن ضرور اکٹھا کرے، اور خدا کا علم اِس بات پر حاوی ہے کہ خدا سے کوئی چیز اور کسی متنفس کے اجزاء جمع کرنے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ تمام اگلے پچھلے انسانوں کی خاک کا کوئی ذرہ بھی خدا کے علم سے گم نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے جو شخص دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتا وہ اصل میں خدا کی صفتِ حکمت سے بے خبر ہے۔ اور جو شخص اِس بات پر حیران ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اور منتشر ہو جانے کے بعد ہم کس طرح دوبارہ اکٹھے ہو کر زندہ ہو جائیں گے؟ وہ خدا کی صفتِ علم کو نہیں جانتا۔
* ...... (تفہیم)

★ غرض خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ موت خاتمہ نہ ہو، بلکہ اِس ساری تخلیق کا کوئی نتیجہ ضرور ہونا چاہیے۔ اگر زندگی کا کوئی نتیجہ ہی نہیں ہے تو یہ ساری مخلوقات بے معنی اور لغو قرار پائیں گی۔ جبکہ کسی حکیم کی تخلیقات بے معنی نہیں ہو سکتیں۔ اور خدا کا علیم ہونا یہ بھی ہے کہ اُس کا علم انسان کے تمام اعمال اور اجزاءِ وجود پر پوری طرح حاوی ہے اِس لیے وہ انسان کے تمام اجزاء، اور ذرات کو جمع کرنے پر قادر ہے۔ اِس بنا پر خدا کا حکیم و علیم ہونا، حشر و نشر اور معاد و آخرت پر جچی تُلی بھرپور دلیل ہے۔ * ... (تفسیر نمونہ)

روح انسانی اور جنات کی حقیقت

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ (۲۶) اور ہم نے انسان کو
مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ گندھی ہوئی مٹّی کے لیسدار گارے
مَّسْنُونٍ ۞ ۲۶ سے پیدا کیا۔

★ عربی میں مٹّی کے مختلف نام

عربی زبان میں خشک مٹّی کو "تراب" کہتے ہیں، پانی ملی مٹّی جب کیچڑ بن جاتی ہے اُس کو "طین" کہتے ہیں۔ پھر جب وہ کچھ دیر اُسی طرح پڑی رہے تو اُس میں لیس پیدا ہوجاتا ہے جسے اُردو میں گارا اور عربی میں "حمار" کہتے ہیں۔ اور جب وہ مٹّی سانچے میں ڈھل جانے کے بعد خشک ہوجاتی ہے تو اُس کا نام "صَلصَال" ہوجاتا ہے۔ صلصال کو ٹھوکا جائے یا ٹھوکر ماری جائے تو اُس میں سے کھنکدار آواز پیدا ہوتی ہے صلصال کو اُردو میں ٹھیکرا کہتے ہیں۔ اور جب مٹّی کو پکا دیا جائے تو اُس کو فخار کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں انسان کی تخلیق کے سلسلے میں مٹّی کی اِن ہی حالتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

★..... (لغاتِ نعمانی، تفسیر انوار النجف)

نتیجہ

محققین نے نتیجہ نکالا کہ انسان حیوانیت کی منزلوں سے ترقی کرتا ہوا بشریت کی حدوں میں نہیں آیا جیسا کہ ڈارون نے ثابت کیا ہے، بلکہ انسان کی تخلیق بالکل ابتداء ہی سے ارضی مادّوں سے ہوئی ہے۔ الفاظِ قرآن صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر اُٹھی ہوئی مٹّی کا ایک پُتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا، اور پھر اُس کے اندر روح پھونکی گئی تھی۔

★..... (تفہیم)

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (۲۷) اور اُس سے پہلے ہم جنّوں کو آگ کی جان لیوا تپتی ہوئی لپٹ (یا) تیز حرارت سے پیدا کر چکے تھے۔

جنّوں کی تخلیق کی کیفیت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خداوند تعالےٰ نے نارِ سموم (یعنی ایسی آگ جس میں بظاہر گرمی نہ ہو) کو پیدا کیا، پھر اُس سے جانّ کو پیدا کیا، اور اُس کا نام "مارج" رکھا، اُس سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا، جس کا نام "مارجہ" رکھا۔ پھر اُس جانّ کا بیٹا "جنّ" کہلایا۔ ابلیسؑ بھی اُسی "جانّ" کی اولاد میں سے ہے۔ ...... پھر اِس "جانّ" کی اولاد اتنی بڑھی کہ جنگلوں، گھاٹیوں، جھاڑیوں، پہاڑوں میں مکھیوں مچھروں کی طرح پھیل گئی۔ جب انسان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو ابلیسؑ کے ہاں سات جنّ پیدا ہوتے ہیں۔ ..... ابلیسؑ کو ہزاروں برس زمین پر سجدہ کرنے کے بعد دوسرے آسمان پر ترقی ملی، اِس طرح ہزار ہزار سال عبادت کر کر کے ابلیسؑ ساتویں آسمان پر پہنچا۔

حضرت آدمؑ کی تخلیق کی کیفیت

پھر جب اُس نے حضرت آدمؑ کی خلقت کا حال سُنا تو زمین پر آیا۔ اُس نے زمین سے کہا کہ خدا تجھ سے ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس کو تمام مخلوقات پر فضیلت ہوگی۔

لیکن جو اُن میں سے نافرمان ہوں گے اُن کو آگ کی سزا دی جائے گی۔

پھر جب جبرئیلؑ کو حکمِ خدا ہوا کہ زمین کی پستی، بلندی، مشرق و مغرب سے ایک ایک مٹھی (مٹی) اُٹھا لاؤ، اور جبرئیلؑ مٹی لینے کے لیے زمین پر پہنچے تو زمین نے اُن کو خدا کی قسمیں دے کر فریاد کی، کہ مجھ سے مٹی نہ اُٹھاؤ، کہ مجھ میں خداوندِ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے زمین کی فریاد سُنی اور مٹی نہ اُٹھائی اور واپس چلے گئے۔

پھر میکائیلؑ آئے تو وہ بھی زمین کی قسموں اور فریادوں سے متاثر ہو گئے اور خالی ہاتھ واپس لَوٹ گئے۔

پھر خداوندِ عالم نے عزرائیلؑ (ملک الموت) کو حکم دیا۔ اُنھوں نے زمین کی فریادوں اور قسموں پر کان نہ دھرا اور زمین سے مٹی اُٹھا کر لے آئے۔

خدا نے ارشاد فرمایا: "مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم اب انسانوں کی روح قبض کرنے کے لیے بھی تجھے ہی معیّن کر دوں گا۔"

(تفسیر برہان) ......*

★ پھر جب خداوندِ عالم نے روح کو پیدا فرمایا تو روح حضرت آدم علیہ السلام کے دماغ کی طرف سے داخل ہوئی۔ حضرت آدمؑ نے پہلی بار جب آنکھیں کھولیں تو عرش کی طرف نگاہ کی، تو اُس پر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا دیکھا۔ پھر جب روح اُن کے کانوں تک پہنچی تو سب سے پہلے اُنھوں نے ملائکہ کی تسبیح سُنی جو اپنے اپنے مقامات پر حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کے منتظر تھے۔

پھر جب روح ناک کے نتھنوں تک پہنچی تو حضرت آدمؑ نے چھینک لی۔ جس کی وجہ سے حواسِ خمسہ کے بند سوراخ کُھل گئے۔ اور حضرت آدمؑ نے الحمد للّٰہ کا کلمہ زبان پر جاری کیا۔ اس طرح

سب سے پہلے اُن کی زبان پر کلمۂ حمدِ خدا جاری ہوا جس کے جواب میں زبانِ قدرت سے حضرت آدمؑ کو "یَرْحَمُکَ اللہ" (یعنی اللہ تم پر رحم کرے) کا جواب ملا۔ اور اولادِ آدمؑ میں یہ کہنا سنّت قرار دیا گیا۔

اور حدیثِ نبویؐ ہے کہ: "جب کوئی شخص چھینک دے اور الحمدللہ کہے اور سُننے والا اُس کو "یَرْحَمُکَ اللہ" کہے تو اس سے ابلیس بہت کُڑھتا ہے۔"

(تفسیر انوار النجف)

نفس یا روحِ انسانی کی اقسام اور اُس روح کے معنی جو خداوندِ عالم نے حضرت آدمؑ کے جسدِ خاکی میں پھونکی

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کمیل سے فرمایا: نفسِ انسانی ۴ ہیں

(۱) نفسِ نامیہ نباتیہ۔ (۲) نفسِ حسّیہ حیوانیہ۔ (۳) نفسِ ناطقۂ قدسیہ (۴) نفسِ کلّیہ الٰہیہ۔

• پھر اِن میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ قوتیں اور دو دو خاصیتیں ہیں۔

(۱) نفسِ نامیۂ نباتیہ کی پانچ قوتیں ہیں۔

(۱) قوّتِ ماسکہ، (۲) قوّتِ جاذبہ، (۳) قوّتِ ہاضمہ، (۴) قوّتِ دافعہ (۵) قوّتِ مربّیہ اور اِن کی خاصیت (۱) گھٹنا، (۲) بڑھنا ہے۔ اور یہ جگر کی پیداوار ہیں۔

(۲) نفسِ حسّیہ حیوانیہ کی پانچ قوتیں ہیں:۔

(۱) قوّتِ سامعہ (۲) قوّتِ باصرہ، (۳) قوّتِ شامّہ (۴) قوّتِ ذائقہ (۵) قوّتِ لامسہ اور اِن کی بھی ۲ خاصیتیں ہیں۔ (۱) غصہ کرنا۔ (۲) رضامند ہونا۔ اور یہ دل کی پیداوار ہیں

(۳) نفسِ ناطقہ قدسیہ: کی پانچ قوتیں ہیں: (۱) فکر (۲) ذکر (۳) علم (۴) حلم۔ اور (۵) بلند حوصلگی۔ اور اس کی دو خاصیتیں ہیں۔ "پاکیزگی۔ اور دانائی۔"

(۴) نفسِ کلیّہ اِلٰھیّہ : اِس کی بھی پانچ قوّتیں ہیں، وہ یہ ہیں :

(۱) فنا میں لذّتِ بقاء پاتا ہے۔ (۲) بدحالی میں لطفِ نعمت حاصل کرتا ہے۔

(۳) ذلّت میں عزّتِ نفس پاتا ہے۔ (۴) دولت مندی میں فاقہ مستی سے محظوظ ہوتا ہے۔

اور (۵) مصائب میں صبر و ضبط سے کام لیتا ہے۔

اور اِس کی بھی دو خاصیتیں ہیں (۱) تسلیم (۲) رِضا۔ (یعنی تسلیم کے معنی اللہ کے ہر حکم پر فرماں برداروں کی طرح سر جھکا دے اور رضا کے معنی یہ کہ اللہ کی مرضی و خوشنودی کی خاطر اُس کے حکم پر راضی رہے یعنی راضی برضائے خدا۔) اِسی نفسِ کلیّہ اِلٰھیّہ کا مبداء و معاد خدا ہے، اور اِسی کے متعلق خدائے تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا تھا کہ: "نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي" یعنی "میں نے اُس میں اپنی روح میں سے پھونکا۔" اور اسی کو دوسرے مقام پر "نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ" فرمایا ہے۔

* ۔۔۔۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

نتیجہ : آیت سے آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ: "جنّات بھی انسان کی طرح خدا کی مخلوق ہیں۔ وہ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ فرق صرف اور صرف تخلیقی مادّے کا ہے۔ اِنسان کی تخلیق مٹّی سے ہوئی ہے، اور جنّوں کی تخلیق آگ یا ہوائی آگ سے ہوئی ہے۔ اِس لیے جنّ بھی انسان کی طرح عاجز ہیں۔ اِسی لیے اُن کا ذکر انسانوں کے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ (جیسے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔") وغیرہ

* ۔۔۔۔۔ (ماجدی)

* غرض جنّ آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں توالُد و تناسل ہوتا ہے۔ وہ نظر نہیں آتے، البتّہ وہ مختلف شکلیں ضرور اختیار کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ (مگر اُن کی قوّتیں لامحدود نہیں)

* ۔۔۔۔۔ (تھانوی)

جنّ کیا ہے؟

جنّ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو حسِ انسانی سے پوشیدہ ہو۔

جیسے قرآن میں فرمایا: " فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْل " یعنی جب رات کے پردے نے اُس کو چھپا لیا۔" اِس لیے جِنّ چھپی ہوئی مخلوق کو کہتے ہیں۔

اِسی طرح " مجنون " اُس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی عقل پوشیدہ ہو اور صحیح کام نہ کر رہی ہو۔

" جَنِین " اُس بچے کو کہتے ہیں جو رحمِ مادر میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

" جَنّت " ایسے گھنے باغ کو کہتے ہیں جس کے درختوں نے باغ کی زمین کو چھپا دیا ہو۔

" جُنَانُ " اُس دل کو کہتے ہیں جو سینے میں چھپا ہوا ہو۔

" جُنَّۃٌ " اُس ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو چھپا لے۔

ماہرین کے نزدیک جِنّ ایک " موجودِ عاقل " ہے۔ حسِ انسانی سے پوشیدہ ہے۔ اُس کی تخلیق آگ کے صاف شعلوں سے ہوئی ہے۔ بعض ماہرین نے اُن کو " ارواحِ عاقلہ " بھی لکھا ہے جو مادّہ سے مجرّد ہیں۔ اگرچہ مکمل مجرّد نہیں لیکن اتنا تجرّد ضرور ہے کہ ہم اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ وہ جسمِ لطیف رکھتے ہیں۔ قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔

* ...... (تفسیر نمونہ)

انبیاء و مرسلین اور مومنین کی روحیں

جنابِ امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ " انبیاء و مرسلینؑ میں خدا نے پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح القوۃ (۴) روح الشہوۃ (۵) روح البدن۔ پس روحُ القدس کی وجہ سے نبی و رسول بنائے گئے، اور روحُ الایمان کے ذریعے سے وہ عابد و موحّد ہوئے، اور روحُ القوۃ کے سبب سے کسبِ معاش اور جہاد کیا۔ روحُ الشہوت کی بدولت عورتوں سے نکاح کیا۔ اور روحُ البدن کے ذریعے سے وہ چلنے پھرنے پر موفق ہوئے۔ پھر اُن میں سے بھی بعض کے درجات بعض پر بلند ہیں۔ اور یہ سابقون کے مصداق ہیں۔ اور مومنوں میں خدا نے روح القدس کے علاوہ چار ارواح پیدا کیں اور وہ اصحاب المیمنۃ ہیں، اور باقی لوگوں میں روح الایمان کے علاوہ باقی تین روحیں ہیں۔ اور وہ اصحاب المشئمۃ ہیں " ملخصاً۔ (تفسیر انوار النجف)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ ۲۸

(۲۸) اُس موقع پر جب تمہارے پالنے والے مالک نے فرشتوں سے کہا کہ: "میں ایک انسان کو گوندھی ہوئی مٹی کے لیس دار (خمیر شدہ) گارے سے پیدا کرنے والا ہوں۔

ڈارون کی تھیوری اور دینی حقائق

ڈارون کی تھیوری سے دینی حقائق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیا جائے کہ انسان جانور ہی سے ترقی کر کے بتدریج انسان بنا ہے، تو اس سے بس یہ ثابت ہوگا کہ انسان کی شکل طبعی طریقوں سے اس طرح بنی۔ اس سے دینی حقائق میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو علت و معلول کو جاننا ہے۔ کیا بارشوں کے اسباب، سمندروں کے مد و جذر اور زلزلوں کے طبعی اسباب معلوم ہونے سے خدا شناسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح انسان کے ارتقائی اشکال کے معلوم ہونے سے خدا کا وجود اور اُس کی قدرت و حکمت باطل نہیں ہو سکتی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان علل و اسباب کا انکشاف مزید خدا کی عظمت، حکمت، قدرت اور توحید کو ثابت کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ڈارون پر بے دینی کا الزام لگایا گیا تو اُس نے اس کی قطعی تردید کر دی اور لکھا کہ "میں کاملاً خدا پرست ہوں، اس لیے کہ خدا کے وجود کو تسلیم کیے بغیر میری ارتقاء کی تھیوری ثابت ہی نہیں ہو سکتی۔" کیونکہ ڈارون تھیوری کے اندر جو ارتقاء کے پیچ و خم، جانوروں میں ارتقائی تبدیلی بتائی گئی ہے وہ بغیر کسی عظیم ماہر حساب دان کی دقیق منصوبہ بندی کے ممکن ہی نہیں ہے۔ کیا فقط اندھا بہرا مادہ ایسی تعجب خیز ارتقاء کے پیچ و خم کو سنوار سکتا ہے؟ ایسے عظیم دقیق اور نازک کام کیلئے بے پایاں علم، قدرت اور حکمت کے سہارے کی از حد ضرورت ہے۔ .... (تفسیر نمونہ۔ بحوالہ تالیف محمود بہزاد ص ۷۵)

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ (۲۹) تو جب میں اُسے ٹھیک کر کے
فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا پورا بنا چکوں، اور اُس میں اپنی
لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ۲۹ خاص روح میں سے کچھ پھونک دوں
تو تم سب اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔

روح کی حقیقت

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "روح ہوا کی طرح ایک متحرک چیز ہے۔ "روح"، "ریح" سے مشتق ہے۔ روح اور ہوا ہم جنس ہیں۔ خدا نے انسانی روح کو اپنی طرف نسبت دے کر اُس کو تمام دوسری ارواح سے ممتاز فرمایا ہے جس طرح کعبہ کو اپنی طرف نسبت دے کر تمام دوسرے مکانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو خصوصیت بخشی کہ اُن کو اپنا دوست فرمایا۔
٭------ (تفسیر صافی ص ۲۷۰، بحوالہ الکافی)

٭ روح کا تعلّق عالمِ مادّہ سے نہیں، بلکہ عالمِ امر سے ہے۔ کیونکہ خدا نے اُس کو اپنے حکم سے براہِ راست، بغیر واسطہ پیدا کیا ہے۔ اِس لیے روح عالمِ ملکوت سے تعلق رکھتی ہے۔ بدن اس کا غلاف یا چھلکا ہے۔ بدن کی زندگی روح سے قائم رہتی ہے، جبکہ روح جسم سے الگ قسم کی مخلوق ہے۔ (جس طرح بلب ایک الگ چیز ہے اور بجلی الگ چیز ہے، مگر بلب میں چمک بجلی سے پیدا ہوتی ہے۔) اسی لیے خدا نے روح کے لیے فرمایا:
"ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ" یعنی: "پھر ہم نے روح کو پیدا کیا جو دوسری قسم کی مخلوق ہے۔" (سورۃ المؤمنون ۲۳ آیت ۱۴)
٭--- (تفسیر صافی)

روحِ انسانی کا خدا سے تعلق

اور اُس روح کو خدا نے اپنی طرف نسبت بھی دی ہے

اِس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی وہ دراصل صفاتِ الٰہی کا ایک عکس، جھلک یا پرتو ہے جس سے انسان کے اندر حیات، علم، قدرت، ارادہ، اختیار، خودی اور دوسری اعلیٰ صفات پیدا ہوگئیں جن کے مجموعے کا نام روح ہے۔ یہ روح دراصل خدا کی صفات کا ایک نہایت ہلکا سا پرتَو ہے، جو اِس جسمِ خاکی میں ڈالا گیا، اور اِسی پرتَو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفۂ مجازی بن گیا، اور مسجودِ ملائک بھی بنا۔

یوں تو مخلوقات میں جتنی صفات پائی جاتی ہیں، اُن سب کا مصدر اور منبع خدا ہی کی کوئی صفت ہے۔ جیسا کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ”خدا نے اپنی رحمت کو سَو حصّوں میں تقسیم فرمایا اُس میں سے ۹۹ حصّے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصّہ زمین پر اُتارا۔ یہ اُسی ایک حصّے کی برکت ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک جانور اپنے بچّے کے اوپر سے اپنا کُھر اُٹھاتا ہے تو یہ بھی خدا کی رحمت کا اثر ہے۔“

(بخاری۔ مسلم) ......*

مگر جو چیز انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جامعیّت کے ساتھ اللہ کی صفات کا پرتَو انسان پر ڈالا گیا ہے، کسی دوسری مخلوق کو اس طرح نہیں نوازا گیا۔ مگر اِس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان نے الوہیّت کا کوئی جُزو حاصل کر لیا ہے۔ الوہیّت کی شان انسان سے بہت دور، ورار الورار ہے۔ کوئی مخلوق اُس کا کوئی ادنیٰ سا حصّہ یا شائبہ نہیں پا سکتی۔

(تفہیم القرآن) ......*

(انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف خدا کی عطا ہے حتّیٰ کہ رسولِ خداؐ کے لیے بھی فرمایا: ”اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ“ (ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔) وغیرہ

(مؤلف) ......*

خدا سے روحِ انسانی کی نسبت اور اُس کے نتائج

البتّہ خدا نے انسانی روح کی نسبت اپنی طرف دے کر

روحِ انسانی کو خاص امتیازی مقام عطا فرمایا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انسان کی روح خدا کی صفات کی حدِّ امکان میں جلوہ گاہ ہے، جو نمونہ ہے اللہ کی صفات کا۔ اِسی نسبت کی وجہ سے انسان کے اندر خدا سے لگاؤ، جھکاؤ، خدا کو یاد کرنے کا اعلیٰ جذبہ اور میلان پیدا ہوتا ہے۔ اور بالآخر ترقی کر کے انسان خدا کی صفات کا ہلکا سا نمونہ بن سکتا ہے

(موضح القرآن، تفسیر تبیان، فصل الخطاب) .....*

جدید سائنس اور روح

روح کے بارے میں جدید سائنس دانوں اور قدیم فلسفیوں کا خیال یہ ہے کہ یہ وہ بخارات ہیں جو غذا کے سبب سے قلب سے اُٹھتے ہیں، پھر شریانوں کے خلیوں میں سے گذر کر بدن کی گہرائیوں میں اُتر کر جاری و ساری ہو جاتے ہیں جب تک یہ بدن میں بنتے، اُٹھتے اور پھیلتے رہتے ہیں انسان زندہ رہتا ہے۔ یہی زندگی کا ذریعہ اور منبع ہیں اور انھیں پر زندگی پھیلی ہوئی ہے

(ماجدی) .....*

★ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ "روحِ حیوانی" کا بیان ہے۔ وہ "روح" جس کو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے، وہ روحِ حیوانی سے بہت اعلیٰ چیز ہے۔ اُس کا تعلق امرِ الٰہی سے ہے۔ وہ روح عالمِ امر سے متعلق ہے جو خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور وہی انسان کو انسان کا اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔

اور صفاتِ خداوندی کی جلوہ گاہ ہے۔

(مؤلف) ....*

نتیجہ

عرفا نے لکھا کہ خدا نے روح کو اپنی طرف نسبت دے کر یہ بتا دیا کہ روح اَسرارِ الٰہیہ میں سے ایک چھپا ہوا راز ہے۔ اِسی لیے فرمایا: "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"

یعنی: "جس نے اپنے نفس (روح) کو پہچان لیا، اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

(تھانوی) ....*

★ غرض روح کے متعلق ہمارا علم بہت محدود اور کم ہے۔ بس جتنا بتایا گیا ہے اتنا ہی ہم جانتے ہیں، اُس سے آگے جاننے کا کوئی امکان نہیں، سوا اِس کے کہ موت کے بعد انسان ان حقائق کو جان سکے گا۔ ...... (مؤلف)

روحِ عرفاء کے نزدیک

صوفیا اور عرفاء کا اتفاق ہے کہ روح ایک مجرّد یعنی بلا جسم موجود ہے۔ یہ بدن میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ روح کا بدن سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا عاشق کا معشوق سے تعلق ہوتا ہے۔ روح مدبّرِ جسم ہے۔ روح کس طرح کام کرتی ہے؟.... اور کس طرح وجود میں آتی ہے؟ اس کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ البتہ روح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) روحِ سلطانی (۲) روحِ حیوانی۔ روحِ سلطانی کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ یعنی یہ براہِ راست حکمِ خدا سے وجود میں آتی ہے۔ اِس لیے روح جسم سے الگ چیز ہے۔ اِسی لیے روح جسم کے گل سڑ جانے سے متاثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ روح جسم پر تصرّف کرسکتی ہے، مگر جسم روح پر تصرّف نہیں کرسکتا۔ روحِ اعظم بھی یہی روحِ انسانی ہے، یہی خدا کی ذات وصفات کی مظہر ہے۔ خدا کے جلال وجمال کی ادنیٰ سی جھلک اِسی روح میں پائی جاتی ہے۔

البتہ روحِ حیوانی کا تعلق عالمِ خلق واسباب سے ہے۔ اِسی روحِ حیوانی کو قلب، نفس یا عقل بھی کہا گیا ہے۔ یہی روح جسم کے تمام اعضاء میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ روحِ حیوانی کا مرکز دماغ ہے۔ یہ روحِ حیوانی اصل میں روحِ سلطانی کا جلوہ ہے۔ اِسی روحِ حیوانی سے انسانی افعال سرزد ہوتے ہیں بعض افعال دونوں روحوں کے اجتماع سے سرزد ہوتے ہیں۔ روحِ حیوانی روحِ سلطانی کے ساتھ بہت پہلے سے تعلق رکھتی تھی۔ اگر اِس روح سے غفلت دور ہوجائے تو وہ ذاتِ حق (خدا کی ذات) کا اس طرح مشاہدہ کرے کہ اُسے یہ محسوس ہو کہ گویا وہ آنکھوں سے صاف صاف دیکھ رہی ہے، غفلت کے پردوں کی وجہ سے حجابات حائل ہیں۔ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"میں تمھیں اللہ کی ذات سے پہچانتا ہوں، اور اللہ کو تمھارے نفوس سے پہچانتا ہوں۔"

حاصلِ مطلب

غرض آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی استعداد مکمل کی۔ پھر اُس میں اپنی روح پھونکی، اُس روح کے اثرات انسان کے وجود کے ذرّے ذرّے میں اُتر گئے۔ اِس روح پھونکنے پر انسان میں احساس، عقل و فہم، حِس و حرکت سب پیدا ہو گئے۔

★ ۔۔۔۔ (روح البیان)

★ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

"جب انسان قرآن مجید کی تلاوت اور سجدہ کرتا ہے تو ابلیسؔ اُس سے ہٹ کر بہت روتا ہے اور کہتا ہے کہ آدمؑ اور اُس کی اولاد کو سجدے کا حکم ملا تو اُنھوں نے سجدہ کر کے جنّت حاصل کرلی، اور میں نے سجدے سے انکار کیا اور مجھے جہنّم نصیب ہوئی۔ (الحدیث)

★ ۔۔۔۔ (تفسیر روح البیان)

★ جمعہ کا دن یومِ عید کیوں قرار پایا؟

حدیث میں ہے۔ جب حضرتِ آدم علیہ السّلام کے پورے جسم میں روح داخل ہو چکی تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تو سب سے پہلے جبریلؑ، پھر میکائیلؑ، پھر عزرائیلؑ اور آخر میں اسرافیلؑ نے سجدہ کیا اُن کے بعد تمام ملائکہ مقرّبین سجدہ میں جھک گئے۔ اور عصر تک سر بسجود رہے۔ پس اِسی وجہ سے جمعہ کے دن کو اولادِ آدمؑ کے لیے عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔ ★ ۔۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

ابلیس لعین تکبر اور اس کا انجام

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ (۳۰) پس تمام فرشتوں نے سجدہ
اَجْمَعُوْنَ ۝ ۳۰ کیا۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ (۳۱) سوائے اِبلیسؑ کے، کہ اُس نے
يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ۳۱ اِس بات سے اِنکار کردیا کہ وہ سجدہ
کرنے والوں کا ساتھ دے۔

تکبّر اور تعصب کی مذمّت

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ابلیسؑ کو "عَدُوُّ اللّٰہِ" (دشمنِ خدا)، امام المتعصّبین (متعصّب اور ضدّی لوگوں کا پیشوا) اور سَلَفُ المتکبّرین (پُرانا تکبّر کرنے والا) کے القاب دیے ہیں، کیونکہ اُس کے انکار کا سبب خدا سے دشمنی تھا اور تعصّب یعنی آگ سے پیدا ہونے پر فخر اور اپنی جھوٹی اُنا اور عبادتوں پر تکبّر تھا۔ آپؑ ابلیسؑ کے بارے میں فرماتے ہیں: "اسی (تکبّر کی) وجہ سے خدا نے عزّت کا لباس اُس کے بدن سے اُتار دیا اور ذلّت کی چادر اُس کے سر پر ڈال دی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کس طرح خدا نے اُسے اُس کے تکبّر کی وجہ سے حقیر و ذلیل کردیا۔ اور اونچا بننے کے سبب سے نیچا کردیا۔ وہ دنیا میں بھی خدا کا دھتکارا اور زکالا ہوا رہا اور آخرت میں اُس کے لیے سخت ترین سزا ہے۔" ... (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲)

شیطانی صفات (۱) تعصّب (اپنے مادۂ تخلیق پر بیجا فخر و غرور) (۲) تکبّر (خود کو بڑا سمجھنا) (۳) حسد (یعنی اولادِ آدمؑ سے انتقام لینا)۔ (۴) خدا کو گمراہ کرنے والا قرار دینا۔ (۵) دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا (۶) دھوکہ دینا۔ (۷) جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا (۸) خدا کی نافرمانی کرنا اور دوسروں کو بھی اُکسانا

قَالَ يَاإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا (۳۲) (خدا نے) پوچھا: "اے ابلیس!
تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ ۳۲ تجھے کیا ہوگیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (شامل) نہ ہوا"؟

قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ (۳۳) (ابلیس نے) کہا: "میرا یہ کام تو نہیں
خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ ہے کہ میں اُس بشر کو سجدہ کروں جس
حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ ۳۳ کو تُو نے سوکھی ہوئی مٹّی کے خمیر شدہ گارے سے پیدا کیا ہے۔"[۱]

ابلیس کی سطحی نگاہ [۱] ابلیس نے حضرت آدمؑ کی صرف ظاہری ساخت کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ تو صرف مٹّی سے بنائے گئے ہیں۔ اُس احمق نے حضرت آدمؑ کی روحانی اور حقیقی خصوصیات کی طرف توجّہ ہی نہ کی۔ وہ خاص روح جو خدا نے حضرت آدمؑ اور اُن کی اولاد میں امانتاً رکھی تھی اور اس کو اپنی طرف نسبت دی تھی، اُس پر توجّہ نہ کی۔ حالانکہ حضرت آدمؑ اور اُن کی اولاد کو خدا نے اپنی روح کی شرافتوں اور بزرگیوں اور اپنے جلال و جمال کا مظہر بنایا تھا۔ اسی لیے عرفاء ابلیس کو بھینگا یا ایک آنکھ والا کہتے ہیں۔ کہ اُس احمق نے حضرت آدمؑ کی صرف بشریت کو دیکھا، اُن کی حقیقت کو نہ سمجھ سکا۔ ★ ملخّص (روح البیان)

وہابیت کی سطحیت ★ اسی طرح وہ تمام لوگ جو انبیاءؑ اور اولیاءِ کرامؑ کو "ہم جیسا انسان" سمجھتے ہیں۔ وہ فقط اُن کے ظاہری یا حیوانی پہلو کو دیکھتے ہیں۔ وہ بس اُن کے کھانے پینے، بازاروں میں چلنے پھرنے کو دیکھتے ہیں، وہ اُن کے اعلیٰ صفات، علم، تقویٰ، معرفت، عبادت ایثار اور خلوص اور خدا سے رابطہ کو نہیں دیکھتے کیونکہ ان اوصاف کا تعلق بصیرت سے ہے بصارت سے نہیں۔ (مؤلف)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۙ ۳۴ (۳۴) (خدا نے) فرمایا: "اچھا تو پھر تُو یہاں سے نکل جا (کیونکہ) حقیقتاً تُو رد کیا ہوا (مردود) ہے۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ۳۵ (۳۵) اور یقیناً تجھ پر روزِ قیامت تک لعنت (ہی لعنت) ہے۔"

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ۳۶ (۳۶) اُس نے عرض کی: "مالک! مجھے اُس دن تک تو ڈھیل دے دے کہ جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔

شیطان کی ملعونیت

(آیت ۳۵) بعض مفسّرین نے خداوند تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ: "بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت برستی رہے گی۔" اِن الفاظ سے یہ سمجھا کہ ابلیس قیامت کے بعد ملعون نہ رہے گا۔ جواب یہ ہے کہ: "یہاں "قیامت کے دن تک" سے مراد "ابدیت" ہے۔ کیونکہ جب ابلیس دنیا میں، جو دار العمل ہے، ملعون رہے گا، تو قیامت کے بعد مقبول کیسے بن سکتا ہے؟ جبکہ قیامت دار العمل نہیں، دار الجزا ہے۔

---- (تھانوی)

(جو یہاں (دنیا میں) ملعون ہے وہ وہاں بھی ملعون ہی رہے گا، کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ: جو دنیا میں اندھا بنا رہا وہ قیامت میں بھی اندھا ہی محشور ہوگا۔۔۔" (القرآن) (مؤلف)

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ ۳۷ (۳۷) (خدا نے) فرمایا: "اب تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ ۳۸ (۳۸) اُس وقت تک جو ہمیں معلوم ہے۔" لے

وقتِ معلوم لے

وقتِ معلوم کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: "کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ یہ وہ وقت ہے جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے ابلیسؔ کو اُس دن تک کی مہلت دی ہے۔ جس دن قائم آلِ محمدؑ (امام مہدیؑ) ظہور فرمائیں گے ظہور کے وقت وہ مسجدِ کوفہ میں ہوں گے اور ابلیسؔ اُن کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے گا اور وہ کہہ رہا ہوگا کہ آج کے دن چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

پس امام مہدیؑ اُس کی پیشانی پکڑ کر اُس کی گردن ماردیں گے۔ (خس کم جہاں پاک) بس یہی "وقتِ معلوم" ہے۔

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی ص ۲۷۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

★ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ: "ابلیسؔ نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی اسی نماز کے بدلے میں خدائے تعالے نے اُس کو وقتِ معلوم تک مہلت دی ہے۔

*۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

★ بعض مفسرین کے نزدیک "وقتِ معلوم" قیامت کے دن تک کی مہلت ہے

*۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ (۳۹) ابلیس بولا: "مالک! اب جب

لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ تو نے مجھے گمراہ قرار دے ہی دیا ہے

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ تو اب میں زمین پر اُن (اولادِ آدمؑ)

کے لیے (گناہوں اور دنیا کی زندگی) خوب سجا بنا کر اُن سب کو گمراہ کردوں گا۔

شیطان کا مکر اور گمراہ کرنے کا طریقہ

شیطان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ "اے خدا جس طرح تو نے اِس حقیر اور کمتر مخلوق یعنی آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا کہ میں (اپنے تکبر کی وجہ سے) تیرا حکم نہ مانوں، اسی طرح اب میں اُس کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ میں دنیا کی زندگی کو ایسا سجا بنا کر دکھاؤں گا کہ وہ سب اُس سے دھوکہ کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔ یعنی زندگی کی لذتوں اور عارضی فائدوں کو انسان کے لیے اتنا دلکش اور خوبصورت بنا دوں گا کہ وہ تیری اطاعت اور تیری مجازی خلافت اور امانت کی تمام ذمّہ داریوں کو اور آخرت کے حساب کتاب کو بھول جائے گا، بلکہ خود تجھے بھی بھول جائے گا۔ اور پھر تیرے احکام کی خوب خوب خلاف ورزیاں کرے گا۔"

*-----(تفہیم)

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا کہ: یہ عقیدہ کہ: "خدا گمراہ کرتا ہے" اِس کا بانی ابلیس ہے! ابلیس نے سب سے پہلے خدا سے یہ کہا کہ: "کیونکہ تُو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اِس لیے اب میں تیری مخلوق کو گمراہ کرتا رہوں گا۔"

*-----(تفسیر تبیان)

★ غرض "رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ" میں "ب" ہے وہ عوضیہ ہے یعنی اے مالک! کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اِس لیے اِس کے عوض میں، میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔"

*۔۔۔۔ (فصل الخطاب، کاشفی)

خدا گمراہ نہیں کرتا

اِسی لیے شاہ ولی اللہ صاحب نے اِس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا: "بسبب اِس کے کہ گمراہ کیا تو نے" عام طور پر یہی ترجمہ کیا جاتا ہے تو شیطان کے اِس قول سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ خدا گمراہ کرتا ہے، البتہ یہ بات ضرور ثابت ہو گئی کہ یہ عقیدہ کہ خدا گمراہ کرتا ہے اصل میں ابلیس لعین کی ایجاد ہے۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اہلِ بیتِ رسول کے نزدیک خدا گمراہ نہیں کرتا، بلکہ (۱) گمراہیوں کو اختیار کرنے والوں کو گمراہیوں میں چھوڑ دیتا ہے۔ (۲) اُن کی گمراہیوں کی وجہ سے اُن کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ (۳) یا پھر اِس کا مطلب یہ ہو گا کہ گمراہی کے طور طریقے اختیار کرنے والوں کو خدا اُن کی بدکاریوں کی سزا دیتا ہے۔

*۔۔۔ (لغات القرآن نعمانی، فصل الخطاب)

★ ابلیس لعین نے کہا کہ: "میں آدمؑ کی اولاد کے لیے دنیا کو ایسا سجاؤں بناؤں گا کہ اُن کا اُس میں خوب دل لگے گا۔ اور وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ انھیں بس یہیں رہنا ہے۔

*۔۔۔۔ (تبیان - روح البیان)

ابلیس اور حضرت آدمؑ کی خطا کا فرق

حضرت آدمؑ سے خطا (ترکِ اَولیٰ) سرزد ہوئی، تو انھوں نے فوراً کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (یعنی مالک! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہم (تو ہمیں معاف کر دے۔)

جبکہ ابلیسؑ نے گناہ کیا تو کہا: "رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ" (مالک! تو نے مجھے گمراہ کیا۔)

اِس لیے حضرت آدمؑ کی عزتیں بحال ہوئیں کہ اُنھوں نے اپنی غلطی مان لی۔ اور ابلیسؑ پر اِس لیے لعنت کی گئی کہ اُس نے اپنی غلطی کا ذمّہ دار خدا کو ٹھہرایا۔ (اور آخری وقت تک اپنی خطا کی معافی نہ مانگی)

*---- (روح البیان)

ایک دلچسپ مکالمہ

★ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

" ابلیسؑ نے خدا کی عزّت و جلال کی قسم کھا کر کہا کہ "میں اولادِ آدمؑ کو اُس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک اُن کی ارواح کا تعلّق اُن کے اجسام سے باقی رہے گا"۔

اِس پر خداوندِ کریم نے اپنی عزّت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ "اولادِ آدمؑ جب تک مجھ سے اپنے گناہوں پر معافی مانگتے رہیں گے، میں اُن کی غلطیاں معاف کرتا رہوں گا"۔

اِس پر ابلیسؑ نے کہا: "اے خدا! مجھے تیری عزّت و جلال کی قسم ہے کہ "میں آدمؑ کی اولاد کے دلوں پر اُن کے مرتے دم تک قبضہ جمائے رکھوں گا"۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: "مجھے بھی اپنی عزّت و جلال کی قسم ہے کہ میں اُن کی موت تک اُن کے لیے توبہ کا دروازہ کھُلا رکھوں گا"۔ (الحدیث)

*---- (از روح البیان)

خدا کی پسندیدہ چیز توبہ بھی ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ:

"بندہ اگر گناہ نہ کرے تو بہتر ہے لیکن اللہ تعالیٰ اُس گناہگار بندے کو بھی دوست رکھتا ہے جو گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار کرے"۔

*---- (روح الحیات، اردو ترجمہ عین الحیوٰۃ صفحہ ۲۶۵)

ابلیس لعین کے اللہ سے سوالات

جب ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے نکالا اور لعنتی قرار دیا تو اُس نے پوچھا:

★ اے پروردگار! میرا ٹھکانا زمین میں کہاں ہوگا؟ فرمایا: مزابل پر یعنی گندی جگہوں پر۔

★ کہا: میں پڑھوں گا کیا؟ تو جواب ملا کہ تو شعر پڑھے گا۔

★ پوچھا: میرا مؤذن کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ: طبلہ و سارنگی۔

★ دریافت کیا: میری غذا کونسی ہوگی؟ فرمایا: ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔

★ پھر پوچھا: میرا مشروب کیا ہوگا؟ فرمایا: ہر قسم کی شراب (خمر)

★ پوچھا: میرا گھر کہاں ہوگا؟ فرمایا: حمّام

★ کہنے لگا: میری مجلس کہاں ہوگی؟ فرمایا: بازاریں اور عورتوں کے اجتماعات میں۔

★ کہنے لگا: میرا لباس کیا ہوگا؟ فرمایا: راگ و رنگ (راگنی)

★ پھر پوچھا: میری شکارگاہ کیا ہوگی؟ فرمایا: عورتیں۔

★ پس وہ خوش ہو کر چلا گیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کی: میری اولاد کیا کریگی؟

★ اللہ نے ارشاد فرمایا: (اے آدمؑ!) تم کو تین چیزیں عطا کرتا ہوں۔ ایک چیز صرف میرے لیے، دوسری صرف تمھارے لیے، اور تیسری چیز میرے اور تمھارے درمیان مشترک ہوگی۔ وہ پہلی چیز جو صرف میرے لیے ہے، وہ عبادت ہے، اُس میں کسی کو شریک کرنا۔ دوسری چیز جو صرف تمھارے لیے ہے، وہ یہ کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا جس کا ایک ایک حصّہ بڑے سے بڑے پہاڑ سے بھی وزنی ہوگا۔ اور تیسری چیز جو مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ تمھارا کام ہے دعا مانگنا اور میرا کام ہے قبول کرنا۔"

★ پس ابلیس لعین سٹ پٹا کر وہاں سے چلا اور چلا کر کہنے لگا: ہائے اب میں بنی آدمؑ کو کیسے گمراہ کروں گا؟ (بحار الانوار)

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (۴۰) سوا تیرے اُن بندوں کے جنھیں تو نے خالص (اپنا) کرلیا ہو۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ ۴۱ (۴۱) (خدا نے) فرمایا: یہ (خلوص کا) راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔

(آیت ۴۰)

خدا کے مخلص بندے

اِس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ "انبیاءؑ اور ائمۂ اطہارؑ" پر شیطان کا تسلّط نہ ہوگا۔

*---- (روح البیان)

★ اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ یعنی گناہوں سے محفوظ رہنا۔ *.... (مؤلف)

صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ

" مناقبِ ابنِ شاذان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطّاب نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپؐ علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی۔" حالانکہ ہارونؑ کا ذکر قرآن میں ہے، اور علیؑ کا نہیں؟ تو آپؐ نے جھڑک کر فرمایا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا: هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُّسْتَقِيْمٌ۔" *........ (تفسیر انوار النجف بحوالہ تفسیر برہان)

★ خدا کے مخلص بندے وہ ہیں جو غیرِ خدا کی عبادت سے آزاد ہیں، نہ وہ خواہشِ نفس کے چنگل میں آتے ہیں اور نہ دنیا میں اتنے کھو جاتے ہیں کہ اُنھیں آخرت یاد ہی نہ رہے۔ یہ لوگ خدا کی صفتِ لطف و رحمت کے مظہر ہیں۔ *.... (تاویلات نجمیہ)

خلوص کا راستہ

خداوندِ عالم کا فرمانا: "یہ خلوص کا راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ یعنی جسقدر تم اپنی نیّت اور عمل کو خالص خدا کے لیے کرتے جاؤ گے اور جسقدر تمھارے اعمال صرف خدا کی رضامندی کے حصول کے لیے ہوں گے اسیقدر تم خدا کے اُس سیدھے راستے پر آتے چلے جاؤ گے جو سیدھا خدا تک پہنچتا ہے۔ یہ ہے خلوصِ دل والا راستہ۔ ؎ "تم زمانے کی راہ سے آئے ٭٭ ورنہ سیدھا تھا راستہ دل کا"

خدا کی خالص بندگی صرف اُسی وقت ممکن ہوگی جب خدا کی عظمت اور احسانات کا احساس ہمارے اندر پیدا ہوتا جائے ...... اور ...... اُس کا طریقہ ...... تلاوتِ قرآن ...... اور ...... خدا کے کاموں پر غور و فکر کرنا ہے ...... جس قدر ہم ...... خدا کے کاموں پر ...... غور کریں گے ...... اُس کی عظمت ہمارے دل پر بیٹھتی جائے گی۔

اخلاصِ عمل کی بہترین مثال

مولانا روم نے فرمایا:

۱؎ از علی آموز اخلاصِ عمل   شیرِ حق را داں منزّہ از دغل

یعنی: علیؑ سے اخلاصِ عمل (خدا کے لیے خالص عمل کرنا) سیکھو۔ شیرِ خدا کو ہر قسم کے کام (کو) دھوکے اور شرک سے پاک سمجھو۔

۲؎ او خدو انداخت بر روئے علیؑ   افتخارِ ہر نبیؑ و ہر ولیؑ

یعنی: علیؑ کے دشمن نے علیؑ کے چہرے پر اپنا لعابِ دہن پھینکا (تھوکا) وہ علیؑ جو ہر نبیؑ اور ولیؑ کے لیے باعثِ فخر ہیں۔

حضرت علیؑ نے اپنے دشمن کو زیر کر لیا اور اُس کا سر قلم کرنا چاہتے تھے تو اُس بدبخت سے اور تو کچھ نہ ہوسکا، اُس نے آپؑ کے چہرے پر تھوک دیا۔ فوراً ہی آپؑ اُس کے سینے سے اُتر کر وہاں سے ایک طرف ہٹ گئے اور اُس کو قتل نہ کیا۔ دشمن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور پوچھا: تم نے مجھے کیوں قتل نہ کیا؟ اِس پر آپؑ نے فرمایا: "میں اِس تلوار کو اللہ کی رضامندی کے لیے چلاتا ہوں، جب تو نے یہ بُری حرکت کی تو مجھے غصہ آیا اُس وقت اگر میں تجھے قتل کر دیتا تو اس قتل میں میرا نفس بھی شامل ہو جاتا جبکہ میں صرف خدا کی خوشنودی کے لیے جنگ کرتا ہوں، اپنے لیے نہیں۔

یہ سن کر اُس پہلوان نے کہا:

میں تو تم کو ایک نام پہلوان سمجھتا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ آپ بہت بلند انسان ہیں:

سے تیغِ حِلمِ تو زآہن تیز تر — بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

یعنی: آپ کے حلم و صبر کی تلوار تو لوہے کی تلوار سے کہیں زیادہ تیز ہے۔ بلکہ آپ کے کردار کی تلوار سیکڑوں لشکروں پر بھاری ہے۔

(مولانا رومؒ)

اخلاصِ عمل کی مثال قرآن مجید میں

قرآن مجید نے بھی اخلاصِ عمل کی مثال اہلِ بیتِ رسولؐ کے حوالے سے دی ہے۔ سورۃ الدھر میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، یہاں تک کہ ان کی کنیز جناب فضہؑ کے بارے میں فرمایا: "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ۝"

یعنی: "وہ لوگ صرف اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"
(الدھر ۷۶، ۸)

اور یہ کہتے ہیں کہ:

"اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا ۝"

یعنی: "ہم تو صرف تم کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر (کھانا) کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم تم سے کسی قسم کی جزا (یا بدلا) چاہتے ہیں، اور نہ شکریہ چاہتے ہیں۔" (الدھر ۷۶، ۹)

اِس کے جواب میں بطورِ شکریہ خداوندِ عالم خود ارشاد فرماتا ہے:-

"اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ۝" (الدھر ۷۶، ۲۲)

یعنی: "بیشک یہ جنّت کی تمام نعمتیں تمہاری جزا ہیں اور تمہاری یہ کوشش قابلِ قدر ہے۔"

معلوم ہوا کہ جو عمل خالص اللہ کی خوشی کے لیے کیا جاتا ہے خدا اُس کی بڑی قدر فرماتا ہے۔

* . . . . (مؤلف)

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ ۴۲

(۴۲) حقیقتاً جو میرے خالص بندے ہیں اُن پر تو تیرا کوئی قابو نہ ہوگا۔ سوا اُن گمراہوں اور بہکے ہوئے لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔

✱ مطلب یہ ہے کہ میرے خالص اور حقیقی بندوں پر شیطان کا بس نہ چلے گا۔ صرف اُن بہکے ہوئے لوگوں پر شیطان کا بس چل سکے گا جو از خود شیطان کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔

✱ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرے تمام بندوں، یعنی تمام انسانوں پر بھی تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہوگا۔ تو اُنھیں بھی زبردستی گمراہ نہ کر سکے گا۔ البتہ وہ لوگ جو خود اپنی مرضی سے تیری پیروی کرنا چاہیں گے، صرف اُنھیں تیرے راستے پر جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ انھیں زبردستی سیدھے راستے پر لانے کی کوششیں نہ کی جائیں گی۔

✱ ---- (تفہیم)

✱ امام رازی نے لکھا کہ شیطان کے اس دعوے پر کہ میں لوگوں کو سبز باغ دکھا دکھا کر گمراہ کروں گا۔ یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ اقتدار حاصل ہے۔ تو خدا نے یہاں شیطان کی اس غلط فہمی کو بھی دور کر دیا۔ ✱ ..... (تفسیر کبیر)

✱ خدا کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ میرے خالص مخلص بندوں کا منتخب ہو جانا ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے یعنی کیونکہ ان لوگوں نے میری کامل اطاعت والی زندگی اختیار کی اس لئے وہ میرے خالص بندے بن گئے یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ میرے ایسے بندوں پر کبھی تیرا زور نہ چلے گا۔

✱ ..... (تھانوی)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ (۴۳) اور یہ بھی حقیقت ہے، کہ جہنّم ہی وہ جگہ ہے جس کا اُن سب سے (میرا پکا) وعدہ ہے۔ ۴۳

حضرت آدمؑ و ابلیسؔ کے قصّہ کو بیان کرنے کی وجہ اور اس کے اسباق

(۱) اِس جگہ حضرت آدمؑ اور ابلیسؔ کا قصہ اِس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ کافروں کو یہ بتایا جا سکے کہ تم اپنے ازلی دشمن ابلیسؔ کے پھندے میں پھنس گئے ہو۔ اس لیے تم اپنے حسد، حرص اور تکبّر کی وجہ سے حق دشمنی پر اُتر آئے ہو جبکہ ہمارا نبیؐ تمھیں شیطان کے پھندوں سے نکال کر خدا کی طرف لے جانا چاہتا ہے لیکن تم عجب احمق ہو کہ اپنے دوست اور دشمن میں فرق ہی نہیں کر سکتے۔

(۲) اِس قصّے کے حوالہ سے کافروں کو دوسری بات یہ بتائی جا رہی ہے کہ راہِ نجات صرف اور صرف ایک ہے، اور وہ اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے۔ اِس راستے کو چھوڑ کر تم جس راستے پر بھی جاؤ گے وہ شیطان کا راستہ ہوگا۔ اور وہ راستہ سیدھا جہنم جاتا ہوگا۔

(۳) تیسری بات یہ سمجھائی جا رہی ہے کہ نبیؐ سے دشمنی کی غلطی کے تم خود ذمّہ دار ہو۔ شیطان صرف تم کو دھوکہ دے سکتا ہے، مگر دھوکہ تم خود کھا رہے ہو۔ اِس لیے اپنی گمراہی کے تم خود ذمّہ دار ہو۔ شیطان زبردستی تم کو غلط راستے پر نہیں لگا سکتا۔

...... (تفہیم)

★ اِس طرح حضرت آدمؑ اور شیطان کا واقعہ بیان کر کے بر حق دشمن، ظالم، بدکار انسان پر حجت تمام کی گئی ہے۔ اور اس کو اُس کی گمراہی اور ظلم کا ذمّہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور اس کو اُس کی اصل غلطی بھی بتا دی گئی ہے کہ جس طرح شیطان تکبّر کے سبب سے مارا گیا، تم بھی اپنے کبر و نخوت غفلت اور حرص کے سبب سے حق دشمنی اختیار کیے ہوئے ہو۔

...... (مؤلف)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۵۹

(۵۹) یہ حقیقت ہے کہ ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا۔ اُنھوں نے کہا: اے میری قوم والو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقیناً مجھے تمھارے اوپر آنے والے بڑے ہی سخت دن کے عذاب کا خوف ہے۔

حضرت نوحؑ کا اصل نام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت نوحؑ کا اصل نام "عبدالغفار" تھا۔ آپ کا نام "نوحؑ" اِس لیے پڑ گیا کہ آپ نے اپنی قوم کی حالتِ زار پر، اور اپنے نفس پر بہت نوحہ فرمایا۔" (تفسیر قمی، علل الشرائع)

حضرت نوحؑ کی عظمت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "خدا نے حضرت آدمؑ کو بتلا دیا تھا کہ نوحؑ کی قوم اُن کو جھٹلائے گی اور وہ خدا سے بددعاء کریں گے، اور خدا اُنکی بددعاء کی وجہ سے اُن کی قوم کو ہلاک کر دے گا۔ اِسی لیے حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم میں سے جو شخص بھی حضرت نوحؑ کا زمانہ پائے، اُن پر ضرور ایمان لائے اور اُن کی پیروی کرے، تاکہ غرق ہونے سے محفوظ رہے۔" حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک دس پشتیں گذری تھیں۔ درمیان میں انبیاء اور اوصیاء آتے رہے، مگر کیونکہ وہ پوشیدہ طور پر کام کرتے تھے، اِس لیے قرآن میں اُن انبیاء کا ذکر نہیں کیا گیا۔"

جس نظامِ صالح کو حضرت آدمؑ چھوڑ گئے تھے، اُس میں سب سے پہلا بگاڑ حضرت نوحؑ کے دور میں رونما ہوا۔ حضرت نوحؑ کی قوم عراق میں رہتی تھی۔ بابل کے آثارِ قدیمہ سے بائیبل سے بھی پرانے کتبے ملے ہیں جن میں حضرت نوحؑ کی قوم جیسا قصہ لکھا ہے۔ نیز موصل (عراق) کے شمال میں جزیرۂ ابنِ عمر کے پاس،

آرمینیہ کی سرحد پر کوہِ اراراط کے آس پاس حضرت نوحؑ کی کشتی کے آثار ملے ہیں۔

نیز حضرت نوحؑ کے قصّے سے ملتی جلتی روایات یونان، مصر، ہندوستان، چین کے قدیم لٹریچر میں بھی ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ برما، ملایا، جزائر شرق الہند، آسٹریلیا، نیوگنی، امریکہ، یورپ کے مختلف حصّوں میں بھی ایسا ہی قصّہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قصّے کا تعلق اُس عہد سے ہے جب پوری نسلِ انسانی کسی ایک ہی خطّے میں آباد تھی۔ پھر وہاں سے نکل کر دنیا میں پھیلی۔ اس لیے تمام قومیں اپنی ابتدائی تاریخ میں ایک ہمہ گیر طوفان کی نشاندہی کرتی ہیں۔

حضرتِ نوحؑ کی قوم کی اصل غلطی

دوسرے مقامات پر قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کی قوم کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قوم خدا کے وجود کی منکر نہ تھی، اور نہ خدا سے ناواقف تھی، نہ اُسے خدا کی عبادت سے انکار تھا، بلکہ اُن کی اصل گمراہی شرک کرنا تھا۔ یعنی اُنھوں نے خدا کے ساتھ دوسری طاقتوں کو خدا کی خدائی میں شریک اور عبادت کا مستحق سمجھ لیا تھا۔ پھر اُن جھوٹے خداؤں کی نمائندگی کرنے کے لیے اُس قوم میں ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا جو تمام مذہبی، سیاسی اور معاشی اقتدار کا مالک بن بیٹھا۔ انسانوں میں اونچ نیچ کی تقسیم پیدا کر دی گئی۔ اس کے نتیجے میں اجتماعی اور معاشی زندگی میں ظلم اور فساد کو بھر دیا گیا۔ اخلاقی فسق و فجور نے انسانیت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ حضرت نوحؑ نے طویل عرصے تک لوگوں کو اس مکر کے جال سے نکالنے کی سرتوڑ کوششیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوسکی، تو آخر کار حضرت نوحؑ نے بددعا فرمائی جس کے نتیجے میں نوحؑ کا طوفان آیا اور پوری قوم برباد ہوگئی۔ ——— (تفہیم)

آج عذاب کیوں نہیں آتا ؟ سوال ؟

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس قسم کے واقعات آج کیوں پیش نہیں آتے ؟ یعنی قوموں کی نافرمانی پر اچانک عذاب آج کیوں نہیں آجاتا ؟

اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ نبیؐ کا براہِ راست مخاطب ہونا اور بات ہے اور کسی واسطے سے نبیؐ کا پیغام پہنچنا اور بات ہے۔ جن قوموں سے انبیاء نے براہِ راست تخاطب فرمایا، معجزات دکھائے، حجت تمام کی، پھر بھی وہ قوم ظلم پر ظلم اور انکار پر انکار کرتی رہی، تب نوٹس کے بعد خدا کا عذاب آیا۔ کیونکہ اس کے

بعد معذرت کی گنجائش باقی نہ نہیں رہی تھی۔ ★ فوری عذاب نہ آنے کی دوسری وجہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رحمت ہونا ہے۔ خدا نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:

" میں اُس وقت تک اُن پر عذاب نازل نہ کروں گا' جب تک آپ اُن کے درمیان ہیں۔" (قرآن)

کیونکہ ہمارے نبیؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں' اس لیے خداوندِ عالم نے آپؐ اور آپؐ کی اولادِ اطہار کی وجہ سے قوموں کو فوری عذاب کا نشانہ نہیں بنایا' بلکہ اُن کو مہلت پر مہلت عطا فرما رہا ہے' تاکہ وہ اپنی اصلاح کا بندوبست کرلیں۔

شجرہ حضرت نوحؑ

حضرت نوح علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی دسویں پُشت تھے۔ یعنی:

نوحؑ بن ملکؑ یا (لمکؑ) بن متوشلخؑ بن اخنوخؑ یعنی ادریسؑ بن یاردؑ بن مہلائیلؑ بن قینانؑ بن انوشؑ بن شیثؑ بن آدمؑ۔

یکے بعد دیگرے یہ سب کے سب نبیؑ تھے لیکن سرکشوں اور ظالموں کے ڈر سے چُھپ چُھپا کر اُنھوں نے زندگی گذاری (اور پوشیدہ طور پر کارِ نبوّت انجام دیتے رہے)، ان کا ذکر اسی وجہ سے مشہور نہیں اور نہ قرآن مجید نے وضاحت سے اُن کا ذکر کیا ہے۔

جب خدا نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو ھبۃ اللہ کی اولاد نے فوراً مان لیا اور اُن کے ساتھ ہوگئے۔ لیکن قابیل کی اولاد نے انکار کیا اور کہنے لگے ہم سے پہلے قوم جن کا زمین پر تسلط تھا تو خدا نے اُن کی طرف فرشتہ بھیجا تھا' اگر ہماری طرف بھی کسی کو بھیجنا تھا تو فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔؟

جب بھی کوئی نبیؑ کہتا تھا کہ میں رسول ہوکر آیا ہوں تو وہ لوگ فوراً تردید کرتے ہوئے کہتے تھے کہ بشریت اور رسالت کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں ہے اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی بہتات ہوا کرتی ہے۔

حضرت نوحؑ کا رنگ گندمی' چہرہ پتلا' سر لمبا' آنکھیں موٹی اور پنڈلیاں ہلکی' قد طولانی اور جسم موٹا تھا۔ آپؑ کی عمر ۲۵۰۰ برس تھی' ۸۵۰ برس بعثت سے قبل' اور ۹۵۰ برس تبلیغ کے' اور ۲۰۰ برس کشتی کے بنانے میں' اور ۵۰۰ برس طوفان کے بعد گذرے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت امیرالمومنینؑ کے سرہانے مدفون ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (۶۰) (یہ سن کر) اُن کی قوم کے بڑے لوگوں اور سرداروں نے جواب دیا: "بلاشبہ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔"

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (۶۱) نوحؑ نے کہا: اے میری قوم والو! میں کسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو تمام جہانوں کے پالنے والے آقا کا بھیجا ہوا ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۶۲) تمہیں اپنے آقا کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۶۳) تو کیا تمہیں بس اتنی سی بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری قوم ہی کے ایک آدمی کے ذریعے سے تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے وعظ و نصیحت کا پیغام اور یاد دہانی آئی، تاکہ وہ تم کو برے کاموں کے برے انجام کا خوف دلائے اور تاکہ تم برے کاموں اور برے انجام سے بچ جاؤ اور اس کے نتیجے میں تم پر رحم کیا جائے۔

ذکر کی دو قسمیں ہیں (آیت ۶۳)

شیخ الطائفہ نے لکھا کہ: ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ذکرِ بیان (۲) ذکرِ برہان
ذکرِ بیان کے معنی کسی بات کا ذہن نشین کرنا، اور ذکرِ برہان کے معنی کسی چیز کو ثابت کرنا۔
اس آیت میں ذکر دونوں معنی میں آیا ہے۔ (تفسیر تبیان)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۟ ۶۴

(۶۴) مگر انھوں نے اُن (نوحؑ) کو جھٹلایا۔ لہٰذا ہم نے اُن (نوحؑ) کو اور اُن کو جو کشتی میں نوحؑ کے ساتھ تھے، نجات دی۔ اور اُن لوگوں کو ڈبو دیا جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ عقل کے اندھے لوگ تھے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۟ ۶۵

(۶۵) اور قومِ عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا: اے میری قوم والو! اللہ کی بندگی کرو۔ تمہارا اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پھر آخر تم بُرے کاموں سے کیوں نہیں بچتے؟

کشتیٔ نوحؑ میں سوار ہونے والے نجات پا گئے (آیت ۶۴)

قرآن سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت نوحؑ کے طوفان کی وسعت کتنی تھی؟ البتہ یہ بات قطعی ثابت ہوتی ہے کہ جس جس نے حضرت نوحؑ کی تکذیب کی تھی وہ سب کے سب غرق ہوئے اور جو کشتی میں حضرت نوحؑ کے ساتھ بیٹھے صرف اُنھوں نے نجات پائی .... (جلالین)

حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ جیسی ہے جو اُن کے ساتھ ہو گیا وہ نجات پا جائے گا اور جس نے اُن کی مخالفت کی یا اُن سے روگردانی کی وہ غرق ہو جائے گا" (گمراہ ہو جائے گا)

(الحدیث، صحیح بین الفریقین)

حضرتِ ہودؑ اور قومِ عاد

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ "حضرت ہود علیہ السّلام اپنی قوم کے کنبے سے تھے اس لیے اُن کو قوم کا بھائی کہا گیا۔ وہ اپنی قوم کے دین میں بھائی نہ تھے۔"

(تفسیر صافی ص ۱۷۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

کیونکہ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی قبیلے یا قوم سے ہوتا ہے تو اُس کو قوم کا بھائی کہہ دیتے ہیں۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ حضرت ہود علیہ السّلام شالخ کے بیٹے تھے اور رافخشذ کے پوتے تھے اور سام کے بڑے پوتے تھے اور سام حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے۔ اور عاد

حضرت ہودؑ کے اجداد میں سے تھے"۔ عاد کی قوم عرب کی قدیم ترین قوم تھی جن کو عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ اُن کی شوکت و حشمت لاجواب تھی۔ پھر دنیا سے اُن کا نام و نشان مٹ جانا بھی ضرب المثل بن کر رہ گیا۔ اسی لیے عربی میں ہر قدیم چیز کو "عادی" کہتے ہیں، اور آثارِ قدیمہ کو "عادیات" کہتے ہیں۔ جو زمین بنجر ہو جائے اُس کو بھی "عادی الارض" کہتے ہیں۔ قدیم عربی شاعری میں قومِ عاد کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ اس قوم کا مسکن "احقاف" کا علاقہ تھا، جو حجاز اور یمن کے درمیان ہے۔ یہیں سے پھیل کر یہ لوگ یمن کے مغربی ساحل، حضرموت، عمّان اور پھر عراق میں پھیل گئے۔ تاریخی اعتبار سے اس قوم کے آثار ناپید ہو چکے ہیں۔ البتہ جنوبی عرب میں کہیں کہیں پرانے کھنڈرات ہیں۔ حضرموت میں حضرت ہودؑ کی قبر موجود ہے۔ ۱۸۳۷ء میں ایک انگریز بحری افسر جیمز آر ویلسٹڈ کو حصین غراب میں ایک پرانا کتبہ ملا جس میں حضرت ہودؑ کا ذکر موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ عاد، حضرت ہودؑ کی شریعت پر عمل کرتی تھی۔ ——— (تفہیم)

قومِ عاد بڑے خوش حال لوگ تھے۔ سرسبز و شاداب زمینوں کے مالک تھے اور ان کے باغات بھی بڑے عمدہ عمدہ تھے۔ ان لوگوں کی عمریں طویل اور قد لمبے لمبے اور جسیم ہوتے تھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ کھجور کے درختوں کی طرح اُن کے قد لمبے ہوا کرتے تھے حضرت ہودؑ نے اُن کو بُت پرستی چھوڑنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی دعوت دی، تو انھوں نے نبیِ خدا کی بات نہ مانی، بلکہ اُن کو اذیتیں پہنچائیں۔ بالآخر تین یا سات سال تک بارش نہ ہوئی۔ تو اس قوم کا ایک وفد بارش کی دعا، مانگنے کے لیے مکّہ پہنچا اور وہاں اِن الفاظ میں دعا، مانگی۔

"اے ہمارے پروردگار! ہودؑ اگر سچا ہے تو ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما۔" خداوندِ عالم نے تین بادل بھیجے سرخ، سفید اور سیاہ۔ پھر آسمان سے ندا آئی کہ اِن بادلوں میں سے قوم کے لیے ایک چُن لو۔ تو قوم کے سردار قیل بن غنز، (جس نے یہ دعا، مانگی تھی) نے سیاہ بادل کو چُنا۔ جس میں عذابِ خدا پوشیدہ تھا۔ پس سات راتیں اور آٹھ دن اُن پر موسلا دھار بارش برستی رہی یہاں تک کہ یہ پوری قوم تباہ ہو گئی۔ (ملخص از تفسیر انوار النجف جلد ۹ صفحہ ۴۷)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ۶۶

(۶۶) اُن کی قوم کے بڑے لوگوں اور سرداروں نے جو اِس بات کو ماننے سے اِنکار کر رہے تھے، کہا: "ہم تو تمھیں بے عقلی اور حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ اور درحقیقت ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔"

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶۷

(۶۷) ہودؑ نے کہا: "مجھ میں کوئی حماقت نہیں۔ بلکہ میں تو تمام جہانوں کے پالنے والے مالک کا بھیجا ہوا ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ ۶۸

(۶۸) تمھیں اپنے مالک کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ اور میں تمھارا ایماندار، قابلِ بھروسہ اور تمھاری بھلائی چاہنے والا ہوں۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۶۹

(۶۹) کیا تم کو بس اتنی سی بات پر تعجب ہوا کہ تمھارے پاس خود تمھاری اپنی قوم کے ایک آدمی پر تمھارے پالنے والے مالک کی نصیحت آئی، تاکہ وہ تمھیں خبردار کرے؟ یاد کرو جب خدا نے تمھیں نوحؑ کی قوم کے بعد اُن کا جانشین بنایا اور تم کو خلقت میں طاقتور بھی بنایا پس اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو شاید تم کامیابی حاصل کرلو۔

آیت ۶۹ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "سب سے بڑی نعمت جو خداوندِ عالم نے تم کو عطا فرمائی وہ ہماری ولایت ہے۔" ——— (تفسیر صافی ص۱۷۵، بحوالہ کافی)

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی قوت اور متوازن جسامت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، اور یہ کہ دنیوی نعمتوں کو ذلیل سمجھنا زہد نہیں۔ ——— (تھانوی)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (۷۰)

(لیکن اس پر، اُنھوں نے جواب دیا: "کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم ایک اللہ کی بندگی کریں؟ اور جس جس چیز کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُسے چھوڑ دیں؟ اگر تو سچا ہے تو لے آ ہمارے پاس وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکیاں دیا رہتا ہے۔"

مشرکوں کا اصل مسئلہ

کافروں کو اللہ کی عبادت کرنے کے حکم پر اتنا اعتراض نہ تھا جتنا خدا کو ایک اکیلا ماننے پر اعتراض تھا۔ یعنی غیر اللہ کی عبادت کا چھوڑنا اُن کے لیے سخت مشکل تھا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی کہ وہ اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر اڑے ہوئے تھے۔ اور یہ ساری باتیں ہمارے نبیؐ کو اس لیے بھی یاد دلائی گئیں تاکہ اُن کو اور سچے مسلمانوں کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے، کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ کوئی نئی انوکھی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ (فصل الخطاب) ———— *

شرک کے معنی اور قوموں کا اصل گناہ

محققین نے قوم کے اس جملے سے نتیجہ نکالا کہ یہ قوم اللہ کی منکر یا اللہ سے ناواقف نہ تھی، نہ اُسے اللہ کی عبادت سے انکار تھا، اُن کو بس انکار تھا تو صرف اس بات سے کہ آخر ایک اکیلے اللہ ہی کی بندگی کیوں کی جائے؟ دوسروں کو بھی اللہ کی بندگی کے ساتھ شریک کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس بات پر نبیؑ نے سوال کیا کہ: تم خود جسے ربِّ اکبر کہتے ہو، کیا اُس نے کوئی سند تمہارے اِن جھوٹے بناوٹی خداؤں کے لیے عطا کی ہے؟ کیا ربِّ اکبر (خدا) نے کہیں کہا ہے کہ میں نے فلانے فلانے ٹھاکر، امیر، سردار، فرشتے یا جن یا اُن کے بتوں کو اپنی خدائی کا اتنا حصہ دے رہا ہوں؟ یا تم نے خود اپنے آپ صرف اپنے وہم و گمان سے خدا کی خدائی میں سے جتنا حصہ چاہا اُن کو دے ڈالا ہے۔ * ———— م (تفہیم)

مشرکوں کو اصل چڑھ ہمیشہ خدا کی یکتائی سے رہی ہے۔ وہ خدا کے وجود سے انکاری نہیں ہوئے یعنی خدا کا نام جتنی بار چاہے لیجیے، مگر جب بھی لیجیے تنہا نہ لیجیے، دوسروں کو ساتھ ساتھ خدا کا شریک ضرور بنا لیجیے۔

* ———— (ماجدی)

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۞ (۷۱)

(ہودؑ نے) کہا "تمہارے مالک کی پھٹکار تو تم پر پڑ ہی چکی اور اُس کا غضب بھی تم پر ٹوٹ چکا، اب کیا تم مجھ سے اُن ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جو خود تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لیے ہیں، اور جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند بھی نہیں اُتاری ہے؟ اچھا تو پھر تم بھی (خدا کے عذاب کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔"

خود ساختہ خداؤں کی پوجا پر عذاب الٰہی

مشرکوں نے جو بتوں اور دیوتاؤں کے نام تجویز کیے تھے وہ اس اعتبار سے تھے کہ وہ کائنات کے مختلف کام انجام دیتے ہیں۔ مثلاً فلاں بارش کا دیوتا ہے، تو فلاں دولت کی دیوی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ٭ ——— (فصل الخطاب)

آیت کے آخری الفاظ "سو تم بھی انتظار کرو، اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔" مطلب یہ ہے کہ تم اپنے شرک کی وجہ سے سزا کے مستحق تو ہو ہی چکے ہو۔ اب بس سزا آنے کی دیر ہے جو کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ ٭ ——— (قرطبی۔ کشاف)

بُتوں اور دیوتاؤں کو آیت میں صرف "نام" کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے "منھ بولے" خداؤں کی بس صرف اتنی سی حقیقت ہے کہ وہ صرف چند گھڑے ہوئے نام ہیں جن کے کوئی مسمّیٰ نہیں۔ اُن کے وجود تک کی تو کوئی عقلی دلیل ہے، اور نہ قدیم آسمانی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر ہے۔

آیت میں دوسری اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ عذابِ الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اُس سے صرف نافرمان ہلاک ہوتے ہیں، اہلِ ایمان محفوظ رہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے ہر قصّے سے ظاہر ہوتا ہے۔ رہے موجودہ زمانے کے ہولناک واقعات، قحط، سیلاب، جنگیں، جس میں اچھے بُرے لوگ بلا امتیاز ہلاک ہوتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ "خدا کا عذاب" نہیں ہے، یا تو ہمارا امتحان ہے، یا عذابِ الٰہی کے صرف نمونے ہیں، (یا ہماری عبرت کا سامان ہے یا ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں) ٭ ——— (ماجدی)

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۠ (۷۲)

آخرِ کار ہم نے اپنی مہربانی سے ہودؑ اور اُن کے ساتھیوں کو تو بچا لیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ کر اُن کا رگ و ریشہ تک اُکھاڑ پھینکا، جنھوں نے ہماری باتوں، نشانیوں اور احکامات کو جھٹلایا تھا (کیونکہ وہ ایمان لانے والے ہی نہ تھے۔

ریحِ عقیم

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے، کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "اُس ہوا کا نام "ریحِ عقیم" تھا، جو زمین کے ساتویں طبق کے نیچے سے نکلی تھی اور سوائے قومِ عاد کے کسی کے لیے نہیں نکلی۔ خدا کا حکم اُس کے نگہبانوں کو یہ پہنچا تھا کہ ایک انگوٹھے کے حلقے کے برابر ہوا نکالیں، مگر جب اُنھوں نے ہوا کو کھولا تو ایک بیل کے نتھنے کے برابر نکل گئی۔ اُس کے نگہبان چیخ اُٹھے کہ خداوندا! یہ ہوا ہمارے اختیار سے باہر ہو گئی اور ہمیں خوف ہے کہ جو تیرے نافرمان نہیں ہیں، وہ بھی کہیں اِس سے ہلاک نہ ہو جائیں، اور آباد شہر ویران نہ ہو جائیں۔ اُس وقت خدا نے جبرئیلِ امینؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے اپنے بازوؤں کے زور سے اُس ہوا کو ہٹا کر اُس کے مقام تک پہنچا دیا۔ اور حکم دیا کہ جتنی کا حکم دیا گیا ہے بس اُتنی ہی باہر نکلے۔ پھر وہ اُتنی ہی نکلی جتنا حکم تھا، اور اُسی نے پوری قومِ عاد کو ہلاک کر دیا۔"

(تفسیر قمی بحوالہ کافی) *

قومِ عاد اور حضرت ہودؑ

تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے، کہ عادِ اولیٰ بالکل تباہ ہو گئے تھے۔ اُن کی یادگاریں تک مٹ گئیں۔ اِسی لیے عرب مورخ اُن کو "اُمم بائدہ" یعنی "معدوم قومیں" کہتے ہیں۔ صرف قومِ عاد کا وہ حصّہ باقی رہا جو حضرت ہودؑ کا پیروکار تھا۔ اُنہی کو "عادِ ثانیہ" کہتے ہیں۔ ایک مغربی بحری افسر James R Wellested کو "حصین غراب" میں ایک کتبہ ملا جو حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً ۱۸سو سال پُرانا ہے۔ اُس میں لکھا ہے: "ہم نے ایک طویل زمانہ اِس قلعے میں، ایسی شان سے گزارا ہے کہ ہماری زندگی تنگی اور بدحالی سے دور تھی۔ ہماری نہریں دریا کے پانی سے لبریز تھیں...... ہمارے حکمراں بُرے خیالات سے پاک اور شریر اور فسادیوں پر سخت تھے۔ وہ ہم پر ہودؑ کی شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور عمدہ فیصلے ایک کتاب میں لکھ لیے جاتے تھے اور ہم معجزات اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کے قائل تھے۔" اِس عبارت نے قرآن کے اِس دعوے کو پوری طرح ثابت کر دیا کہ قومِ عاد کی قدیم عظمت و شوکت کے وارث آخر کار وہی لوگ ہوئے جو حضرت ہودؑ پر ایمان لائے تھے۔ * (تفہیم)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ ٢٥ (٢٥) اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا۔ (اُنھوں نے کہا) حقیقتاً میں تمھارے لیے (بُرے کاموں کے بُرے نتائج سے) واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔[1]

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ ٢٦ (٢٦) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت (بندگی یا کامل اطاعت) نہ کرو۔ ورنہ مجھے تمھارے لیے ڈر ہے ایک سخت تکلیف دینے والے عذاب کے دن کا (یا) مجھے ڈر ہے کہ تم کو ایک دن سخت تکلیف دینے والی سزا آ پکڑے۔

(آیت ٢٥)

نذارت اور بشارت

[1] سوال یہ ہے کہ حضرت نوحؑ نے خود کو "نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ" "واضح طوار پر ڈرانے والا" کیوں کہا؟ حالانکہ انبیاء "نذیر" ہونے کے ساتھ ساتھ "بشیر" یعنی بشارت دینے والے بھی ہوتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ خوشخبری صرف اہلِ ایمان کو دی جاتی ہے۔ جس قوم سے حضرت نوحؑ مخاطب تھے اُن میں کوئی اہلِ ایمان نہ تھا۔ جس طرح خدا نے مکّہ میں رسولِ اکرمؐ سے فرمایا تھا "قُمْ فَاَنْذِرْ" آپؐ اُٹھیے اور اُنھیں ڈرائیے۔

یہ حکم اُس وقت آیا تھا جب صحابہ میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔

* .... (روح البیان)

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝ ۲۷

(۲۷) اِس کے جواب میں اُس قوم کے بڑے بڑے آدمیوں نے، جو حق کے منکر تھے، کہا: ہماری نگاہ میں تو تم اِس کے سوا کچھ بھی نہیں ہو کہ تم تو صرف ہم جیسے ایک انسان ہو، اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس اُن لوگوں نے ہی تمھاری پیروی اختیار کر لی ہے، جو بہت ہی معمولی بالکل ذلیل اور پست طبقہ کے لوگ ہیں، اور وہ بھی بے سوچے سمجھے، سرسری رائے سے روا روی میں۔ اور ہم، تم لوگوں میں اپنے مقابلے میں کوئی فضیلت یا برتری نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمھیں (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔

کیا بشر نبی ہو سکتا ہے؟

ہر دور میں یہ بحث رہی ہے کہ آیا بشر نبی ہو سکتا ہے؟ — عام لوگ بشریّت اور نبوّت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔ نبیؐ کے نوری ہونے یا بشر ہونے کی بحث بھی اسی ذہنی اضطراب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عام لوگ نور کو بشریّت کی ضد سمجھتے ہیں اس لیے نبیؐ کے بشر ہونے کو نبیؐ کی توہین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہی اصل غلطی ہے۔ یہی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے پچھلی قوموں نے انبیاء کی نبوّت کا انکار کیا۔

اصل میں نور کی ضد بشریّت نہیں، بلکہ نور کی ضد ظلمت ہے۔ بشر نورانی بھی ہو سکتا ہے اور ظلماتی بھی۔ جو بشر خدا کی ہدایات وصول کر سکتا ہے اُس سے زیادہ نورانی بشر کون ہو سکتا ہے؟ اور جو لوگ خدا کے باغی اور گناہگار ہوتے ہیں وہ ظلماتی بشر ہوتے ہیں۔ جیسے کفّار، مشرکین، منافقین، ظالمین وغیرہ انسان میں علم یا نورانی پہلو بھی ہے اور جہل یا ظلماتی پہلو بھی ہے۔ نیکی نورانی پہلو ہے اور

بُرائی ظلماتی یا تاریک پہلو ہے۔ نورانی وہ بشر ہے جس میں عیوب کم ہوں یا نہ ہوں اور علم زیادہ ہو۔ فضائل اور نیکیوں کا حامل ہو۔ ایسے ہی بے عیب لوگ انبیاءؑ اور اولیاءؑ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جہالت، کفر، ظلم: شرک اور گناہوں کی تاریکی سے بالکل پاک صاف ہوتے ہیں، اِس لیے نورانی بشر ہوتے ہیں۔ خداوندِ کریم فرماتا ہے:

" خدا ایمان لانے والوں کا ولی (مددگار، سرپرست، ہادی) ہے۔ وہ اُن کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے اولیاء (مددگار، سرپرست، ہادی) شیاطین ہیں جو اُن کو نور سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں۔" (از آیۃ الکرسی سورۃ بقرۃ)

پس شرک، کفر، نفاق، ظلم، گناہ سب تاریکیاں ہیں اور اسلام، ایمان، ایقان، اور عملِ صالح کا جتنا غلبہ ہوگا وہ اتنے ہی نورانی بشر ہوتے ہیں۔ ان میں اکمل افراد انبیاءؑ اور ائمہؑ معصومین ہیں۔ نبیؐ یا امامؑ میں اُن کے افکار اور اعمال کے لحاظ سے ظلماتی پہلو موجود ہی نہیں ہوتا۔ اِس لیے وہ نور ہی نور ہیں۔ (بلکہ نور علیٰ نور ہیں)

* ..... (تفسیر انوار النجف)

حضرت نوحؑ کی قوم کا قصور

حضرت نوحؑ کی قوم کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ اُنھوں نے حضرت نوحؑ کو دل سے ماننے والوں کو جو غریب لوگ تھے، فقر و افلاس کی وجہ سے ذلیل سمجھا۔ حضرت نوحؑ کے ساتھ اُن کی نورانیت کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ اُن جاہلوں کے نزدیک دنیا کے ساز و سامان کے سوا کوئی چیز کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ تمام حقیقی اقدار کو وہ نہ جانتے تھے، اور نہ مانتے تھے۔ آج کے دورِ جاہلیت کی طرح جس کے پاس دنیا کی دولت ہوتی تھی اُسی کو شریف اور بڑا آدمی مانتے تھے، اور جس کے پاس دنیا کا ساز و سامان نہ ہوتا تھا اُس کو ذلیل سمجھتے۔ گویا وہ تمام فقراء و مساکین کو رذیل گردانتے تھے اسی لیے حق کو سمجھنے کی توفیق سے محروم رہے۔ * (تفسیر صافی ص۲۳۳ و تفسیر قمی)

اسی لیے کافروں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ جو تم مسلمان یہ کہتے ہو کہ ہم پر خدا کا فضل و کرم ہے تو اسکی کوئی علامت تو ہمیں نظر نہیں آتی۔ خدا کا اگر کوئی فضل ہے تو ہم پر ہے کہ ہمارے پاس مال و دولت عزت و اولاد، نوکر چاکر اور سواریاں وغیرہ موجود ہیں۔ دنیا ہماری سرداری کو مان رہی ہے تم ٹٹ پونجیے لوگ آخر ہم سے کس چیز میں بڑھے ہوئے ہو کہ تمھیں خدا کا چہیتا سمجھا جائے ؟ *...(تفہیم القرآن)

محققین نے آیت سے نتیجہ نکالا کہ ۱؎ پیغمبروںؑ اور مصلحین کی مخالفت قوم کے بڑے لوگوں سے شروع ہوتی ہے کیونکہ انبیاءؑ کی تعلیمات سے اکابرین کے مفادات مجروح ہوتے ہیں۔

۲؎ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ مشرکوں اور مشرک صفت لوگوں کی سمجھ میں یہ بات ہرگز نہیں آتی کہ کوئی انسان خدا کا پسندیدہ، یا بھیجا ہوا بھی ہو سکتا ہے ؟ وہ صرف اُسی آدمی کو بڑا آدمی سمجھ سکتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، بڑا آدمی اُن کے نزدیک بس وہ ہو سکتا ہے جو پانی پر چل سکتا ہو، آگ کو کھا سکتا ہو، غرض جو تماشے دکھا سکے اور مافوق البشر بن سکے وہی بڑا آدمی ہوتا ہے۔ آدمی کو دیوتا مان لینا اُن کے لیے آسان ہوتا ہے مگر خدا کا مقرب اور مقبول ماننا اُن کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ *.... (ماجدی)

علامہ زمخشری نے لکھا کہ "خیر وہ لوگ تو اہلِ جاہلیت میں سے تھے جو دنیا کی ظاہری ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے مگر غضب تو یہ ہے کہ آج اپنے کو مسلمان کہلوانے والے بھی عزت اور کامیابی کا معیار دولتِ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں۔ *.... (تفسیر کشاف)

اِسی لیے افسوس ہے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ اور اولیاءِ خدا کی حقیقی بزرگی اور عظمت کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند تھیں اور آج بھی بند ہیں۔ *.... (مؤلف)

؎ دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ؛ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں (اقبال)

تفسیر عارفانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ نفس سفلی (گھٹیا) ہے اِسی لیے اُس کی نظر بھی گھٹیا ہے اور

روح کیونکہ علوی (بلند) ہے اِس لیے اُس کی طبیعت بھی بلند ہے۔ اِس لیے روح اپنی بلند طبیعت کی وجہ سے جانتی ہے کہ ساری بلندی، شرافت اور عزّت خدا کی اطاعت میں ہے۔ مگر نفس کیونکہ سفلی (گھٹیا) ہے اِس لیے وہ اپنی گھٹیا نظر کی وجہ سے علویات (بلند مراتب) کو کچھ نہیں سمجھتا، بلکہ وہ تو سفلیات کی طرف میلان رکھتا ہے اور ہر چیز کو گھٹیا سمجھتا ہے۔ اِسی لیے ہر وہ نفس جو سفل میں گرفتار ہے وہ ہر صاحبِ روح علوی کو اپنا جیسا سفل سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ انبیاء ہمارے جیسے بشر ہیں۔ وہ صرف انبیاء کے ظاہری جسم اور جسمانی تقاضوں کو دیکھتا ہے، اُن کی روحِ اطاعت، صلاحیتِ قبولِ وحی، خدا سے تعلّق کو نہیں دیکھتا (جبکہ نبیؑ اور عام انسان میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہوتا ہے) *..... (روح البیان)

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں ؂ گرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ؂ مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
*..... (اقبالؔ)

* اِن مشرکوں کا حال بھی عجیب تھا کہ انسان کو اپنا جیسا سمجھ کر اُن کی نبوّت کا انکار کر رہے تھے اور عام پتھروں کو جو انسان سے بے انتہا پست ہیں اُن کو خدا سمجھ کر اُن کی پرستش کر رہے تھے۔

سوال یہ ہے کہ نوحؑ کی قوم نے نوحؑ کے ساتھیوں کو رذیل و ذلیل کیوں کہا؟ جبکہ نوحؑ کو ماننے والے بڑے زیرک و سمجھدار لوگ تھے۔ اصل میں نوحؑ کی قوم والوں نے اُن کو صرف اِس لیے ذلیل کہا کہ وہ مالدار نہ تھے، اور دولت کے پرستار صرف دولتمندوں ہی کو باعزّت سمجھتے ہیں اور ہر غریب کو ذلیل سمجھتے ہیں۔
*..... (فیوض الرّحمان)

نتیجہ یا تعلیم

یاد رہے کہ فقراء و مساکین کی محبت انبیاء کی عادت رہی ہے اِس لئے فقراء کی محفلوں سے نفرت کرنا منافقوں کا کام ہے۔

* حضور اکرمؐ نے فرمایا: "انسان کی ذلالت کیلئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے"۔

نیز آپؐ نے فرمایا: "مسلمان پر مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں:

(۱) خون۔ (۲) عزّت۔ (۳) مال۔ *..... (روح البیان)

؎ اصلِ مذہب احترامِ آدمی است

* حضرت نوحؑ کی قوم حضرت نوحؑ کی نبوّت کا انکار اس بنیاد پر کر رہی تھی کہ:

(۱) نوحؑ بشر ہیں اور بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ (۲) دوسرے یہ کہ نوحؑ کے ماننے والے غریب لوگ ہیں اِس لیے آپ اِس قابل نہیں کہ آپ کو مانا جائے اور آپ کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔

(۳) کیونکہ آپ ہم جیسے آدمی ہیں اِس لیے ہم سے افضل نہیں۔ کیونکہ آپ ہم سے افضل نہیں تو آپ کی اطاعت جائز نہیں۔ خدا نے تینوں باتوں کا جواب اِس طرح دیا کہ:

(۱) بے شک نوحؑ بشر ہیں لیکن ایسے بشر ہیں جو دلیل رکھتے ہیں اور صاحبِ وحی ہیں، اِس لیے وہ نبی ہیں۔

(۲) نوحؑ کو غریب لوگ مانتے ہیں اِس لیے وہ غریب لوگ حق پر ہیں۔ جو حق کو مانے وہ حق پر ہوتا ہے خواہ وہ غریب ہو یا امیر ہو۔ غریبوں کے ماننے سے حق باطل نہیں ہو سکتا، اور امیروں کے ماننے سے باطل حق نہیں ہو سکتا۔

اور (۳) کافروں کا یہ کہنا کہ نوحؑ تم ہم سے افضل نہیں ہو، اور اطاعت افضل کی واجب ہوتی ہے اِس کا جواب اِس طرح دیا گیا کہ کیونکہ نوحؑ صاحبِ بُرہان ہیں، دلیل رکھتے ہیں یعنی علم رکھتے ہیں اِس لیے تم سے افضل ہیں، اِس لیے تم پر اِن کی اطاعت واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ افضل کی اطاعت کرنے کا نظریہ عقلی اور فطری ہے۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت یا امامت عقلاً باطل ہے۔ اور فضیلت صاحبِ مال کو نہیں، صاحبِ علم کو حاصل ہوتی ہے۔ *..... (تفسیر انوار النجف)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○ ۲۸

(۲۸) (نوحؑ نے) کہا: اے میری قوم! کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے ایک کھلی ہوئی حقانیت کی دلیل پر قائم ہوں۔ اور اُس نے مجھے اپنے پاس سے اپنی رحمت بھی دی ہے' اور وہ نہ تو تمھاری سمجھ ہی میں آتی ہے اور نہ تمھیں نظر آتی ہے' تو کیا ہم اُسے تمھارے سر چپکا کر تمھیں اُس کا زبردستی پابند بنا سکتے ہیں؟ جبکہ تم اُس سے نفرت بھی کیے چلے جاؤ۔؟

ایمان بِالشّھادۃ اور علمِ وحی

مطلب یہ ہے کہ وہ رسولؑ جو خود انفس آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھ کر توحید کی حقیقت کو پاچکا تھا' پھر خدا نے اپنی رحمت کے (مراد وحی کے) ذریعے اپنے رسولؑ کو نوازا اور ابدی حقیقتوں کا براہِ راست علم بخشا۔ اُنہی باتوں کا علم جس کی گواہی رسولؐ کا دل پہلے ہی سے دے رہا تھا۔

محققین نے (۱) نتیجہ نکالا کہ تمام انبیاء کو نبوّت کے اعلان سے پہلے ہی خدا ایمان بِالشّھادۃ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ یعنی تمام انبیاءؑ انفس و آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھ کر توحید کی حقیقت کو پالیتے ہیں۔ پھر خدا اُن کو اپنی رحمت (یعنی وحی) سے نوازتا ہے۔ ...... * (تفہیم القرآن)

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ منکرِ حق کو اہلُ اللہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہ حق کا انکار کرتا ہے۔

*........ (تھانوی)

امامت کی پہچان اور اُن کے نور ہونے کا مطلب

اِس آیت میں سب سے اہم بات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کہلوائی جارہی ہے کہ : "میں اپنے رب کی طرف سے ایک برہان ودلیل پر ہوں، اور میرے پاس اللہ کی رحمت آئی ہے۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ نبیؐ وہ ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے دلیل پر ہوتا ہے اور اُسی دلیل کی وجہ سے وہ اعمال وافکار کے ظلماتی پہلو سے پاک رہتا ہے۔ اِسی کا دوسرا نام "عصمت" ہے

نبیؐ یا امامؑ کے نور ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُن کے افکار و اعمال خدا کی طرف کی دلیل پر مبنی ہوتے ہیں۔ اِس لیے اُن میں ظلماتی پہلو نہیں ہوتا۔ اُن کے افکار و اعمال ظلماتی پہلو یعنی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اگر نبیؐ یا امامؑ خود ظلمات (گناہوں کے اندھیروں) میں ڈوبا ہوا ہو تو پھر دوسروں کو کیا اطاعت وہدایت کا نور دکھا سکے گا؟

یہی وہ رحمت اور نور کا پہلو نبیؐ یا وصیِ نبیؐ کے افکار وکردار میں ہوتا ہے جو گمراہوں اور ظالموں کی نگاہوں سے ہمیشہ پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ اُسے عام اپنے جیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ اِس لیے کہ اُن کے نزدیک فکر وعمل کا نور یعنی فکر وعمل کی پاکیزگی بے معنی چیز ہوتی ہے۔ وہ صرف مال و دولت، کرسی، اولاد اور مادّی طاقت ہی کو کسی انسان کی برتری کا معیار سمجھتے ہیں۔

خدا کی دلیل پر ہونے کی وجہ سے انسان کے قول وعمل میں جو نورانیت، پاکیزگی اور حق وباطل کا امتیاز پیدا ہوتا ہے، اُس کو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ (جو ظلمتوں یعنی گناہوں میں گھرے ہوتے ہوں)

پس نبیؐ (یا امامؑ) کیلئے ضروری ہے کہ خود نور ہو اور دوسروں کو نور کی طرف بُلائے، اور اِس لحاظ سے نور کی بشر سے کوئی منافات نہیں ہے۔ *..... (ملخص از انوار النجف)

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ○ ۲۹

(۲۹) اور اے میری قوم والو! میں تو تم سے اِس کام پر کوئی مال بھی تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر یا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمّہ ہے۔ اور میں اُن لوگوں کو (اپنے پاس سے دھکّے دے کر) نکال دینے والا نہیں جنھوں نے میری بات مان لی ہے۔ اور یہ لوگ اپنے پالنے والے مالک سے ملنے والے ہیں۔ البتّہ میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ تم بڑی جہالت سے کام لیتے ہو۔

یہ آیت اصل میں حضرت نوحؑ کی طرف سے کافروں کے اُس مطالبے کا جواب ہے کہ جو وہ حضرت نوحؑ سے بار بار کر رہے تھے کہ اُن غریب لوگوں کو جن کو وہ رذیل سمجھتے تھے اپنے پاس سے نکال دیجیئے (تب ہم آپ کی باتوں پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔ اِسی مطالبے کی وجہ سے وہ حق کو سمجھنے کی توفیقات سے محروم رہے۔ غربا کو حقیر سمجھنے کا اِس سے زیادہ بُرا نتیجہ اور کیا ہو سکتا تھا)

حضرت نوحؑ نے اُن غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نہ نکالنے کا سبب یہ بتایا کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کا قرب حاصل ہے۔ اُنہی کو خدا کے پاس عظیم درجات حاصل ہیں۔ بھلا ایسے عظیم لوگوں کو، جو حاصلِ تخلیقِ کائنات ہوں، اپنے پاس سے کس طرح نکال سکتا ہوں؟ (البتّہ تم اِس قابل ضرور ہو کہ تمھیں اپنے پاس سے دور ہی رکھوں) ..... (تفسیر صافی ص ۲۳۳)

حضرت نوحؑ کے ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ تم دیکھ لو کہ میں ایک بے غرض ناصح ہوں یعنی بے غرضی کے ساتھ تمھاری بھلائی چاہنے والا ہوں۔ اپنے کسی فائدے کی خاطر نہیں بلکہ تمھارے بھلے کے لیے ساری تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کر رہا ہوں۔

رہے یہ غریب لوگ جن کو تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے نکال دوں، تو ان کی قدر و قیمت

جو بھی ہے وہ خدا کو معلوم ہے ۔ اگر یہ قیمتی جواہر ہیں تو یہ تمھارے پھینک دینے سے پتھر نہیں ہو جائیں گے اور اگر یہ بے قیمت پتھر ہیں تو پھر ان کے مالک کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے انھیں پھینک دے ۔
*...... (تفہیم القرآن)

نتائج و تعلیمات

(۱) محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو شخص حق یا خدا کی طرف مائل ہو اُس سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے ۔ کیونکہ جو شخص خدا کی طرف مائل ہوتا ہے خدا بھی اُس کی طرف مائل ہوتا ہے ۔

(۲) محققینِ صوفیائے نے نتیجہ نکالا کہ مسکینوں اور کم حیثیت لوگوں کو اپنی خاص توجہ سے محروم نہ رکھنا ہی سنّتِ انبیاء ؑ ہے ۔

(۳) فقہا نے نتیجہ نکالا کہ (۱) عباداتِ واجبہ پر معاوضہ طلب کرنا جائز ہے ۔ (۲) نیز یہ کہ دین دار لوگ جو خدا کی حضوری کے بھی طلب گار ہوں ، اُن کی توہین کرنا حرام ہے ۔ کیونکہ ایسے لوگ خدا کے مقرب بندے ہوتے ہیں ۔ کیونکہ یہ لوگ خدا کے سامنے حاضری کا دلی عقیدہ رکھتے ہیں ۔
*...... (تفسیر روح المعانی ، تفسیر کشاف ، وغیرہ)

شفاعت برحق ہے

حضرت نوح ؑ کا یہ فرمانا کہ : "اے قوم ! اگر میں نے ان غریبوں کو بھگا دیا تو پھر اللہ کے مقابلے پر میری کون مدد کرے گا ؟" اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ۔ شفاعت کا نظریہ باطل ہو گیا ۔ کیونکہ شفاعت بھی ایک قسم کی مدد یا نصرت ہے ، یہ کہنا کہ جب نوح ؑ کی غلطی پر اُن کی کوئی شفاعت نہیں کر سکتا تو ہماری شفاعت کون کر سکتا ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نوح ؑ یہ فرما رہے ہیں کہ غریبوں کو اپنے پاس سے بھگا دینا خدا سے جنگ کرنے کے مترادف ہے ۔ خدا سے اگر میں جنگ کروں گا تو بھلا کون مجھے خدا کے مقابلے پر غالب کر سکتا ہے ؟ کون مجھے خدا کی سزا سے بچا سکے گا ؟ مگر شفاعت کے معنی خدا سے جنگ کرنا نہیں ہوتا ۔ شفاعت کے معنی خدا سے درخواست کرنا ہوتا ہے ۔

* آخر میں خدا کا فرمانا : " اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ " کیا تم سوچتے نہیں ؟ تو تفکر و تذکر میں فرق ہے تذکر اُس بات کے سوچنے کو کہتے ہیں جو پہلے سے ذہن میں ہو ۔ اور تفکر ایسے مطالب کے سوچنے کو کہتے ہیں جو پہلے ذہن میں نہ ہوں ۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ (۳۰) اور اے میری قوم! اگر میں اِن کو نکال دوں تو مجھے خدا کی پکڑ سے کون بچانے آئے گا؟ تو کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے؟

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ (۳۱) اور میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں چھپی ہوئی باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ ہاں اُن لوگوں کے لیے جنھیں تمہاری نگاہیں ذلیل و حقیر محسوس کر رہی ہیں، میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ اُنھیں ہرگز کوئی بھلائی عطا نہیں کریگا (کیونکہ) اللہ خوب جانتا ہے اُس کو جو اُن کے دلوں میں ہے۔ (اِس لیے) اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

نبی بشر ہوتا ہے فرشتہ نہیں

(آیت ۳۱) یہ آیت کافروں کے اُس اعتراض کا جواب ہے کہ جو اُنھوں نے حضرت نوح ؑ پر کیا تھا کہ تم بس ہمیں ایک انسان دکھائی دیتے ہو اور کچھ نہیں ہو۔

حضرت نوح ؑ نے جواباً فرمایا کہ میں نے کب انسان کے سوا کچھ ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کب کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں (یا جن یا کوئی اور مخلوق ہوں) میں نے تو صرف یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے مجھے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ اِس بات کا امتحان تم جس طرح چاہو کر لو،

مگر میرے اِس دعوے پر مجھ سے یہ فرمائش کرنا کہاں کی تُک بندی ہے کہ میں تمھیں غیب کی خبریں سناؤں، خدا کے خزانوں کی کنجیاں تمھیں لاکر پیش کروں۔ عام انسانوں کی طرح کھانا پینا چھوڑ دوں۔ اگر میں نے فرشتہ ہونے کا دعوٰی کیا ہوتا تو تم مجھ سے یہ فرمائشیں کرتے۔ مجھ سے پوچھنا ہے تو خدا کی ہدایات اور تعلیمات کے متعلق پوچھو جس کے ملنے کا میں نے دعوٰی کیا ہے۔ تم عجیب لوگ ہو کہ مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ فلاں شخص کی بھینس نر جنے گی یا مادہ ؟ کیا زندگی کے صحیح اصول، اخلاق اور تمدن کے اصول بتلانے کا کوئی تعلق بھینس کے نر و مادہ جننے سے بھی ہو سکتا ہے ؟!

* . . . . (تفسیر تبیان ، تفہیم القرآن)

یہ تو بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی ڈاکٹر علم طب میں ماہر ہونے کا دعوٰی کرے اور اُس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تو جادو کر کے دکھا یا رسّی پر سر کے بل چل کر دکھا، تب ہم تجھے ڈاکٹر مانیں گے۔

غرض جاہل قوموں نے بزرگی کا معیار ہمیشہ سے غیب دانی کو سمجھ رکھا ہے۔ وہ کشف و کرامات کو انسانوں کی فضیلت کا معیار سمجھتے ہیں، جبکہ خدا کے نزدیک علم و عمل انسان کی عظمت کا معیار ہیں۔

آج بھی خدا والا وہی سمجھا جاتا ہے جو لوگوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بتا دے۔ یا۔ آنے والے واقعات کی خبر دیدے۔ حالانکہ یہ صلاحیت تو کافروں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، اُس کا خدا کے مقرب ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔

؎ کل میکدے میں تھی جو کوئی بیخودی کی بات ⁂ مندر میں آ کے کشف و کرامات ہو گئی

* غرض انسان کے کمال اور عظمت کا دار و مدار خدا کی معرفت اور اُس کی اطاعت پر ہے۔ (مؤلف)

اصل ظالم کون ہیں ؟ آیت کے آخری لفظوں سے عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ اصل ظالم وہ لوگ ہیں جو اولیاءِ خدا اور مومنین کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اُن کی عظمت کے منکر ہیں۔

* . . . . (ہماجدی)

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا (۳۲) آخرِ کار اُن لوگوں نے کہا: اے نوحؑ تم
فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا نے ہم سے جھگڑا کر لیا اور بہت کر لیا۔ اب
تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲ تو بس تم وہ عذاب لے ہی آؤ جس کی تم ہم
دھمکیاں دیتے رہے ہو، اگر تم واقعی سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ (۳۳) فرمایا کہ اُس عذاب کو تو بس اللہ ہی
شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ لائے گا، اگر وہ چاہے گا۔ پھر تم اُسے (روک کر)
بے بس بھی نہیں کر سکتے۔

خدا کب کسی کو گمراہی میں چھوڑتا ہے

اللہ بندے کو صرف اُس وقت گمراہی میں چھوڑتا ہے جب وہ اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرتا رہتا ہے۔ انسان کے اِس طرزِ عمل کا واضح طور پر منطقی مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ گمراہی میں ہی پڑا رہنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت میں انبیاء کی نصیحت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ سننے والا سننے، سمجھنے اور غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ ایسی صورت میں خدا کے عذاب کے سوا کسی چیز کے آنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا اور یہ عذاب خود لوگوں کی بدکاریوں ہی کی وجہ سے آتا ہے۔ *..... (تفسیر تبیان۔ فصل الخطاب)

انبیاءؑ بڑے بڑے دعوے نہیں کرتے

حضرت نوحؑ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں عذاب لانے والا کون ہوں؟ میرا کام تو صرف احکامات و پیغاماتِ الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔ اہلِ حق کو ہمیشہ یہی کہنا چاہیئے۔ بڑے بڑے دعوے کرنا اہلِ باطل کا کام ہے۔ اِسی لیے حضرت نوحؑ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ سب کچھ اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اپنی طاقت کا کوئی حوالہ نہ دیا۔ اُلٹا اپنی عاجزی کو ظاہر فرمایا کہ ہدایت دینا بھی میرا کام نہیں ہدایت خدا دیتا ہے مگر خدا کی دین کا دار و مدار تمھاری توجہ دینے پر ہے۔ *... (ماجدی۔ تھانوی)

وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِيٓ إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ ٣٤

(۳۴) اب اگر میں تمہاری بھلائی بھی چاہوں یا تمہیں نصیحت بھی کروں، تو میری نصیحت کرنا، یا میرا تمہاری بھلائی چاہنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اگر خدا ہی تمہیں گمراہی پر سزا دینا چاہتا ہو۔[1] (کیونکہ) وہی تو تمہارا مالک ہے، اور اُسی کی طرف تم کو پلٹ کر جانا بھی ہے۔

خدا گمراہ کرتا نہیں، گمراہی کی سزا دیتا ہے

[1] خدا کا یہ فرمانا کہ: "اللہ کو یہ منظور ہے کہ وہ تمہیں تمہاری گمراہی پر سزا دے۔ (یا) تمہیں تمہاری گمراہی میں چھوڑ دے۔"

جب بھی گمراہی کی نسبت خدا کی طرف دی جاتی ہے تو اُس کے دو معنی ہوتے ہیں۔

(۱) گمراہی پر سزا دینا۔ (۲) گمراہی میں چھوڑ دینا۔ یہاں گمراہی پر سزا دینا مراد ہے۔

* ..... (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ صـ ۱۴۳)

آیت کا مفہوم

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے تمہاری ہٹ دھرمی، حق دشمنی، شر پسندی، حق سے بے رغبتی کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں سیدھے راستے کو پانے کی توفیق نہ دی جائے۔ تم جن غلط راہوں پر بھٹکنا چاہتے ہو، اُنہی پر تمہیں چھوڑ دے۔ تو اب ایسی حالت میں میرا بھلائی چاہنا اور تمہاری ہدایت کے لیے کوششیں کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

* ..... (تفہیم القرآن)

انسانوں کی قسمیں

صاحبِ "روح البیان" نے لکھا کہ میرے شیخِ کامل نے فرمایا کہ: انسانوں کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) حیوانی۔ جن پر شہوتوں اور خواہشوں کا غلبہ ہو۔ (۲) شیطانی۔ جن پر اوصافِ نفس اور احوال و اعمالِ شیطانی غالب ہوں۔ (جیسے قتل و غارت، فتنہ گری، شرک و بدعت وغیرہ)

(۳) مَلَکی ۔ جن میں اوصافِ روح و احوالِ مَلَکیہ کا غلبہ ہو۔ (یعنی۔ جو ذکر و فکر و عبادت کی طرف راغب ہوں)

(۴) صاحب الجانبین ۔ یعنی جن میں شہوات، خواہشات، شیطنت، فرشتے اور روح کے صفات مشترک طور پر پائے جائیں۔ (یعنی بدکاریاں بھی کریں، شیطنت بھی کریں اور ساتھ ساتھ ذکر و فکر و عبادات بھی)

(۵) رحمانی ۔ یہ وہ ہیں جن پر خدا کی یاد اور ہیبت کا غلبہ ہو۔

شروع کی تین قسم کے لوگ اگر دنیا سے ایمان بسلامت لے گئے تو ضرور جنت میں جائیں گے (انشاء اللہ) خدا کے فضل سے یا عدل سے۔ اِن کو اصحابُ الیمین یا اصحاب الجمال کہا جاتا ہے مگر ان میں جو ایمان سے محروم رہے (یا گناہوں کی بڑی کثرت لے گئے) تو وہ دوزخ میں جائیں گے اللہ کے عدل سے۔ اِنہی کو اصحابِ شمال یا اربابِ جلال کہا گیا ہے۔

چوتھی قسم والے اگر دنیا سے ایمان لے کر گئے ہیں تو اصحابِ اعراف ہیں ۔ یعنی جنت اور جہنم کے درمیان والے ۔ (سے خدا کا فضل ہوگا تو جنت میں داخل ہوں گے۔)

پانچویں قسم کے لوگ اربابِ کمال یا السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن ہیں ۔ ان کے کمالات اور درجات کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اِن کو جو نعمتیں ملیں گی وہ صرف اللہ ہی کو معلوم ہیں۔

حیوانی انسان مرنے کے بعد شیاطین کے ساتھ اُٹھیں گے۔ اور
ملکی صفات رکھنے والے ملائکہ کے ساتھ اُٹھیں گے۔

اصحاب الجانبین، دو اطراف کے درمیان اُٹھائے جائیں گے۔ اور رحمانی حضرات کا قرب رحمان کے ساتھ ہوگا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "تمہیں موت اسی حالت میں آئے گی جن اعمال پر تم (اکثر) زندگی بسر کرتے ہو اور قیامت میں اُسی کیفیت پر اُٹھو گے جس پر موت واقع ہوگی۔" ۔ . . . (روح البیان)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ (٣٥) کیا (اب بھی) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُس
اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ شخص نے اِس (قرآن) کو از خود گھڑ لیا ہے؟
وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۠ ۳۵ (آپؐ) کہیئے کہ اگر میں نے اِسے از خود گھڑ لیا
ہے تو پھر میرے جرم کی ذمّے داری بھی خود مجھ پر ہے ۔ اور (انکارِ حق کا) جو جُرم تم کر رہے
ہو، اُس کی ذمّے داری سے میں بری الذّمّہ ہوں ۔

نصیحت کرنے کا خوبصورت انداز

اندازِ کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

نبیٔ اکرمؐ کی زبان سے حضرت نوحؑ کا قصّہ سنتے ہی مخالفین نے کہا کہ محمدؐ یہ قصّے بنا بنا کر اِس لیے ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے کہ ان کو ہم پر چپکا دے ۔ جو چوٹیں یہ ہم پر براہِ راست نہیں کرنا چاہتا اُن کو قصّے گھڑ گھڑ کر ہم پر مار رہا ہے ۔ گویا محمدؐ ہم پر "حدیثِ دیگراں" کے انداز میں چوٹیں کس رہا ہے ۔

اِس لیے سلسلۂ کلام کو توڑ کر اُس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ گھٹیا لوگوں کا ذہن ہمیشہ بُرے پہلوؤں کی طرف جایا کرتا ہے ۔ کیونکہ اُنھیں اچھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوا کرتی ۔ کوئی اگر ایسے گھٹیا آدمی کو نصیحت کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اُس میں کوئی بُرائی کا پہلو تلاش کر لیتا ہے ۔ نصیحت کرنے والے پر کوئی الزام لگا کر اُس کی حکمت اور نصیحت پر پانی پھیرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنی بُرائی پر قائم رہ سکے ۔ کیونکہ اگر نصیحت کو چوٹ سمجھا دیا جائے تو سننے والے بجائے سوچنے سمجھنے کے بُرا ماننے لگتے ہیں ۔ پھر اُن پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اِس طرح نصیحت تباہ ہو جاتی ہے اور لوگ اور زیادہ حق دشمنی پر اُتر آتے ہیں ۔ اِسی لیے حضورؐ فرما رہے ہیں کہ میں تم پر کوئی چوٹ نہیں کر رہا ہوں، نہ میں نے حضرت نوحؑ کا قصّہ خود تصنیف کیا ہے ۔ یہ ایک سچّا واقعہ ہے مگر میں کیا کروں کہ وہ تم پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہو رہا ہے ۔ تمہاری غلطیوں کی نشاندہی کر رہا ہے ۔ لہٰذا تم اِس واقعے سے سبق سیکھو اور مجھ پر بدگمانی کی وجہ سے کسی ثبوت کے بغیر یہ الزام نہ لگاؤ کہ میں تم پر چوٹیں کس رہا ہوں یا میں نے یہ قصّہ خود گھڑ لیا ہے ۔ اگر یہ قصّہ میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میں خود اپنے جرم کا ذمّہ دار ہوں مگر جو جرم تم کر رہے ہو اُس کے تم خود ذمّہ دار ہو ۔ (تفہیم بغیرہٖ)

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ (۳۶) اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ اب اُن
یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ لوگوں کے سوا جو حق پر ایمان لے آئے ہیں
قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا تمہاری قوم میں اور کوئی حق کو ماننے والا باقی
كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۳۶ نہیں رہا ہے۔ تو اب اُن کے (بُرے) کاموں
پر غم کھانا ہی چھوڑ دیجیے۔

عذاب کب آیا ؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو ۹۵۰ سال خفیہ اور علانیہ دین کی تعلیم دی۔ مگر جب وہ حق دشمنی اور سرکشی پر اڑے ہی رہے تب حضرت نوحؑ نے خدا سے دعا فرمائی کہ: "رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" (اے میرے مالک میں مغلوب ہوگیا ہوں تو میری مدد فرما۔) اِس پر خدا نے فرمایا: یقیناً تمہاری قوم میں سے اب کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔۔۔الخ۔ اِسی بنا پر حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ: "اب اِن سے سوا حق کے منکر بدکاروں کے کوئی پیدا نہ ہوگا۔" (تفسیر صافی صہ ۲۲۳۔ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی) ★۔۔۔۔

حضرت نوحؑ پر غلط الزام

آیت کے الفاظ ہی سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ حضرت نوحؑ بار بار بد دعا پر بد دعا کرتے رہے تھے اور ہر مرتبہ خدا اپنے عذاب کو ایک مدت کے لیے ٹال دیا کرتا تھا۔ آخر کار خدا نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ چلو اچھا اب کشتی بناؤ۔ بلکہ قرآن کا انداز بتا رہا ہے کہ عذاب کی خبر سن کر بھی حضرت نوحؑ ایک حد تک پُر اُمید تھے۔ اسی پر خدا نے اطّلاع دی کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تب جا کر حضرت نوحؑ نے بددعا فرمائی، جس کا ذکر سورۂ نوحؑ میں ہے کہ فرمایا: "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۲۶" یعنی: "مالک! کسی کافر کو زمین پر آباد رہنے والا نہ چھوڑ۔" ★ (فصل الخطاب)

★ توراۃ میں ہے: "اور زمین ظلم سے بھری تھی۔ خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے طریقے سے زمین کو بگاڑ اتھا۔" ★۔۔۔۔ (پیدائش ۶: ۱۰-۱۲)

وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (۳۷) اور اب ہماری نگاہوں کے سامنے، ہمارے اشاروں (وحی) پر، ایک کشتی بناؤ۔ اور اب مجھ سے اِن ظالموں کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ اب تو یہ سارے کے سارے ڈبو دیے جائیں گے۔

مُہلت کب تک دی جاتی ہے

محققین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ:
جب نبیؑ کا پیغام کسی قوم تک پہونچ جاتا ہے تو پھر اُسے صرف اُس وقت تک مُہلت ملتی ہے جب تک اُن میں سے کچھ بھلے آدمیوں کے نکل آنے کا امکان باقی رہتا ہے۔ مگر جب اُسی قوم کے صالح اجزار سب کے سب نکل چکتے ہیں اور قوم صرف فاسد عناصر کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے، تو پھر اللہ ایسی قوم کو مُہلت نہیں دیتا۔ پھر خدا کی رحمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ سڑے ہوئے پھلوں کے اُس ٹوکرے کو دور پھینک دیا جائے، تاکہ وہ گندے پھل کہیں اچھے پھلوں کو خراب نہ کردیں۔ پھر ایسی قوموں پر رحم کھانا ساری دنیا کی قوموں اور آنے والی نسلوں کے ساتھ بے رحمی بن جاتا ہے۔ *..... (تفہیم القرآن)

کشتیِ نوحؑ پر تحقیق

مسیحی علمار کی تحقیق کے مطابق حضرت نوحؑ کی کشتی ۵۲۵ فٹ چوڑی، ۸۷ فٹ اونچی اور ۵۲ فٹ لمبی تھی۔

* توریت میں ہے کہ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اُس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اُس کے باہر اور اندر بھیتر رال لگا۔ اور اُس کو ایسی بنا کہ اُس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اُس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اُس کی اونچائی تیس ۳۰ ہاتھ ہو۔۔۔۔ اور کشتی کے ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا طبقہ بھی بنا۔
*..... (پیدائش ۶ : ۱۴ - ۱۶)

* امام فخر الدین رازی نے خوب لکھا کہ: کشتی کیسی تھی، وغیرہ۔ یہ تمام بحثیں بیکار ہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی جگہ ضرور تھی کہ اُس وقت کی تمام مومن آبادی اور جانوروں کے

جوڑے اُس میں سما گئے تھے۔ *..... (تفسیر کبیر۔ روح المعانی)

دوسری بات یہ کہ خدا کا فرمانا کہ: "ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بناؤ"، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری حفاظت، نگرانی اور ہدایات کے مطابق کشتی بناؤ۔

*..... (تفسیر کبیر، روح المعانی، ابوالبقار)

تیسری بات یہ جاننی چاہیے کہ حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیِ نوحؑ کی سی ہے، جو اُس پر سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اُس سے الگ رہا وہ غرق ہوا اور برباد ہوا۔"

*..... (تفسیر کبیر امام رازی)

حضورِ اکرمؐ نے اپنی عترت، اہلِ بیتؑ کو کشتی کے مشابہ قرار نہیں دیا۔ اگر کشتی کے مشابہ قرار دیتے تو ایک کشتی چھوڑ دی جائے تو دوسری کشتی مل سکتی ہے۔ اور اِس طرح انسان ایک کشتی کو چھوڑ کر بھی نجات پا سکتا ہے۔

لیکن حضورِ اکرمؐ نے اپنے اہلِ بیتؑ کو کشتیِ نوحؑ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ کشتیِ نوحؑ واحد ذریعۂ نجات تھی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ: نجات کے لیے اہلِ بیتِ رسولؐ کی معرفت، محبت اور اطاعت لازمی ہے۔ اِس کے بغیر نجات کا تصوّر ہی ممکن نہیں۔

*... (مؤلف)

* تفسیر جامع میں ابوصلت ہروی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ زمانۂ نوحؑ میں خداوندِ عالم نے ساری دنیا کو کیوں غرق کر دیا، حالانکہ اُن میں بچے معصوم بھی ہوں گے آپؑ نے فرمایا: جب اُن لوگوں پر عذاب حتمی ہو گیا تو وقتِ عذاب سے چالیس سال قبل خدا نے اُن کی عورتوں کو عقیم بنا دیا۔ پس کوئی بچہ اُس دوران میں اُن کے ہاں پیدا نہ ہوا۔ پس وہ جو حضرت نوحؑ کی تکذیب نہ کرتے، بلکہ اُنھوں نے حضرت نوحؑ کو دیکھا بھی نہ تھا لیکن وہ اُن کافروں کے افعالِ بد سے خوش اور راضی تھے۔ پس اُن دونوں جماعتوں کو غرق کر دیا گیا۔" *..... (تفسیر انوار النجف)

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ ۳۸

(۳۸) اب نوحؑ تو کشتی بنا رہے تھے اور اُن کی قوم کے کچھ بڑے بڑے آدمی جب اُدھر سے گذرتے تو اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔ تو نوحؑ نے کہا: خیر اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو ہم بھی تم پر بالکل اُسی طرح ہنسیں گے۔

پیغمبرِ خدا کا مذاق اُڑانے والوں کا انجام

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب ختمی مرتبت رسولِ اکرم صلعم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کے لیے کھجور کی گٹھلیاں بوئیں تو اُن کی قوم کے لوگوں نے اُن کا اِس طرح مذاق اُڑایا کہ لو اَب یہ رسولؑ سے مالی بن گئے جب وہ درخت بڑے اور مضبوط ہوئے اور حضرت نوحؑ نے اُن کو کاٹ کر کشتی بنانا شروع کی تو قوم والوں نے مذاق اُڑایا کہ لیجیئے اب مالی سے بڑھئی بن گئے۔ کیا ترقّی فرمائی ہے۔ پھر جب کشتی تیار ہونے لگی تو کہنے لگے! لیجیئے میاں اب خشکی میں ملّاح بن گئے۔ جب آپؑ کشتی بنا کر فارغ ہوئے، تب حضرت نوحؑ نے اُن کی بدمعاشیوں کا صرف یہ جواب دیا کہ: "اگر آج تم ہم پر ہنستے ہو تو اِسی طرح ہم تم پر بھی ایک دن ہنسیں گے۔"

اِس کا مطلب یہ بھی ہے کہ پھر جب تم پانی میں ڈبکیاں کھا رہے ہوگے اور پھر آخرت میں جہنم کی آگ میں جھلسنے لگوگے، اُس وقت ہم تم پر خوب خوب ہنسیں گے۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۳۳ بحوالہ کافی)

تحقیقی نتیجہ: محقّقین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ انسان دنیا کے ظاہر سے کس قدر دھوکا کھاتا ہے۔ جب حضرت نوحؑ دریا سے بہت دور خشکی پر جہاز بنا رہے تھے تو ظاہر بیں لوگوں کو یہ (معاذ اللہ) حماقت کے سوا کچھ محسوس نہ ہوا۔ وہ ہنس ہنس کر کہتے کہ لو بڑے میاں کی دیوانگی آخر

اب یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت خشکی میں جہاز چلائیں گے۔

اُس وقت کسی کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ چند روز بعد واقعی یہاں جہاز چلے گا۔ اسی لیے وہ لوگ کہتے تھے کہ "پہلے سے ہی یہ شخص کچھ کم پاگل نہ تھا، مگر اب تو اِس کا پاگل پن آنکھوں سے دکھائی دینے لگا ہے۔" اب ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ کو اُن پر ہنسی آتی تھی، کیونکہ حضرت نوحؑ اِس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ یہاں جہاز چلے گا، پانی اُبلے گا، اور یہ سب کے سب ڈبکیاں لگا لگا کر بے حسی کے عالم میں غرق ہوں گے۔

اب اِس بات کو اگر پھیلا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے ظاہر اور محسوس پہلو سے عقلمندی اور بے وقوفی کا جو معیار قائم کیا جاتا ہے وہ حقیقت سے کتنا دور ہوتا ہے۔ ظاہر بیں شخص جس بات کو انتہائی عقلمندی سمجھتا ہے وہ حقیقت جاننے والے کے لیے انتہائی بے وقوفی ہوتی ہے۔ اور ظاہر بیں آدمی کے نزدیک جو چیز بالکل بیکار اور دیوانگی ہوتی ہے، حقیقت شناس آدمی کے لیے وہی کمالِ دانش اور انتہائے عقل ہوتی ہے۔ *..... (تفہیم القرآن)

* شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "وہ ہنستے تھے اِس پر کہ خشک زمین پر غرق (ہونے) کا بچاؤ کرتا ہے۔ یہ (حضرت نوحؑ) ہنستے تھے اِس پر کہ موت سر پر کھڑی ہے اور (احمق) ہنستے ہیں۔ (موضح القرآن)

* دوسری وجہ کافروں کے ہنسنے کی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے، "اچھا! آپ پیغمبری کرتے کرتے اب بڑھئی گیری کرنے لگے۔ *..... (تفسیر تبیان)

* کوئی کہتا تھا کہ (معاذ اللہ) نوحؑ خبطی ہیں۔ پانی کا نام و نشان نہیں اور کشتی بنا رہے ہیں۔ کوئی کہتا: کیا خوب نبوت کرتے کرتے نجاری کرنے لگے۔ *..... (بیضاوی)

* اصل میں جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہ تھا۔ ایک بلند میدان تھا۔ اور وہاں سے سمندر یعنی خلیج فارس ایک سو میل دور تھا۔ اسی لیے وہ حیران تھے کہ کشتی بنانے کا کیا فائدہ؟ *... (ماجدی)

* اخلاقیات کے ماہرین نے نتیجہ نکالا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم الاخلاق کے منافی نہیں۔ *..... (تھانوی)

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّأْتِيْهِ (۳۹) عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ ۳۹

اور اب بہت جلد تمھیں خود معلوم ہوجائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے ذلیل کرکے چھوڑے گا، اور کس پر وہ سزا اور بلا ٹوٹتی ہے جو ٹالے نہ ٹلے گی۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ (۴۰) التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ۴۰

غرض جب ہمارا حکم (عذاب) آہی پہنچا اور تنور اُبل پڑا تو ہم نے کہا: "ہر قسم کے جانوروں کے دو دو جوڑے کشتی میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (کشتی میں سوار کرلو) سوا اُن کے جن کے بارے میں پہلے ہی بات ہوچکی ہے اور (اس میں سوار کرلو اُن کو بھی) جو ایمان لاچکے ہیں۔ اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو نوحؑ پر ایمان لائے تھے۔

(آیت ۳۹) "عذابِ مقیم" یعنی: نہ ٹلنے والے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ اور رسوا کردینے والے عذاب سے مراد دنیا میں ڈوبنے کا عذاب ہے۔ ٭ ..... (مدارک)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ دنیا کے ظاہر اور محسوس پہلو کے لحاظ سے عقلمندی اور بیوقوفی کا جو معیار قائم کیا جاتا ہے وہ اُس حقیقی معیار سے کس قدر مختلف ہوتا ہے جو علمِ حقیقت کے اعتبار سے قرار پاتا ہے ظاہر بیں آدمی جس چیز کو انتہائی عقلمندی سمجھتا ہے، وہ حقیقت شناس کی نگاہ میں انتہائی بیوقوفی ہوتی ہے۔ ٭ .... (تفہیم القرآن)

"ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ" (غالب)

طوفانِ نوحؑ کی ابتداء

(آیت ۴۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت فرمائی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جس وقت حضرت نوحؑ کشتی بنا رہے تھے،

اُن کی زوجہ نے آکر اطلاع دی کہ تنور میں سے پانی نکلنے لگا ہے۔ حضرت نوحؑ دوڑ کر تنور کی طرف گئے اور ایک طباق سے اُسے بند کر دیا۔ اور اُس پر اپنی مہر لگا دی۔ اِس پر پانی ٹھہر گیا۔ پھر جب کشتی بنا چکے، تب تنور کے پاس تشریف لائے اور اپنی مہر توڑ دی اور طباق اُٹھا لیا۔ پھر کیا تھا، پانی جوش مار مار کر نکلنے لگا۔ پھر تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ خدا نے فرمایا: "ہم نے اُن پر آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے لیے کھول دیے اور تمام زمین کو پھاڑ پھاڑ کر چشمے بہا دیے۔ پھر آسمان اور زمین کا پانی اُس حد کو پہنچا جو اُس کے لیے مقرّر کی گئی تھی" اِس طرح سب بدمعاش غرق ہوتے۔

حضرت نوحؑ نے جو کشتی بنائی تھی وہ مسجدِ کوفہ کے وسط کی زمین پر بنائی تھی۔

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی صفحہ ۲۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی و کافی بروایت حضرت علیؑ)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "حضرت نوحؑ کی قوم کے صرف آٹھ آدمی اُن پر ایمان لائے تھے"۔

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی صفحہ ۲۳۲ بحوالہ تفسیر مجمع البیان اور معانی الاخبار)

ایک غلطی کا ازالہ

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اِس آیت سے مؤرخین اور علماءِ انساب کے اس نظریے کی تردید ہوتی ہے کہ تمام انسانی نسلوں کا شجرہ حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں سے چلا ہے۔ یہ نظریہ اسرائیلیات کی اُن روایتوں سے چلا ہے کہ طوفانِ نوحؑ میں حضرت نوحؑ کے تینوں بیٹوں اور اُن کی بیویوں کے سوا کوئی نہ بچا تھا۔

*۔۔۔ (بائیبل کتاب پیدائش ۶ : ۱۸، ۷ : ۷، ۹ : ۱۹)

لیکن قرآن نے بار بار یہ بتایا ہے کہ حضرت نوحؑ اور اُن کی اولاد کے علاوہ اُن کی قوم کے کچھ لوگ بھی طوفانِ نوحؑ میں غرق ہونے سے بچ گئے تھے۔ اِسی لیے قرآن بعد کی نسلوں کو صرف حضرت نوحؑ کی اولاد نہیں کہتا، بلکہ اُن سب لوگوں کی اولاد قرار دیتا ہے جو حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ فرمایا: "ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ" (بنی اسرائیل آیت ۳) یعنی: بعد کے تمام لوگ اُن لوگوں

کی اولاد ہیں جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں بٹھایا تھا۔

نیز فرمایا: "مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ" (سورۃ المریم آیت ۵۸)

یعنی: ذریتِ آدمؑ میں سے، اور اُن میں سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) اٹھایا۔

(تفہیم القرآن) ...... *

خدا کا فرمانا کہ: "سوا اُن کے جن کی بات پہلے سے طے ہو چکی ہے"۔

اِس کے متعلق شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا کہ:

"پہلے سے جن لوگوں کے بارے میں طے ہو چکا تھا کہ وہ عذاب سے نہیں بچیں گے وہ نوحؑ کا ایک بیٹا کنعان تھا اور اُس کی ماں تھی۔ سو وہ ڈوبے"۔ *

(موضح القرآن) ...... *

تنورِ نوحؑ

" "تنور" کے بارے میں روایات بتلاتی ہیں کہ پانی ایک ایسے تنور سے اُبلا جس میں روٹیاں پکتی تھیں"۔

* شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا کہ: "تنور تھا حضرت نوحؑ کے گھر میں"

(موضح القرآن) ...... *

* لیکن تفسیر جلالین میں ہے کہ:

"ایک نان بائی کے تنور سے پانی اُبلنے لگا تھا"۔ * ..... (تفسیر جلالین)

* مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے "تنور سے مراد" اللہ کا غضب" لیا ہے۔ لکھا۔

"یعنی: تنور غضبِ الٰہی" * ..... (فتح الرحمان)

اس پر اعتراض یہ ہے کہ اگر "تنور" کو غضبِ الٰہی کے استعارہ کے طور پر استعمال ہی فرمایا ہے تو پھر تنور کو مشتعل ہونا چاہیئے تھا۔ اُس میں سے آگ نکلنی چاہیئے تھی نہ کہ پانی؟ اِس لئے تنور کو غضبِ الٰہی کا استعارہ سمجھنا بہت بعید استعارہ ہوگا (جو غیر فصیح ہے) * ..... (فصل الخطاب)

کشتیٔ نوحؑ کے بننے کی جگہ؟

حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ: "حضرت نوحؑ کی کشتی کے بننے

کی جگہ مسجدِ کوفہ کا وسط ہے اور حضرت نوحؑ پر کُل آٹھ آدمی ایمان لائے تھے۔
*...... (کافی، تفسیرِ قمی، تفسیرِ عیاشی، تفسیرِ صافی)

* معلوم ہوا کہ (۱) "نبیؑ" یا "ولی" پر بہت کم لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اور (۲) کم لوگوں کے ایمان لانے سے "نبیؑ" یا "ولی" کی تحقیر نہیں ہوتی، کیونکہ عقل والے کم ہی ہوتے ہیں۔ قرآن میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ:

"قَلِیۡلًا مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ" "میرے بہت کم بندے شکر ادا کرتے ہیں"
(مؤلف)

* اور خدا کا فرمانا کہ: "تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا" تو تنور سے مراد زمین یا بلند سطحِ زمین بھی ہو سکتے ہیں)۔ یا "تنور" اُس جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں سے چشمے اُبلتے ہیں۔
*.... (ابن جریر۔ بقول ابن عباس والضحاک و عکرمہ، بحر)

* اہلِ لغت نے لکھا کہ: "تنور" کا لفظ عربی نہیں، فارسی ہے۔
*.... (نسائی، برہانِ قاطع، تاج العروس)

* اور ممکن ہے کہ "تنور" سے مراد وہی معنی ہوں جو اردو میں مستعمل ہیں۔
*..... (بحر۔ روح)

* توراۃ میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان آنے پر "سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے، چرندے پرندے اور جنگلی جانور، کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا، اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے، مر گئے۔ بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں۔ انسان سے لیکر حیوان تک، اور کیڑوں مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں۔"
*.. (کتب پیدائش ۷ : ۲۱ - ۲۳)

* غرض صرف اور صرف وہی بچے جو نوحؑ کی کشتی میں سوار ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

"میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوگا وہ نجات پائے گا اور جو اس کشتی سے دور رہے گا وہ غرق ہوگا اور برباد ہوگا۔" (الحدیث)

*.... (صواعقِ محرقہ" ابن حجر مکی)

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ (۴۱) اور (پھر نوح نے) کہا: "سوار ہو جاؤ اِس مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ (کشتی) میں (کیونکہ) اللہ کے نام سے اور سہارے لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۴۱ ہی سے اِس کا چلنا بھی ہے، اور اِس کا رُکنا بھی۔ یہ حقیقت ہے کہ میرا پالنے والا مالک غلطیوں کو بہت معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

مومن کی شان بان

اِس آیت میں مومن کی اصل شان بان دکھائی ہے کہ وہ عالمِ اسباب میں تمام تدابیر اہلِ دنیا کی طرح اختیار ضرور کرتا ہے مگر اُس کا بھروسہ اُن تدبیروں اور اسباب پر نہیں ہوتا، بلکہ اُس کا بھروسہ اللہ پر ہی ہوتا ہے۔ یہ اِس لیے کہ مومن خوب اچھی طرح سے یہ بات سمجھتا ہے کہ اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی جب تک اللہ کا فضل و کرم، اُس کا رحم و کرم شاملِ حال نہ ہو جائے۔

* .... (تفہیم القرآن)

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ ؞ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسہ ؞ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

(اقبال)

آیت کا مفہوم

حضرت نوح نے فرمایا: "سوار ہو جاؤ اِس کشتی میں برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ کے نام سے بوقتِ روانگی اور بوقتِ قیام۔"

* .... (تفسیر انوار النجف)

"بسم اللہ" سے مراد یہاں بِاَمْرِ اللہ یا بِاِذْنِ اللہ ہے۔ یعنی کشتی کا چلنا یا ٹھہرنا سب اللہ کی قدرت اجازت اور حکم سے ہے۔

* .... (تفسیر کبیر، روح المعانی)

* روایت میں ہے کہ حضرت نوح جب کشتی کو چلانا چاہتے تھے تو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا (یعنی اللہ کے نام کی مدد مانگتا ہوں بوقتِ روانگی) پڑھتے تو کشتی چلنے لگتی تھی اور جب کشتی کو روکنا چاہتے تھے تو پڑھتے تھے کہ: بِسْمِ اللّٰهِ مُرْسٰهَا۔ یعنی اللہ کے نام کی مدد مانگتا ہوں ٹھہرنے کے وقت) یہ پڑھتے ہی کشتی رُک جاتی تھی۔

* .... (تفسیر انوار النجف)

وَهِيَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِىْ مَوْجٍ (۴۲) پھر وہ کشتی اُن لوگوں کے لیے چل رہی كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ تھی اور ایک ایک موج پہاڑوں جیسی اُٹھ وَكَانَ فِىْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارْكَبْ رہی تھی (ایسے میں) نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲ جبکہ وہ الگ ایک طرف (کھڑا ہوا) تھا، کہ "اے میرے بیٹے! سوار ہوئے ہمارے ساتھ، اور حق کے منکروں کے ساتھ نہ ہو رہ۔"

حضرت نوحؑ کے بیٹے پر تحقیق

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "کنعان، حضرت نوحؑ کا بیٹا نہ تھا، بلکہ اُن کی زوجہ کا بیٹا تھا جو نکاح کے وقت اُن کے ساتھ آیا تھا۔" اور بنی طےؑ کی لغت کے بموجب زوجہ کا بیٹا جو اُس کے ساتھ آئے، اُس کو بھی بیٹا ہی کہتے ہیں۔ (ابنہٗ بفتح الہا)

حضرت علی علیہ السلام اِس لفظ کو اسی طرح بفتح الہا قرأت فرماتے تھے۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۳۵، تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر بیضاوی، تفسیر زمخشری، انوار التنزیل، اسرار التاویل صفحہ ۳۲۶ جلد ۲ طبع مصر، تفسیر کبیر، امام رازی)

محمود بن عمر زمخشری (صاحبِ تفسیر زمخشری) نے مزید لکھا کہ "کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا اسی طرح پروردہ بیٹا تھا جس طرح جناب رسولِ خداؐ نے عمر بن ابی سلمہ کی پرورش فرمائی تھی جبکہ وہ اُن کے اصلی بیٹے نہ تھے۔"

امام رازی نے لکھا کہ "حضرت نوحؑ کی بیوی کا بیٹا دوسرے بھائیوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے۔ جس طرح فرشتوں کے ساتھ رہنے پر ابلیس کو فرشتوں میں شمار کیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر امام رازی) ...... ٭

حضرت نوحؑ کے طوفان کی شدّت

* خدا کا فرمانا کہ: "پہاڑ جیسی موجوں میں" اِس سے اصل مقصود طوفان کی شدّت کا اظہار ہے کہ وہ طوفان کتنا زبردست اور خوفناک تھا۔

*...... (تفسیر کبیر امام رازی)

* اور واقعاً طوفان کی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔

* تورات میں ہے کہ:

" اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوحؑ کی عمر چھ۶۰۰ سو برس کی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ گئے۔ اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں، اور چالیس۴۰ دن اور چالیس۴۰ رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔"

*.... (پیدائش ۷: ۱۱ - ۱۲)

* نوحؑ کے اِس بیٹے کا نام کنعان تھا جسنے حضرت نوحؑ سے جسمانی اور روحانی علیحدگی اختیار کی تھی۔

*...... (روح المعانی - بیضاوی)

* اور حضرت نوحؑ کا اُس کو "یٰبُنَیَّ"! (اے میرے بیٹے) کہنا محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا۔" اسم تصغیر شفقت اور محبت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

*...... (روح المعانی - تھانوی)

* حضرت نوحؑ نے اُس کو یا تو اِس لیے بُلایا کہ اُن کو اُس کے کافر ہونے کا علم نہ تھا، یا پھر اِس لیے بُلایا کہ اب بھی ایمان لاکر ہمارے ساتھ آجا۔

*..... (بحر)

* تفسیر جواہر طنطاوی میں ہے کہ وہ منافق تھا اور اُس کے ظاہری ایمان کی وجہ سے نوحؑ نے اُس کے لیے دعا کی تھی۔ *...... (تفسیر انوار النجف)

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

(۴۳) اُس نے (پلٹ کر) جواب دیا: میں تو بہت جلد پناہ لے لوں گا ایک ایسے پہاڑ کی طرف (چڑھ کر) جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔" نوح نے کہا: "آج کوئی چیز بھی اللہ کے حکم (عذاب) سے بچانے والی نہیں ہے، سوا اُس کے جس پر خدا رحم فرمائے"۔ پھر اُن دونوں (باپ بیٹے) کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی۔ اور پھر وہ ڈبوئے جانے والوں میں سے ہوگیا۔

توکّل کے معنی

مرشد تھانوی نے لکھا کہ: "مباح یا جائز اسباب سے فائدہ اُٹھانا توکّل کے منافی نہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں آجانا بھی اسباب سے فائدہ اُٹھانا تھا۔ لیکن غیرِ مباح یا ناجائز اسباب سے فائدہ اُٹھانا یا اُن کی طرف دوڑنا توکّل کے منافی ہے۔ جیسے پسرِ نوح کنعان کا حضرت نوح علیہ السلام کے اس حکم کے مقابلے پر، کہ کشتی پر آجا، پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا توکّل کے منافی ہے۔

* ---- (تھانوی)

* خدا کا فرمانا کہ: "آج کوئی چیز بھی" امر اللہ " اللہ کے حکم (عذاب) سے بچانے والی نہیں"۔ تو "امر اللہ" سے یہاں مراد خدا کا حکمِ عذاب ہے۔

* ...... (معالم - تفسیر کبیر)

* حضرت نوح علیہ السلام کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ: "اے احمق! یہ طوفان اور سیلاب معمولی قسم کا طبعی نہیں ہے۔ یہ تو قہرِ الٰہی ہے۔ اِس سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، ہاں اللہ جس کو بچانا چاہے بچا لے گا۔

* ..... (ماجدی)

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ ۴۴

(۴۴) پھر (خدا کی طرف سے) کہا گیا: "اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا، اور اے آسمان تو تھم جا"۔ چناں چہ پانی زمین میں بیٹھ گیا اور اس طرح (اُن کا) فیصلہ چکا دیا گیا۔ (غرض) جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ پھر وہ کشتی (کوہِ) 'جُودی' پر ٹھہر گئی اور کہدیا گیا کہ "لعنت ہو ظالم لوگوں پر (یا) خدا کی رحمت سے دور ہوئی ظالم قوم!"

کوہِ جودی یا کوہِ ارارا ط

قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے رُکنے (ٹھہرنے) کا مقام کوہِ جودی بتلایا گیا ہے لیکن انجیل کی کتاب "پیدائش" میں اس کا نام "ارارا ط" لکھا ہے۔ (کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴)

* اصل بات یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جود کے معنی بھی عربی میں رحمت اور احسان کے ہیں۔ اور یہی معنی "ارارا ط" کے بھی ہیں۔ "ارارا ط" پناہ کی جگہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس لفظ کے اصل معنی یہ ہیں کہ "میں اپنی پناہ کی جگہ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں"۔
*....... (القرآن المبین از مولنا سید امداد حسین کاظمی)

* یہ پہاڑ جس کا ذکر کیا گیا ہے کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابنِ عمر کے شمالی مشرقی جانب واقع ہے بائیبل میں کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ "ارارا ط" بتائی گئی ہے جو ارمینا کے ایک پہاڑ کا نام ہے پرانی تاریخوں میں بھی کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ کا نام "جودی" بتایا گیا ہے۔
*.... (بیراس - Berasus)

* ارسطو کے شاگرد Abydenus نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ عراق

کے بہت سے لوگوں کے پاس اُس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنھیں وہ پانی میں گھول گھول کر بیماروں کو پلاتے ہیں
*..... (Abydenus)

کیا طوفان عالمگیر تھا؟

رہا سوال یہ کہ طوفان عالمگیر تھا یا صرف عراق میں آیا تھا؟

* اِس کا فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا۔ بائیبل کے اعتبار سے یہ طوفان عالمگیر تھا جو ساری زمین پر آیا تھا۔
*..... (کتاب پیدائش ۷ : ۱۸ - ۲۴)

* مگر قرآن نے یہ بات کھل کر کہیں نہیں فرمائی۔ مگر قرآن سے اِس نظریے کی تائید اِس طرح ہوتی ہے کہ:
قرآن نے یہ بتایا کہ حضرت نوحؑ کے بعد انسانی نسلیں اُنہی لوگوں سے چلیں جو اُس طوفان سے بچ گئے تھے۔
مگر اِس سے پوری طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ طوفان پوری زمین پر آیا تھا۔ ممکن ہے اُس وقت ساری نسلِ انسانی اِسی علاقے میں رہتی ہو جہاں طوفان آیا تھا۔

دجلہ و فُرات کی سرزمین میں آج بھی ایک زبردست طوفان کا ثبوت آثارِ قدیمہ اور علم طبقات الارض (Geology) سے ملتا ہے۔ مگر تمام زمین پر ایسے کوئی نشانات نہیں ملتے۔

البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس خطّے سے نسلِ انسانی چلی اور پھیلی۔ اِس لیے کہ دنیا کی تمام قوموں کی روایات میں ایک طوفانِ عظیم کا ذکر ملتا ہے۔ حتّٰی کہ آسٹریلیا، امریکہ، نیوگنی جیسے دور افتادہ ملکوں کی قدیم روایات میں بھی طوفانِ عظیم کا ذکر ملتا ہے۔ *....... (تفہیم القرآن)

غرض قرآن کی اس آیت کا اندازِ بیان اِس قدر فصاحت و بلاغت کی انتہا پر ہے کہ اِس کو پڑھ کر منکرینِ حق اور منکرینِ قرآن کے ہاتھوں سے قلم گر گر جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُردو زبان میں اِس کا ترجمہ ان تمام خوبیوں کو نہیں بتا سکتا جو اِس آیت کے الفاظ میں موجود ہیں، اور جن کا اندازہ اہلِ زبان ہی کر سکتے ہیں۔ *.... (فصل الخطاب)

* اِس آیت کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی داد منکرین نے بھی دی ہے۔ ابنِ مقنع نامی ایک ملحد نے جس نے قرآن کا جواب بھی لکھنے کی کوشش کی تھی، وہ جب اِس آیت پر پہنچا تو اُس نے اپنا قلم پھینک دیا اور عاجز ہو کر بولا:
اس کلام کا جواب دینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ *...... (بحر) * مشہور مستشرق لین نے بھی اس آیت کی فصاحت و بلاغت کی بہت تعریف کی ہے۔ *.... (مؤلف)

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ ○ (۴۵)

پھر پکارا نوحؑ نے اپنے پالنے والے مالک کو یہ کہتے ہوئے کہ "اے میرے پالنے والے مالک! میرا بیٹا میرے اہلِ (بیت) میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۴۵)

حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہ ہونے کا مطلب

حضرت نوحؑ کی دُعا کا مقصد یہ تھا کہ: اے خدا! تو نے وعدہ کیا تھا کہ میرے گھر والوں کو اس تباہی سے بچالے گا۔ میرا بیٹا بھی تو میرے گھر والوں ہی میں سے ہے، لہٰذا اس کو بچالے۔ مگر تو جو فیصلہ کرے گا وہ آخری ہوگا۔ اُس کی کہیں کوئی اپیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ تو عادلِ مطلق اور قادرِ مطلق ہے۔ تیرا فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔" مگر خدا نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول نہ فرمائی۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مریض کے جسم کو کاٹ کر الگ کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر مریض یہ کہے کہ یہ تو میرا حصّہ ہے جسے آپ کاٹ رہے ہیں تو ڈاکٹر کہے گا۔ اب یہ تمھارے جسم کا حصّہ نہیں رہا۔ کیونکہ یہ حصّہ سڑ چکا ہے۔ ڈاکٹر کا ہرگز مطلب یہ نہ ہوگا کہ اُس سڑے ہوئے حصّے کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ڈاکٹر کا مطلب یہ ہوگا کہ تمھیں جو اعضاء درکار ہیں وہ تندرست اور کارآمد اعضاء درکار ہیں۔ سڑے ہوئے حصّے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ حصّے اگر نہ کاٹے گئے تو یہ باقی سارے جسم کو بھی برباد کر دیں گے۔ اِسی طرح خدا کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ: اے نوحؑ! یہ سرکش بیٹا جو تمھاری بات نہیں مان رہا ہے اور تمھاری کشتی میں آنے کو تیار نہیں ہے اب تمھارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ یہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے۔ یعنی اخلاق و عمل کے لحاظ سے یہ بگڑ چکا ہے، سڑ چکا ہے۔ وہ تمھارے نسبی خاندان کا ایک رُکن ہو تو ہو مگر تمھارے اخلاقی اور حقیقی خاندان سے اس کا تم سے کوئی تعلق یا کوئی رشتہ نہیں۔ اور آج جو فیصلہ کیا

جارہا ہے وہ نسلی یا قومی لحاظ سے نہیں کیا جارہا کہ ایک خاص نسل والے بچائے جائیں گے باقی نہیں بچائے جائیں گے بلکہ فیصلہ ایمان واطاعت کی بنیاد پر کیا جارہا ہے۔ جو ایمان لاکر تمھاری کشتی میں سوار ہوں گے بس صرف وہی نجات پائیں گے۔

*..... (تفہیم القرآن)

محققین نے اس آیت سے بہت سے نتائج نکالے :

(۱) خدا کے ہاں نسب کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوتے۔ نجات کا دار و مدار خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر ہوتا ہے

(۲) اگر نبیؑ کا بیٹا بھی خدا و رسولؐ کی اطاعت نہ کرے گا تو جہنم واصل ہوگا۔ اسی طرح نبیؐ سے ہر قسم کا تعلق بغیر اطاعت کے کارآمد نہیں ہوگا۔

(۳) جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا : " میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے، جو اس پر سوار ہوا اُسے نجات حاصل ہوگی، اور جس نے اُن سے جدائی اختیار کی وہ برباد ہوا "۔ (مَثَلُ اَهْلُبَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ وَهَوٰی)

*..... (تفسیر کبیر امام رازی)

اِس سے معلوم ہوا کہ اُمّتِ محمدیؐ کی نجات کا دار و مدار اہلِ بیتِ رسولؐ سے تمسک اختیار کرنے پر ہے اِس کے بغیر نجات کا کوئی امکان نہیں ہے اِس لیے کہ رسولؐ نے اہلِ بیتؑ کو صرف کشتی سے تشبیہ نہیں دی، بلکہ کشتیٔ نوحؑ سے تشبیہ دی ہے۔ اور نوحؑ کی کشتی کی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ اُس کے بغیر نجات کا کوئی امکان نہ تھا۔ ساری نجات کا دار و مدار اُسی کشتی پر سوار ہونا تھا۔ اِسی لیے اہلِ بیتِ رسولؐ کا کوئی بدل نہیں کسی بھی اور طریقے سے نجات ملنا ممکن نہیں سوا اِس کے کہ ہم اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت اور اطاعت اختیار کریں جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا : " جو یہ چاہتا ہے کہ میری جیسی زندگی گذارے اور میری جیسی موت پائے اُس کو چاہیے کہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت (محبت واطاعت) کو اختیار کرے "۔ نیز فرمایا : " میں تم میں دو قیمتی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت و اہلِ بیت جب تک تم اِن دونوں سے تعلق رکھو گے کبھی ہرگز گمراہ نہ ہوگے "۔

*..... (صحیح مسلم شریف)

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۴۶

(۴۶) (خدا نے) کہا: "اے نوحؑ! وہ تمھارے اہلِ (بیت) میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ایک بگڑا ہوا کام (یا) وہ تو بُرے اعمال کا مجسمہ ہے۔ لہٰذا تم مجھ سے اِس بات کی درخواست ہی نہ کرو جس کی حقیقت تم نہیں جانتے۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو"

نافرمانی؟ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ: "کنعان حضرت نوحؑ کا ایک طرح کا بیٹا ہی تھا۔ لیکن جب اُس نے خدا کی نافرمانی کی تو اللہ نے اُس کو حضرت نوحؑ سے الگ دیا۔ اسی طرح جو شخص ہمارے کُنبے میں ہو اور اللہ کی اطاعت نہ کرے، وہ ہم سے الگ ہو جائے گا۔"

*..... (تفسیر صافی ص۲۴۵ بحوالہ عیون الاخبار الرضاؑ)

اطاعت؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "لَا تُنَالُ وِلَايَتُنَا اِلَّا بِالطَّاعَةِ" یعنی: "ھماری ولایت، دوستی اور سرپرستی کو سوا خدا کی اطاعت کے کسی اور طرح حاصل نہیں کیا جاسکتا۔"

*...... (الکافی)

حضرت نوحؑ کی کمالِ اطاعت

"لیکن آیت سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ (معاذ اللہ) حضرت نوحؑ میں ایمان کی کچھ کمی تھی، یا، اُن کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ انبیاءؑ بھی بہر حال انسان ہوتے ہیں۔ اور کوئی انسان اس بات پر قادر نہیں ہو سکتا کہ بیٹے کو اپنے ڈوبتا دیکھ کر خاموش رہ سکے۔ لیکن جوں ہی حضرت نوحؑ کو یہ اندازہ ہوا کہ اُن کا قدم معیارِ نبوت سے نیچے جا رہا ہے، تو اُنھوں نے فوراً توبہ کی اور اپنی اصلاح کرنے میں ایک لمحہ تامّل نہ کیا۔ بیٹے کو آنکھوں کے سامنے ڈوبتا دیکھا مگر خدا کے ٹوکتے ہی اپنے زخمِ جگر سے بے پرواہ ہو کر خدا کی اطاعت کی طرف پلٹ آئے۔ خدا کے حکم پر فوراً راضی بہ رضا ہو گئے۔"

*...... (تفہیم القرآن)

حضرت نوحؑ کی دُعاء کا مقصد

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا کی ہدایت کے لیے یہ سوال کیا ہو تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ نبیؑ کی شفاعت بھی خدا کی نافرمانی اور بغاوت کرنے والے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ اس کو حضرت نوحؑ کا ترکِ اَولیٰ کہا جا سکتا ہے۔ اِس لیے کہ نبیؑ کے علاوہ اگر کوئی اپنے بیٹے کے بچانے کی دُعاء کرتا تو وہ کسی طرح بھی لائقِ مذمت نہ ہوتا۔ البتّہ ایسی دُعاء نبیؑ کے مرتبے کے لیے شایانِ شان نہ تھی۔ اِسی کو ترکِ اَولیٰ کہتے ہیں

*...... (مؤلّف)

خدا کے فرمانے کا مقصد

خدا کا حضرت نوحؑ کو یہ جواب دینا اور اُن کے بیٹے کے بارے میں اُن کی سفارش قبول نہ کرنا بتاتا ہے کہ خداوندِ عالم کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اے نوحؑ! ہمارا نجات کا وعدہ تو تمھارے گھر والوں کے لیے تھا مگر وہ وعدہ اِس شرط کے ساتھ مقیّد تھا کہ "اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" یعنی سوا اُن کے جن پر حکمِ عذاب نافذ ہو چکا ہے"۔ سو تمھارا یہ سرکش بیٹا بھی اِسی استثناء کے تحت آجاتا ہے۔ اِس لیے ایسے منکرِ حق کے بارے میں دُعاء نہیں کرنی چاہیے تھی۔

* محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ "جب مشتبہ حال لوگوں کے لیے دُعاء کرنے کی ممانعت آگئی تو جن لوگوں کا فاسد عقیدہ ظاہر ہو چکا ہو اُن کے لیے دُعاء کرنے میں زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔

*..... (تفسیر روح المعانی)

* مرشد تھانوی نے لکھا کہ: یہ ایسے پیروں کی مذمت ہے جو ہر فاسق و فاجر سے نذرانے لے کر اُن کے لیے دُعائیں کر دیتے ہیں اور حلال و حرام کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔

*..... (تھانوی)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (۴۷)

نوحؑ نے فوراً عرض کی: "اے میرے پالنے والے مالک! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہو۔ اب اگر تو مجھے معاف نہ کریگا اور مجھ پر رحم نہ کریگا، تو میں بڑا نقصان اُٹھا کر تباہ و برباد ہونے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

خدا سے حضرت نوحؑ کی معافی و معذرت

اس آیت کے بارے میں صاحبِ تفسیر انوار النجف تحریر فرماتے ہیں کہ:

★ باقی رہا یہ کہ بعد میں دھمکی کیوں دی اور حضرت نوح علیہ السّلام نے معافی کیوں مانگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: کسی بُرے فعل سے روکنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ کسی بڑے کی طرف کلام کا رُخ کر دیا جاتا ہے اور چھوٹوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ حقیقۃً مقصود بڑے نہیں ہوا کرتے، بلکہ چھوٹے ہی مقصود ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح نبی علیہ السّلام کی طرف خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ یہ خطاب اگرچہ نبیؐ کو ہے لیکن مراد اس سے مشرکینِ مکہ ہیں اور خطاب زیادہ سے زیادہ مؤثر کرنے کے لیے یہ طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ پس اس مقام پر حضرت نوح علیہ السّلام کی معذرت و معافی اِسی مقصد کو اور زیادہ واضح اور مضبوط کرنے کا ایک محکم دستور ہے اور عَمَلٌ کا مضاف محذوف ہے اور یہ اس کے قائم مقام ہے۔ ★..... (تفسیر انوار النجف)

قَالَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸

(۴۸) حکم دیا گیا: "اے نوحؑ! اُترو ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ۔ اور تم پر تو ہماری طرف سے برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ تم پر بھی، اور اُن گروہوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں، اور تمہارے ساتھ والوں سے پیدا ہونے والی نسلوں پر بھی۔ اور کچھ جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جنھیں ہم (دُنیا میں) فائدہ اُٹھانے کا موقع تو دے دیں گے مگر پھر اُن پر (کشتیٔ نجات سے دور رہنے کے سبب سے) ہماری طرف سے بڑی سخت، تکلیف دینے والی سزا دی جائے گی۔

برکت کے معنی

برکات، برکت کی جمع ہے۔ اِس کے معنی خدا کی طرف سے خوبی اور بھلائی ملنے کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی طرف سے خیر و خوبی غیر محسوس اور بے شمار طریقوں سے ملتی ہے، اِس لیے اِس کو "برکت" کہتے ہیں۔ اصل میں "بَرْکٌ" اونٹ کے سینے کو کہتے ہیں۔ اونٹ کیونکہ سینہ ٹیک کر بیٹھتا ہے، اِس لیے "برکت" کے معنی ٹکنا، ٹھہرنا اور جمے رہنا ہوتا ہے۔ اِسی لیے حوض وغیرہ جہاں بھی پانی رُک جاتا ہے، اُس کو بھی عربی میں "برکۃ" کہتے ہیں۔ غرض خدا کی طرف سے خیر و خوبی کے جمع رہنے کو "برکت" کہتے ہیں۔

* ...... (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ صہ ۲۹)

* شاہ عبدالقادر صاحب نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ: اِس آیت نے حضرت نوحؑ کو تسلّی دی کہ اب اِس کے بعد ساری نوعِ انسانی قیامت سے پہلے ہلاک نہیں کی جائے گی۔ ہاں کچھ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے۔ * ...... (موضح القرآن)

* لیکن بعض اوقات گمراہ فرقے بھی دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں، اِس لیے شاہ عبدالقادر صاحب کا

آخری فقرہ خلافِ واقعہ ہے۔

★...... (فصل الخطاب)

★ مروی ہے کہ خدا نے پہاڑوں کو خوشخبری سُنائی کہ تم پر حضرت نوحؑ کی کشتی آکر رُکے گی یہ سُنکر تمام پہاڑ اونچے ہونے لگے تاکہ ہم پر کشتی آکر رُکے ہم اونچے ہیں لیکن جودی" پہاڑ عجز و انکساری سے جھک گیا خدا نے اُس کی عاجزی و انکساری کو دیکھ کر کشتی کو اُس پر اُترنے کا حکم دیا۔

★...... (روح البیان)

★ خدا کا حضرت نوح علیہ السلام سے فرمانا کہ:

"تم پر تو ہماری طرف سے برکتیں ہی برکتیں ہیں، تم پر بھی اور اُن گروہوں پر بھی جو تمھارے ساتھ ہیں"۔ اِس معیت یا ساتھ ہونے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جسمانی طور پر حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے اور اُن تمام مومنین کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ایمان کی معیت حضرت نوحؑ کے ساتھ آج بھی رکھتے ہیں۔ گویا اِس طرح قیامت تک ہر دور کے مومنین کرام کو خدا کی طرف سے ہر قسم کی سلامتی اور برکات کی خوش خبری دی جارہی ہے۔"

★...... (تفسیر کبیر۔ بحر)

مومن کی شان بان

امام رازی نے لکھا کہ: مومنین کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ نعمت کا مشاہدہ اِسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت خدا کی طرف سے ہے۔

★...... (تفسیر کبیر)

★ طوفان کے ختم ہونے اور پانی کے خشک ہونے کے بعد حکم ہوا کہ اب برکت اور سلامتی سے اُتر جاؤ اور ممکن ہے کہ حالاتِ حاضرہ کے اعتبار سے زبانِ حال کی ترجمانی کی ہو کہ وہ طوفان کے بعد امن و سلامتی سے اُتر گئے۔

اُمَمٌ: یعنی اُن نجات پانے والوں کی نسل سے ہونے والی اُمّتوں کو ہم ایک وقت تک دنیاوی منافع سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیں گے اور وہ جب سرکشی اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائیں گے تو اُن کو بھی دردناک عذاب میں گرفتار کرلیا جائے گا، اور اِسی طرح زمانہ گذرتا رہے گا۔

★...... (تفسیر انوار النجف)

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۴۹

(۴۹) یہ بات غیب کی چھپی ہوئی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپؐ پر وحی کے ذریعے بھیج رہے ہیں۔ اِس سے پہلے نہ تو آپؐ اُس کو جانتے تھے اور نہ آپؐ کی قوم والے۔ تو برداشت سے کام لیجیے۔ (کیوں کہ) یہ حقیقت ہے کہ بہترین انجام متقین (یعنی) فرائضِ الٰہیہ کے ادا کرنے والے اور خدا اور رسولؐ کی نافرمانی سے بچنے والوں ہی کا ہوگا۔

آیت کا پیغام

یہ ہے کہ: اے رسولؐ! جس طرح آخرِ کار حضرت نوحؑ کا بول بالا ہوا، خدا کے اِسی قانون کے مطابق آخری کامیابی حق پرستوں کے لیے مقدر ہے۔ لہٰذا اِس وقت جو مصائب اور شدائد سے تم گذر رہے ہو، مخالفتوں کا جو طوفان تمھارے خلاف اُمڈ رہا ہے، اُس پر بد دل نہ ہو۔ صبر و سکون کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ۔ (آخری کامیابی تمھارا ہی مقدر ہے)۔

* ...... (تفہیم القرآن)

* مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! جس طرح حضرت نوحؑ کو سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر اُنھوں نے صبر سے کام لیا اور آخرِ کار اُنھی کو کامیابی ہوئی، اِسی طرح آپؐ بھی صبر سے کام لیجیے آخرِ کار آپؐ کو بھی کامیابی ہوگی۔"

* ..... (تفسیر جلالین و تفسیر تبیان، روح المعانی)

* محققین نے نتیجے نکالے (۱) حضرت نوحؑ کا صبر و ضبط خدا کی نگاہ میں مثالی تھا۔ اب یہ تصور کرنا کہ (معاذ اللہ) وہ خدا کی مرضی کے خلاف بار بار اپنی قوم کے لیے بددعاء پر بددعا کیے ہی چلے جاتے تھے، بالکل غلط ہے۔

* ..... (فصل الخطاب)

نتیجہ (۲) امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ مومن کی آخری کامیابی اُس کے صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

* ...... (تفسیر کبیر)

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ (۱۱۹) چنانچہ ہم نے اُنھیں اور جو اُس
فِى الۡـفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ بھری ہوئی کشتی میں نوحؑ کے ساتھ تھے
نجات دے دی۔

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ (۱۲۰) پھر اُس کے بعد باقی لوگوں کو غرق
الۡبٰقِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ کر ڈالا۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ (۱۲۱) یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی
وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾ اور دلیل ہے، پھر بھی اُن میں سے
اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۱۹ کی تشریح :- "بھری ہوئی کشتی" سے مراد حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے مومنین اور تمام جانوروں کے جوڑے اور کھانے پینے کا ساز و سامان وغیرہ (تفہیم القرآن)

★ "مشحون" "شحن" کے مادے سے ہے جس کے معنی اُس کشتی کے ہیں جو تمام وجود میں بھر جائے یعنی کشتی تمام وسائل سے بھری ہوئی تھی جب وہ بالکل تیار ہو گئی تب خدا نے عذاب بھیجا۔ (تفسیر نمونہ)

آیت ۱۲۱ کی تشریح : حضرت نوحؑ کے واقعے میں خدا کی نشانیاں یہ ہیں۔ (۱) حضرت نوحؑ نے کس قدر محنت سے اپنی قوم کو ۹۵۰ سال تک نصیحتیں فرمائیں۔ (۲) کس قدر مدلل دلائل دیئے (۳) کس قدر تکالیف برداشت کیں (۴) مگر وہ احمق ٹس سے مس نہ ہوئے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر جمے رہے۔ (۵) بالآخر بددعا فرمائی، معلوم ہوا کہ حق کو نہ ماننے کا انجام عذاب الٰہی ہوتا ہے۔ اور آخر کار وہ سب غرق ہو گئے۔ یہ سب ہمارے لیے اسباق ہیں۔ (مؤلف)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ (۱۰۵) نوحؑ کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

ایک نبیؑ کو جھٹلانا، تمام انبیاءؑ کو جھٹلانا ہے

محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ جس نے بھی کسی ایک پیغمبرؑ کو جھوٹا سمجھا، گویا اُس نے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کو جھوٹا سمجھا۔ کیوں کہ تمام انبیاء کرامؑ کا پیغام بنیادی اعتبار سے ایک ہی ہوتا ہے۔

*...... (تفسیر تبیان، تفہیم القرآن)

★ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کوئی قوم کسی بھی نبیؑ کا انکار کرتی ہے، تو وہ اصل میں نبیؑ کا انکار نہیں کرتی، بلکہ نبیؑ کے لائے ہوئے پیغام کا انکار کرتی ہے۔ اِس طرح کسی بھی ایک نبیؑ کا انکار اصل میں عقیدۂ توحید، نبوّت اور قیامت کا انکار ہوتا ہے۔

*...... (تفسیر ماجدی)

★ اِسی لیے فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:
"یہاں تکذیب سے مراد اُن تمام انبیاءؑ کو ماننے سے انکار کرنا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوئے تھے۔"

*...... (تفسیر مجمع البیان)

★ "کَذَّبَتْ" مؤنّث کا صیغہ ہے، اور مؤنّث اِس لیے لایا گیا ہے کہ "قوم" مؤنّثِ لفظی ہے۔ (تفسیر انوار النجف)

★ بعض ماہرین کے نزدیک "قوم" مؤنّثِ ذاتی ہے۔

(تفسیر مجمع البیان، بحر، روح المعانی)

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ (۱۰۶) جب اُن کے بھائی نوح نے کہا:
نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۰۶) "آخر تم برائیوں سے بچنے کی راہ اختیار کیوں نہیں کرتے؟
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۰۷) (۱۰۷) میں تمھارے لیے خدا کا پیغام لانے والا امانت دار ہوں۔

"اخو" کا لفظ صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی کے لیے نہیں آیا ہے۔ دوسرے انبیاء کرام کو بھی اُن کی قوم کا بھائی کہا گیا ہے۔ اِس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہدایت کرنے والوں کو انتہائی محبت اور دلی جذبے کے ساتھ ہدایت کا کام کرنا چاہیئے۔ ہر قسم کی فوقیت کا احساس دل سے نکال دینا چاہیئے، تاکہ ہدایت کرنے والا دلوں کو Appeal کر سکے۔

* ..... (تفسیر نمونہ)

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے۔

* "أَخُوهُمْ" حضرت نوح علیہ السلام اُن کی قوم کے آدمی تھے اور سلسلۂ نسب میں اُن کے رشتہ داروں میں سے تھے، اِس لیے اُن کے قومی بھائی تھے، نہ کہ دینی بھائی۔

* ..... (تفسیر انوار النجف)

آیت کی تشریح:
* ایک مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ: "میں خدا کی بات کو اپنی طرف سے کم یا زیادہ کر کے بیان نہیں کرتا، بلکہ جو پیغام خدا کے پاس سے جیسا میرے پاس آتا ہے، جوں کا توں بلا کسی زیادتی یا کمی کے تم تک پہنچا دیتا ہوں۔"

* دوسرے معنی یہ نکلتے ہیں کہ "میں ایسا انسان ہوں کہ جسے تم پہلے سے، بلکہ ہمیشہ سے ایک امانتدار اور سچا آدمی ہونے کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہو۔ جب میں بندوں کے معاملات میں کبھی خیانت نہیں کرتا تو اپنے مالک کی باتوں میں کس طرح کمی بیشی کر سکتا ہوں؟" (تفہیم القرآن)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ پس اللہ سے ڈرتے ہوئے اُس کی ناراضگی سے بچو اور میرا کہنا مانو۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اور میں تم سے اِس کا کوئی اجر' معاوضہ بھی تو نہیں مانگتا (کیونکہ) میرا معاوضہ تمام جہانوں کے پالنے والے مالک کے سوا کسی پر (قرض) نہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

آیت ۱۰۸ کی تشریح : مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کا حق صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ لوگ اُس کی سچّائی کو اور خدا کا پیغام لانے والا مان لیں، بلکہ اُس کی اطاعت کرنا بھی لازمی ہوتا ہے اُس کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ کر کسی اور قانون کو نہیں مانا جاسکتا' ورنہ بغاوت ہوگی۔ اِسی لیے ایمان اور اطاعت کے مطالبے سے پہلے "اللہ سے ڈرو" فرما کر تنبیہ کردی۔ ★ (تفہیم القرآن)

★ تقویٰ کو اطاعت پر مقدّم اِس لئے کیا کہ اللہ کی ذات پر ایمان نہ ہو اور دل میں اُس کی ناراضگی یا سزا کا خوف نہ ہو تو پیغمبرؐ کی اطاعت ممکن نہیں ۔ ★ (تفسیر نمونہ) ؎ یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے) آیا آل

آیت ۱۰۹ کی تشریح : حضرت نوحؑ نے اپنی سچّائی کی دوسری دلیل یہ دی کہ میں ہدایت کا کام اپنے کسی ذاتی فائدے کے لیے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ میں تو بالکل مخلص، ایمانداری کے ساتھ جس چیز کو حق سمجھتا ہوں اُس کی طرف خلقِ خدا کو بلاتا ہوں، اور تمہاری اصلاح و فلاح کو دیکھ رہا ہوں۔ کسی ذاتی فائدہ کے لیے یہ کام نہیں کر رہا ہوں۔ (تفہیم القرآن)

★ میرا اجر اور فائدہ تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اسی لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مان لو' اِسی میں تمہارا فائدہ ہے

قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَكَ (۱۱۱) انھوں نے کہا: "کیا ہم تجھے مان وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ لیں، جب کہ تیرے پیچھے چلنے والے تو نہایت ہی پست طبقے کے لوگ ہیں۔"

ذہنیت کی پستی

یہ اُن لوگوں کی پست ذہنیت بول رہی ہے جو پیشے سے آدمی کی ذات پات اور مقام کو معین کرتے ہیں۔ اسی لیے (اگلی آیت میں) حضرت نوحؑ نے جواباً فرمایا: "مجھے بھلا اس سے کیا مطلب کہ وہ (میری پیروی کرنے والے) کیا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔" (میرا کام تو اللہ کے دین کی طرف بلانا ہے، اب جو بھی لبیک کہہ کر قبول کرے وہی بہترین انسان ہے) (تفسیر تبیان)

* حضرت نوحؑ کا مطلب یہ تھا کہ میرا کام تو بس اللہ کی طرف بلانا ہے، اب جو بھی میری اس دعوت کو قبول کرے گا وہ مومنین کی جماعت میں داخل ہو جائے گا، اور سربلند و کامیاب رہے گا۔ رہا پیشہ تو وہ نہ کسی کو بلند کرتا ہے نہ پست میں کسی کو اُس کے پیشے یا غربت کی وجہ سے اپنے پاس سے ہٹا نہیں سکتا۔ (تفسیر ماجدی)

* اصل میں اُن لوگوں کا طرزِ فکر یہ تھا کہ سچ اور حق صرف وہ ہوتا ہے جس کو قوم کے بڑے (رئیس) لوگ مان لیں، کیوں کہ صرف بڑے لوگ ہی عقل اور سمجھ رکھتے ہیں۔ رہے چھوٹے غریب لوگ، تو وہ اگر کسی بات کو مان لیں، تو اُس کا کوئی وزن نہیں ہوتا، اسی لیے کافر کہتے تھے کہ پیغمبر معمولی لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا بلکہ کسی رئیس گھرانے کا آدمی ہونا چاہیے۔ اسی لیے کفار کہا کرتے تھے کہ: "یہ قرآن ہمارے دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اُتارا گیا۔" (سورۃ الزخرف ۴۳ آیت ۳۱، پ ۲۵) (تفہیم القرآن)

★ " اَلْاَرْذَلُوْنَ " یعنی گھٹیا قسم کے اور رذیل پیشہ لوگ جوں کہ تمہارے ساتھ ہیں جو تم پر ایمان لا چکے ہیں، لہٰذا اس زُمرے میں شامل ہونا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں "۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کسی کے پیشے سے مطلب نہیں، اور نہ تمہاری بڑائی سے کوئی واسطہ ہے، بلکہ میں تو اپنا فریضہ اور اللہ کا پیغام پہنچانے آیا ہوں، اور وہ ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔ لہٰذا تمہارے کہنے سے میں غریب طبقے کے لوگوں کو دھکیل کر نکال دینا پسند نہیں کرتا۔

بہرکیف جناب رسولِ خداؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ ہر دور میں انبیاءؑ کی اُمتیں اپنے رسولوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتی رہی ہیں پس قریشِ مکہ اور دیگر اکابر، اگر غرباء طبقے کے ایمان لانے پر اعتراض کرتے ہیں تو آپؐ اُن کی پرواہ کیے بغیر اپنا کام جاری رکھیں، اور بڑے بڑوں کے ایمان لانے کی طمع میں غریبوں کو اپنے دربار سے ہرگز نہ نکالیں۔

(تفسیر انوار النجف ...... ۳)

★ خداوندِ عالم نے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا: " وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (سورۃ الکہف آیت ۲۸ پ ۱۵)

یعنی: " اور تم اُن لوگوں کے ساتھ صبر و سکون سے رہو جو اپنے پالنے والے مالک کو صبح و شام پکارتے ہیں، (اور صرف خدا ہی سے محبت کرتے رہو) اور تم اپنی نظروں کو حیاتِ دنیا کی زینت کی خاطر کبھی اُن سے نہ پھیرو، اور اُن لوگوں کی اطاعت نہ کرو (بات نہ مانو) جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے نفس (ہوئی وہوس) کی اطاعت کی ہے، اور اُن کے کام (اعمال) حد سے بڑھے ہوئے ہیں "۔

(سورۃ الکہف ۲۸)

قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا (۱۱۲) نوحؑ نے کہا: "جو کچھ (کاروبار) وہ
یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ کرتے ہیں، اُس کو میں کیا جانوں؟
اِنۡ حِسَابُھُمۡ اِلَّا عَلٰی (۱۱۳) اُن کا حساب کتاب اللہ کے سوا
رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ کسی پر نہیں، کاش تم عقل و شعور
سے کام لو۔
وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ اور میں تو ایمان لانے والے مومنین
کو اپنے پاس سے بھگا دینے والا تو نہیں ہوں۔
اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۵﴾ میں تو صرف اور صرف صاف صاف
کھول کھول کر بُرے کاموں کے بُرے انجام
سے ڈرانے، متنبّہ کرنے والا ہوں۔

★ خداوندِ عالم نے ہمارے رسولؐ کے حوالے سے ہمیں بھی یہی حکم دیا ہے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:
"اُن لوگوں کو دور نہ پھینک دو جو دن رات اپنے پالنے والے مالک کو پکارتے رہتے ہیں"
وہ بھی صرف خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لیے، اُن کا کوئی حساب تمھارے ذمّے نہیں، اور
تمھارا کوئی حساب اُن کے ذمّے نہیں۔ اِس پر بھی اگر تم اُنھیں اپنے سے دور پھینک دو گے
تو ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔"
(سورۃ الانعام ۶ آیت ۵۲ پ ۷)

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ (۱۱۶) اُن لوگوں نے کہا: "اے نوحؑ! اگر
لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ تم باز نہ آئے، تو تمھیں لازمی طور پر
سنگسار کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِي (۱۱۷) نوحؑ نے کہا: "اے میرے پالنے
كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ والے مالک! میری قوم والوں نے
مجھے جھٹلا دیا ہے۔

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ (۱۱۸) اب تو میرے اور اُن کے درمیان
فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَنْ واضح فیصلہ کر دے اور مجھے اور انھیں
مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ جو میرے ساتھ (ابدی حقیقتوں پر)
ایمان لائے ہیں، نجات عطا فرما۔"

آیت ۱۱۶ کی تشریح: اس آیت کے عربی محاورے کے لحاظ سے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) رجم کیا جائے گا۔ یعنی پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے گا۔ (۲) تم پر گالیوں کی ہر طرف سے بوچھار کی جائے گی۔ ۔۔۔۔۔۔ (راغب اصفہانی)

★ "رجم" اصل میں "رجام" کے مادے سے ہے، جو رجمۃ (بروزن لقمۃ) کی جمع ہے، جو پتھر کے اُس ٹکڑے کو کہتے ہیں جسے قبر کے اوپر رکھا جاتا ہے، جس کے گرد بت پرست چکر لگاتے ہیں۔ نیز رجم کے معنی پتھر مار مار کر قتل کر دینا ہوتے ہیں۔ ★ (تفسیر نمونہ)

آیتؐ۱۱ کی تشریح: سورۂ عنکبوت ۲۹ ۱۴ میں خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ: "نوحؑ اور اُن کی قوم میں کشمکش بحث ومباحثہ ساڑھے نو سو سال تک جاری رہا۔" (آیتؐ۱۴)

آخر کار جب حضرت نوحؑ نے یہ خوب اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس قوم میں حق کو قبول کرنے کے اثرات نظر نہیں آتے، بلکہ یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ اُن کی نسلیں بھی شریفانہ زندگی قبول نہ کریں گی تب حضرت نوحؑ نے اُن کے لیے بددعا کی: (اے مالک!) اگر تو نے اب بھی انھیں چھوڑ دیا تو یہ تیرے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور اُن کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا وہ سخت منکرِ حق ہوگا۔ (سورۃ نوح آیت ۲۷ پ۲۹)

آخر کار خود اللہ نے بھی حضرت نوحؑ کی رائے کی تائید فرمائی: " (اے نوحؑ!) تمھاری قوم میں سے جو ایمان لا چکے بس وہ لا چکے، اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اب ان بدمعاشوں پر غم کھانا چھوڑ دو۔" (سورۃ ہود آیت ۳۶ پ۱۲)

★ آیتؐ۱۱۸ کی تشریح: قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی ذات پر کیے جانے والے مظالم کا قطعاً کوئی ذکر نہیں فرماتے۔ اُنھیں صرف اِس بات کا غم ہے کہ لوگوں نے حق بات کو نہیں تسلیم کیا، اور خداوندِ عالم کا پیغام قبول نہ کیا۔

اب کیوں کہ اُن لوگوں میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت تک ختم ہو چکی ہے۔ اِس لیے اب اُن میں اور مجھ میں جدائی ڈال دے، اور ہمارے درمیان اے خدا! تو خود ہی فیصلہ فرما دے۔

★...... (تفسیر نمونہ)

★ "فتح" کا لفظ کھولنے یا تعلقات توڑنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کے معنی فیصلہ کرنا اور لڑائی جھگڑا ختم کرنا ہوتا ہے۔ یہاں اِسی معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

★...... (مفردات امام راغب)

★ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ: "جو شخص دین کو نقصان پہنچائے، اُس کے لیے بددعا کرنا صبر وحلم کے منافی نہیں ہوتا۔ (تفسیر ماجدی)

قومِ عاد علیہ السلام کا قصہ

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی (۱۵) قومِ عاد کا تو یہ حال تھا کہ وہ زمین میں

الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا تکبّر کرتے ہوئے ناحق بڑے بن بیٹھے اُنھوں

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ نے کہا: "ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے"۔ اُنھوں

یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے اُنھیں پیدا کیا ہے

هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا اُن سے زیادہ طاقتور ہے؟ مگر وہ ہماری باتوں،

بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ آیتوں اور نشانیوں کا جان بوجھ کر انکار ہی کرتے رہے

قومِ عاد پر عذاب

قومِ عاد عرب کے جنوب میں حضرموت کے علاقے احقاف میں رہتی تھی۔ یہ بڑی طاقتور، مال دار، متمدن، ترقی یافتہ قوم تھی۔ بڑے خوبصورت محلات "قلعے" اور بلند عمارات بناتے تھے، دنیوی ٹھاٹھ باٹھ، جاہ و جلال، شان بان دکھاتے تھے۔ بڑے سخت دل اور جنگجو تھے آخر کار اپنی دولت اور طاقت پر تکبّر کرنے لگے۔ اسی تکبّر کی وجہ حضرت ہود پیغمبرؑ سے بغاوت کی، اِس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے بڑی تند و تیز ہوا اُن پر بھیجی جس نے اُٹھا اُٹھا کر دو مرتبہ پوری قوم کو زمین پر دے مارا، جس طرح کھجور کے درخت کو تنے سے اُٹھا کر زمین پر دے مارا جاتا ہے۔ یہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ (ملاحظہ ہو سورۂ قمر ۵۴ اور سورۃ الحاقہ ۶۹)

خداوندِ عالم نے فرمایا: "یہ تو دنیوی سزا ہے۔ آخرت کی سزا اِس سے کہیں زیادہ ذلیل کرنے والی ہوگی"۔ دنیا کی سزا آخرت کے مقابلہ پر ایسی ہی ہوتی ہے جیسے سمندر کے مقابلہ پر قطرہ۔ وہاں اُن کی کوئی مدد بھی نہ کر سکے گا۔ (تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

(۱۶) پھر ہم نے اُن پر سخت طوفانی ٹھنڈی تند و تیز ہوا کچھ خاص منحوس دنوں میں بھیجی، تاکہ انھیں ذلت و رسوائی کی سزا کا مزہ اِس دنیا کی زندگی میں بھی چکھائیں، اور اِس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آخرت کا عذاب اِس سے کہیں زیادہ ذلیل کرنے والا ہے اور وہاں اُن کی کوئی مدد بھی نہ کی جائے گی۔

"صَرصَر" کے معنی (۱) طوفانی ہوا (۲) سخت گرم لُو (۳) سخت ٹھنڈی ہوا (۴) ایسی ہوا جس کے چلنے سے بہت شور ہو۔

غرض اس پر سب کا اتفاق ہے کہ "صرصر" کا لفظ بہت تیز طوفانی ہوا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن امام راغب، لغات القرآن، لسان العرب)

ہواؤں کی مختلف قسمیں

فرزند رسول خدا امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صرصر" سے مراد بے حد ٹھنڈی ہوا ہے۔" (تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

* ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں، چار باعثِ عذاب اور چار باعثِ رحمت۔ جو باعثِ عذاب ہیں وہ یہ ہیں:

"(۱) عاصف (۲) صرصر (۳) عقیم (۴) سموم" اور جو باعثِ رحمت ہیں وہ یہ ہیں۔

"(۱) ناشرات (۲) مبشرات (۳) مرسلات (۴) فارقات۔" (الحدیث)
(تفسیر انوار النجف)

"اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ" منحوس دنوں سے مراد "عذاب الٰہی کے اُترنے کے دن ہیں۔
اب اس سے یہ ثابت کرنا کہ کچھ دن منحوس بھی ہوتے ہیں، نہایت غیر منطقی بات ہے۔ ہر دن اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کوئی دن غیر خدا کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے، اس لئے ہر دن معصوم مخلوق ہے۔ البتہ جن دنوں میں جس قوم یا فرد نے کوئی برا کام کیا ہے اور اس کی وجہ سے اُس پر عذاب آیا ہے، تو وہ دن صرف اُس قوم یا فرد کے لیے منحوس ہیں، وہ بھی ان کے اپنے کرتوت کی وجہ سے۔ اصل میں نحوست دنوں میں نہیں ہوا کرتی، لوگوں کے بُرے اعمال خراب یا منحوس ہوتے ہیں۔

اسی حماقت پر مبنی بعض نجومی پرستوں نے شمسی، قمری مہینوں کے سعد اور نحس دنوں کی پوری تقویم بنا کر چھاپ رکھی ہے، اور اُس کا باقاعدہ کاروبار بنا رکھا ہے۔ یہ غیر منطقی، غیر عقلی اور غیر معتبر روایتوں پر مبنی ہے۔ پھر یہ کہ جو شخص خدا کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا خود اُس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اُس کو ان حماقتوں کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی خداوندِ عالم نے خود فرمایا: "وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ" (سورۃ الطلاق ۶۵ آیت ۳ پارہ ۲۸)
یعنی: "اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اُس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔"

ؔ مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند   تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
ؔ ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا   وہ آپ وسعتِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
(اقبال)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (۷۴) ۷۵

اور ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں تمھیں اور تمھاری قوم والوں کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارُخ تھا۔ وہ مسلمان تھے۔ مگر اُن کا انتقال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپنے ہی میں ہوگیا تھا۔ اُن کے خاندان کے ایک عزیز آزر نے اُن کو پالا تھا۔ پالنے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اُس کو باپ کہا کرتے تھے۔ (تبیان)

مجاہد، ابن جریر اور سُدّی کی روایات میں آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا کہا گیا ہے۔ (درمنثور سیوطی)

یاد رہے کہ عرب کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا سب سے بڑا پیشوا مانتے تھے۔ خاص کر قریش کو تو اسی بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ کعبہ کے خادم ہیں۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے حقیقتِ توحید کو حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے بیان فرمایا اور اُن کا جھگڑا مشرکوں سے دکھایا ہے اور اس طرح قریش کو سمجھایا ہے کہ تم جس کے وارث بنتے ہو وہ تو توحید کا علمبردار تھا اور شرک کا سخت مخالف تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ساری جدوجہد شرک کے خلاف تھی اسی حوالے سے اُن کا استدلال بھی بیان فرمایا جو نہایت معقول اور دل میں اُترنے والا ہے۔ اسی اندازِ بیان کو فصاحت اور بلاغت کہتے ہیں۔ (تفہیم)

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (۷۵) اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور زمین کا نظامِ سلطنت دکھایا تاکہ
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہوں۔

چشمِ بصیرت رکھنے والوں کو ہی خدا اور اُس کا نظام سمجھ میں آسکتا ہے

یعنی جس طرح تم لوگوں کے سامنے آثارِ کائنات زمین اور آسمانوں کی شکل میں نمایاں ہیں، بالکل اُسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بھی یہی آثار اور تخلیقاتِ خدا موجود تھیں۔ مگر تم خدا کی ان نشانیوں کو دیکھ کر غور و فکر نہیں کرتے، مگر حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی نشانیوں کو آنکھیں کھول کر (یعنی چشمِ بصیرت وا کر کے) دیکھا۔ یہی چاند سورج تمھیں جیسا گمراہ اور غافل چھوڑ کر غروب ہو جاتے ہیں، ایسا ہی غافل تمھیں اُس وقت پاتے ہیں جب وہ طلوع ہوتے ہیں۔ مگر انہی کو چشمِ بصیرت رکھنے والے انسان نے دیکھا اور اپنے مالک و خالق و آقا کو پہچان لیا۔

بقول ڈاکٹر اقبالؔ :- دلِ بیتاب بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں جو شرک تھا وہ محض ایک مذہبی عقیدہ یا صرف عبادتوں کا مجموعہ ہی نہ تھا، بلکہ اُس قوم کی پوری معاشی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی زندگی کا سارا نظام اسی عقیدۂ شرک پر مبنی تھا۔ اُس کے مقابلے پر

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کا پیغام لے کر اُٹھے تھے اُس کا اثر صرف بتوں کی پوجا پاٹ پر ہی نہیں پڑتا تھا، بلکہ شاہی خاندان کی حاکمیت، معبودیت، پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشی و معاشرتی حیثیت اور پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس کی زد پر آتی تھی۔ اُن کے پیغام کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت اُدھیڑ ڈالی جائے۔ اور اُس کو از سرِ نو توحید کے عقیدے پر اُٹھایا جائے۔ اِسی لیے جب حضرت ابراہیمؑ نے توحید کی آواز بلند کی تو سارے عوام و خواص، امیر و حکّام سب کے سب ایک ساتھ اُس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (تفہیم)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے زمین و آسمان پر خدا کی حکومتِ قاہرہ کا مشاہدہ کیا جس کی وجہ سے اُن کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا۔ اور اِس طرح معرفت کی زیادتی نے انھیں "یقین" کی منزل تک پہنچا دیا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ: "خدا نے آج تک یقین سے زیادہ بڑی چیز کسی کو عطا نہیں فرمائی۔" (تحف العقول)

خدا نے "امامتِ عظمیٰ کی علامت ہی "یقین" کو قرار دیا ہے۔"

فرمایا: "اور ہم نے اُن میں امام مقرر کیے تاکہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں۔ جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری دلیلوں پر "یقین" کیا۔" (قرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "ایک گھنٹہ (ساعت) اللہ کی تخلیقات پر غور و فکر کرنا ستّر سال کی عبادت سے افضل ہے۔" (قرآن میں ۷۵ آیات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے) (اصولِ کافی)

(ابراہیم)

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ (۷۶) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ ۷۶

تو جب رات کا اندھیرا اُن پر چھا گیا تو اُنھوں نے ایک تارا دیکھا تو کہا: یہ میرا پالنے والا مالک ہے۔ مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اُنھوں نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا طریقۂ استدلال

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زور و شور سے مشتری (Jupiter) ستارے اور زُہرہ (Venus) نامی ستارے کی پرستش ہوتی تھی۔ عجیب اتّفاق ہے کہ قدیم مفسّرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ (روح المعانی بقول ابن عباسؓ و قتادہ)

آیت کے اندازِ بیان ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام مخاطب کا قول نقل فرما کر استدلال فرما رہے ہیں۔ بحث و مباحثہ میں آج بھی یہ دستور قائم ہے کہ مخالف کے قول کو بجنسہٖ دُہرایا جاتا ہے۔ خود قرآن ہی میں خدا قیامت کے حال میں فرماتا ہے:

"اَيْنَ شُرَكَآءِيَ اللّٰهِ ؟" یعنی اللہ قیامت کے دن خود فرمائے گا "آج اللہ کے شریک کہاں ہیں ؟" اِس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم مشرک لوگ خدا کا شریک سمجھتے ہو؟ اِس بیان سے کوئی احمق سے احمق بھی یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ خدا نے اپنے شریکوں کو تسلیم کر لیا۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے اِس استدلال سے یہ ثابت کرنا کہ وہ خود پہلے مشرک تھے (معاذ اللہ) غلط ہے۔ (تفسیر کبیر۔ بحر)

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ (۷۷)

پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ ہے میرا پالنے والا مالک ۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرا حقیقی پالنے والا مجھے سیدھے راستے پر نہ رکھتا تو میں تو گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا ۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۷۸)

پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا بس یہ ہے میرا پالنے والا آقا ۔ یہ تو سب سے بڑا ہے ۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو (ابراہیمؑ) پکار اُٹھے : اے میری قوم والو! یقین جانو کہ میں اُن سب سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ۔

حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور لاجواب استدلال

آیت ۷۶ : حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تھا تو اُن کے چاروں طرف بڑے دھوم سے چاند، سورج، ستاروں کی پوجا پاٹ ہو رہی تھی ۔ اِس لیے حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہدایت کے کام کا آغاز اِسی نقطے سے کیا کہ ،کیا واقعی ان میں سے کوئی ہمارا خالق و مالک پالنے والا ہو سکتا ہے ؟ حضرت ابراہیمؑ نے اسی استدلال سے تارے، چاند اور سورج کی خدائی کو باطل ثابت کر دیا ، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں سے کسی میں شانِ ربوبیت کا کوئی عنصر (صفت) بھی موجود نہیں ۔ رب تو وہ ہوتا ہے جو سب کو پیدا

کرنے اور سب کو باقی رکھے۔ جو خود ہی غارت ہو جائے وہ بھی کیا کسی کا رب بن سکتا ہے؟ جو خود کسی کے بنائے ہوئے قانون پر دن رات دوڑ بھاگ رہا ہو وہ بھلا کہاں عالمین کا مالک کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے؟

ملاحظہ فرمائیں کہ اسی آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: "مما تشرکون" یعنی "جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ نہ فرمایا کہ "جو شرک میں کیا کرتا تھا" اور اب اُس سے بحمداللہ نکل آیا۔ یہ فرمایا کہ "میں اُس شرک سے بیزار ہوں جو تم کیا کرتے ہو"۔ اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کبھی مشرک نہ رہے تھے۔ (ماجدی)

حضرت ابراہیمؑ کا چاند تارے سورج کو دیکھ کر یہ فرمانا کہ: "کیا یہ میرا رب ہے؟" تو کیا اس کہنے سے وہ عارضی طور پر شرک میں مبتلا ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: اصل میں یہ ایک مفروضہ تھا جسے اُنھوں نے سمجھانے کے لیے موضوعِ بحث بنایا تھا۔ معلّم جب کسی مفروضے پر گفتگو کرتا ہے تو اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا جن سے ہیکر وہ طالبِ علم کو گذرتا ہے، بلکہ اصل اعتبار اُس سمت کا ہوتا ہے جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور اصل اعتبار اُس آخری نتیجے کا ہوتا ہے جس پر وہ گفتگو ختم کرتا ہے۔ درمیانی منزلوں سے مدرّس کو گذرنا ضرور پڑتا ہے تاکہ طالبِ علم جب اُس مفروضے کو باطل ہوتا دیکھے تو اصل سبق کی حقانیت پر یقین پیدا کرسکے۔ درمیانی منزلوں پر ٹھہرنا تلاش اور جستجو کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ بصورتِ فیصلہ۔ اصل میں یہ ٹھہراؤ سوالی اور استفہامی ہوتا ہے نہ کہ حکمی۔ اُستاد جب ان درمیانی منزلوں سے طالبِ علم کو لیکر گذرتا ہے تو یہ اُس کی آخری رائے نہیں ہوا کرتی، بلکہ سمجھانے کے لیے درمیانی منزلوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ (تاکہ مقصد تک پہنچنے اور سمجھانے میں آسانی ہو)

(ملخص از تفہیم)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ (۷۹) میں نے تو ہر چیز اور ہر طرف
لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ سے ہٹ کر اپنا چہرہ (اپنی توجہ کو) صرف
الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا اُس ہستی کی طرف موڑ لیا ہے جس نے
مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ہ ۷۹ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور
میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یعنی توحید پرست ہوں)

حضرت ابراہیمؑ پیغمبرِ خدا تھے اس لیے توحید پرست تھے

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ "میں یکسوئی کے ساتھ، سب سے کٹ کر، صرف خدا کی اطاعت کا عہد کرتا ہوں۔ اور صرف اور صرف اللہ کی طرف جھکتا ہوں۔ (تفسیر کبیر)

یاد رہے کہ سارے مکالمات میں حضرت ابراہیمؑ نے کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں فرمایا کہ جس سے یہ شائبہ بھی ہو سکے کہ کبھی آپؑ نے بھی شرک کیا تھا۔ اور اب بعد میں توحید کا عقیدہ قبول فرمایا۔ (ماجدی) (بھلا غور طلب بات ہے کہ جب خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہی خدا پرست نہ ہو اور وہ بُت پرست ہو جائے اور خدا کی توحید کی تبلیغ نہ کرے اور مشرکوں کی ہاں میں ہاں کرنے لگے تو پھر توحید پرست کون ہوگا؟)

"چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

پیغمبرِ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا

عام مفسرین نے اس پورے واقعے کو ایک حقیقی قصے کے طور پر لکھا ہے۔ اس لیے یہ بھی لکھ ڈالا کہ حضرت ابراہیمؑ نے (معاذ اللہ)

تین دفعہ جھوٹ بولا لیکن یہ بات کو نہ سمجھنا ہے۔ وہاں کوئی عالمی کانفرنس نہیں ہو رہی تھی کہ جو رات سے شروع ہوئی ہو اور صبح سورج نکلنے تک جاری رہی ہو۔ اور اُس کانفرنس میں ستارہ پرست، بُت پرست، سورج پرست سب کے سب جمع ہوتے بیٹھے ہوں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحقیقات سن رہے ہوں۔ اصل میں یہ اثباتِ حق کا ایک نہایت ہی بلیغ اور موثر اندازِ بیان تھا جو فنِ تعلیم کے عین مطابق، نہایت منطق استدلال کے طور پر تھا، جو آج کی سائنسی تحقیقات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اِس طریقۂ کار میں پہلے ایک مفروضہ قائم کیا جاتا ہے، پھر اس کو یا تو ثابت کیا جاتا ہے، یا رد کر دیا جاتا ہے۔ یہی طریقۂ تحقیق یہاں اِستعمال ہوا ہے۔ اِس طریقۂ تحقیق میں مخالف کا دعویٰ بعینہٖ پیش کرنا جھوٹ نہیں ہوا کرتا۔ اُس کے قول کو رد کرنے کے لیے اُس کا قول دُہرانا پڑتا ہے۔ خود قرآن نے کافروں مشرکوں، دہریوں، منافقوں، منکروں کے اقوال بار بار دُہرائے ہیں۔ اِس لیے یہ کوئی حقیقی واقعہ نہ تھا بلکہ صرف ایک طریقۂ استدلال اور طرزِ بیان تھا۔

رہ گیا جھوٹ بولنے کا سوال، تو یہ اصول یاد رہے کہ کوئی بات اگر کسی واقعے کو بیان کرنے کے لیے کی جائے تو اُس میں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن جو بات استدلال کے طور پر مخالف کا قول رد کرنے کے لیے بطور مفروضہ کہی جاتی ہے اُس میں جھوٹ سچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات علمی دُنیا میں بہت عام ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کہنا کہ شرک کیا:

در اصل اللہ کے بھیجے ہوئے اولوالعزم پیغمبرؑ پر بہتان ہے اور اللہ کے انتخاب پر اعتراض ہے۔

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰

(۸۰) اِس پر اُن کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی تو اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اُسی نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ اور میں اُن چیزوں سے نہیں ڈرتا جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھیرایا ہے، سوا اِس کے کہ اگر میرا مالک کوئی بات چاہے۔ میرے پالنے والے آقا کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ آخر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے اور نصیحت کیوں قبول نہیں کرتے؟

حضرتِ ابراہیمؑ کی بے خوفی اور جرأت کردار

معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں نے حضرت ابراہیمؑ کو دھمکی دی تھی کہ تم ہمارے بتوں کو بُرا کہتے ہو، دیکھنا تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔
(کشاف، معالم، مجمع البیان)

اِس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں تمھارے جھوٹے خداؤں سے نہیں ڈرتا۔ جو کچھ ہونا ہوگا وہ میرے ہی خدا کے حکم سے ہوگا۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیمؑ کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، تمھارا اصلی مالک اُس سے بے خبر نہیں، کیونکہ اُس کا علم ساری کائنات پر وسیع ہے۔ پھر کیا اِس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ (تفہیم) — حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ "تمھارے دیوتا نہ صفتِ حیات رکھتے ہیں اور نہ قدرت۔ پھر اُن سے مجھے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" (تھانوی)

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۱

(۸۱) آخر میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے خدا کے شریکوں سے (کیوں) کیسے ڈروں جب کہ تم لوگ تو خدا کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھیراتے تک سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق خدا نے تم پر نہ تو کوئی دلیل اُتاری ہے، نہ سند؟ تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون ہے جو بیخوفی اور مطمئن رہنے کا زیادہ حقدار ہے (بتاؤ) اگر تم کچھ بھی علم رکھتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم خدا کی منکر نہ تھی، بلکہ؟

یہ آیتیں واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم زمین و آسمان کے ایک خالق کے تصور کی منکر نہ تھی۔ بلکہ اُن کا اصلی جرم یہ تھا کہ وہ دوسروں کو خدائی صفات اور خداوندانہ حقوق میں شریک قرار دیتے تھے۔ اوّل تو آیت ہی میں خود حضرت ابراہیمؑ فرما رہے ہیں کہ: "تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو۔" پھر یہ کہ آپؑ کا اندازِ بیان ہی ایسا ہے کہ جو بتا رہا ہے کہ آپؑ اُن لوگوں سے بحث فرما رہے ہیں جو اللہ کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔ (تفہیم)

حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ " احمقو! تم مجھے ڈرا رہے ہو، جبکہ میں توحید جیسے سچے عقیدے پر قائم ہوں۔ پھر بھی میں ڈروں، اور تم جو شرک جیسے سب سے بڑے گناہ پر قائم ہو، بے خوف بنے رہو! عجیب احمقانہ بات ہے۔ (ماجدی)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ (۸۲) بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۸۲

حقیقت میں امن وسکون تو صرف اُنہی لوگوں کے لیے ہے اور صحیح سیدھے راستے پر بھی وہی لوگ ہیں جو خدائے واحد کو مانیں اور پھر اپنے اِس ایمان میں ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ بھی نہ کریں۔

شرک سے بڑا کوئی ظلم نہیں، جو ناقابلِ معافی ہے

حضرت ابنِ مسعود سے روایت ہے، کہ:
جب یہ آیت اُتری تو لوگوں نے جنابِ رسولِ خداؐ سے پوچھا کہ ہم میں ایسا کون ہے جس نے (گناہ کرکے) اپنے اوپر ظلم نہیں کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: آیت کا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اِس ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ اللہ کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمانؑ) فرمایا کرتا تھا۔ "يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭاِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝" (سورۂ لقمان ۳۱ آیت ۱۳) یعنی: "اے میرے بیٹے! کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیراؤ، حقیقتاً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

کسی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا: "آیا زنا بھی اِس ظلم میں داخل ہے؟" فرمایا: "میں زنا سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ مگر اِس آیت میں جو ظلم کے معنی ہیں اُس میں زنا داخل نہیں۔ کیونکہ زنا ایک ایسا گناہ ہے جس سے بندہ جس وقت توبہ کرلے تو اللہ اُس کو قبول فرما کر معاف کردیتا ہے۔" (یہ گناہ خرابیٔ نفس کے سبب سے ہوتا ہے نہ کہ خدا سے بغاوت کے سبب نہیں ہوتا)۔" (تفسیر عیاشی)

انسان اپنے ضمیر اور وجود پر سب سے بڑا ظلم اُسی وقت کرتا ہے جب وہ خدائے حقیقی کے ساتھ اُس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک قرار دیتا ہے۔ قرآن نے شرک ہی کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔" (ابنِ جریر۔ تفسیر کبیر وغیرہ)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ (۸۳) عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۸۳

اور یہ ہماری وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے مقابلے پر عطا کی تھی ہم جسے چاہتے ہیں درجوں میں بلندی عطا کرتے ہیں، حقیقتاً تمہارا پالنے والا مالک بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ (۸۴) كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۸۴

پھر ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی، اور ہر ایک کو سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ اور اس سے پہلے نوحؑ کو بھی ہم نے سیدھی راہ دکھائی تھی۔ اور اُنہی کی اولاد سے ہم نے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (سیدھی راہ دکھائی تھی) اسی طرح ہم نیک لوگوں کو اُن کی نیکی کا صلہ دیا کرتے ہیں۔

علمِ کلام کا شرف (آیت ۸۳) فقہاء اور محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو لوگ علمِ کلام کی بحثوں میں مشغول رہتے ہیں اُن کا شرف اس آیت سے ثابت ہوگیا۔ اور اُن لوگوں کا ردّ بھی ہوگیا جو مناسب موقع پر بھی بحث و مباحثے کو لاحاصل سمجھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر۔ جصّاص)

اہم انبیاء کا ذکر حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کی گیارھویں پُست میں تھے۔ آپؑ کا وطن عراق کے دوآبہ دجلہ و فرات کے درمیان تھا۔ آپؑ کا زمانہ سنہ ۱۹۹۸ قبل مسیح سے سنہ ۲۹۲۸ قبل مسیح سمجھا

گیا ہے۔

۳ سوال یہ ہے کہ آیت ۸۴ میں کس کی اولاد کا ذکر ہے ؟

اِس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا ذکر سب سے قریب ہے، اور اِس لیے بھی کہ بعد میں جن کا ذکر آیا ہے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں۔ (معالم)

لیکن بعض مفسّرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مراد لی ہے۔ اِس لیے کہ یہاں اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے فضائل خدا نے بیان فرمائے ہیں۔ نیز یہ کہ اولاد میں' اولادِ دختری بھی شامل ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت داؤد بن یسی علیہ السلام بنی اسرائیل میں بڑے شان و شوکت کے بادشاہ تھے۔ آپؑ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، جو انبیاءِ کرام میں سب سے بڑے بادشاہ گذرے ہیں۔ یہ دونوں ۹۳۲ سنہ سے ۹۶۲ سنہ قبل مسیح گذرے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام فلسطین کی مشرقی سرحد پر رہتے تھے۔ بائبل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں پانچویں پُشت میں تھے۔ آپؑ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ (حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ مصر کے اور کنعان (فلسطین) کے بادشاہ ہوئے۔ آپؑ کا زمانہ ۱۸۰۰ سنہ تا ۱۹۱۰ سنہ قبل مسیح تھا۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن پر توریت اُتری' اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ہیں جو ۱۴۰۰ سنہ قبل مسیح ہوئے۔ آپ کے بھائی حضرت ہارونؑ آپؑ سے تین سال بڑے تھے۔ آپؑ کو قبیلے کی سرداری اور وجاہتِ دُنیا بھی حاصل ہوئی۔ (ماجدی)

وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَ (۸۵) اور (پھر اسی کی اولاد سے) زکریاؑ،
اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی
(سیدھا راستہ دکھایا) اُن میں سے ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھا۔

ائمہؑ اہلِ بیتؑ کے اولادِ رسولؐ ہونے کا ثبوت

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: "خدا کی قسم! اللہ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کا نسب اِس آیت میں بیٹی (یعنی حضرت مریمؑ) کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا دیا۔" پھر امامؑ نے اِسی آیت کو تلاوت فرمایا۔ (اِس سے معلوم ہوا کہ بیٹی سے بھی نسب ملتا ہے۔ اِسی لیے حضرت فاطمہؑ کی اولاد جناب رسولِ خداؐ کی اولاد ہے) (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "(میرے پدرِ گرامی) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا کہ آپؑ خود کو کیسے رسولِ خداؐ کی اولاد بتلاتے ہیں جبکہ آپؑ تو حضرت علیؑ کی اولاد ہیں۔؟ اِس پر حضرت امامؑ نے اِسی آیت کو تلاوت فرما کر اُس کا جواب دیا۔ فرمایا "کیونکہ اِس آیت میں خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ ہی کے ذریعے سے انبیاءؑ کی اولاد میں شامل فرمایا ہے، اِسی طرح ہم بھی انبیاءؑ کی اولاد ہیں اور ہمیں بھی خدا نے حضرت فاطمہؑ کے ذریعے سے اولادِ رسولؐ میں شامل فرمایا ہے۔" (عیون اخبار الرضاؑ)

اِس آیت سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی ذرّیّت میں شامل ہوتی ہے۔ (جلالین)

قرآن نے انبیاءِ کرامؑ کو صالحین فرمایا ہے جبکہ اہلِ کتاب نے جی بھر کے اُن کی سیرتوں کو داغدار بنایا۔ صالحین کے معنی صالحیت میں کامل ترین۔ (بیضاوی)

وَإِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۸۶

اور (پھر اُسی کی اولاد میں سے) اسمٰعیل اور الیسع، یونس اور لوط کو بھی (سیدھا راستہ دکھایا) اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام جہانوں سے زیادہ عطا کیا۔ (۸۶)

"حضرت الیسع" کے لیے لکھا گیا ہے کہ وہ حضرت الیاس کے خلیفہ تھے اور نبی تھے بعض مفسّرین نے لکھا کہ الیسع، حضرت الیاس یا حضرت خضر ہی کا دوسرا نام ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ رہا یہ کہ بعض روایات میں ہے کہ: حضرت خضر پانی پر مقرر ہیں اور حضرت الیسع خشکی پر۔ اور دونوں ہر رات سدِ سکندری پر ملاقات کرتے ہیں۔

اور یہ بھی روایات میں ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت الیسع ہر سال موسم حج میں اکٹھے ہوتے ہیں اور زمزم پیتے ہیں لیکن یہ سب باتیں جعلی ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ ص ۲۳۴)

حضرت ابراہیم کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل ۱۹۳۳ء سے ۲۰۰۷ء قبل مسیح ہوئے الیسع، حضرت الیاس کے جانشین تھے۔ حضرت یونس بن متی نینوا "جسے آجکل "موصل" کہتے ہیں کے نبی تھے۔ ان کا زمانہ ۸۴۱ء سے ۷۸۱ء قبل مسیح کا تھا۔ حضرت لوط بن ہاران حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔ بحرِلوط جسے آج بحرِمردہ (DEAD SEA) کہتے ہیں، اُس کے کنارے حضرت لوط کی قوم آباد تھی۔ جو ہم جنس پرستی اور چوری وغیرہ بدترین کاموں میں مشہور تھی، ان پر ۲۰۶۱ء قبل مسیح عذاب آیا۔ (ماجدی)

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۷

(۸۷) نیز اُن کے آبا و اجداد اور اُن کی اولاد اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے منتخب کیا) اور اُنھیں سیدھے راستے کی ہدایت کی۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۸

(۸۸) یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ بھی خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراتے تو اُن کا سب کیا کرایا اکارت ہو جاتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ ۸۹

(۸۹) یہی وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم و حکمت اور نبوّت[۱] عطا کی۔ اب اگر یہ لوگ اُس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ہم نے بھی اِس نعمت کو کچھ ایسے لوگوں کے حوالے کیا ہے جو اِس کا انکار نہیں کریں گے۔

کتاب، حکم اور نبوّت کے معنی

۱۔ انبیاء کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) "کتاب" یعنی خدا کا پیغام نامہ "ہدایت نامہ" (۲) "حکم" یعنی اُس کے بتائے ہوئے اصولوں کو عملی زندگی پر منطبق کرنے کی صلاحیت اور اُلجھے ہوئے مسائل میں فیصلے کی رائے قائم کرنا۔ (۳) "نبوّت" یعنی وہ اِس ہدایت نامے کو لوگوں تک پہنچائیں اور اُن لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ (تفہیم)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۹۰)

یہ ہیں وہ جنھیں اللہ نے اپنا راستہ دکھایا ہے۔ تو اِن ہی کی ہدایت کی پیروی[۱] کیجیے۔ اور کہدیجیے کہ میں اِس پر کوئی معاوضہ یا اُجرت نہیں مانگتا۔[۲] یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت (یعنی) اُن کی بھلائی چاہنا ہے۔

انبیاءؑ کی پیروی محفوظ ترین راہِ ہدایت ہے

[۱] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "عقلمندوں کے لیے (نبی اکرمؐ کی) پیروی کرنے سے زیادہ محفوظ کوئی راستہ نہیں۔ اِس لیے کہ یہ راہ کھلی ہے اور منزل اور مقصد صحیح اور واضح ہے۔ اسی لیے خداوندِ عالم حضور اکرمؐ سے فرماتا ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" یعنی: یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت فرمائی ہے پس اُن کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔"

اگر خدا کے دین کے لیے کوئی اور راستہ (انبیاء کی) پیروی کرنے سے بہتر ہوتا تو خدا وہی راستہ اختیار کرنے کی تاکید فرماتا۔" (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۹ بحوالہ مصباح الشرائع)

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "سب سے بہتر ہدایت انبیاءؑ کی ہدایت ہے۔" (تفسیر قمی)

حضرت علیؑ نے فرمایا: "تم اپنے نبیؐ کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کیونکہ وہ سب سے افضل (ہدایت) ہے۔" (نہج البلاغہ)

اجرِ رسالت کا مقصد :[۲] اب جو رسولؐ نے اجرِ رسالت طلب کیا تھا اور وہ اجر اپنے اقرباء سے محبت تھی جو سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں طلب کیا گیا تھا، کہ

" قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى " (شوریٰ آیت ۲۳)

یعنی: "(اے رسولؐ!) کہہ دیجیے کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، سوا اس کے کہ (میرے) اقربا، سے محبت کرو۔" تو اب بتایا جا رہا ہے کہ جو اجر میں نے تم سے اقربا کی محبت کی شکل میں طلب کیا تھا، وہ کوئی میں نے اپنے فائدے کے لیے نہیں طلب کیا تھا۔ وہ تو میں نے تمام عالمین کے فائدے کے لیے طلب کیا تھا۔ کیونکہ اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت میں تمھاری ہی بہتری ہے۔ (فصل الخطاب)

اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت کے سبب سے تم اُن کے پاکیزہ اوصاف کی پیروی کروگے، اور یہ جذبۂ محبت تمھیں ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے بچائے گا۔ اِس طرح تمھیں دُنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں حاصل ہوجائیں گی۔ اِسی لیے دوسری جگہ فرمایا: مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ " یعنی: "میں نے جو اجر تم سے مانگا ہے، وہ تمھارے ہی فائدے کے لیے مانگا ہے۔" (قرآن)

؎ نیازؔ اندر قیامت بے سر و ساماں نہ خواہی شد : کہ از حُبّ و تولّائے علیؑ داری تو سامانی

نیازیہ سلسلے کے بانی (نیازؔ بریلوی) فرماتے ہیں کہ: "نیازؔ! تو قیامت کے دن بے سر و سامان نہ رہے گا۔ اِس لیے کہ تُو علیؑ کی محبت جیسا قیمتی سامان اپنے ساتھ رکھتا ہوگا۔"

فقہاء نے **نتیجہ** نکالا کہ تعلیمِ قرآن اور روایتِ حدیث جیسی خدماتِ دینی پر معاوضہ طلب کرنا درست نہیں۔ (مدارک) ـــــ محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن قصّہ کہانی وغیرہ کی کتاب نہیں۔ یہ تو تمام تر ہدایت نامہ اور زندگی کا دستور العمل ہے۔ اور اس کی تعلیمات سارے عالَم کے لیے ہیں۔ (تفسیر کبیر - روح)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ (۹۱) قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۱

اور اُنھوں نے اللہ کی حقیقی شان اور نعمتوں کو نہ تو سمجھا اور نہ اُس کی قدر کی[1] جب اُنھوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی تو نازل نہیں کیا۔ اُن سے پوچھو کہ پھر وہ کتاب کس نے اُتاری تھی جسے موسیٰؑ لے کر آئے تھے؟ جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی اور جسے تم الگ الگ کاغذوں کے ٹکڑوں میں کر کے رکھتے ہو کچھ لوگوں کو دکھاتے ہو اور زیادہ تر حصّہ چُھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعے سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تو خود تمھیں ہی حاصل تھا، اور نہ تمھارے باپ دادا کو۔ کہہ دیجیے کہ اللہ، پھر اُنھیں چھوڑ دیجیے (تاکہ) وہ اپنی بے تُکی دلیلوں اور اعتراضات سے خوب کھیل کود مچاتے رہیں۔

خدا کی قدر نہ کرنے کا مطلب

[1] حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اُنھوں نے نہ تو خدا کی نعمتوں کو سمجھا اور نہ اُس کی قدر کی۔ خدا کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ اُس سے اعظم ہی ثابت ہوگا۔ (الکافی)

غرض "اُنھوں نے اللہ کو اُس کی واقعی شان کے ساتھ نہیں سمجھا۔ (کیونکہ اُنھوں نے یہ نہ مانا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے کتاب اُتاری ہے) اِس لیے اُنھوں نے خدا کی قدر نہ کی۔
(تفسیر علی بن ابراہیم، تفسیر تبیان)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ (١٦) اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾

اور پھر ہم نے ابراہیم کو بھیجا، جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ کی بندگی کرو اور اُس کی ناراضگی سے ڈرتے ہوئے اُس کے غصّے سے بچو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ (١٧) اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

تم جنھیں اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہو وہ صرف (بے جان) بت ہیں اور تم ہو کہ اُن کے لیے جھوٹ گھڑتے چلے جارہے ہو۔ درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پوجاپاٹ کرتے ہو وہ تمھیں کوئی رزق یا روزی دینے کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ ہی سے رزق مانگو اور اُسی کا شکر ادا کرو، اور اُسی کی طرف تم کو پلٹ کر جانا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے دلائل

★ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دلیل یہ تھی کہ:

(۱) معبود یا خدا سمجھنے کے لیے کم سے کم یہ بات ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ ذات اپنے اندر معبودیّت کی شان تو رکھتی ہو۔ یعنی وہ آدمی کا خالق ہو۔ (۲) اور اپنے اندر اپنے باقی رہنے کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (۳) تیسری بات یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ذات ہماری پرورش کا سامان کرتی ہو۔ یعنی رزق دیتی ہو۔ (۴) چوتھی بات یہ ہوسکتی ہے کہ آدمی کا مستقبل اُسی کے ہاتھ میں ہو' اور آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ ناراض ہوجائے گا تو وہ مجھ کو برباد کردے گا۔

اِسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِن چاروں دلیلوں میں سے کوئی ایک دلیل بھی بتوں کو خدا یا معبود ثابت نہیں کرتی، بلکہ ہر دلیل خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتی ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہ صرف بُت ہیں۔" گویا اِن میں خدائی کی کوئی بھی شان یہاں نہیں ہے۔ یہ صرف کاٹھ کے اُلّو کی طرح (پتھر ہی) ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

(۲) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ: "اِن بتوں کے خالق تو تم ہو۔" یہ بتا دیا کہ یہ تمھارے خالق نہیں ہیں"۔ (۳) تیسری بات یہ فرمائی کہ: "یہ بُت تمھیں کوئی رزق نہیں دے سکتے۔ یہ رازق نہیں ہیں"

(۴) آخری بات یہ فرمائی کہ: "تم کو پلٹنا تو خدا ہی کی طرف ہے، نہ کہ بتوں کی طرف۔ اِس لیے تمھارا انجام اور تمھاری عاقبت بنانا، بگاڑنا بھی اِن بتوں کے ہاتھ میں نہیں۔ صرف اور صرف خدائے واحد کے اختیار میں ہے۔ اِس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک کی جڑ بنیاد سے لے کر اُس کی پوری عمارت کو منہدم اور تہس نہس کرڈالا۔

★ ..... (تفہیم القرآن)

★ یہاں توحید اور تقویٰ کی دعوت حضرت ابراہیمؑ کی زبانی دی جارہی ہے۔ توحید کا تعلّق عقیدہ سے ہے اور تقویٰ کا تعلق عمل سے ہے۔

★ ..... (تفسیر نمونہ)

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

(۱۸) اور (اب اِس کے باوجود بھی) اگر تم جھٹلاتے ہو، تو تم سے پہلے بھی بہت سی قومیں (ایسے ٹھوس حقائق کو) جھٹلا چکی ہیں۔ اور ہمارے رسولؐ پر تو صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمّہ داری نہیں ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾

(۱۹) کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کے پیدا کرنے کی ابتدا کرتا ہے؟ پھر اُس کو دہرائے گا بھی۔ حقیقتاً یہ بات خدا کے لیے بہت ہی آسان ہے۔

آیت ۱۸ کی تشریح: مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! حقیقتوں کو جھٹلانا کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ کوئی تمھارا کمال نہیں ہے۔ تاریخ میں پہلے بھی بہت سے انبیاء کرامؑ کو جھٹلانے کا ذکر موجود ہے۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ وغیرہ بھی یہی تعلیمات لے کر آچکے ہیں، اور اُن کی قوموں نے بھی انھیں جھٹلایا تھا۔ جیسے تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔ اب تم خود ہی دیکھ لو کہ انبیاء کو جھٹلانے کا انجام تباہی و بربادی ہی ہے۔

*...... (تفہیم القرآن)

فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا اقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ فَاَنۡجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۲۴

(۲۴) مگر اُن کی قوم کا جواب اِس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا: "اِسے قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو۔" تو اللہ نے اُنھیں آگ سے بچا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس (واقعے) میں اُن لوگوں کے لیے دلیلیں اور نشانیاں ہیں جو اَبدی حقیقتوں کو دل سے ماننے کے لیے تیّار ہوں۔

---

* حضرت ابراہیمؑ کے اِس قصّے میں اہلِ ایمان کے لیے نشانیاں ہیں: (۱) یہ کہ آگ کا اثر حضرت ابراہیمؑ پر نہ ہوا۔ (۲) آگ باغ میں تبدیل ہوگئی۔ (۳) اتنی طاقتور قوم ایک شخص حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بے بس ہوکر رہ گئی۔ (۴) اتنے بڑے اور واضح معجزا کا بھی اُن حق دشمنوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ بھی خدا کی ایک نشانی ہے کہ انسان جب حق دشمنی پر اُتر آئے تو وہ کس قدر عقل سے اندھا ہوجاتا ہے یعنی اُس کی توفیقات خدا سلب کرلیتا ہے اُس کی حق دشمنی کے سبب سے۔ * ... (تفسیر نمونہ)

(۵) حضرت ابراہیمؑ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی حق کی ترویج کرتے رہے، بلکہ آپؑ نے اپنا کام اور زیادہ تیزی سے جاری کردیا۔ یعنی: "چشمہ رہِ دشوار میں ہوتا ہے رواں اور۔"

* روایت میں ہے کہ جس رسّی سے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ پیر باندھ کر آگ میں پھینکا گیا تھا، صرف وہ رسّی جل گئی لیکن حضرت ابراہیمؑ کے لیے وہ آگ گلزار بن گئی۔ * .... (تفسیر روح المعانی)

حضرت ابراہیمؑ کے معقول ترین دلائل کا کوئی جواب اُن کی قوم کے پاس نہ تھا۔ مگر یہ کہ بس کاٹ دو اِن کی حق گو زبان کو، اور اِس شخص کو ہرگز زندہ نہ رہنے دو جو ہماری غلطیاں ہمیں بتاتا ہے اور ہمیں اُن کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ ایسے آدمی کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا ڈالو یا جلا ڈالو اسے آگ میں۔ " اُن کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ پورے مجمع کے پاس حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کا جواب نہ تھا۔

* خدا کا یہ فرمانا کہ " ابراہیمؑ کے واقعے میں اہلِ ایمان کے لیے حق کی نشانیاں اور دلیلیں ہیں " تو اس کا مطلب یہ ہے کہ: (۱) حضرت ابراہیمؑ نے خاندان، قوم، ملک کے مذاہب کی پیروی نہ کی، بلکہ حق کی پیروی کی۔ (۲) اُنھوں نے قوم کی حق دشمنی کے باوجود اُن کو حق کی طرف بلایا۔ (۳) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ظلم کو برداشت کیا، مگر حق و صداقت سے منھ نہ موڑا۔ (۴) خدا نے حضرت ابراہیمؑ تک کو امتحان لینے سے نہ چھوڑا۔ (۵) جب حضرت ابراہیمؑ خدا کے لیے ہوئے امتحان سے کامیابی کے ساتھ گذر گئے، تب کہیں اللہ کی مدد اُن کے لیے آئی، اور ایسے معجزانہ انداز سے آئی کہ آگ، گلزار بن کر ٹھنڈی ہو گئی۔۔

*...... (تفہیم القرآن)

* حضرت ابراہیمؑ کیا ہر نبیؑ اور ہادیٔ برحق کے ساتھ اُن کی قوموں نے ایسا ہی ظلم و ستم روا رکھا ہے۔

امیرِ شام نے (خلیفۂ وقت) حضرت امام علیؑ کے متعلق یا بنی اُمیہ نے آلِ محمدؐ کے متعلق کس بات کی کمی چھوڑی ہے اور آج تک آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے نقشِ قدم پر چلنے والے، آلِ محمدؐ کی اولادوں اور اُن کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کرنے میں کیا کمی چھوڑ رہے ہیں۔ ؟

بہر کیف حق کے داعیان کے خلاف نظریاتی جنگ کا سلسلہ ہر دور میں رہا ہے۔ لہٰذا توحید کے مبلّغین اور اسلام کی حقیقی تبلیغ کرنے والوں کو اپنے قائدین کی سیرت پر چلنے اور جہاّل کی ہاؤ ہو سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف جب اُس دور کی عدالت کے ذریعے سزائے موت سنائی گئی کہ یا تو اِن کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔ تاکہ حکومت کا خوف لوگوں کے دلوں پر بیٹھا رہے اور کوئی ایسی جرأت نہ کرے

*...... (تفسیر انوار النجف)

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

(۲۵) اور (ابراہیمؑ نے یہ بھی) کہا کہ: "تم نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبّت کا ذریعہ بنا لیا ہے (یعنی تم نے تو خداپرستی کی بجائے بُت پرستی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کر لی ہے) مگر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرتے ہوئے (ایکدوسرے سے بری الذمّہ ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھی بھیجو گے' اِس حالت میں کہ جہنّم کی آگ تمھارا ٹھکانا ہوگی، اور تمھارے لئے کوئی مددگار بھی ہو نگے

★ جاہل قومیں بتوں، دیوی، دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کرنے کا جواز یہ بتاتے ہیں کہ اِس طرح ایک بُت کو پوجنے کی وجہ سے ہم میں اجتماعی اتّحاد اور ہم آہنگی قائم رہے گی، کیوں کہ ہم سب ایک ہی دیوی دیوتا کے ماننے والے ہیں۔ حالاں کہ کئی دیوتاؤں کی پوجا پاٹ تو خود انسانوں کو کئی کئی فرقوں میں بانٹ دے گی ..... (تفسیر ماجدی)

عرفا نے نتیجہ نکالا ★ کہ قوم کا ایسا اتّحاد جو دین کے فساد کا سبب ہے اُس کا ترک کر دینا واجب ہے۔ (مرشد تھانوی)

★ امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ "یہاں کفر و انکار سے مراد "بری الذمہ ہونا" ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے یہ کافر اور حق کے منکر ایک دوسرے سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ ایک دوسرے سے علیحدگی اور لاتعلقی کا اعلان کریں گے۔

شیطان کا بھی اسی طرح کا قول خود قرآن میں موجود ہے کہ وہ آخرت میں کہے گا: "تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا تھا، میں نے تو پہلے ہی اُس کا شریک بننے سے انکار کر دیا تھا۔" (سورۃ ابراہیم آیت ۲۲ پ ۱۳)

حضرت ابراہیمؑ بھی فرمائیں گے: "کَفَرْنَا بِكُمْ" ★ (سورۃ الممتحنۃ۔ آیت ۴ پ ۲۸ پارہ)

یعنی: "ہم تم سے بیزار، بری الذمہ اور الگ ہیں۔"

★...... (تفسیر صافی ص ۳۸۵۔ التوحید)

حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ: اے میری قوم والو! تم نے بت پرستی کی بنیاد پر اپنی زندگی کی عمارت اُٹھائی ہے۔ یہ بنیاد دنیوی زندگی تک تو تمھیں فائدہ پہنچا سکتی ہے کہ تم ایک قوم بن کر رہ سکتے ہو، کیوں کہ دنیا میں تو کسی بھی عقیدے پر لوگ جمع ہو کر ایک ہو سکتے ہیں، چاہے وہ عقیدہ کتنا ہی احمقانہ ہو البتہ اُس عقیدے کی وجہ سے وہ ایک قوم ضرور بن سکتے ہیں اور معاشرتی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن) (مگر آخرت میں اُن کی سیاسی اجتماعی وحدت اُن کے کسی کام نہ آئے گی کیوں کہ اُن کے اتحاد کی بنیاد ہی غلط عقیدے پر ہے۔ سہ "خشتِ اول چوں نہد معمار کج ❖ تا ثریا می رود دیوار کج۔" (مؤلف)

★ جن کو خدا مان کر عبادت کی جاتی رہی ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بے جان۔ مثلاً چاند سورج آگ ستارے وغیرہ۔ اور دوسرے وہ جو جاندار ہیں اور اُن میں اللہ کے برگزیدہ بھی ہیں مثلاً حضرت عزیرؑ، حضرت عیسیٰؑ حضرت امام علیؑ۔ اور بعض جاندار ایسے ہیں جو نہ حق پر ہیں نہ اللہ کے برگزیدہ ہیں مثلاً نمرود، شداد، فرعون وغیرہ روزِ قیامت بے جان معبود تو اپنے ماننے والوں کے لیے ارمان اور پشیمانیوں کے عذاب میں اضافے کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے۔ اور ناحق پیر و مرید ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔ اور دنیاوی

محبتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کا بازار گرم ہوگا۔ ناحق پیر اپنے مریدوں پر لعنت کریں گے اور مرید اپنے پیروں پر لعنت کریں گے۔ جیسا کہ آیتِ مجیدہ میں اس کا انکشاف صاف طور پر کیا گیا ہے۔ اور اُن سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

اب رہے وہ پیر جو خود حق پر تھے اور پروردگارِ عالم کے برگزیدہ تھے، اُن سے پوچھا جائے گا کہ: "کیا تم نے اِن کو غلط روی کی طرف دعوت دی تھی؟" تو وہ صاف صاف اُن کے خلاف شہادت دیں گے کہ ہم نے تو دنیا میں توحید کا پرچم بلند کیا تھا اور اس سلسلے میں ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔" جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ سے خداوندِ عالم پوچھے گا:

"کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا مان لو"؟

تو حضرت عیسٰیؑ صاف جواب دیں گے کہ:

("پالنے والے! آپ تو مجھ سے بہتر جاننے والے ہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا") "میں نے ہرگز اِن کو یہ نہیں کہا تھا، بلکہ میں نے تو صرف آپ کی توحید اور آپ کی عبادت کا پیغام دیا تھا۔ باقی عقائد اِن کے اپنے من گھڑت ہیں۔"

(سورۃ المائدۃ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷ پ ۷)

(اسی طرح حضرت عزیرؑ سے بھی پوچھا جائے گا۔ تو وہ حضرت بھی بیزاری ظاہر کریں گے۔

پھر اسی طرح حضرت امام علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام سے نصیریوں اور اسی قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا تو آپؑ بھی اُن لوگوں سے بیزاری ظاہر کریں گے) جیسا کہ

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاف طور پر فرمایا ہے۔" جو لوگ ہمیں خالق و رازق مانتے ہیں، ہم اُن سے روزِ حشر اس طرح بیزار ہوں گے جس طرح حضرت عیسٰیؑ نصرانیوں سے بیزاری اختیار کریں گے۔ * ..... (تفسیر انوار النجف)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ غرض ابراہیم کی بات کو (صرف) لوطؑ نے مانا۔ تو ابراہیمؑ نے کہا: "میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ یقیناً وہ زبردست طاقت اور عزت والا بھی ہے، اور سوجھ بوجھ کے ساتھ گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا بھی ہے۔

★ حضرت لوطؑ خود بھی پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے رشتہ دار بھی تھے اور اُن پر ایمان بھی لائے تھے ایک نبیؑ کا ایمان لانا ایک اُمت کے ایمان لانے کے برابر ہوا کرتا ہے۔ اِسی لیے خدا نے حضرت لوطؑ کے ایمان لانے کا یہاں خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت نے بھی ابراہیمؑ کو نبی اور اپنا پیشوا مان لیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب اتنا بڑا آدمی ابراہیمؑ پر ایمان لا چکا ہے تو اب تم بھی ایمان لے آؤ، پھر بھی تم ایمان نہ لائے تو ابراہیمؑ کی عظمت پر کوئی فرق نہیں آتا۔ (تفسیر نمونہ)

ہجرت کرنا سنّتِ انبیاء و اولیاء ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ فرمانا کہ اب میں یہاں سے ہجرت کرتا ہوں" ثابت کرتا ہے کہ انبیاء کرامؑ جب کسی قوم سے بیزار یا مایوس ہو جاتے ہیں تو اپنا کام روک تے نہیں، بلکہ ہجرت فرما کر دوسرے شہروں میں حق کی تبلیغ فرماتے ہیں۔ اِسی لیے حضرت ابراہیمؑ شہر بابل سے نکلے اور ملکِ شام تشریف لے گئے۔ جہاں اُنھوں نے پیغام توحید کی تبلیغ فرمائی۔ مگر چلتے وقت یہ فرمایا کہ "میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں" یعنی: خدا کی راہ میں، خدا کے دین کی تبلیغ کے لیے ہجرت کرتا ہوں۔

★ ..... (تفسیر نمونہ)

* حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اُن کی قوم میں سے کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ مانا، سوائے حضرت لوطؑ کے۔
*...... (موضح القرآن)

* تقریباً یہی حال حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام کا ہوا۔ اُن کے ماننے والے بھی بہت ہی کم تھے۔ البتہ یہ خصوصیت ہمارے رسولؐ کو حاصل ہوئی کہ آپؐ کی زندگی ہی میں آپؐ کے ماننے والے لاکھوں تھے، مگر اُن میں بھی خالص سچے مومن اور مخلص صرف چند ہی تھے۔
*...... (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر نکلتا ہوں۔ اب جہاں میرا مالک مجھے لے جائے گا میں وہاں چلا جاؤں گا۔ اور میرا خدا میری حفاظت اور حمایت پر قادر ہے اور اُس کا جو فیصلہ بھی میرے بارے میں ہوگا، وہ ٹھیک ہوگا اور حکمت پر مبنی ہوگا۔
*...... (تفہیم القرآن)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (پس اُن پر لوطؑ ایمان لائے) حضرت لوطؑ نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا زاد یا خالہ زاد بھائی۔ یا بھانجے یا بھتیجے باختلافِ اقوال ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کیا تھا۔ مسلکِ شیعہ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ نبی یا وصیِ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کہ وہ کسی زمانے میں بھی عقیدہ و عمل کے لحاظ سے خطا کار نہیں ہوتے لہٰذا اُن کا پہلے دن سے ہی مومن ہونا مسلّم ہے۔ اِس مقام پر حضرت لوطؑ کے ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ جب بھرے مجمع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے مشن کو واضح فرمایا تو حضرت لوطؑ ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے کھڑے ہو کر اُن کی تصدیق کی۔ جس طرح حضرت امام علی علیہ السلام نے دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت رسالتمآبؐ کی تصدیق کی تھی۔ اور سب سے پہلے ایمان لانے والے کہلائے۔ حضرت ابراہیمؑ ابتداءً کوفہ کے نواح میں آباد تھے اور دشمنوں کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر شام کی طرف حضرت لوطؑ اور سارہؑ کی معیت میں ہجرت کر کے چلے گئے۔
*...... (تفسیر انوار النجف)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

(۲۷) اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) عطا کی اور اُن کی نسل میں نبوّت اور کتاب کو رکھ دیا۔ غرض ہم نے اُن کا صلہ دنیا میں بھی عطا کیا، اور بلاشبہ آخرت میں تو وہ (اعلیٰ ترین درجے کے) نیک لوگوں "صالحین" میں سے ہوں گے۔

چار نعمتیں جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئیں

* اِس آیت میں اُن چار نعمتوں کا ذکر ہے جو خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائیں۔

(۱) لائق و فائق محترم بیٹے۔ جن کو خدا نے یہ توفیق دی تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں ایمان اور نبوّت کا چراغ روشن رکھ سکیں۔ وہ حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام تھے۔ پھر آپؑ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ یہ سب کے سب نبی اور راہِ راست پر چلتے ہوئے توحید کے مبلّغ تھے۔

(۲) دوسری نعمت خداوندِ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ دی کہ کتاب و حکمت

اولادِ ابراہیمؑ کا ورثہ بن گئیں۔ پھر اِسی خاندان میں سیکڑوں پیغمبرؑ ہوئے اور آخرِ کار حضرت ختمی مرتبتؐ بھی اِسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

(۳) خداوندِ کریم کی تیسری نعمت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یہ عطا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اُن کو اُن کے عمل کا صلہ دیا۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا نام ہر قوم میں اچھے لفظوں میں لیا جاتا ہے۔ ساری اُمّتیں آپؑ کو "شیخ الانبیاء" کہتی ہیں۔ اور حج کے موقع پر ہر حاجی آپؑ کی قربانی اور آپؑ کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔

(۴) چوتھا اجر خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو یہ عطا فرمایا کہ آخرت میں آپؑ کا شمار "صالحین" میں ہوگا۔ یہ چاروں باتیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ کیوں کہ قرآن کی رُو سے کسی شخص کا آخرت میں صالحین میں شمار ہونا بڑے مقام کو بتاتا ہے۔ بہت سے پیغمبروںؑ کی یہ دعاء اور تمنّا رہی ہے کہ اُن کو خدا آخرت میں "صالحین" میں شامل فرمائے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ نے بادشاہِ مصر ہونے کے بعد بھی یہی دعاء مانگی کہ: "تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ہ"

یعنی: (اے میرے پالنے والے!) مجھے اِس حالت میں وفات دینا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے صالحین میں شمار فرما۔ (یا صالحین سے ملادے)۔ (سورۃ یوسف ۱۲ آیت ۱۰۱ پارہ ۱۳)

★ حضرت سلیمان علیہ السّلام جیسے عظیم پیغمبر بھی بادشاہت ہوتے ہوئے یہی دعاء مانگتے ہیں:

"وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ہ" (سورۃ النمل ۲۷ آیت ۱۹ پارہ ۱۹)

یعنی: "اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔"

★ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہ دعاء مانگتے ہیں کہ میری اولاد بھی صالح ہو۔

"رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ہ" (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۰۰ پارہ ۲۳)

یعنی: "اے میرے پروردگار! مجھے صالحین اولادیں عطا فرما۔"

★ ثابت ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہی کہ وہ صالحین بندوں میں شامل ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ | صالح ہونے کے معنی کیا ہیں ؟

جواب :| اس کے معنی ہیں" ایمان اور اعتقاد کے لحاظ سے بھی پاک و پاکیزہ ہونا ، اور عمل کے لحاظ سے بھی پاک و پاکیزہ ہونا۔

یعنی جس کی فکر اور کردار دونوں نیک ہوں۔ صالح کی ضد فاسد ہے۔ اور فساد کے معنی ہر قسم کا ظلم و ستم اور ہر قسم کی خرابی۔ ★...... (تفسیر نمونہ)

حضرت ابراھیمؑ پر خدا کے احسانات

ملاحظہ فرمائیں کہ باطل پرست لوگ چاہتے تھے کہ ان کو جلا ڈالیں گے۔ مگر خداوندِ قدیر نے آگ کو باغ و بہار بنا دیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ زندہ و سلامت رہے۔

(۲) بابل کے لوگ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ اکیلے رہ جائیں اور کوئی اُن کا ساتھ نہ دے۔ لیکن خدا نے اُنھیں ایسی کثرتِ اولاد بخشی کہ دنیا آج اولادِ ابراہیمؑ سے بھری پڑی ہے۔

(۳) اُن کا چچا آذر گمراہ تھا جس کا اُن کو بڑا افسوس تھا۔ اِس پر خدا نے اُن ایسی اولاد عطا فرمائی جو خود بھی ہدایت یافتہ تھے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا سرچشمہ تھے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتدا میں مال و دولت نہ رکھتے تھے، مگر خدا نے اُنھیں آخر میں عظیم مال عزت عطا فرمائی۔ (۵) حضرت ابراہیمؑ شروع میں گمنام تھے مگر بعد میں خدا نے اُن کو ایسی شہرت بخشی کہ آج دنیا میں انھیں سردارِ انبیاء اور سردارِ مرسلینؑ کہا جاتا ہے۔ (شیخ الانبیاء کہا جاتا ہے)
★...... (تفسیر کبیر امام رازی)

★ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مشکل اور کٹھن مراحل سے گزر کر، نہایت پامردی سے فرائضِ تبلیغ کو انجام دیا اور اس راہ میں بہت سی تکلیفوں کا کھلے دل سے مقابلہ کیا پس خداوندِ عالم نے دنیا میں بھی اُن کو اس کا اجر عطا فرمایا کہ امامت کا عہدہ بخشا، ملکوتِ سما کی سیر کرائی، نسل میں نبوت و کتاب بخشی وغیرہ اور آخرت میں اُن کا درجہ بلند قرار دیا۔ (تفسیر انوار النجف)

اس آیت میں حضرتِ اسحٰقؑ اور حضرتِ یعقوبؑ کا ذکر کیا گیا ہے :

حضرت اسحاقؑ حضرت ابراھیمؑ کے بیٹے تھے۔ اور حضرت یعقوبؑ اُن کے پوتے تھے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ اولادِ ابراہیمؑ کی مدینی شاخ میں صرف حضرت شعیبؑ نبی ہوتے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہوئے تھے۔ اس ڈھائی ہزار سال کی مدت میں کوئی اور نبی نہ ہوا تھا۔ اس کے برعکس نبوت اور کتاب کی نعمت حضرت عیسٰی علیہ السلام تک مسلسل اُس شاخ کو عطا ہوتی رہی جو حضرت اسحاق علیہ السلام سے چلی تھی۔

مگر اس آیت میں وہ تمام انبیاءؑ شامل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے چاہے وہ کسی بھی شاخ سے کیوں نہ ہوں۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ بابل کے وہ تمام حکمراں، پنڈت، پروہت جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رد کیا تھا، اور بابل کے تمام مشرک باشندے جنھوں نے ان ظالموں کا کہنا مانا تھا، وہ تو سب ہی دنیا سے مٹ گئے، اور ایسے مٹے کہ آج اُن کا کوئی نام و نشان تک باقی نہیں۔ مگر وہ شخص جسے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے جُرم میں جلا کر خاک کر دینا چاہا تھا، اور جسے آخرِ کار بے سروسامانی کے عالم میں اپنے وطن سے نکال دیا گیا تھا، اُس کو اللہ نے یہ عزت عطا فرمائی کہ چار ہزار سال سے اُس کا نام دنیا میں ہر طرف روشن ہے اور قیامت تک روشن رہے گا۔ دنیا کے تمام مسلمان، عیسائی اور یہودی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بالاتفاق اپنا امام مانتے ہیں۔ دنیا کو اِن چالیس صدیوں میں جو کچھ بھی ہدایت کی روشنی ملی ہے، وہ اُسی ایک انسان کی وجہ سے یا اُس کی اولاد کی وجہ سے ملی ہے۔ پھر آخرت میں جو اجرِ عظیم اُن کو ملے گا وہ الگ ہے۔ (تفہیم القرآن)

* حضرت امام حسینؑ بھی اُن ہی کی اولاد میں ہیں جن کا نام اور کام قیامت تک باقی رہے گا۔ اور یزید مٹ کر رہ گیا۔ (مؤلف)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾

(۶۸) اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک زبردست طاقت اور عزت والا بھی ہے اور مسلسل بے حد رحم کرنے والا بھی ہے۔

★ آخر میں خدا کا خود کو "عزیز" یعنی غالب طاقت والا فرمانا اس لیے ہے کہ وہی پانی جو فرعونیوں کی زندگی کا سامان تھا، اسی پانی سے اُن کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ خداوندِ عالم کو ظالموں کو سزا دینے کے لیے آسمان سے فرشتے اُتارنے نہیں پڑے، بلکہ خدا نے فرعونیوں کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔ دریا ہی کو اُن کا قبرستان بنا دیا۔ (اللہ اکبر)

خداوندِ عالم نے یہاں پر خود کو رحیم شاید اس لیے بھی فرمایا کہ اُس نے فرعونیوں کو باوجود اُن کی سرکشی کے مہلتوں پر مہلتیں دیں، اُس کا یہی قانون سب کے لیے ہوا کرتا ہے۔

(تفسیر نمونہ) ......★

★ خدا کی یہ صفت "عزیز" کے معنی عزت، غلبہ، طاقت خود اپنی قوت کے بل پر کام کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ خدا جب چاہے، جہاں چاہے اپنے مجرموں، دشمنوں کو سزا دے سکتا ہے۔ مگر اُس کی صفتِ رحیمی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فوراً گرفت نہ فرمائے، بلکہ اصلاحِ حال کی مہلت عطا فرمائے۔

(تفسیر کبیر امام رازی) ......★

★ "عزیز" کے ایک معنی دشمن سے بدلہ لینے والے کے بھی ہوتے ہیں۔

(تفسیر صافی ص ۳۶۵) ......★

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ (۶۹) اور اُن کے سامنے ابراھیمؑ کا
اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ قصّہ سناؤ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ (۷۰) جب اُنھوں نے اپنے باپ
مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اور اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا:
"آخر یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم پوجا پاٹ
کرتے رہتے ہو؟"

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا (۷۱) اُنھوں نے کہا: "ہم اِن بتوں
فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ کو پوجتے ہیں، اور اسی پر ہم جمے
بیٹھے ہیں۔

★ عربی ادب میں "اب" کا لفظ باپ اور چچا دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہاں "اب" سے مراد چچا ہے۔
(تفسیر نمونہ) ......

★ حضرت ابراھیم کا بتوں کو "ما" (کیا چیز) کہنا تحقیر کے لیے ہے۔
(تفسیر کبیر) ......

★ بت پرستوں نے بت پرستی کے لیے "نظل" کا لفظ استعمال کیا جو ایسے کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جو دن کے وقت انجام دیے جائیں، اور جب یہ لفظ مضارع کے صیغے میں آتا ہے تو اس میں استمرار، دوام یعنی مستقل عمل کرنے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ (مفردات القرآن امام راغب)

★ "عاکف" "عکوف" کے مادّے سے ہے جس کے معنی کسی چیز کی طرف بہت زیادہ توجّہ کرنے کے ہیں، وہ بھی ادب اور احترام کے ساتھ۔ (تفسیر نمونہ)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ (۷۲) ابراہیمؑ نے پوچھا: "جب تم انھیں

إِذْ تَدْعُونَ ﴿۷۲﴾ پکارتے ہو تو کیا یہ تم لوگوں کی (پکار، دعائیں) سنتے ہیں ؟

أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿۷۳﴾ یا تمھیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ ؟

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا (۷۴) انھوں نے جواب دیا: "(نہیں)

كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۷۴﴾ البتّہ ہم نے تو اپنے باپ داداؤں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔"

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ (۷۵) ابراہیمؑ نے کہا: "کیا تم نے کبھی

تَعْبُدُونَ ﴿۷۵﴾ غور سے (نہیں) دیکھا ان چیزوں کی طرف جن کی تم بندگی کرتے ہو

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ (۷۶) تم اور تمھارے پچھلے باپ دادا

الْأَقْدَمُونَ ﴿۷۶﴾

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ معبود وہ ہوتا ہے جو اپنی عبادت کرنے والوں کی دعائیں فریادیں سن سکے، اُن کی مدد کر سکے، اُن کو فائدہ یا نقصان پہنچانے یا مصیبت میں کام آنے پر مکمل قدرت رکھتا ہو۔ جبکہ بتوں میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔ ★ (تفسیر نمونہ)

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ حقیقتاً یہ سب (بُت) میری نظر میں میرے دشمن ہیں، مگر ہاں تمام جہانوں کا پالنے والا مالک

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی مجھے سیدھا راستہ بھی دکھاتا ہے۔

★ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو اپنا دشمن اس لئے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا ہے: "اُن مشرکوں نے خدا کے سوا دوسرے معبود (خدا) بنا رکھے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے عزّت کا ذریعہ ہوں۔ ہرگز نہیں۔ عنقریب وہ وقت آئے گا جبکہ وہ اُن کی عبادت کا انکار کردیں گے، اور اُلٹے اُن کے مخالف ہو جائیں گے۔" (سورۂ مریم ۱۹ آیات ۸۱-۸۲)

پھر ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں، بلکہ فرمایا کہ "یہ میرے دشمن ہیں"۔ اگر یہ فرماتے کہ یہ بُت تمہارے دشمن ہیں تو وہ احمق ضد میں مبتلا ہو جاتے اور کہتے کہ بتاؤ یہ کیسے ہمارے دشمن ہو گئے؟ جب کہا کہ میرے دشمن ہیں تو اب انھیں سوچنے پر مجبور کردیا کہ اپنے بھلے بُرے کی فکر کریں جس طرح حضرت ابراہیمؑ اپنے بھلے بُرے کی فکر کر رہے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے ہر شخص کی فطرت کو للکارا۔ کیوں کہ ہر شخص اپنا بھلا ضرور چاہتا ہے، اور جان بوجھ کر کبھی اپنا نقصان نہیں چاہتا۔ اس طرح انھیں سوچنے پر مجبور کردیا۔

نیز یہ بتا دیا کہ تمام معبودوں میں صرف اور صرف ایک اللہ ہی تو ہے جو عالمین کا مالک اور پالنے والا ہے۔ اُس کی عبادت کرنا دشمن کی عبادت کرنا نہیں ہے، بلکہ اصلی مالک اور پالنے والے کی عبادت کرنا ہے۔ غرض حضرت ابراہیمؑ نے بتا دیا کہ تمہارے پاس بتوں کی عبادت

کے لیے باپ دادا ؤں کے ڈھرّے پر چلنے کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ میرے پاس تو ایک اللہ کی عبادت کے جواز کے لیے بہت سی دلیلیں ہیں۔ جو اگلی آیتوں میں بیان ہوں گی یہاں پر دلیل دی گئی ہے کہ ہمارا خالق ہے۔ مخلوق کو اپنے ہی خالق کی بندگی کرنی چاہیئے غیر مخلوق کی بندگی کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ (بلکہ بے عقلی ہے)

اِس لیے تمام باطل معبودوں میں جن کی دنیا والے عبادت کر رہے ہیں، صرف ایک اللہ نے جس کی بندگی میں کرتا ہوں، مجھے بھلائی دکھائی دی ہے۔ کیوں کہ صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اِس لیے وہ عالمین کا مالک اور پالنے والا ہے۔

تمام مشرک بھی یہ مانتے تھے کہ تمام موجودات اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ اِسی لیے میں صرف اُس کی عبادت کرنے کو درست سمجھتا ہوں جس نے مجھے بھی پیدا کیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اِس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے، کیوں کہ اُس کا میری پیدائش میں کوئی حصہ نہیں۔

* ۔۔۔۔ (تفہیم)

* "فَاِنَّهُمْ" ضمیر غائب ذوی العقول کے لیے لائی گئی ہے۔ حالانکہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے بُت غیر ذوی العقول تھے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے معبود اور تم اور تمہارے بُت پرست آباء سب کے سب میرے دشمن ہیں، سوائے ایک معبود کے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، وہی خالق ہے، اور اچھائی کی طرف رہبری کرنے والا ہے، وہی رازق ہے جو طعام اور پانی عطا فرماتا ہے، اور بیماری شفاء بھی وہی عطا فرماتا ہے۔ اور وہی موت وحیات کا مالک ہے، اور اُسی سے ہماری اُمیدیں وابستہ ہیں۔ کہ وہ قیامت کے روز ہماری لغزشوں سے معافی دے دے۔

* ۔۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ اور وہی مجھے موت دے گا، پھر زندگی عطا کرے گا۔

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ اور اُس سے مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ وہ بدلے کے دن میری غلطی معاف کر دے گا۔

★ ربوبیت کے پہلے ہی مرحلے میں تخلیق اور ہدایت کے بعد مادّی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہی خدا ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ گویا میں ساری نعمتیں خدا ہی کی دین سمجھتا ہوں۔

(تفسیر نمونہ) ------ *

★ محقّقین نے لکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیمار ہونے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں دی، بلکہ یوں فرمایا: "جب میں بیمار ہوتا ہوں" کیوں کہ انسان اپنی ہی غلطیوں سے، کھانے پینے یا دوسری عادتوں کی افراط و تفریط کے سبب بیمار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: "جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ (اکثر) تمھارے ہی کرتوت کی وجہ سے آتی ہے۔" (القرآن) (سورۃ الشوریٰ ۴۲ آیہ ۳۰ پ ۲۵)

★ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اُس نے صرف پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ ہماری رہنمائی بھی کی، ہر ضرورت کی چیز فراہم فرمائی۔ پھر ان تمام سامانوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے جس جس طاقت اور صلاحیت کی ضرورت تھی، وہ بھی عطا فرمائی۔ پھر بیماریوں کے دفاع کے لیے اُس نے ہمارے جسم میں دفاعی نظام قائم فرمایا، پھر ہر مرض کی دوا پیدا کی۔

(تفہیم القرآن) ..... ★

★ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ موت و زندگی بھی خدا کی تخلیق ہے وہی مجھے مارے گا، اور وہی پھر مجھے زندہ کرے گا۔ جی ہاں! میری موت بھی اُسی کی طرف سے ہوگی، اور میری نئی زندگی بھی اُسی کی عطا سے ہوگی۔

(تفسیر نمونہ) ..... ★

ے جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے ⁂ جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا۔

★ پھر جب میں میدانِ حشر میں قدم رکھوں گا، تو میرا وہی خدا ہے جس سے مجھے یہ اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کردے گا۔

ظاہر ہے کہ انبیاء کرام ؑ معصوم ہوتے ہیں، مگر اللہ اُن کی انتہائی انکساری کے سبب سے اُن کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ کیوں کہ وہ اپنی نیکیوں کو بھی اپنے گناہ سمجھتے تھے۔ کیوں کہ وہ اپنی نیکیوں کو خدا کی عظمت کے مقابلے پر بالکل حقیر اور خدا کے انعامات کے مقابلے پر بالکل ناچیز سمجھتے ہیں۔

ممکن ہے گناہوں سے مراد اُن کے ترکِ اولیٰ ہوں۔

یا پھر خدا کی نعمتوں کے سامنے اپنی نیکیوں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ وہ قابلِ قبول ہوں۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کی معرفت اُس کی خالقیت سے ہوتی ہے یا پھر ربوبیت سے۔

(تفسیر نمونہ) ..... ★

"غفر" کے لفظ کے معنی لباس پہنا دینے "کے ہوتے ہیں۔ ایسا لباس جو ہر قسم کے میل اور گندگی سے بچا سکے، اور خوب اچھی طرح سے ڈھانپ لے۔

یہاں آیۃ میں یَّغْفِرَ لِیْ کے یہی معنی ہیں کہ "خدا سے مجھے یہی اُمید ہے کہ وہ مجھے اپنی رحمت (کے لباس) سے اچھی طرح ڈھانپ لے گا۔"

اِس لیے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ انبیاء کرام سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بلکہ اُن کی دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "اے خدا! ہمیں اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے۔"

(یا) اگر "غفر" کے دوسرے معنی "غلطیاں معاف کرنا" لیا جائے، تو پھر اُس کی حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کے دلوں میں خدا کی عظمت یا بڑائی کا احساس بہت زبردست ہوتا ہے۔ جس کا سبب اُن کی وہ معرفت ہوتی ہے جو وہ خدا کے لیے رکھتے ہیں۔ اِسی عظمت کے احساس کی وجہ سے اُن کو اپنی تمام نیکیاں بہت قلیل اور کم لگتی ہیں۔ اور خدا کے احسانات بہت زیادہ لگتے ہیں۔ اسی کمی کے احساس کی وجہ سے وہ خدا سے معافیاں طلب کرتے ہیں جبکہ وہ گناہوں سے بَری اور معصوم ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ استغفار کمالِ بندگی، کمالِ معرفت، کمالِ عجز، کمالِ انکساری اور کمالِ علم کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(فصل الخطاب) ..... *

"یَّغْفِرَ لِیْ" یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء معصوم ہوتے ہیں تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنی لغزشوں کی بخشش کی اُمید کیوں ظاہر کی ہے؟ جواب اِس کا یہ ہے کہ اِس سے مراد اُمت کی لغزشیں ہیں جن کے آپ شفیع ہوں گے اور چوں کہ معافی کے لیے شفاعت آپ کریں گے، اِس لیے نسبت اپنی طرف دے دی جس طرح سورۂ فتح میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ حضورِ اکرم کو کہا گیا ہے۔ نسبت حضور کی طرف اور مراد اُمت کے گناہ ہیں جن کی آپ شفاعت فرمائیں گے۔

(تفسیر انوار النجف) ..... *

رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا (۸۳) اے میرے پالنے والے مالک! وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ مجھے علم و حکمت عطا فرما اور مجھے نیک کام کرنے والے (صالحین) لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

★ اب خدا کی معرفت کے بعد خدا سے دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

★ معلوم ہوا کہ خدا کی نعمتوں کے اعتراف کے بعد خدا سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔

★ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے پہلی دعا، علم و دانش کی طلب ہے۔ اور پھر (۲) نیک لوگوں سے ملحق ہونے کی دعا ہے (معلوم ہوا کہ نیک لوگوں سے ملحق ہونے کے لیے سب سے پہلے طلبِ علم ضروری ہے۔) (تفسیر نمونہ)

★ حکم اور حکمت کی بنیاد ایک ہی ہے۔ حکمت کے معنی علم اور معرفت کے ذریعہ حق تک پہنچنا ہوتا ہے۔ گویا حکمت موجوداتِ عالم کی حقیقت اور نیک اعمال کی معرفت حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ گویا حکمت وہ صلاحیت ہے کہ جس سے انسان حق کو حق، اور باطل کو باطل جان سکے۔ یہی حکمت حضرت لقمانؑ کو خدا سے عطا ہوئی تھی۔ حکمت ایک ایسا صحیح فیصلہ ہے جس میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اسی صلاحیت کا سوال کیا ہے

(تفسیر نمونہ)

★.......

★ یہاں "حکم" سے مراد نبوّت نہیں۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود نبی ہیں۔ اور نبوّت کا عہدہ مانگنے سے نہیں ملا کرتا۔ اس لیے یہاں "حکم" سے مراد حکمت، علم، فہم صحیح قوّتِ فیصلہ کے ہیں۔ ایسی ہی دعا جناب رسولِ خداؐ نے بھی مانگی تھی۔ "اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا هِیَ"

" اے خدا ہم کو اس قابل بنا دے کہ ہم ہر چیز کو ویسا ہی دیکھیں جیسی کہ وہ واقعاً ہے۔"
(تفہیم القرآن) ..... *

* ہر پاکیزہ روح کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ خدا اُس کو بد اخلاق اور فاسق سوسائٹی سے بچائے رکھے، اور نیک لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنے کا موقع عطا فرمائے۔ اس لیے کہ انسان کے بننے اور بگڑنے کا گہرا تعلق تخم کی تاثیر کے بعد ماحول کے اثر سے مرتب ہوتا ہے۔
(مؤلف) ...... *

سوال: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام "حکم" حکمت اور نبوت کی منزلت پر فائز تھے، اور صالحین میں بھی شامل تھے، پھر یہ دعا کیوں مانگی ؟

جواب: یہ ہے کہ علم و حکمت کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ "مجھے علم کی بلندیاں اور عطا فرما۔ علم کی انتہا دیکھیے کہ اولوالعزم پیغمبر ہوتے ہوئے بھی علم کے اضافے کی دعا مانگ رہے ہیں۔
(تفسیر نمونہ) ---- *

علم و حکمت جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:
"اَلْعِلْمُ یُنْجِدُ وَالْحِکْمَۃُ تُرْشِدُ" یعنی: "علم تم کو بلند مقام پر پہنچائے گا اور حکمت تم کو صحیح راستہ کی نشاندہی کرے گی۔"

پھر ارشاد فرمایا: "خُذِ الْحِکْمَۃَ اَنّٰی کَانَتْ فَاِنَّ الْحِکْمَۃَ تَکُوْنُ فِیْ صَدْرِ الْمُنَافِقِ فَتَلَجْلَجُ فِیْ صَدْرِہٖ حَتّٰی تَخْرُجَ فَتَسْکُنَ اِلٰی صَوَاحِبِھَا فِیْ صَدْرِ الْمُؤْمِنِ"
یعنی: "حکمت کی بات جہاں کہیں ہو اُسے حاصل کرلو۔ کیوں کہ حکمت منافق کے سینے میں بھی ہوتی ہے لیکن جب تک اُس (کی زبان) سے نکل کر مومن کے سینے میں پہنچ کر دوسری حکمتوں کے ساتھ بہل نہیں جاتی، تڑپتی رہتی ہے۔" مزید فرمایا: "حکمت مومن کی ہی گمشدہ چیز ہے اسے حاصل کرو، اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔"
* (نہج البلاغہ - ۷۹، ۸۰ - ص ۸۴۷)

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۸۴) اور میرا ذکرِ (خیر) آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ اور میرے لیے سچائی کی زبان، آئندہ نسلوں میں قرار دے۔

★ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعاء فرماتے ہیں کہ "آنے والی قوموں میں میرے لیے ذکرِ خیر اچھی شہرت جاری فرما۔ مجھے اُن کے لیے نمونۂ عمل بنادے۔
★...... (تفسیر نمونہ)

★ امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ:
"خداوندِ عالم کسی کو اگر سچائی کی زبان (یعنی) اچھی شہرت یا نیک نامی عطا فرمائے، تو وہ اُس مال سے بہتر ہے جسے وہ خود کھائے اور گھر والوں کے لیے چھوڑ جائے۔"

★ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اے خدا! میری اولاد میں سے ایک ایسے سچے انسان کو پیدا فرما جو میرے لائے ہوئے دین کی تجدید کرے۔ اور لوگوں کو اُسی دین کی طرف بلائے جس کی طرف میں بلا رہا ہوں۔" اِس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اِس دعاء کے حقیقی مصداق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور آپؐ کے بعد حضرت امام علی مرتضٰے علیہ السلام اور پھر اُن کی اولاد سے ائمۂ طاہرینؑ ہیں۔
★...... (تفسیر صافی صفحہ ۳۶۶ بحوالہ کافی و تفسیر قمی)

★ حقیقت بھی یہی ہے کہ اوّلین معنی میں سچائی کی زبان وہی شخص ہو سکتے ہیں جو رسولِ خداؐ کی سب سے پہلے تصدیق فرمائیں۔ ہر سخت سے سخت ترین موقع پر رسولؐ کے مددگار ثابت ہوں۔ جن کو خود خدا نے رسولؐ کا شاہد قرار دیا ہو۔ جن کی وجہ سے رسولؐ کی جان محفوظ رہی ہو اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی دعاء پایۂ تکمیل کو پہنچی ہو۔ (اور وہ شخص صرف حضرت علیؑ ہیں) ★ (فصل الخطاب)

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ (۸۵) اور مجھے جنّت کے حقداروں یا مستحقین میں شامل فرما۔

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ (۸۶) اور میرے باپ کو بخش دے کہ بلاشبہ وہ گمراہوں میں تھا۔

★ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "مجھے جنّت کا وارث بنادے۔"

★ "ارث" کے معنی کسی نعمت کو بغیر کسی تکلیف کے حاصل کرلینا ہوتا ہے۔

★ یہ لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ ہم جنّت کے حاصل کرنے کے لیے کتنی بھی تکلیفیں برداشت کریں، پھر بھی وہ جنّت کی ابدی وراثتی نعمتوں کے مقابلے پر بالکل کمتر ناچیز ہیں۔

جنّت اور دوزخ کے گھروں کی وراثت

★ یا پھر یہ لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ: "ہر انسان کا ایک گھر جنّت میں ہوتا ہے اور ایک جہنّم میں۔ اگر وہ جہنّم میں چلا جاتا ہے تو اس کے جنّت والے گھر کے وارث دوسرے جنّتی بن جاتے ہیں۔ اور اگر وہ جنّت میں چلا جاتا ہے تو اس کے جہنّم کے گھر کے وارث جہنّمی ہوتے ہیں۔ ★ (تفسیر نمونہ)

★ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کے لیے دعائے مغفرت کی، لیکن جب وہ کافر مرا اور اس کی حق دشمنی مسلّم ہوگئی، تب آپؑ نے اس کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

★ ..... (تفسیر ابنِ عباسؓ)

★ **اہلِ سنّت کے بعض مفسرین نے لکھا** کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد (بعض روایات کے لحاظ سے چچا) گمراہ مشرک تھے، اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مغفرت کی دعاء کرنا اصل میں اِس بات کی دعاء کرنا تھا کہ خدا اُن کو اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ مگر قرآن مجید کی دوسری آیتوں کو سامنے رکھا جائے تو یہ توجیہ مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

کیوں کہ قرآن مجید یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد (یا چچا) کے ظلم سے تنگ آکر جب گھر سے نکلے تو انھوں نے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا: "قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○" (سورۃ مریم آیت ۴۷ پ ۱۶)

یعنی: ابراہیمؑ نے کہا: آپ کو خدا حافظ (یا سلام ہو) میں اپنے مالک سے آپ کے لیے معافی کی دعاء کروں گا۔ وہ یقیناً مجھ پر بڑا مہربان ہے۔"

دوسری جگہ قرآن مجید میں آپؑ نے یہ دعاء مانگی: "رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ"

یعنی: "اے ہمارے مالک! مجھے اپنی رحمتوں سے ڈھک لے اور میرے والدین کو بھی۔" (سورۃ ابراہیم آیت ۴۱ پ ۱۳)

مگر بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ احساس ہوگیا کہ یہ میرا باپ (یا چچا) مغفرت کی دعاء کا مستحق نہیں ہے۔ اِس لیے سورۃ توبہ میں فرمایا: "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ"

یعنی: "ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنا تو صرف اُس وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اُس سے کیا تھا، مگر جب یہ بات اُن پر کھل گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے، تو انھوں نے اُس سے تبرّا کیا۔"

(سورۃ التوبہ آیت ۱۱۴ پ ۱۱) ★ ..... (تفہیم القرآن)

★ ائمۂ اہلِ بیتؑ کی روایات کے اعتبار سے ان آیات کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر سے ہے۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، جو مومن تھے۔

★ ..... (روح المعانی)

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ اور اُس دن جب (سب) زندہ کر کے اُٹھائے جائیں تو مجھے رُسوا نہ کرنا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا (۸۸) جس دن نہ مال ہی کوئی

بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ کام آئے گا اور نہ اولاد (بیٹے)

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ (۸۹) سوا اُس کے جو اللہ کے سامنے

سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ پاک دل (قلبِ سلیم) لیے ہوئے آئے۔

(یعنی) ایسا دل لے کر آئے جو کفر و شرک، فسق و فجور، نافرمانی، ناشکری کے ارادوں اور خیالات سے بھی پاک صاف اور محفوظ ہو۔

★ یعنی قیامت کے دن مجھے یہ رسوائی نہ دکھانا کہ میدانِ حشر میں تمام اوّلین و آخرین کے سامنے ابراہیمؑ کا باپ (شیعہ روایات کے مطابق چچا آذر) سزا پا رہا ہو اور ابراہیمؑ کھڑا دیکھ رہا ہو۔
★..... (تفہیم القرآن)

★ "تخزنی" "خزی" کے مادّے سے ہے جس کے معنی روح کی شکستگی یعنی بے حد شرم۔
★..... (امام راغب)

★ حضرتِ ابراہیمؑ کی یہ دعا، دوسروں کے لیے درسِ عبرت، اُسوۂ حسنہ اور اپنی ذمّے داریوں کا زبردست احساس پیدا کرتا ہے۔ ★..... (تفسیر نمونہ)

آیت ۸۸ کی تشریح: اکثر مفسّرین کے نزدیک یہ آیات حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہیں۔

لیکن بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیات خداوند عالم کا جواب ہے۔ مگر یہ خیال کمزور معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کی زندگی کے سب سے اہم سرمائے دو ہوتے ہیں۔ مال۔ اور۔ اولاد۔ جب۔ یہ بھی وہاں آخرت میں کام نہ آسکیں تو باقی چیزیں کس کھیت کی مولی ہیں کہ کام آسکیں گی لیکن یہاں مال اور اولاد سے مراد وہ مال اور اولاد نہیں ہیں جن کے ذریعے سے خدا کی اطاعت کی جائے جن کی تربیت خدا کی اطاعت کے لیے کی جائے۔ کیوں کہ جب مال اور اولاد کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے تو پھر وہ مادّی سرمایہ نہیں، بلکہ اُخروی اور روحانی سرمایہ بن جاتی ہیں۔ پھر وہ خدا کے رنگ میں رنگ جاتی ہیں، پھر وہ باقیات الصالحات بن جاتی ہیں۔

*....... (تفسیر نمونہ)

قلبِ سلیم

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اصل ذریعۂ نجات "قلبِ سلیم ہے۔ یعنی ایسا دل دماغ جس میں خالص ایمان، پاک نیت، جذبۂ اطاعتِ الٰہی، پاک کاموں اور پاک لوگوں سے محبت ہو۔

*....... (تفسیر نمونہ)

* قلبِ سلیم کا لفظ سلامت کے مادّے سے بنا ہے یعنی وہ دل جو ہر قسم کی بیماری، خواہ وہ اخلاقی ہو یا اعتقادی، سے پاک ہو۔

*...... (تفسیر نمونہ)

* خداوندِ عالم نے منافقوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: "فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ" (بقرۃ آیۃ)

یعنی: (اُن کے دلوں میں مرض ہے)

(۱) فرزندِ رسولِ خدا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کے حوالوں سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہر وہ دل جس میں شرک یا شک ہو، وہ ساقط اور بے قدر و قیمت ہوتا ہے۔"

*....... (تفسیر مجمع البیان)

(۲) نیز امیر المومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: " حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ "(یعنی:) دنیا کی محبت ساری غلطیوں کی جڑ ہے۔" اس لیے جس دل میں دنیا کی محبت آخرت کی محبت سے زیادہ ہوگی، وہ قلبِ سلیم نہ ہوگا۔

*...... (بحار الانوار جلد ۱۵ و تفسیر صافی)

(۳) خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: " وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۝"

*...... (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۷ پ ۲)

یعنی: " اور جو بھی نیکی تم کرتے ہو اللہ اُسے (اچھی طرح) جانتا ہے، اور زادِ راہ اکٹھا کرلو کیوں کہ بلاشک وشبہ بہترین زادِ راہ (آخرت) تو تقویٰ و پرہیز گاری (یعنی) خدا کی ناراضگی سے بچنا) ہے، اور اے عقل والو! (اے بصیرت رکھنے والو!) مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔"

★ معلوم ہوا، وہ دل سالم دل ہے جس میں خدا کی عظمت کا احساس بیدار ہو اور خدا کے عذاب اور اُس کی ناراضگی کا خوف جاگزیں ہو۔

*...... (مؤلف)

★ فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: " قلبِ سلیم اُس دل کو کہتے ہیں جو خدا سے ملاقات اس طرح کرے کہ اُس کے دل میں خدا کے سوا کوئی اور نہ ہو۔"

*...... (تفسیر صافی، اصولِ کافی)

★ معلوم ہوا کہ قلبِ سلیم وہ ہے جس کا سب سے گہرا تعلق صرف اللہ سے ہو۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک یہ مقامِ فنا ہے یعنی لاموجود الا اللہ ۔ یہ وہ مقام ہے جب انسان کی نگاہ میں خدا کے سوا کسی چیز کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

(مؤلف)

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ؁ (۸۳) اور یقیناً نوحؑ ہی کے "شیعہ" (یعنی) اُن کے طریقہ پر چلنے والے ابراہیمؑ بھی تھے۔ (۸۴)

تمھیں یہ نام "شیعہ" مبارک ہو

فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "تمھیں یہ نام "شیعہ" مبارک ہو"۔

عرض کیا گیا کہ "لوگ تو ہم پر عیب لگاتے ہیں"۔

امامؑ نے فرمایا: "کیا تم نے خداوندِ عالم کا یہ قول نہیں پڑھا کہ: "ابراہیمؑ بھی اُن نوحؑ کے شیعہ تھے۔" پھر خداوندِ عالم نے قرآن میں یہ فرمایا کہ: "هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسۡتَغَاثَهُ الَّذِيۡ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ عَلَى الَّذِيۡ مِنۡ عَدُوِّهٖ ۙ"
(سورۃ ۲۸ القصص آیت ۱۵ پ۲۰)

یعنی: "یہ ایک تو موسٰیؑ کے شیعوں میں سے تھا، اور وہ دوسرا موسٰیؑ کے دشمنوں میں سے تھا اور جو موسٰیؑ کے شیعوں میں سے تھا اُس نے فریاد کی موسٰیؑ سے اپنے دشمن کے خلاف"
(تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر قمی، تفسیر انوار النجف)

★ معلوم ہوا کسی نبیؐ یا ولی کا طرف دار یا دوست خدا کے نزدیک "شیعہ" کہلاتا ہے اور نبیؐ یا امام کا دشمن "عدو" کہلاتا ہے۔
(مؤلف)

"شیعہ" کے لفظی معنی "طرفدار، تابعدار اور پیروکار ہوتے ہیں۔ (لسان العرب)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کے شیعہ یعنی طرفدار اور پیروکار تھے۔
گویا حضرت ابراہیمؑ عقائد اور اصولِ دین میں حضرت نوحؑ سے متحد تھے۔
(تفسیر کبیر، مدارک، قرطبی) بیضاوی)

انوارِ ائمۂ اہلبیتؑ اور ان کے دوست

* فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپؑ نے فرمایا کہ۔

" خداوندِ عالم کے حکم سے، جب حضرت ابراہیمؑ کی نگاہوں سے پردے اُٹھے تو انھوں نے عرش کے پہلو میں ایک نور چمکتا دیکھا۔ پوچھا: "مالک! یہ کس کا نور ہے"؟

خداوندِ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یہ محمد مصطفیٰؐ کا نور ہے جو تمام مخلوقات میں میرا سب سے زیادہ پسندیدہ اور چنیدہ و منتخب ہے"۔

* پھر اُس کے پہلو میں ایک نور اور دیکھا۔ پوچھا: "یہ کس کا نور ہے"؟

* اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یہ علی ابنِ ابی طالبؑ کا نور ہے جو میرے دین کا مددگار ہے"۔

* پھر اُس کے پہلو میں تین نور اور چمکتے دیکھے تو عرض کی: "یہ انوار کن کے ہیں"؟

* اللہ عز شانہٗ نے ارشاد فرمایا: "ایک فاطمہؑ کا نور ہے جو اپنے پیروکاروں و شیعوں کو جہنم کے عذاب سے آزاد کرائیں گی، اور دو نور حسنؑ و حسینؑ کے ہیں جو اُن کی فرزند ہیں"۔

* پھر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: "اے میرے پروردگار! اِن پانچوں انوار کے چاروں طرف کن لوگوں کے نور ہیں"؟

* ارشادِ ربّ العزّت ہوا: "علی ابن الحسینؑ سے لے کر امام مہدیؑ تک ائمۂ اہلِ بیتؑ کے نور ہیں"

* پھر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: "پالنے والے! اِن تمام انوار کے اطراف و جوانب میں بے حساب انوار کن لوگوں کے ہیں"؟

* خداوندِ کریم نے ارشاد فرمایا: "یہ ان (چودہ ۱۴ انوار) کے شیعوں کے نور ہیں۔"
* حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: "اِن کی نشانیاں کیا ہوں گی"
* خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اُن کی نشانیاں یہ پانچ ہوں گی (۱) روزانہ اکیاون ۵۱ رکعت نماز (۱۷ فریضہ اور ۳۴ نفل) پڑھنا (۲) نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا (۴) دائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہننا (۵) زیارتِ اربعین پڑھنا

یہ سُن کر حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی کہ خداوندا! "مجھے بھی علیؑ کے شیعوں میں قرار دے۔"

(مجمع البیان، نور الثقلین، تفسیر انوار النجف)

شیعہ نہیں بلکہ محب اور موالی کہو

* ایک شخص نے حضرت امام حسینؑ سے عرض کی: "میں آپؑ کا شیعہ ہوں" آپؑ نے فرمایا: "خدا سے ڈرو، اور ایسا دعویٰ نہ کرو جس میں خدا تم کو جھوٹا کہے۔ ہمارے شیعہ وہ ہوتے ہیں جو ہر کھوٹ اور برائی سے پاک ہوں۔ البتہ تم ہمارے محب اور موالی کہلایا کرو۔"

(انوار النجف)

* ایک شخص نے امام حسن عسکریؑ سے عرض کی: "میں آپؑ کے شیعوں میں سے ہوں"۔

امامؑ نے فرمایا: "اگر تم ہمارے بتاتے ہوئے (خدا کے) احکامات کے عملاً پابند ہو تو تمہارا دعوےٰ سچا ہے۔ ورنہ اِس قدر بلند دعوے کرنے کے بعد گناہ کرنا چھوڑ دو، اگر گناہ نہیں چھوڑتے ہو تو خود کو شیعہ نہ کہو، بلکہ یہ کہو کہ میں آپؑ کا محب، موالی، چاہنے والا ہوں، اور آپؑ کے دشمنوں سے الگ اور بیزار ہوں۔ بس یہی کہنا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔"

(تفسیر انوار النجف)

* ایک شخص نے حضرت امام محمد باقرؑ کے سامنے کسی دوسرے آدمی پر فخر کرتے ہوئے کہا کہ: "میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا شیعہ ہوں۔"
* امامؑ نے اُسے اپنے پاس بلا کر پوچھا: "تم اپنے مال کو اپنے اوپر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتے ہو

یا اپنے مومن بھائی پر"؟

* اُس نے کہا: "اپنے اوپر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

* امام ؑ نے فرمایا: "پھر تم ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہو۔ تم لوگ خود کو ہمارا مُحب کہا کرو اور ہماری محبّت کی وجہ سے نجات کی اُمید رکھا کرو۔"
(تفسیر انوار النجف)

★ فرزندِ رسولِ خدا ؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "فرعون نے حضرت موسیٰ ؑ کے ماننے والوں کا نام رافضی رکھا تھا کیوں کہ وہ فرعون سے پھر گئے تھے (رفض کے معنی پھر جانا یا چھوڑ دینا) اور رافضی اُسے کہتے ہیں جو اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، اور خدا کے سامنے جھک جاتا ہے۔"
(تفسیر انوار النجف)

★ فرزندِ رسولِ خدا ؐ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اُن لوگوں سے جو شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے فرمایا: "تم نے حضرت امام علی ؑ کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ اُنؑ کے شیعہ تو امام حسن ؑ، امام حسین ؑ، سلمان ؓ، مقداد ؓ، ابوذر ؓ، عمار ؓ اور محمد ابنِ ابوبکر ؓ جیسے لوگ تھے۔ تم لوگ تو اکثر خدا کے احکامات کی خلاف ورزیاں کرتے رہتے ہو، تو پھر کس منھ سے خود کو علی ؑ کے شیعہ کہتے ہو، اتنے بلند مرتبے کا دعویٰ مت کرو جس کی تمہارا عمل تصدیق نہ کرسکے، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔"

* اِس پر اُن لوگوں نے توبہ کی اور عرض کیا کہ "ہم آپ ؑ کے محب اور موالی (چاہنے والے) ہیں، آپ ؑ کے دوستوں کے دوست اور آپ ؑ کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔"

* امام علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: "مرحبا۔ اب تم میرے بھائی اور دوست ہو۔" پھر آپ ؑ نے اُن کو اپنے قریب بٹھایا۔
(تفسیر انوار النجف)

★ خدا نے فرمایا: "ابراہیم ؑ نوح ؑ کے شیعوں میں سے تھے۔" حالانکہ دونوں میں ۲۶۰۰ سال کا فاصلہ تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ پیروی اور محبت کے سامنے وقت اور فاصلے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ (تفسیر نمونہ)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ (۸۴) جب وہ "ابراہیمؑ" اپنے پالنے
سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ والے مالک کے سامنے صحیح سالم دل
لیے ہوئے آئے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ (۸۵) تو انھوں نے اپنے باپ اور
مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اپنی قوم سے کہا کہ: "تم کاہے کی عبادت
کرتے ہو؟

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ (۸۶) کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ
تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ کے گھڑے ہوئے معبودوں (کو
مقصدِ زندگی بنائے رکھنے) کا ارادہ کرلیا ہے؟

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ آخر تمام جہانوں کے پالنے والے مالک
کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

۱؎ قلبِ سلیم کی تعریف فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"قلبِ سلیم ایسے دل کو کہتے ہیں جو خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ اُس میں خدا کے سوا کچھ نہ ہو۔"
(تفسیر صافی ۔ الکافی)

* امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: "جو شخص سچی خالص نیت رکھتا ہے وہ صاحب قلبِ سلیم ہے کیوں کہ شرک اور شک سے دل کی سلامتی، نیت کو خدا کے لیے خالص کر دیتی ہے۔"
(تفسیر صافی، الکافی)

قلبِ سلیم کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ خداوندِ عالم نے اس کو قیامت کے دن کے لیے اکیلا سرمایۂ نجات قرار دیا ہے۔ جیسا کہ خداوندِ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۙ"
(سورۃ الشعراء آیت ۸۸-۸۹ پارہ ۱۹)

یعنی: "اس دن (روزِ قیامت) مال اور اولاد کچھ فائدہ نہ پہنچائیں گے، سوا اس کے کہ کوئی شخص "قلبِ سلیم" کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہو۔"

* دل سے اگر غیر اللہ سے دلچسپیوں کو کالعدم کر دیا جائے اللہ سے رابطہ بڑھا دیا جائے تو وہ دل قلبِ سلیم بن جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"قلب، حرمِ خدا ہے، خدا کے حرم میں خدا کے غیر کو نہ بساؤ۔" (بحار الانوار جلد ۲۵)

* جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر شیاطین اولادِ آدمؑ کو نہ گھیر لیں تو وہ عالمِ ملکوت کو دیکھ لیں۔" (بحار الانوار جلد ۲۵)

نیز فرمایا: "خدا کے بندوں کے پاس ایک ظرف ہے جسے دل کہتے ہیں، ان میں سب سے اچھا وہ دل ہے جو زیادہ صاف و شفاف، خدا کے دین پر مضبوطی سے جما ہوا، گناہوں سے پاک، دینی بھائیوں پر مہربان ہو۔"
(بحار الانوار جلد ۷۰)

قلبِ سلیم کے معنی

(۱) ایسا دل جو ہر قسم کی اعتقادی اور اخلاقی بیماری سے پاک اور محفوظ ہو۔
(۲) وہ دل جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو۔ (۳) وہ دل جو ہر قسم کے گناہ، کینہ، نفاق سے پاک ہو
(۴) وہ دل جو عشقِ دنیا سے خالی ہو۔ (۵) وہ دل جس میں خدا کے سوا کچھ نہ ہو۔ (تفسیر نمونہ، تفسیر کبیر، کشاف)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿۸۸﴾ پھر ابراہیمؑ نے تاروں پر ایک نظر ڈالی،

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾ اور کہا: "میں بیمار پڑنے والا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کو جسمانی بیماری نہ تھی

★ فرزندِ رسولِ خدا، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خدا کی قسم! نہ تو حضرت ابراہیمؑ بیمار تھے، اور نہ ہی انھوں نے جھوٹ بولا تھا۔" (تفسیر صافی)

(آپؑ کے بیمار کہنے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں')

★ فرزندِ رسولِ خدا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"حضرت ابراہیمؑ کی دعاء اور خواہش پر خداوندِ عالم نے اُن کو وہ سب کچھ دکھا دیا جو کربلا میں ہونے والا تھا، اِسی لیے اُنھوں نے فرمایا کہ میں اِس روحانی تکلیف سے بیمار ہوں۔"

(جسمانی بیماری اُنھیں لاحق نہ تھی۔) (الکافی)

★ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ: "حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے"۔ (صحیح بخاری)

★ شاہ عبدالقادر صاحب نے مجبوراً لکھا کہ: "جھوٹ اللہ کی راہ میں بھی ہوتا ہے، وہ عذاب نہیں ہوتا، بلکہ ثواب ہوتا ہے۔" (موضح القرآن)

★ اگر اِس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں پایا جاتا کہ حضرت ابراہیمؑ کو کوئی بیماری نہیں تھی، تب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا، اور اگر کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے، تو پھر اُن کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ (تفہیم)

★ لیکن اللہ کو اِس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر بندوں کو اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ اِس پر وہ لوگ پیٹھ پھیر پھیر کر اُن کے پاس سے چلے گئے ۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ ﴿۹۱﴾ اُن کے پیچھے ابراہیمؑ چپکے سے اُن کے معبودوں کے مندر میں گھس گئے

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ اور بولے: "تم کچھ کھاتے کیوں نہیں ؟

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۲﴾ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم بولتے بھی نہیں ؟

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ اس کے بعد وہ اُن (بتوں) کی طرف متوجہ ہو کر اُن پر پل پڑے اور اپنے داہنے ہاتھ سے خوب اُن کی پٹائی لگائی ۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ (واپسی پر) وہ لوگ دوڑتے بھاگتے ابراہیمؑ کے پاس آئے ۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا ﴿۹۵﴾ ابراہیمؑ نے کہا: "کیا تم لوگ اپنی ہی تراشی

تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ ہوئی چیزوں کی بندگی کرتے ہو ؟

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا (۹۶) حالانکہ اللہ نے تمھیں بھی پیدا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنھیں
تم (اپنے ہاتھوں سے تراشتے) بناتے ہو۔"

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا (۹۷) اُن لوگوں نے کہا: "اِس شخص کے لیے
فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ ایک عمارت (احاطہ) بنواؤ پھر اُس کو
دہکتی بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔"

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ (۹۸) اِس طرح اُنھوں نے ابراہیمؑ کے
الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ لیے ایک منصوبہ بنایا، مگر ہم نے اُن کو
نیچا کر دکھایا۔

آیت ۸۳ تا آیت ۹۸ کی تشریح: نمرودیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے میلہ کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی، لیکن آپؑ نے اُن کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "میں بیمار ہوں"۔ پس وہ آپؑ کی معذرت کو سن کر واپس چلے گئے۔ آپؑ کو موقع مل گیا تو سوچا کہ اب میدان خالی ہے سب لوگ جا چکے۔ چنانچہ مندر میں بتوں کے پاس جا کر اُن سے فرمایا: "تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں؟" اِس کے بعد اپنی پوری قوت سے اُن پر پل پڑے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب وہ لوگ واپس آئے اور بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو سیدھے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور بولے کہ تم نے ہمارے معبودوں کو توڑ ڈالا، اِس لئے ہم تمھیں یہ سزا دیں گے کہ دہکتی بھڑکتی آگ میں تم کو ڈال کر جلا دیں گے۔ پھر اُنھوں نے تو یہ منصوبہ بنا لیا لیکن اللہ نے اُن لوگوں کو ذلیل کر دیا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی (۹۹) اور ابراہیمؑ نے کہا: "میں اپنے پالنے

رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ والے مالک کی طرف جاتا ہوں وہی

میری رہنمائی کرکے مجھے منزلِ مقصود تک

پہنچائے گا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ (۱۰۰) اے میرے پالنے والے مالک! مجھے ایسا

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ بیٹا عطا فرما جو نیک کام کرنے

والوں میں سے ہو۔ (یعنی فرزندِ صالح ہو)

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ تو ہم نے انھیں بڑی قوّتِ برداشت

رکھنے والے بُردبار بیٹے کی خوشخبری سُنائی۔

---

* حضرت ابراہیمؑ کا فرمانا کہ: "میں اپنے مالک کی طرف جاتا ہوں"۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پالنے والے مالک کی راہ میں اُسی کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔ (مدارک، کشّاف، تفسیر کبیر)

* مراد یہ ہے کہ میں خدا کے حکم اور اُس کے دین کی خاطر ملکِ شام ہجرت کر رہا ہوں اُس لیے خدا ضرور میری مدد بر ہدایت فرمائے گا۔ (روح المعانی)

* حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ (بائبل۔ پیدائش ۱۶:۶)
حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سَو سال تھی۔ (بائبل۔ پیدائش ۲۱:۵)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

(۱۰۲) پھر جب وہ بیٹا ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچا، تو (ایک دن) ابراہیمؑ نے کہا: "اے میرے فرزند! حقیقت یہ ہے کہ میں خواب (میں) دیکھتا ہوں کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں (کیا)، اب تم غور تو کرو کہ تمھاری (اس معاملہ میں) کیا رائے ہے؟" بیٹے نے کہا: "اے بابا جان! آپؑ وہ کچھ کیجیے جس کا آپؑ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپؑ مجھے صابر پائیں گے۔

- فرزندِ رسولِ خدا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، کہ "حضرت ابراہیمؑ کو صرف خواب بتانے میں کم از کم تین دن تک غور کرنا پڑا، جبکہ حضرت اسماعیلؑ خواب سنتے ہی ذبح ہونے کے لیے کیسے تیار ہو گئے؟ اِس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ یہ خواب دیکھ رہے تھے، تو ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کا نور صلبِ ابراہیمؑ سے صلبِ اسماعیلؑ میں منتقل ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اسماعیلؑ خواب سنتے ہی کہنے لگے کہ "اے بابا جان! اللہ نے جو حکم آپؑ کو دیا ہے اُس کو بجا لائیے میں بالکل تیار ہوں۔

(تفسیر نور الثقلین، حیات القلوب)

فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ﴿۱۰۳﴾ توجب وہ دونوں پورے طور سے اطاعت پر تیّار ہو کر آئے، اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو اس کی پیشانی کے بَل لِٹا دیا۔

وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾ تو ہم نے اُنھیں پکارا کہ: "اے ابراھیمؑ!

قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا (۱۰۵) تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ہم كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

★ واقعاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں یہی دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، مگر خداوندِ کریم و رحیم کا مقصد بچّے کی جان لینا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لینا تھا، سو وہ مقصد اِس بات سے پورا ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بروایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام "ستّر مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیری اور ہر بار جبرئیلؑ نے چھری چلنے سے پہلے اُس کو اُلٹ دیا۔"

(فصل الخطاب)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۰۶﴾ حقیقتاً یہ ایک کھلا ہوا واضح امتحان تھا۔

وَ فَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے اُن کا فدیہ بھیج دیا (کربلا کی) ایک عظیم قربانی کے سبب سے۔

ذبحِ عظیم مقصدِ رحیم

* فرزندِ رسولِ خدا امام حضرت امام علی الرّضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "جب خداوندِ کریم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دُنبہ بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر میرا بیٹا ذبح ہو جاتا تو میرا دل دُکھتا۔ اِس طرح مجھے مصیبتیں برداشت کرنے والے صابرین کا ثواب ملتا' اور اعلیٰ ترین درجات حاصل ہوتے"۔ یہ خیال آتے ہی خداوندِ قدیر نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا: اے ابراہیمؑ! تم کو میری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے"؟

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: "اے میرے مالک! تُو نے اپنی مخلوق میں حضرت محمّد مصطفٰےؐ سے زیادہ محبوب کسی کو پیدا ہی نہیں کیا (اِس لئے مجھے بھی تیری ساری مخلوق میں حضرت محمّد مصطفٰےؐ سب سے زیادہ محبوب ہیں)

* خداوندِ قدیر نے دریافت کیا: "اے ابراہیمؑ! تمھیں محمّد مصطفٰےؐ زیادہ عزیز ہیں یا تمھاری ذات"؟
* عرض کی: "وہی زیادہ عزیز ہیں"۔
* پھر دریافت کیا: "اے ابراہیمؑ! تم کو تمھاری اولاد زیادہ محبوب ہے یا محمّد مصطفٰےؐ کی اولاد"؟

* عرض کی: "محمد مصطفیٰ ؐ کی اولاد زیادہ محبوب ہے۔"
* ارشاد ہوا: "اے ابراہیمؑ! تمہارا دل محمد مصطفیٰ ؐ کی اولاد کے ذبح ہونے سے زیادہ غمزدہ ہوگا یا تمہارے ہاتھ سے تمہارے بیٹے کے ذبح ہونے پر"؟
* عرض کی: "محمد مصطفیٰ ؐ کی اولاد کا ظلم سے ذبح ہونا میرے دل کو زیادہ غمزدہ کر دے گا۔"
* پھر ارشاد ہوا: "اے ابراہیمؑ! ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جو خود کو اُمّتِ محمد ؐ سمجھے گا مگر محمد ؐ کے بعد اُن ہی کے فرزند دلبند حسینؑ کو اِس طرح ذبح کرے گا جس طرح مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے۔"
* حضرت ابراہیمؑ یہ بات سن کر سخت مضطرب و پریشان ہوئے، ضبطِ غم نہ ہوسکا، اُن کے دل میں ایک سخت درد اُٹھا اور وہ بے قابو ہوکر دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

خداوندِ کریم و رحیم نے فرمایا: "چونکہ تم نے اپنے بیٹے پر محمد مصطفیٰ ؐ کے فرزند کو ترجیح دی ہے اِس لیے ہم نے تمہارے لیے اپنے اوپر وہی اعلیٰ درجات کے ثواب کو عطا کرنا واجب قرار دیا جو مصائب برداشت کرنے والوں کو ملتے ہیں۔"

پھر امامؑ نے فرمایا: "بس یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا کہ: "وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ"

* .... (تفسیر صافی، عیون الاخبار الرضاؑ، تفسیر نور الثقلین، تفسیر انوار النجف)

سوال اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام حسینؑ حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ قرار پائے"؟

جواب یہ ہے کہ یہاں "بِذِبْحٍ" میں "ب" صلہ کی نہیں ہے بلکہ سببیہ ہے یعنی ایک عظیم قربانی کے سبب سے ہم نے اسماعیلؑ کو بچا لیا۔" کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہی یہ قربانی ہونے والی تھی، جو شانِ قربانی ہوگی۔ اِس لیے اِس عظیم قربانی کے سبب سے ہم نے اسماعیلؑ کے لیے دُنبہ کا فدیہ بھیج دیا۔ (فصل الخطاب)

؎ اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر ⁂ معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر
(اقبالؒ)

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۱۰۸) غرض ہم نے بعد والوں میں اُن کی یاد "تعریف وتوصیف باقی رکھی۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (۱۰۹) سلام ہو ابراھیم پر

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱۱۰) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۱) واقعاً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۱۲) پھر ہم نے اُنھیں اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی، جو نبی ہوں گے اور اچھے آدمیوں میں سے ہوں گے۔

★ ذبیح اللہ کے واقعہ کے بعد حضرت اسحاق کی بشارت اس امر کی دلیل ہے کہ پہلی بشارت حضرت اسماعیلؑ کی تھی

★ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اے بنی ہاشم! کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز باقی لوگ تو میرے پاس اپنے نیک اعمال کے ساتھ آئیں اور تم اپنے نسب، خاندان اور رشتہ داری کا تعلق جتاتے ہوئے آؤ۔" (تفسیر روح البیان، تفسیر نمونہ)

★ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا: "جسے عمل پیچھے چھوڑ دے اُسے نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

..... (نہج البلاغہ، کلمات قصار)

وَبٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَعَلٰۤى (۱۱۳) غرض اُنھیں اور اسحاق کو ہم نے
اِسۡحٰقَ‌ؕ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا برکت عطا کی۔ اب اِن دونوں کی
مُحۡسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ اولاد میں سے نیک لوگ بھی ہوں گے اور
مُبِيۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ کھلے ہوئے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی
وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰى مُوۡسٰى (۱۱۴) اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر
وَهٰرُوۡنَ‌ۚ ﴿۱۱۴﴾ بھی احسان کیا۔
وَنَجَّيۡنٰهُمَا وَقَوۡمَهُمَا (۱۱۵) کہ اُن کو اور اُن کی قوم کو سخت
مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ‌ۚ ﴿۱۱۵﴾ تکلیف سے بچالیا۔
وَنَصَرۡنٰهُمۡ فَكَانُوۡا هُمُ (۱۱۶) غرض ہم نے اُن کی مدد کی تو
الۡغٰلِبِيۡنَ‌ۚ ﴿۱۱۶﴾ اُنھوں نے فتح پائی۔
وَاٰتَيۡنٰهُمَا الۡكِتٰبَ (۱۱۷) پھر ہم نے اُن دونوں کو
الۡمُسۡتَبِيۡنَ‌ۚ ﴿۱۱۷﴾ ایک واضح کتاب عطا کی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ ۶۹

(۶۹) اور جب ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوشی کی خبر لیکر آئے تو انھوں نے کہا: تم پر سلام ہو۔ ابراہیم نے جواب دیا: تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ابراہیمؑ ایک بھنا ہوا بچھڑا (بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت اُن کے کھانے کیلئے) لے آئے۔

حضرت ابراہیمؑ کا تعارف

(آیت ۶۹) جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

"جب میں معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرے جدِّ بزرگوار حضرت ابراھیم علیہ السلام بیت المعمور سے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ جب آپؑ نے مجھے دیکھا تو میرا استقبال فرمایا۔ (حدیثِ معراج)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ملکِ بابل کے شہر اُور میں ہوئی۔ آپؑ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپؑ پر آپؑ کی زوجہ حضرت سارہؑ کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تنگ آکر وہاں سے ہجرت کی اور فرات کے غربی کنارے پر تشریف لے گئے۔ پھر حرّان، اور پھر فلسطین سے نابلس گئے۔ اسی طرح تبلیغ کرتے کرتے مصر پہنچے۔ حضرت لوطؑ اور حضرت سارہؑ آپؑ کے ساتھ تھے۔

مصر کے بادشاہ نے اپنی بیٹی ہاجرہ آپؑ سے بیاہ دی۔ آپؑ نے خدا سے بیٹے کی دُعا کی (چنانچہ دُعا مستجاب ہوئی اور) حضرت ہاجرہؑ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے

حضرت سارہؑ کو رشک ہوا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؑ کو اپنے ساتھ لیکر مکّے تشریف لائے۔ اور آج جہاں کعبہ ہے وہاں ایک درخت کے نیچے چھوڑ (کر واپس) فلسطین چلے گئے۔ آپ کا قیام فلسطین ہی میں رہا۔

• حضرت ابراہیم بار بار حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ سے ملنے آتے رہے۔ پھر آپؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ کعبہ تعمیر کیا۔ جب آپؑ کی عمر سنّو سال کی ہوئی تو حضرت سارہؑ سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی وفات ۱۷۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ "مدینۃ الخلیل" (فلسطین) میں آپؑ دفن ہیں۔

*..... (لغات القرآن نعمانی جلد ا ص۶ سے ۸۔ ملخص)

★ فرشتے خدا کی طرف سے بھیجے ہوتے تھے اور انھوں نے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِن الفاظ میں مخاطب فرمایا " سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ "۔ معلوم ہوا کہ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کہنا بھی درست ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا بھی درست ہے۔

*..... (تفسیر تبیان)

★ اِن فرشتوں کی اصل منزلِ مقصود تو حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب نازل کرنا تھا۔ راستے میں وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس ٹھہر گئے تھے اُن کو بشارت دینے کے لیے۔

*...... (فصل الخطاب)

سلام کرنا فرشتوں کا طریقہ ہے

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ سلام کرنا فرشتوں کا طریقہ ہے۔

اِسی لیے اہلِ اسلام میں ہر دور میں سلام کرنا رائج رہا ہے۔

*...... (جصاص)

سلام کرنا اللہ کا طریقہ ہے : اللہ نے اپنے انبیاءؑ پر سلام کہا ہے، مثلاً سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ، سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ، سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ وغیرہ اور جنّت میں جانے والے مومنوں پر بھی سلام کیا جائیگا جیسے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ (نحل آیت ۳۲)۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ (زمر آیت ۷۳)۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَھُمۡ لَا تَصِلُ (۷۰) مگر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ تو کھانے اِلَیۡهِ نَکِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ کی طرف بڑھتے ہی نہیں، تو اُنھیں اُن پر خِیۡفَةً قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ شک ہوا (کہ کہیں یہ میرے دشمن نہ ہوں) اور اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ دل ہی دل میں اُن سے ڈر محسوس کرنے لگے۔ تو اُنھوں نے کہا، ڈرو نہیں۔ ہم تو قومِ لوطؑ کی طرف (عذاب کیلئے) بھیجے گئے ہیں۔

حضرتِ ابراہیمؑ کے خوف کی وجہ

عرب میں رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی کی مہمانی کو قبول کرنے سے انکار کرتا تھا تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ لوٹنے یا قتل کرنے آیا ہے۔ لیکن بعد کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھے تو حضرت ابراہیمؑ فوراً سمجھ گئے کہ یہ فرشتے ہیں، اور کیونکہ فرشتوں کا علانیہ طور پر انسانی شکل میں آنا ضرور کسی اہم کام کے لیے ہوا کرتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیمؑ کو یہ خوف ہوا ہوگا کہ میری قوم نے کوئی ایسا قصور تو نہیں کر دیا کہ اُن پر خدا کا عذاب لانے کے لیے یہ فرشتے تشریف لائے ہیں۔ اسی لئے اُن مہمان فرشتوں نے یہ نہ کہا کہ ابراہیمؑ! ڈرو مت ہم ڈاکو نہیں، فرشتے ہیں، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو ڈرتے ہوئے دیکھ کر فرشتوں نے فوراً یہ فرمایا: "ڈریے نہیں، ہم تو لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں"۔ دوسرے یہ کہ فرشتوں کے آنے کی خبر سن کر سارا گھر پریشان ہو گیا تھا۔ اسی لیے حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ بھی گھبراتی ہوئی باہر نکل آئیں جب اُن کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُن کی بستی پر کوئی آفت آنے والی نہیں ہے، تب کہیں اُن کی جان میں جان آئی۔

*..... (تفہیم القرآن)

خوف کاملین کو بھی ہوتا ہے

حضرت ابراہیمؑ کے ڈرنے سے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا کہ خوف و ہراس اُمورِ طبعی (فطری) ہیں جس طرح بھوک و پیاس، اِس لیے ڈرنا مرتبۂ نبوّت یا مرتبۂ ولایت کے ذرہ بھر بھی منافی نہیں۔ *..... (ماجدی)

وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ (۷۱)

ابراہیمؑ کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنسنے لگیں۔ تو اِس پر ہم نے اُن کو اسحاقؑ کی اور اُن کے بعد یعقوبؑ (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری دی۔

حضرت سارا کے ہنسنے کی وجوہات

حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ حضرت سارہ تھیں جو شروع میں تو فرشتوں کے آنے سے شاید اس لیے ڈریں کہ کہیں اُن کی قوم پر عذاب نہ آجائے۔ پھر جب یہ خوف دور ہوا اور اُن کو معلوم ہوگیا کہ فرشتے حضرت لوطؑ کی بدکار قوم پر عذاب لے کر آتے ہیں تو ڈر دور ہونے کی وجہ سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ *..... (موضح القرآن)

* یعنی قومِ لوطؑ کی ہلاکت پر اور اپنی قوم کی نجات پر خوش ہوئیں اور مسکرائیں۔ (تفسیر جلالین، فتح الرحمٰن)

* نیز یہ کہ وہ اِس بات پر بھی ہنسیں کہ فرشتوں نے اُنھیں اُن کے ہاں بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ یہ ہونے والے فرزند اسحاقؑ تھے اور پھر یعقوبؑ کی ولادت کی خوشخبری بھی دی۔ مطلب یہ نکلا کہ جو فرزند عطا ہوگا وہ زندہ بھی رہے گا اور اُس کی نسل بھی چلے گی۔

وَامْرَاَتُہٗ : (اُن کی عورت)

یعنی: سارا بنتِ ہاران (زوجۂ حضرت ابراہیمؑ) تھیں جو رشتہ میں حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد تھیں۔ اور بعض نے خالہ زاد لکھا ہے۔ یہ وہاں پسِ پردہ مہمان نوازی کے فریضے کو انجام دینے کے لیے کھڑی تھیں۔ جب خلافِ توقع اُمور کو دیکھا تو ازراہِ تعجب ہنس پڑیں۔ خواہ اِس کی وجہ ملائکہ کے کھانا کھانے سے رُکنا ہو، یا حضرت لوطؑ کی قوم کے عذاب کی خبر ہو، یا تولدِ اسحٰقؑ کی پیشین گوئی ہو۔ اور آخری بات زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُس وقت اُن کی عمر ۹۸ یا ۹۹ برس تقریباً تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ بھی ایک قول کے مطابق ۱۲۰ برس کے تھے۔ بنا بریں تعجب اور ضحک کا صدور خلافِ توقع نہیں تھا۔

*..... (تفسیر انوار نجف)

قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ○ (۷۲) وہ کہنے لگیں: "ارے غضب! کیا میرے یہاں اولاد پیدا ہوگی؟ اِس حالت میں کہ میں تو بُڑھیا ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بہت بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔"

تعجب انگیز خبر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، کہ:

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "جن دنوں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ یہ واقعہ ہوا اُس دن حضرت سارہؑ کی عمر ۹۰ سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ *..... (تفسیر صافی ص ۲۳۸ بحوالہ علل الشرائع)

* جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ حضرت سارہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کے ہاں اسحاقؑ جیسا جلیل القدر بیٹا پیدا ہوگا اور آپ کا پوتا حضرت یعقوبؑ جیسا عالی شان پیغمبر ہوگا، تو وہ حیرت کے عالم میں چیخ پڑیں۔ اُن کے منھ سے نکلا "ہائے میری کمبختی"۔ اِس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ حضرت سارہ حقیقتاً اِس خوشخبری کو کمبختی سمجھتی تھیں، بلکہ اِس قسم کے الفاظ عورتیں اکثر سخت تعجب کے موقع پر بولا کرتی ہیں، ان سے کبھی لغوی معنی مراد نہیں ہوتے۔ صرف اظہارِ تعجب ہوتا ہے۔ اور بس۔ *.... (تفہیم القرآن)

* بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سو سال اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال تھی۔

* اسی لیے بڑھاپے کے اعتبار سے بچہ ہونے کی خوشخبری سن کر تعجب کرنا بالکل قدرتی اور فطری عمل تھا۔ (بیضاوی)

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ کسی واقعہ پر اسبابِ ظاہری کے لحاظ سے تعجب کرنا خدا کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھنے کے منافی نہیں۔ *..... (ماجدی)

* اِسی لیے توریت میں ہے کہ: "ابراہامؑ اور سرہؑ (سارہ) بوڑھے اور بہت دن کے تھے۔ اور سرہ (سارہ) سے عورتوں کی معمول عادات بھی موقوف ہو چکی تھی۔ تب سرہؑ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اِس کے کہ میں ضعیف ہو گئی ہوں اور میرا خاوند بوڑھا ہوا، کیا مجھ کو خوشی ہوگی؟" *..... (پیدائش ۱۸ و ۱۱ - ۱۲)

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۷۳) فرشتوں نے کہا: "اے آپ اللہ کے حکم رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ پر تعجب کرتی ہیں؟ (جب کہ اے) ابراہیمؑ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝۷۳ کے اہلِ بیت (گھر والو) تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ یقیناً خدا نہایت ہی قابل تعریف اور بڑی ہی شان بان اور بزرگی والا ہے۔

ملائکہ غیرِ نبی سے بھی گفتگو کرتے ہیں

محققین نے حضرتِ سارہؑ اور فرشتوں کے درمیان اِس مکالمہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ:

ملائکہ غیرِ نبیؑ کے ساتھ بھی گفتگو کرتے ہیں۔ *..... (ماجدی)

جب حضرت سارہؑ کو فرشتوں کے اِس قول پر کہ اُن کے بچہ پیدا ہوگا، سخت تعجب ہوا تو اِس تعجب کو دور کرنے کے لیے اور اپنی تسکین کے لیے ایک خشک لکڑی کو لیکر اُن کے ہاتھ میں دیا تو وہ فوراً ہری ہوگئی۔ حضرت جبرئیلؑ کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح خدا کی قدرت خشک لکڑی کو ہری کر سکتی ہے اِسی طرح بوڑھا آدمی جوان ہو سکتا ہے۔ *..... (مجمع البیان)

اہل البیت

اور آیت میں جو لفظ "اہل البیت" آیا ہے اس کا ترجمہ 'گھر والو' درست ہے۔

یہی ترجمہ شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے۔ "اے اہلِ ایں خانہ" *..... (فتح الرحمان)

شاہ رفیع الدین نے ترجمہ فرمایا: "اے گھر والو!" اِس لیے آیۂ تطہیر کے ترجمہ کے وقت بھی "اہل البیت" کا ترجمہ "گھر والو" ہی کرنا چاہیے۔ بلکہ "اہل البیت" میں بیت پر جو الف لام ہے اس کے معنی ہوں گے "خاص گھر والے" اب گھر سے مراد وہ خاص گھر ہوگا جو چادر سے حضور اکرمؐ نے بنایا تھا۔ جو اُس چادر کے اندر تھے وہ "اہل البیتؑ" ہوں گے۔ کیونکہ حضرت سارہؑ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ اُس خانہ کی فرد بھی تھیں اور وہ حضرت ابراہیمؑ کی ایسی ہم مزاج بھی تھیں کہ ملائکہ نے براہِ راست اُن سے خطاب بھی فرمایا اِسی لیے وہ اپنے ذاتی جوہر اور کمالات کی وجہ سے "اہل البیت" کی مصداق ٹھہریں۔ *..... (تفسیر بیان فصل الخطاب)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ (۷۴) پس جب ابراہیمؑ کا خوف دور ہوگیا اور الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى (اولاد کی) خوشخبری بھی انھیں مل گئی تو وہ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ ۷۴ ہم سے لُوطؑ کی قوم کے بارے میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خدا سے جھگڑنا

حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے جھگڑا کرنا اُن کی انسان دوستی اور محبت کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے۔ سہ "یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے"۔

اس کے ساتھ ساتھ جھگڑے کا لفظ یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے خدا سے تعلقات نہایت بے تکلفی اور محبت پر مبنی تھے۔ اسی محبت کے رشتے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ دیر تک خدا سے ردوکد کرتے رہے، اور اصرار کرتے رہے کہ قومِ لوطؑ پر سے عذاب ٹال دیا جائے۔ خدا اُن کو بار بار یہ سمجھا رہا تھا کہ اب یہ قوم ٹھیک ہونے والی نہیں ہے۔ یہ قوم خیر سے بالکل خالی ہوچکی ہے۔ اگر اس قوم میں تھوڑی بہت بھی بھلائی ہوتی یا آئندہ تھوڑی سی بھلائی کی کچھ بھی اُمید ہوتی تو اسے اور مُہلت دیدیتا۔ *..... (تفہیم القرآن)

* بائیبل میں تو خدا سے حضرت ابراہیمؑ کے جھگڑے کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

*..... (کتاب پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۳ سے ۳۲)

سوال ؟

* بھلا بندے کی کیا مجال کہ اپنے خالق و مالک سے جھگڑا کرے، تکرار کرے یا لڑے۔ مگر ابراہیمؑ وہ بندہ ہے جسے خود خدا نے خلیل یعنی اپنا دوست بنالیا ہے۔ اگر اس بات کو خود حضرت ابراہیمؑ بیان کرتے تو یہی فرماتے کہ میں نے خدا سے یہ عرض کی، یہ درخواست کی، مگر خدا نے اپنی دوستی کے رشتے سے حضرت ابراہیمؑ کیلئے فرمایا کہ "پھر وہ ہم سے لوطؑ کی قوم کے بارے میں لڑنے جھگڑنے لگے۔" یعنی یہ کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح قومِ لوطؑ پر سے عذاب ٹل جائے۔ مگر یہ لڑنا خدا کو ایسا پسند آیا کہ خدا کی نظر میں قابلِ تعریف ٹھہرا۔ اسی لیے آخر میں خدا نے فرمایا: "إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ" یعنی ابراہیمؑ بڑے تحمل، برداشت اور دردمند دل رکھنے والے خدا سے ڈرنے اور خدا کی طرف بہت توجہ کرنے والے تھے۔" یہ اور بات

تھی کہ حکمتِ الٰہی اب مزید قومِ لوطؑ کو مہلت دینے کی روادار نہ تھی۔ کیونکہ اُس قوم کی اصلاح کا اب کوئی امکان ہی باقی نہ رہا تھا۔

*۔۔۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

نتائج

آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مقبول سے مقبول ترین انسان کی بھی ہر دعا۔ یا سفارش لازمی طور پر قبول نہیں ہوتی۔ بندہ کتنا بھی کامل ہو مگر اُس کی نگاہ بہرحال محدود ہی ہوتی ہے۔ اِس لیے کہ خدا کی حکمتِ کاملہ کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

*۔۔۔۔۔ (ماجدی)

لیکن عرفاء کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ کی شفاعت رد ضرور ہوئی لیکن اِس بات کا خود حضرت ابراہیمؑ کو علم تھا کہ قومِ لوطؑ کے کرتوت ایسے ہیں کہ خدا کا عذاب روکا نہیں جاسکتا لیکن اُنھوں نے یہ جھگڑا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کیا۔ اِسی لیے خدا نے خود آخر میں اُن کی تعریف فرمائی ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا: "نیک سفارش کرکے ثواب پاؤ۔"

(اشفعوا توجروا) (الحدیث)

* مگر یاد رہے کہ ہر سفارش پر اجر نہیں ملتا۔ صرف اُن کاموں کی سفارش پر اجر ملتا ہے جن کاموں کی خدا نے اجازت دے دی ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر ارواح البیان)

یُجَادِلُنَا: یعنی: "جب ابراہیمؑ سے خوف ٹل گیا اور بیٹے کی خوشخبری بھی مل گئی تو ہم سے یعنی ہمارے فرشتوں سے قومِ لوطؑ کے عذاب کے متعلق جھگڑنے لگ گئے۔" بات یہ تھی کہ جب اُنھوں نے قومِ لوطؑ کے عذاب کی خبر سُنائی تو حضرت ابراہیمؑ نے دریافت کیا کہ اگر اُن میں پچاس مومن ہوں تو وہ بھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ فرشتوں نے کہا: نہیں۔ پھر وہ تعداد کو کم کرتے گئے کہ اگر اُن میں چالیس، تیس، بیس حتّٰی کہ ایک مومن ہو؟ تو فرشتے ہر سوال کے جواب میں نہیں کہتے رہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کے متعلق پوچھا تو فرشتوں نے کہا کہ ہمیں اِس بات کا علم ہے اور ہم اُن کو بچالیں گے۔ *۔۔۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ (٧٨) (اُن خوبصورت نوجوان مہمانوں کو دیکھ کر)
وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اُن کی قوم والے بے اختیار اُن کے گھر کیطرف
السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ دوڑتے ہوتے آگئے۔ کیونکہ وہ اِس سے پہلے
بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا بھی بُرے کام کیا کرتے تھے۔ لوطؑ نے اُن سے
اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ کہا: "اے میری قوم کے لوگو! یہ میری (قوم کی)
اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○ لڑکیاں موجود ہیں۔ یہ تمہارے لیے زیادہ مناسب
ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملے میں ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی
ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟"

"میری بیٹیوں" سے مراد

حضرت لوطؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اپنی جنسی خواہشات کو فطری اور جائز طریقوں سے پورا کرو۔ اور اس کے لیے عورتوں کی کمی نہیں۔ ★..... (تفہیم)

★ حضرت لوطؑ کا مطلب یہ تھا کہ میری قوم کی عورتوں سے جو نبیؐ کے لیے بیٹیوں کی طرح ہوتی ہیں، اُن سے شادیاں کرو۔ ہم جنس پرستی کا طریقہ چھوڑ دو۔

★ مگر تفسیرِ صافی نے لکھا کہ شاید مراد اپنی بیٹیاں ہی ہوں۔ اِس طرح از روئے کرم و رحمت اپنی اولاد کو اپنے مہمانوں کا فدیہ قرار دیا۔ ★...... (تفسیر صافی صـ ٢٣٩)

★ لیکن تفسیر قمی میں ہے کہ یہاں "بَنَاتِىْ" (میری بیٹیوں) سے مراد قوم کی عورتیں ہیں کیونکہ نبیؐ اپنی اُمّت کا باپ جیسا ہوتا ہے۔ گویا اپنی قوم کو حلال کام کی ترغیب دی اور حرام سے بچانا چاہا۔ ★..... (تفسیر قمی)

★ یہ تفسیر زیادہ معقول ہے۔ اِس لیے کہ پوری قوم سے یہ کہنا کہ میری طبعی بیٹیوں سے شادی کرو کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ جبکہ آپ کی صرف ٢ دو بیٹیاں تھیں۔ ★...... (مؤلف)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ "حضرت لوط

إِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ○ (٧٥) واقعی ابراہیم بڑی قوتِ برداشت رکھنے والے، ہمدرد، نرم دل اور ہر حال میں خدا سے لو لگائے رہنے والے انسان تھے۔

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ○ (٧٦) (ہمارے فرشتوں نے کہا) "اے ابراہیمؑ! لوطؑ کی قوم کی سفارش کرنا چھوڑ دو۔ (کیونکہ اب تو) تمہارے پروردگار کا حکم (عذاب) ہو چکا ہے۔ اور اب تو اُن کے اوپر وہ عذاب آکر ہی رہیگا جو کسی کے پلٹائے پلٹ نہیں سکتا۔"

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ○ (٧٧) اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو وہ بہت گھبرا گئے اور اُن کا دل تنگ ہونے لگا اور کہنے لگے کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔

(آیت ٧٧)

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت لوطؑ مسافروں (فرشتوں) کے آنے پر غمگین ہوئے (معاذ اللہ) ایسی بدگمانی کسی شریف آدمی کے لیے کرنا بھی حرام ہے، نہ یہ کہ نبیؐ کے لیے۔ حضرت لوطؑ کے گھبرانے کا اصل سبب یہ تھا کہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ حضرت لوطؑ کو اپنی قوم کا حال معلوم تھا کہ وہ بدکار قوم ہے۔ اگر اُنھوں نے اِن لڑکوں کو دیکھ لیا اور بدفعلی کرنی چاہی تو میں تنہا اُن کا مقابلہ نہ سکوں گا۔

*.... (مؤلف)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا (۵۷) پھر (ابراہیمؑ نے) پوچھا: "اے
الْمُرْسَلُوْنَ ۞ ۵۷ خدا کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمھاری
اصل مُہم (مقصد) کیا ہے"

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ (۵۸) انھوں نے کہا: "ہم ایک مجرم
مُّجْرِمِيْنَ ۞ ۵۸ اور گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں

فرشتے انسانی شکلوں میں حضرتؑ ابراہیمؑ کی طرف بھیجے گئے

محققین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اِس سوال سے نتیجہ نکالا کہ "فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا کسی غیر معمولی کام ہی کے لیے ہوا کرتا ہے۔ کوئی بڑی مُہم درپیش ہوتی ہے تب فرشتے انسانی شکل میں بھیجے جاتے ہیں۔" ★ ---- (تفہیم)

★ یہ نبوّت کی فراست تھی کہ حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ فرشتے انسانی شکل میں صرف اتنے سے کام یعنی مجھے خوشخبری دینے کے لیے تو نہیں آسکتے، اِس لیے پوچھا کہ آخر آپ لوگوں کا اصل مقصد، مُہم یا مشن کیا ہے؟ ★ .... (ماجدی)

(جیساکہ ماجدی نے لکھا)

★ بڑھاپے میں بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دینا کوئی اتنا سا کام نہ تھا جبکہ اسی کام کے لیے انسانی شکل میں خدا نے جبرئیلؑ کو بھیجا۔ سورۃ مریم کی آیت ۱۹ کی تفسیر میں ہے، کہ: "حضرتؑ جبرئیلؑ ایک بے ریش نوجوان مرد کی شکل میں اُن کے پاس آئے۔" (تفسیر انوار النجف) ..... جبرئیلؑ نے کہا: میں خدا کا فرستادہ ہوں اور تجھے ایک پاکیزہ بچے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ ★ (انوار النجف) اِس لیے ماجدی کا یہ خیال باطل ہے۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ (۵۹) سوائے لوطؑ کے گھر والوں کے، کہ
اَجْمَعِيْنَ ۙ ۵۹ اُن سب کو تو ہم ضرور بچالیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا (۶۰) سوائے اُن کی بیوی کے۔ اُس کے
لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۚ ۶۰ لیے تو ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ تو
ضرور اُن سے چھوٹ کر پیچھے رہ جانے والوں ہی میں شامل ہوگی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ (۶۱) پھر جب یہ (خدا کے) بھیجے ہوئے (فرشتے)
الْمُرْسَلُوْنَ ۙ ۶۱ لوطؑ کے گھر والوں کے پاس آئے۔

ل ملائکہ کا یہ فرمانا کہ "ہم نے طے کر لیا ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی ضرور اُن سے چھوٹ کر پیچھے رہ جانے والوں میں شامل ہوگی"۔ کیونکہ ملائکہ کو خدا کا قربِ خاص حاصل ہے اور وہ خدا کے خاص بندوں میں شامل ہیں۔ اِس لیے وہ اپنے مالک کے بجائے اپنا نام لے کر فرما رہے ہیں کہ: "ہم نے طے کر لیا ہے"۔

جس طرح بادشاہ کے مقرّب اور خاص نوکر یہ کہدیا کرتے ہیں کہ "ہم نے اِس بات کا حکم دیا ہے۔" حالانکہ وہ حکم اُن کا نہیں ہوتا، بلکہ اُن کے مالک کا ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ مقرّب بندوں کا اِس طرح کہنا خدا کا کہنا ہوتا ہے۔ یہ کمالِ قُرب کا نتیجہ ہے۔

★ مثلاً اللہ کا یہ فرمانا: "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"...... (روح البیان)
"اے رسولؐ! اور وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکیں" (حالانکہ کنکریاں آنحضرتؐ نے پھینکی تھیں لیکن اللہ نے ... منسوب کر لیا)

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ (۶۲) تو لوطؑ نے کہا: "آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ [۱]

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ (۶۳) انھوں نے کہا: "(نہیں) بلکہ ہم تو وہی (عذاب) لے کر آئے (کے آنے) میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (۶۴) اور ہم آپ کے پاس ایک ٹھوس حقیقت [۲] لے کر آئے ہیں اور حقیقتاً ہم بالکل سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کی پریشانی کا سبب

[۱] حضرت لوطؑ کی گھبراہٹ کی وجہ خود قرآن سے اور روایات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرشتے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ اور حضرت لوطؑ اپنی قوم کی حرکتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے سخت پریشان تھے کیونکہ آئے ہوئے مہمانوں کو واپس کرنا جائز نہیں، اور اُن کو اُن بدمعاشوں سے بچانے کی کوئی صورت بظاہر ممکن نہ تھی۔ ٭ ... (تفہیم)

[۲] ٭ "بِالْحَقِّ" حق کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے۔ (۱) امرِ واقع (۲) صدق (۳) ذاتِ پروردگار (۴) دینِ اسلام (۵) قیامت (۶) موت (۷) عذاب (۸) حکمت وغیرہ۔ اور یہاں "حق" سے مراد عذاب ہے۔

٭ ... (تفسیر انوار النجف)

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ ٦٥

(۶۵) اب آپؑ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ چلے جائیے، اور آپؑ خود ان کے پیچھے پیچھے چلیئے گا اور آپؑ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ بس سیدھے چلتے ہی چلے جائیے گا جہاں جانے کا آپؑ کو حکم دیا جائے۔

حضرت لوطؑ کو مع اہل وعیال بستی چھوڑ دینے کا حکم

حضرت لوطؑ کو خدا کا یہ حکم دینا کہ:
"پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے" یعنی قوم لوطؑ پر جو گذرے، اُس سے بے پرواہ ہو کر جاؤ۔ اُن سے ہر قسم کی ہمدردی اور تعلق کو ختم کردو۔

(یہ بھی ایک قسم کا عملی تبرّا تھا یعنی بدمعاشوں اور ظالموں سے لاتعلقی اور بیزاری)

★ ......(تفسیر انوار النجف، فصل الخطاب)

★ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ ظالموں سے کسی قسم کا قلبی تعلق خدا کو پسند نہیں۔

★ مگر اِس سلسلے میں شاہ عبدالقادر صاحب نے خوب نکتہ لکھا:

"(حضرت لوطؑ کی) عورت دل سے منافق تھی، لیکن حق تعالیٰ بغیر تقصیرِ ظاہر کے عذاب نہیں کرتا۔ (اس لیے) ایک ایسا حکم بھیجا کہ اُس سے نہ ہوسکا (اور اس طرح اُس کی منافقت ظاہر ہوگئی)، حکم یہ تھا کہ پیٹھ پھیر کر نہ دیکھنا۔ پھر اِس گناہ میں (کہ اُس عورت نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو خدا نے اُس کو) عذاب میں پکڑا۔"

★......(موضح القرآن)

★ دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کا کوئی مستقل حکم نہ تھا۔ بس مقصد صرف اتنا تھا کہ خدا کے حکم پر بلا چون وچرا روانہ ہوجاؤ۔ جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ اِدھر اُدھر نہ دیکھو، بس سیدھے چلے جاؤ۔

★ ۔ ۔ ۔ (تفسیر تبیان)

★ محققین نے اِس آیت سے (۱) ظالموں، جابروں، بدکاروں، فاسقوں، فاجروں سے برأت اور تبرّے کو ثابت کیا ہے۔

★ ۔ ۔ ۔ (ماجدی)

(۲) حضرت لوطؑ کی بیوی کے بُرے انجام سے ثابت ہوا کہ کسی نبیؑ سے ازدواجی رشتہ یا کوئی اور قریبی رشتہ بغیر قلبی تعلق اور نبیؐ کے اتباع کے مفید نہیں ہوتا۔

★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (روح البیان)

★ عرفاء نے اِس حکم سے یہ نتیجہ نکالا کہ:

(۳) سالک کے لیے لازم ہے کہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے، بس اپنی زندگی خدا کی اطاعت کے لیے وقف کر کے اطاعت کی زندگی گذارتا چلا جائے۔

ے مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات وجمادات

★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (اقبالؔ)

★ حضورِ اکرمؐ کا مرتبہ اِسی لیے اور بلند ہوا کہ شبِ معراج آپؐ نے کسی جانب توجّہ نہ فرمائی صرف اور صرف خالق اور مالک کی طرف متوجّہ رہے۔ اِسی لیے قابَ قوسَین اَوْ اَدنیٰ کے کمالِ قرب کے درجے پر فائز ہوئے، یہی عالمِ ذات ہے۔ کوئی چیز آپؐ کی توجّہ اپنی طرف مبذول نہ کرسکی آپؐ ذاتِ خداوندی کی طرف متوجّہ رہے۔

★ ۔ ۔ ۔ (روح البیان)

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ (٦٦) (غرض اس طرح) ہم نے لوطؑ کو
الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ اپنے اس فیصلے کی اطلاع دے دی
مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○ ٦٦ کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ
بنیاد، اصل نسل کاٹ کر رکھدی جائے گی۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ (٦٧) (اُدھر) شہر کے لوگ بہت
يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ٦٧ خوش خوش (لوطؑ کے گھر) آپڑے۔

"قَضَيْنَا" یعنی ہم نے لوطؑ کو اطلاع دے دی تھی کہ صبح تک یہ سب عذاب میں گرفتار کر لیے جائیں گے اور ان سب میں سے جو بعد میں معذب ہوگا وہ بھی صبح تک ختم ہو جائے گا، یا یہ کہ ان کی پوری نسل ختم کردی جائے گی۔
* ..... (تفسیر انوار النجف)

★ یہاں "مدینہ" یعنی شہر سے مراد "شہرِ سدوم" ہے۔ *.... (تفسیر صافی ص ۲۷۳)

★ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہرِ سدوم کے لوگ جن کا تعلق قومِ لوط سے تھا کسقدر بے شرم، اور بے حیا تھے کہ (۱) یہ سنتے ہی کہ چند خوبصورت لڑکے حضرت لوطؑ کے گھر مہمان اُترے ہیں پورا شہر ٹولیوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر چڑھ دوڑا۔ (۲) اس پر مزید یہ کہ وہ لوگ ایکدوسرے کو خوشخبری دے رہے تھے۔ (یستبشرون) ایسے شرمناک عمل کو اگر کوئی انجام بھی دیتا ہے تو چھپ چھپا کر۔ لیکن کسقدر بے شرم تھے وہ لوگ کہ کھلم کھلا ایکدوسرے کو خوشخبریاں دے رہے تھے کہ چلو شکار ملا۔ یعنی کسی قسم کی کوئی حیاء، شرم، غیرت نام کی کوئی چیز ان میں باقی نہ رہی تھی۔ *.... (تفسیر نمونہ)

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ (۶۸) لوطؑ نے کہا: "یہ تو میرے مہمان
فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ ۶۸ ہیں، تم مجھے رُسوا نہ کرو۔"[1]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ (۶۹) اور اللہ سے ڈرو۔ مجھے ذلیل تو
نہ کرو۔"

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ (۷۰) وہ بولے: "ہم نے تم کو بار بار
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۷۰ منع کیا ہے کہ تم دنیا بھر کے ٹھیکیدار
نہ بنو۔"[2]

---

[1] حضرت لوطؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ: "اے قوم! میرے مہمانوں پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کر رہے ہو، اِس سے میری سخت ذلّت اور رُسوائی ہوگی۔ میرے مہمان یہ سمجھیں گے کہ میری قوم میں میری کوئی عزّت نہیں ہے۔
★ ۔۔۔۔ (روح المعانی)

★ اِس سے معلوم ہوا کہ (۱) مہمان کی عزّت میزبان کی عزّت ہوتی ہے۔ اور مہمان کو ذلیل کرنا میزبان کو ذلیل کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔

(۲) نیز یہ کہ مہمان کو ہر قسم کی ذلّت اور نقصان سے بچانا واجب ہے۔
★ ۔۔۔۔ (مؤلف)

[2] ★ حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ:

حضرت لوطؑ کی قوم نے حضرت لوطؑ کو منع کر دیا تھا کہ وہ لوگوں کو مہمان نہ بنایا کریں اور نہ اُن کی مہمانی کیا کریں۔ ★ ۔۔۔۔ (تفسیر صافی ۲۷۳)

قَالَ هٰؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ؕ (۷۱) (آخر لوطؑ نے تنگ آکر) کہا: "اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی)، بیٹیاں موجود ہیں (اِن سے شادیاں کر لو)"

ہم جنس پرستی باعثِ عذاب ہے

اُمّت کی بیٹیاں بھی ہر نبیؑ کے لیے اپنی بیٹیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں، اس لیے کہ ہر نبیؑ اُمّت کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت لوطؑ کی مراد اپنی طبعی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں، اِس لیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار مذکور ہوئی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف سارا شہر گھر پر دھاوا بول رہا تھا۔

----- (ماجدی)

★ حضرت لوطؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر تم کو اپنی جنسی تسکین کی خاطر کچھ کرنا ہی ہے، تو اُس کو جائز طریقے سے تسکین دو۔ حرام کام کیوں کرتے ہو؟ اللہ نے عورتوں کو مردوں کی جنسی تسکین کے لیے پیدا فرمایا ہے (جن سے نسل کی افزائش بھی ہے۔) لڑکوں سے یہ کام لینا جائز نہیں، بلکہ غیر فطری ہے

★----- (روح البیان)

نتیجے بعض مفسّرین کا یہ خیال ہے کہ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کے دو لیڈروں کو اپنی بیٹیوں سے شادی کی پیش کش فرمائی تھی اور اس پیش کش سے محقّقین نے یہ نتیجہ نکالا کہ "ہر مومن کو برائی کو روکنے کے لیے ہر ممکن امکانی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۲) جنسی تسکین عورتوں کے ذریعے حاصل کرنی چاہیے، لڑکوں کے ذریعے حاصل کرنا حرام ہے۔ (۳) ہم جنس پرستی اکبر الکبائر گناہوں میں سے ہے۔

(روح)

----- (بقول حضرت امام علی رضاؑ)

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ (۷۲) آپؐ کی جان کی قسم، اُس وقت
سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ تو وہ لوگ (اپنی بدمعاشی اور مستی کے)
نشے میں اندھے اور آپے سے باہر ہوتے جاتے تھے۔

★ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا کہ: "خدا یہ فرمارہا ہے کہ "اے رسولؐ! تیری جان کی قسم! قومِ لوط اسقدر مست اور دیوانہ ہورہی تھی کہ حضرت لوطؑ کی بات تک سننے کو تیار نہ تھی"۔
(موضح القرآن)

★ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا کہ: "قصہ کے درمیان اِس جملے کا آنا، اصل میں مکہ والوں کو تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ اے مشرکینِ مکہ! تمھارا بھی وہی حال ہے جو قومِ لوط کا تھا۔ (وہ جنسی بدکاری کی مستی میں تھے اور تم تکبّر کے نشے میں رسولِ اکرمؐ کی بات سننے کو تیار نہیں ہو۔)
شاہ ولی اللہ

حضور اکرمؐ کی فضیلت

حضرت ابنِ عبّاس نے فرمایا کہ: "خدا کو حضورِ اکرمؐ کی جان سے زیادہ کوئی جان عزیز نہیں ہے۔ اِسی لیے شاید خدا نے سوا ہمارے رسولؐ کے کسی کی جان کی قسم نہیں کھائی"۔
(روح البیان)

قسم کھانے کا فلسفہ

عربی ادب میں قسم کھانے کا ایک مقصد بات کو مؤکّد کرنا بھی ہوتا ہے، یعنی۔ جو بات کہی جارہی ہے وہ بہت اہم ہے۔ (اِس لیے یہاں پر حضور اکرمؐ کی قسم کھاکر یہ بتایا گیا کہ یہ بات بہت اہم ہے کہ لوط کی قوم والے ہم جنس پرستی میں بدمست ہورہے تھے، اور تم لوگ اپنے تکبّر کی مستی کی بے راہ روی سے تباہی کے راستے پر جارہے ہو۔ اور حضورؐ کی جان کی قسم کھاکر یہ بتایا کہ خدا کے نزدیک حضورؐ کی جان سب جانوں سے زیادہ عزیز ہے)
(روح البیان)

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ۙ‏ (۷۳) بس پھر (کیا تھا) سورج کے نکلتے ایک زبردست دھماکہ نے انھیں دبوچ لیا۔

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ؕ‏ (۷۴) پھر تو ہم نے اُس بستی کے اوپر کے حصّے کو (اُٹھاکر) نیچے دبا دیا اور اُس پر (یہ کیا کہ) پکّی ہوئی مٹّی کے پتّھروں[۱] کی موسلادھار بارش برسادی۔

---

[۱] "پکّی ہوئی مٹّی کے پتّھر" ممکن ہے کہ شہاب ثاقب ہوں یا آتش فشاں کی آگ کے پتّھر ہوں جو زمین سے نکل کر اُڑے ہوں اور پھر اُن پر بارش کی طرح برسے ہوں۔ ممکن ہے کہ سخت تیز آندھی نے اُن پر یہ پتھراؤ کیا ہو۔

(تفہیم) ۔۔۔۔۔ *

★ موجودہ نشانات بھی اس تباہی کے گواہ ہیں۔ توریت میں ہے کہ:

"تب خداوند نے سدوم اور عمورہ (کے شہروں) پر گندھک اور آگ آسمان پر سے برسائی۔ اور اُس نے اُن شہروں، بلکہ اُس سارے میدان کو، اور اُس کو جو زمین سے اُگا تھا نیست و نابود کردیا۔" (خس کم جہاں پاک)

(پیدائش ۱۹ : ۲۴، ۲۵) ۔۔۔۔۔۔۔ *

★ "سِجِّيۡلٍ" بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ فارسی سے عربی میں منتقل ہوا ہے۔ پس سنگ سے سجّیل بنا لیا گیا بعض نے کہا: سجیل سے مراد آسمانِ اوّل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا نے اُن کے سروں پر ایک بادل بھیج دیا جس سے اولوں کی طرح اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی *... (انوار النجف)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝ (۷۵) حقیقتاً اِس قصّے میں سمجھ دار پہچان والوں اور غور سے دیکھنے والوں کے لیے عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

★ "متوسمین" کے معنی ہیں "بڑے سمجھ دار" اور فراست رکھنے والے" یعنی: ایسے لوگ جو نشانیاں دیکھ کر حقیقت کو پہچان لیتے ہیں۔ ★..... (تفسیر صافی ص ۲۷۳)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "آنحضرت ص "متوسّم" (یعنی حقیقی اور اوّلین معنی میں صاحبِ فراست انسان) تھے۔ اور آپ کے بعد میں "متوسّم" ہوں۔ اور میرے بعد ائمۂ اہلِ بیت ع جو میری اولاد میں ہوں گے، وہ "متوسّم" ہوں گے۔ ★..... (الکافی۔ تفسیر عیاشی)

★ جنابِ رسولِ خدا ص نے فرمایا: "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ"۔ یعنی: "مومن کی فہم و فراست سے ڈرو! کیونکہ وہ نورِ خدا کے ذریعے سے دیکھتا ہے" (اور خدا کی توفیق سے بولتا ہے۔) ★..... (تفسیر عیاشی، تفسیر روح البیان)

★ حضورِ اکرم ص نے فرمایا: "علماء کی فراست سے بچو! کہ اگر کہیں اُنھوں نے تمھارے جرائم کی گواہی دے دی تو پھر تم جہنّم میں اوندھے ڈالے جاؤ گے۔ خدا کی قسم "فراست" حقیقت سے جو خدا اپنے خاص بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ یا (چھپے ہوئے حقائق کو) اُن کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔" (الحدیث)

★..... (روح البیان)

★ "فِرَاسَةٌ" کے معنی: کسی چیز پر ظاہری نظر کر کے اُس کے باطن کا حال معلوم کرنا۔ ★..... (المنجد)

(خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر)

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ (کیونکہ) وہ علاقہ (جہاں قومِ لوط کو سزا دی گئی تھی) عام راستے پر واقع اور اب تک برقرار بھی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ غرض ایمانداروں کے لیے تو حقیقتاً اس میں بڑا سبق اور عبرت کا سامان ہے۔[۱]

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ اور ایکہ[۲] (گھنے جنگل) والے تو بڑے ہی ظالم لوگ تھے۔

★[۱] مطلب یہ ہے کہ حجاز سے شام، اور عراق سے مصر جاتے ہوئے لوط کی قوم کی تباہ حال بستیاں اور اُن کے آثار قافلے والے دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ علاقہ بحرِ لوط (بحیرۂ مردار۔ dead sea) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور جغرافیہ والوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے حصے میں نہیں ملتی۔ ...... (تفہیم)

★[۲] "اَيْكَة" کے معنی "ایسا جنگل جس میں درخت بہت گھنے ہوں"، اور "اَصْحٰبُ الْاَيْكَة" سے مراد "حضرت شعیبؑ کی قوم کے لوگ" ہیں۔ جو گھنے جنگلوں میں رہتے تھے لیکن انھوں نے حضرت شعیبؑ کو جھٹلایا۔ اس لیے اُن پر اللہ کا عذاب سائبان (چھت) کی شکل میں اترا اور اُسی سے وہ سب ہلاک ہوئے۔ ...... (تفسیر صافی ص۲۷۳)

★ "ایکہ" کے بڑے شہر کا نام "مدین" تھا۔ "ایکہ" "تبوک" کا پرانا نام ہے۔ (تفہیم)

حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْہِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ○ (۶۱)

اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا: "اے میری قوم والو! اللہ کی بندگی کرو۔ اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُسی نے تو تم کو شروع شروع زمین سے پیدا کیا اور تمھیں اُسی میں آباد بھی کیا۔ لہٰذا تم اُسی خدا سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگو اور اُسی کی طرف لَو لگائے ہوتے پلٹو۔ یہ حقیقت ہے کہ میرا پالنے والا مالک (تم سے) بہت ہی قریب ہے اور وہ دُعاؤں کا جواب دے کر قبول کرنے والا ہے۔"

جاہلیت کا مہنت گری کے نظام کا فلسفہ اور اُس کا ابطال

مشرکین اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُن کا خالق اللہ ہے۔ اِسی بنا پر حضرت صالحؑ اُن کو سمجھا رہے ہیں کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ ہی نے تمھیں بے جان مادّوں کی ترکیب سے زندگی جیسی نعمت بخشی، پھر اللہ کے سوا خدائی اور کس کی ہو سکتی ہے؟ پھر کسی دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اس کی عبادت یا پرستش کرو۔

غرض مشرکین کی اصل غلطی بتائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو بھی اپنے راجوں، مہاراجوں، بادشاہوں، وڈیروں پر قیاس کرتے ہیں، جو دُور اپنے محل میں بیٹھا رنگ رلیاں مناتا رہتا ہے جسے اپنی رعایا کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اُس کو اپنی بانسری بجانے سے کام ہوتا ہے اِسی لیے عوام کی رسائی اُس تک کبھی نہیں ہوتی۔ مجبورًا اُن کو بادشاہ کے درباریوں کا دامن تھامنا پڑتا ہے اِسی

لیے مشرکین کے علماء عوام کو یہی اُلٹی پٹی پڑھاتے رہتے ہیں کہ ہم جیسے گنہگار معمولی بندوں کی رسائی خدا تک ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ تو بہت دور چین کی بانسری بجا رہا ہے، ہم سے بہت بہت بلند ہے اِس لیے بہت دور ہے۔ وہاں تک ہماری دُعاؤں کا پہنچنا اور پھر اُس کا جواب ملنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اِس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جنّوں، فرشتوں کے بُتوں اور اُن کے متولیوں کی خدمات حاصل کریں۔ اُن کو نذریں چڑھانی ضروری ہیں تاکہ وہ اوپر اللہ کے پاس ہماری عرضیاں پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ پر دباؤ ڈالیں۔!

اِس طرح مشرکین نے مہنت گری (Priest hood) کا نظام جاری کیا۔ اِسی نظام کے تحت جاہلی مذاہب میں نہ بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ انسان مر سکتا ہے، ہر وقت Priest درکار ہے۔ حضرتِ صالحؑ نے جاہلیت کے اِس عمل کو دو لفظوں میں مسمار کر دیا۔ (١) ایک یہ کہ "اللہ ہم سے قریب ہے" (دور نہیں) (٢) دوسرے یہ کہ وہ "مجیب" ہے۔ یعنی خود دُعاؤں کا سُننے اور جواب دینے والا ہے۔ اِس لیے ہم بغیر کسی Priest کے براہِ راست اُس سے دُعا کر سکتے ہیں اور دُعاؤں کا جواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ بہت بلند و بالا ہے مگر اِس کے باوجود تم سے بہت قریب ہے۔ اتنا قریب کہ وہ خود فرماتا ہے کہ: "ہم تمھاری رگِ گردن سے بھی بہت زیادہ تم سے قریب ہیں۔"

اِس لیے تم میں سے ہر شخص خدا سے براہِ راست گفتگو بھی کر سکتا ہے اور سرگوشی بھی کر سکتا ہے۔ (لہٰذا بس اُسی سے دُعائیں مانگا کرو اور اُسی پر بھروسہ رکھو۔) *

* (تفہیم القرآن)

(٧١)

* خدا کا فرمانا کہ: "خدا نے تم کو شروع شروع میں زمین سے پیدا کیا" یعنی انسان کی ابتدائی

تخلیق مٹی سے کی۔ انسانی نسل کو حضرت آدم ؑ سے پیدا کیا اور حضرت آدم ؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔
*..... (تفسیر تبیان)

قومِ ثمود کا تعارف

جس طرح قومِ عاد عرب کے جنوب مشرقی علاقے یعنی اطرافِ یمن و عراق میں آباد تھی، اِسی طرح قومِ ثمود کا تسلّط عرب کے شمالی اور غربی علاقے وادی القریٰ میں تھا۔

•

*..... (ماجدی)

اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا" اِس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے مادّوں سے پیدا کیا۔

نتیجہ : بعض فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ زمین کو آباد کرنا واجب ہے خواہ یہ آباد کرنا زمین پر زراعت کرنے کی شکل میں ہو، یا باغات لگانے کی شکل میں ہو، یا عمارات بنانے کی شکل میں ہو۔
*..... (جصّاص)

اور خدا کا فرمانا کہ: **تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ** یعنی: "اللہ کی طرف لَو لگائے ہوئے پلٹو" یعنی خدا کی طرف اُس کی اطاعت اور عبادت کے ساتھ توجّہ کرو۔ اِستغفار۔ یعنی اپنے ماضی کے گناہوں پر خدا سے معافی مانگو اور مستقبل میں خدا کی اطاعت و عبادت کے ذریعہ خدا سے لَو لگائے رکھو۔...... اور خدا کا فرمانا کہ: "خدا قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ" ہے یعنی جو شخص خدا کی طرف توجّہ کرتا ہے خدا اُس سے دور نہیں رہتا۔ خدا اُس کے بالکل قریب ہے، وہ ہر معافی کا سننے والا اور ہر لَو لگانے والے کی طرف توجّہ دینے والا بھی ہے۔ اور ہر دُعا کا سُننے اور قبول کرنے والا بھی۔ *... (ماجدی)

خدا سے اپنی کوتاہیوں پر دل سے معافی مانگو۔ کیوں کہ خدا اپنے سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

حضورِ اکرم ؐ نے فرمایا: "اگر تم خدا کا کہنا مانو گے تو خدا تمھارا کہنا مانے گا۔" (الحدیث)
*..... (از تفسیر روح البیان)

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۶۲)

اُن لوگوں نے کہا: "اے صالحؑ! تُو تو ہمارے درمیان ایک ایسا (بھلا) آدمی تھا کہ جس سے ہمیں بڑی اچھی اُمیدیں تھیں. تو کیا تُو ہمیں اُن خداؤں کی پوجا پاٹ اور بندگی سے روکنا چاہتا ہے جن کی بندگی اور پوجا پاٹ ہمارے باپ دادا تک کیا کرتے تھے؟ تُو ہمیں جس طرف بُلا رہا ہے اُس کے بارے میں تو ہم کو سخت شک و شُبہ ہے جو ہمارے لیے بہت ہی پریشان کُن ہے۔"

منکرینِ حق کی غلط توقّعات

مطلب یہ ہے کہ اے ہودؑ! تمہاری عقل و فراست کو دیکھ کر ہم یہ سمجھے تھے کہ تم بڑے آدمی بنو گے، خوب مال کماؤ گے، ہم تمہارے مشوروں سے فائدے اُٹھاتے، قوم و قبیلہ ترقّی کرتا، مگر تم نے توحید اور آخرت کا راگ الاپ کر ہماری ساری توقّعات پر پانی پھیر دیا۔

یاد رہے کہ قریش کو حضورِ اکرمؐ سے بھی اسی قسم کے توقّعات تھے۔ وہ بھی رسولؐ کے لیے یہی کہا کرتے تھے کہ نہ معلوم کیا خبط سوار ہو گیا کہ اپنی زندگی برباد کی اور اِس طرح ہماری اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا۔

حضرت صالحؑ تو یہ فرما رہے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اِس لیے کہ اُس نے تم کو پیدا کیا ہے اور زمین کو آباد بھی کیا ہے۔ اتنی معقول بات کے جواب میں کافر کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی طرح جھوٹے خداؤں کی عبادت ترک نہ کریں گے، اِس لیے کہ عبادت ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے چلی آ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکّھی پر مکّھی صرف اِس لیے ماری جاتی رہنی چاہیے کہ ابتداء میں کسی احمق نے اِسی جگہ مکّھی کو مارا تھا۔ *..... (تفہیم القرآن)

۵ "تعمیرِ نَو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اَڑنا :: منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں"
*..... (اقبال)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۖ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ ۶۳

(۶۳) صالحؑ نے کہا: "اے میری قوم! تم نے اِس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے حقانیت کی واضح دلیل کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، اور اُس نے مجھے اپنی طرف سے خاص رحمت (ہدایت) عطا کی ہے، تو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کون کرسکتا ہے، اگر میں اُس کی نافرمانی کروں؟ پھر تم میرے کس کام آسکتے ہو، سوائے اِس کے کہ مجھے اور زیادہ نقصان پہنچاؤ۔

حضرت صالحؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اُس علم کے خلاف جو اللہ نے مجھے دیا ہے، صرف تم کو خوش کرنے کے لیے گمراہی کی زندگی اختیار کرلوں، تو صرف یہی نہیں کہ تم مجھے خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکو گے، بلکہ میرا جُرم اور زیادہ بڑھ جائے گا کہ سیدھا راستہ معلوم ہونے کے باوجود میں نے تمھیں جان بوجھ کر گمراہ کیا۔
*...... (تفہیم القرآن)

خاص رحمت اور واضح دلیل

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ: "اللہ نے مجھے اپنی طرف سے خاص رحمت عطا کی ہے۔" تو یہاں خاص رحمت سے مراد نبوت ہے۔ *...... (بیضاوی)

* "خاص رحمت" سے مراد نبوّت اور حکمت ہے۔ *...... (معالم)

* اور حضرت صالحؑ کا یہ ارشاد کہ "میں اپنے پالنے والے مالک کیطرف سے حقانیت کی واضح دلیل کے ساتھ بھیجا گیا ہوں" یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت پوری طرح روشن ہو چکی ہے۔ *...... (ماجدی)

وَ یٰقَوْمِ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ (۶۴) اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ○ ۶۴

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی طرف کی اونٹنی تمہارے لیے ایک (اللہ کی) نشانی ہے۔ تو اسے خدا کی زمین سے غذا حاصل کرنے دو۔ اسے ذرا بھی نہ چھیڑنا اور نہ (اسے) تکلیف دینا، ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی کہ خدا کا عذاب تم کو آپکڑے گا۔

نسبت کی اہمیت اور غیر اللہ کی تعظیم کا شرک نہ ہونا

"نَاقَۃُ اللّٰہِ" میں جو نسبت "ناقہ" کو خدا کی طرف دی گئی ہے یہ تعظیم کیلئے ہے، جیسے "بیت اللہ" "کعبۃ اللہ" ٭..... (روح)

حضرت صالح علیہ السلام کے ناقہ کو احتراماً "نَاقَۃُ اللّٰہِ" فرمایا گیا ہے۔

"سورۃ الشمس" میں بھی خدا نے حضرت صالح علیہ السلام پیغمبرِ خدا کے ناقہ کو "اللہ کا ناقہ" فرمایا ہے۔ کیونکہ خدا نے اُس اونٹنی کو اپنی قدرت کا نمونہ اور مظہر بنا کر پیدا فرمایا تھا۔ اسی طرح قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی "روح اللہ" فرمایا تھا، وہ بھی اِسی لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلقت اللہ کی قدرت اور عظمت کی دلیل ہے کہ وہ جب چاہے اسباب کے ذریعے پیدا کرے اور جب چاہے بلا اسباب کے پیدا کرسکتا ہے۔

٭..... (فصل الخطاب)

نیز یہ کہ حضرت صالحؑ کے اونٹ کو خدا نے "ناقۃ اللہ" فرما کر لائقِ احترام بنا دیا۔ اِسی لیے حضرت صالحؑ نے فرمایا تھا کہ "اِس ناقہ کی تعظیم کرنا ہوگی"۔ (موضح القرآن)....

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا کہ بیشمار شواہد و دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم مطلقاً شرک نہیں۔ اور پھر جب تعظیم اِس لیے کی جائے کہ کسی چیز کو اللہ سے نسبت حاصل ہے تو ایسی تعظیم خدا کو مطلوب و مرغوب ہے۔ ٭..... (فصل الخطاب) (نوٹ) یاد رہے کہ تعظیم کرنا اور بات ہے، اور عبادت کرنا اور بات ہے۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ ٦٥ (٦٥) مگر انھوں نے اُونٹنی کے پیروں کے پٹھوں کو ایڑی کے پاس سے پیچھے کی طرف سے کاٹ کر اُس کو مار ڈالا۔ اِس پر صالحؑ نے اُن کو خبردار کر دیا کہ بس اب تین دن تک اپنے گھروں میں خوب مزے اُڑا لو۔ یہ ایسا وعدہ (عذاب) ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔

عَقَرَ کے معنی اور قُدار کی نحوست

"عَقَرَ" کے معنی: کونچیں کاٹنا ہے۔

کونچیں پاؤں کے پٹھوں کو کہتے ہیں جو پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح (نحر) کرنا چاہتے تھے تو پہلے اُس کی کونچیں کاٹ دیتے تھے تاکہ وہ بھاگ نہ جائے۔ پھر اُس کو نحر کرتے تھے۔ *..... (لغات القرآن نعمانی جلد ۴ ص ۲۳۵)

جس شخص نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اُس کا نام قُدار بن سالف تھا۔

"قدار بروزن غلام" کے معنی اونٹ نحر کرنے والے کے ہیں۔ یہ لغظ عربی میں نحوست کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: فُلان اشأم مِن قدار یعنی فُلاں شخص قدار سے بھی زیادہ منحوس ہے

*...... (القرآن المبین از مولٰنا امداد علی کاظمی صاحب)

دو شقی ترین آدمی

"دلائل النبوّۃ" میں حضرت عمّار بن یاسر سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "اے علی! شقی ترین آدمی جو گذشتہ اُمّت میں سب سے زیادہ بدبخت تھا اُس کا حال تم سے بیان کروں؟" حضرت علیؑ نے عرض کی ضرور بیان فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ایسے بدبخت دو آدمی ہیں۔ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ والا شخص جس نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ اور دوسرا شقی ترین آدمی (اس میری اُمّت میں) وہ ہوگا جو اے علیؑ! تمھارے سر پر ضرب لگائے گا اُس ضرب سے تمھاری داڑھی تمھارے سر کے خون سے تر ہو جائے گی۔"

*...... (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ ص ۱۰۷)

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۞ (٦٦) چناں چہ جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے صالحؑ کو اور اُنھیں جنھوں نے اُن کا ساتھ دیکر ایمان کی زندگی کو اختیار کر لیا تھا، اپنی طرف کی رحمت کے ذریعہ سے نجات دے کر اُن کو اُس دن کی ذلت سے بچالیا۔ یقیناً تمھارا پالنے والا مالک بہت طاقتور، اور ہر چیز پر غالب ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۞ (٦٧) رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا تھا، تو ایک سخت کڑکدار دھماکے نے اُن کو پکڑ لیا اور وہ اپنے ہی مکانوں میں منھ کے بل، بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے، جیسے کہ وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

(آیت ٦٦) جزیرہ نمائے سینا میں جو روایات مشہور ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قومِ ثمود پر عذاب آیا تو حضرت صالحؑ ہجرت کر کے وہاں سے چلے گئے تھے۔ چناں چہ حضرت موسیٰؑ والے پہاڑ کے قریب ہی ایک اور پہاڑی ہے جس کا نام حضرت صالحؑ کے نام پر رکھا گیا ہے (جبلِ صالحؑ) یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے۔ *...... (تفہیم القرآن)

عذابِ الٰہی کا انجام (آیت ٦٧)۔ جس قوم پر خدا کا عذاب اُترا وہ بالکل بے جان ہو گئی۔ اِسی بے جان ہونے کے مفہوم کو خداوندِ عالم نے "جٰثِمِیْنَ" کے لفظ سے ظاہر فرمایا۔ جس کے معنی ہیں "منھ کے بل گرنا" یا "گھٹنوں کے بل بیٹھنا"۔ اِس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے بیٹھے ہی بے جان ہو گئے۔ *..... (فصل الخطاب)

شیخ الطائفہ نے اِس کے معنی لکھے "منھ کے بل گرنا" *.... (تفسیر تبیان)

قَالُوٓا اِنَّمَآ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾

(۱۵۳) اُنھوں نے جواب دیا: "تجھ پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے،

مَآ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۖۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۵۴﴾

(۱۵۴) تُو ہم جیسے ایک آدمی کے سوا اور کیا ہے؟ پس لے آ کوئی نشانی اگر تو سچّا (پیغمبر خدا) ہے۔"

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَـكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۱۵۵﴾

(۱۵۵) صالحؑ نے فرمایا: "یہ ایک اُونٹنی ہے۔ ایک دن (چشمہ کا سارا) پینے کا پانی اِس کے لیے ہوگا اور ایک مقرّرہ دن تمھیں پانی لینے کا حق ہوگا۔

وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵۶﴾

(۱۵۶) اور (خبردار!) اِسے کوئی دکھ تکلیف نہ پہنچانا، ورنہ تم کو بہت بڑے دن والا سخت عذاب آپکڑے گا۔

آیت ۱۵۳ کی تشریح: "مُسَحَّرِیۡنَ" کے معنی بار بار جادو یا آسیب میں مبتلا ہونے والے کے ہوتے ہیں۔ ----* (تفسیر تبیان)

* دوسرے معنی دھوکہ باز، یا دھوکہ کھایا ہوا کے بھی ہوتے ہیں۔ * (تفسیر مجمع البیان)

* "مسحور" سحر زدہ یعنی دیوانہ، پاگل، مجنون جس کی عقل ماری گئی ہو، وہ بھی جادو کے اثر سے۔ غرض مسحور سے اصل مراد مجنون، پاگل ہوتا ہے۔

* .... (مفردات القرآن امام راغب)

حضرت صالحؑ کی اونٹنی

حضرت صالحؑ کی قوم نے آپؑ سے فرمائش کی کہ اگر تم سچے پیغمبر خدا ہو تو اس پتھر سے دس ماہ کی حاملہ سرخ رنگ کی اونٹنی پیدا کرو۔ چنانچہ حضرت صالحؑ نے خدا سے دعا کی، اونٹنی پیدا ہوئی۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے اس اونٹنی سے بچہ پیدا ہو۔ آپؑ کی دعا سے بچہ پیدا ہوا جو اپنی ماں کی قد و قامت سے طویل و عریض تھا۔ غریبوں کا ایک طبقہ یہ معجزہ دیکھ کر مومن ہو گیا۔ لیکن متکبرین کا طبقہ اپنے کفر پر ہی ڈٹا رہا۔ بہر حال حضرت صالحؑ نے قوم سے کہا کہ چشمے (یا حوض) کا پانی ایک دن اس اونٹنی کے لیے ہوگا، اور دوسرے دن تمہارے مویشی وغیرہ اس سے پانی پئیں گے۔

قوم کے کچھ بدمعاش حضرت صالحؑ کے مخالف ہو گئے تھے۔ اس لیے اُن مخصوص مرد و زن نے اونٹنی کو قتل کرنے کی ٹھان لی، اور قدار اور مصدع نامی دو بدمعاشوں کو خوبصورت عورتوں سے شادی کا لالچ دلا کر اونٹنی کے قتل پر تیار کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جب اونٹنی چشمے سے پانی پی کر واپس ہوئی تو مصدع نے اس کے پیر میں تیر مارا اور قدار نے پچھلے پیروں کے پٹھے (یعنی کونچیں) کاٹ ڈالیں۔ قدار کی محبوبہ قطام نامی خوبصورت عورت تھی، وہ بھی موقع پر موجود تھی، اس نے قدار کو مزید اُکسایا اور قدار نے ایک تیر اونٹنی کے پیٹ پر مارا اونٹنی چیختی چلاتی ہوئی زمین پر گری۔ تمام شہر کے لوگوں نے اُس کا تکا بوٹی کر کے گوشت تقسیم کر لیا اور خوب کھایا۔

اونٹنی کے بچے نے یہ دیکھا تو دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور آسمان کی طرف منھ کر کے تین بار اتنے زور سے چیخا کہ لوگوں کے دل تھر تھرانے لگے۔ لوگ حضرت صالحؑ سے معذرت کے لیے آئے۔ اللہ نے وحی فرمائی کہ اے صالحؑ! ان سے کہہ دو کہ اگر یہ واقعی توبہ کر لیں تو میں اب بھی توبہ کو قبول کر لوں گا، ورنہ ان پر عذاب آئے گا۔ اس قوم کے لوگ اور زیادہ سرکشی پر اُتر آئے اور بجائے توبہ کے کہنے لگے: "لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: اے قوم والو! تم نے عذاب مانگا ہے تو سنو!

"کل تمہارے منہ زرد ہو جائیں گے، پرسوں سرخ ہوں گے اور تیسرے دن تمہارے منہ سیاہ ہوں گے"

پس پہلے دن اُن کے چہرے زرد، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔ اُن لوگوں کو عذاب کا یقین ہو گیا تو انھوں نے کفن پہن لیے اور حنوط کر لیا۔ پھر آدھی رات کو جبرئیلؑ نے "صیحہ" یعنی سخت چیخ ماری جس سے اُن کے کان اور دل و جگر پھٹ گئے اور سب کے سب گر گر مر گئے۔ صبح کو آسمان سے آگ نازل ہوئی، جس نے اُن کی لاشوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

(از تفسیر انوار النجف جلد ۶ ملخص) ......

شقی ترین دو آدمی تھے

★ ثعلبی سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا:

"اے علیؑ! تم جانتے ہو کہ اولین میں سے شقی ترین کون تھا؟" عرض کی: اللہ اور اُس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں

(۱) پس آنحضرتؐ نے فرمایا: "وہ، وہ شخص تھا جس نے ناقۂ صالحؑ کو پے (قتل) کیا تھا۔" پھر فرمایا: "آخرین میں شقی ترین کون ہوگا؟" عرض کی: "اللہ اور اُس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔"

(۲) پس آنحضرتؐ نے فرمایا: "وہ، وہ ہوگا جو اے علیؑ تم کو قتل کرے گا۔ حضورؐ نے حضرت علیؑ کے سر اور ریش مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "مَنْ يَّخْضِبُ هٰذِهٖ مِنْ هٰذِهٖ"۔ یعنی جو داڑھی کو سر کے خون سے خضاب و رنگین کرے گا۔

(تفسیر انوار النجف جلد ۶ ص ۵۵) .....

آیت ۱۵۶ کی تشریح: "سُوْءٌ" کے معنی تکلیف، بُرائی، آفت، گناہ کے ہوتے ہیں۔ ہر بُرے کام یا عیب کو بھی "سُوْءٌ" کہتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

★ علامہ سید مرتضیٰ زبیری نے لکھا کہ یہ لفظ تمام آفتوں اور بیماریوں کا جامع ہے (تاج العروس)

★ معجزے کے مطالبے پر اُس اونٹنی کو پیش کرنا بتا رہا ہے کہ وہ عام اونٹنی نہ تھی، بلکہ اُس کی پیدائش اور اُس کا قد و قامت سب معجزانہ تھا۔ (یعنی محیر العقول، جو عقول کو حیرت و استعجاب میں ڈال دے۔)

(تفہیم القرآن) .....

اِس لیے خدا نے فرمایا: "یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے خدا کی نشانی (یا) معجزہ ہے۔"

(سورۂ ہود) ..

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا (۱۵۷) مگر اُنھوں نے اُس راونٹنی، کے نٰدِمِیْنَ ۝ پچھلے پیروں کے پٹھے کاٹ ڈالے اور بہت پچھتائے۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ (۱۵۸) پس اُن کو عذاب نے آن پکڑا۔ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ حقیقتاً اِس میں ایک نشانی ہے اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ مگر اُن میں کے اکثر ماننے والے نہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ (۱۵۹) اور یہ حقیقت ہے کہ تمھارا پالنے الرَّحِیْمُ ۝ والا مالک بڑا زبردست طاقت والا عزت والا بھی ہے، اور بیحد مسلسل رحم کرنے والا بھی۔

آیت ۱۵۷ کی تشریح: ناقۂ صالحؑ کو قتل کرنے والوں کی شرمندگی اس لیے کام نہ آئی کہ انھوں نے اپنے گناہ کی تلافی ایمان لانے سے نہ کی۔ اسی لیے عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ توبہ کے لیے صرف طبعی شرمندگی کافی نہیں ہوتی، بلکہ عقلی ندامت اور اصلاحِ عمل بھی ضروری ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

(۲۱) اور اُنھیں ذرا عاد کے بھائی (ہُود) کا قصہ تو سناؤ جبکہ اُس نے احقاف میں اپنی قوم کو بُرے انجام سے ڈرایا تھا جبکہ بہت سے ایسے خبردار کرنے والے (رسولؑ) اُن سے پہلے بھی گذر چکے تھے اور اُن کے بعد (یہی پیغام لے کر) آئے کہ: "اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں تمھارے لیے ایک بڑے سخت دن کی سزا سے ڈرتا ہوں۔"

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾

(۲۲) اُنھوں نے کہا: "اچھا تو کیا تو اِس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے خداوں سے ہٹا دے؟ تو لے آ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تُو ڈراتا دھمکاتا ہے اگر تُو (ہی) سچا ہے۔"

"احقاف" "حقف" کی جمع ہے۔ عربی میں حقف ایسے ریتیلے مستطیل اور اونچے میدانوں کو کہتے ہیں جس کے اونچے نیچے ٹیلے ہوں۔ (تفسیر صافی۔ مفردات القرآن راغب)

★ "اَحقاف" سے یہاں مراد قومِ عاد کا علاقہ ہے جو شقوق سے اجفر تک چار منزلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ خداوندِ عالم نے حضرت ہودؑ پیغمبر کو یہاں بھیجا۔ مگر لوگوں نے دولتمند ہونے کی وجہ سے اُن کی ایک نہ سنی۔ خداوندِ تعالیٰ نے تنبیہ کے طور پر سات سال کے لیے بارش کو روک دیا جس سے قحط پڑ گیا۔ مگر وہ پھر بھی نہ مانے۔ آخرِ کار اُن کے تمام شہروں سے برکت اُٹھ گئی۔

حضرت ہودؑ نے لاکھ سمجھایا، ڈرایا کہ اب تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو، ہوش میں آجاؤ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لَوٹ آؤ۔ مگر انھوں نے ایک نہ سُنی۔

آخرِ کار خداوندِ عالم نے حضرت ہودؑ کو وحی فرمائی کہ اب ان پر ہوا کے ذریعہ بڑا عذاب آئے گا۔ کچھ دیر بعد بادل اُمڈ آئے۔ پوری قوم ناچنے گانے لگی۔ مگر اُن بادلوں سے بارانِ رحمت کے بجائے خوب خوب آگ برسی۔ اِس سے قبل حضرت ہودؑ مومنین کو لے کر وہاں سے محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ ہوا نے اُن منکروں کی لاشیں پہلے مٹی میں دبائیں۔ پھر مٹی بنا کر لاشوں کو سمندر میں پھینک دیا۔

(تفسیر قمی۔ تفسیر کبیر، تفسیر نمونہ۔ تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر انوار النجف)

حضرت ہودؑ کا پیغام

(۱) حضرت ہودؑ کا پیغام "لَا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ" تھا یعنی: (اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔) یعنی: عاجزانہ اطاعت نہ کرو۔

یہ خالص توحید کا پیغام ہے۔

(۲) پھر فرمایا: "میں تمھارے بارے میں ایک بڑے دن کی سزا سے ڈرتا ہوں"۔ گویا قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے۔ مگر قوم نے کہا: "کیا تو اِس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دے۔"

(۳) حضرت ہودؑ نے لاکھ سمجھایا کہ اب تو خدا سے معافی مانگ لو اور اُس کی طرف (اطاعت کی طرف) لَوٹ آؤ۔ (القرآن سورۃ ہود آیت ۵۲ پ ۱۲)

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ (۲۳) ہوؔد نے فرمایا: "اُس (عذاب کے آنے)

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے، میں تو بس

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تم تک اُس کا پیغام کو پہنچا رہا ہوں جسے

تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، مگر میں دیکھ رہا

ہوں کہ تم جہالت سے کام لے رہے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ (۲۴) پھر جب اُنھوں نے (عذاب کو) ایک بادل

اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف آتا

عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ دیکھا، تو کہنے لگے: "آہا! یہ تو

مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ بادل ہے جو ہم پر خوب پانی برسائے گا۔"

فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ نہیں، بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے

تم جلدی مچا رہے تھے، یہ ایک ہوا ہے جس میں

بڑی سخت تکلیف دینے والی سزا ہے۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا (۲۵) جو اپنے مالک کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

کر کے رکھ دے گی، پھر اُن کا حال یہ ہوگیا کہ اُن کے مکانات کے سوا وہاں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرم گناہگاروں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ٘ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ

(۲۶) جبکہ ہم نے اُنھیں ایسی حکومت یا اقتدار دیا تھا جو تمھیں نہیں دیا۔ پھر اُن کو ہم نے (سننے والے) کان (دیکھنے والی) آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے والا) دل و دماغ بھی دیا تھا۔ مگر نہ تو اُن کے کانوں نے اُنھیں کوئی فائدہ پہنچایا، اور نہ اُن کی آنکھیں اور دل اُن کے کچھ کام آئے، کیوں کہ وہ اللہ کی دلیلوں، حقیقتوں نشانیوں

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور آیتوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے تھے
پھر انھیں اُسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق
اُڑایا کرتے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ
مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

(۲۷) اور (اِسی طرح) ہم نے تمھارے چاروں
طرف کی بستیوں کو بھی ہلاک و برباد
کیا (پہلے) ہم نے اپنی دلیلیں اور آیتیں
بھیج بھیج کر طرح طرح سے اُن کو سمجھایا، تاکہ شاید
وہ اپنی (بُری حرکتوں سے) پلٹ آئیں۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ
بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ
اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

(۲۸) پھر کیوں اُن جھوٹے خداؤں نے اُن کی
مدد کی جنھیں اُنھوں نے اللہ کے قُرب کا ذریعہ
سمجھتے ہوئے اپنا خدا بنا رکھا تھا؟ بلکہ وہ تو
اُن کے پاس سے غائب ہو گئے اور یہ محض اُن کی گھڑی
ہوئی بات تھی۔

★ فرزندِ رسولِ خدا امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ہماری شفاعت، بغیر خداوندِ عالم کی اطاعت کے تم تک نہیں پہنچ سکتی۔" (اصول کافی) یعنی: ہم خدا کی اجازت سے صرف اور صرف اُن کی شفاعت کر سکتے ہیں جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ البتہ اس میں کچھ کمی یا خامی رہ جاتی ہے۔ اس کو ہم شفاعت سے پورا کر دیں گے۔ (مؤلف)

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا (۶۰) (انجام یہ ہوا کہ) اُن کے پیچھے لگادی گئی لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۠

خدا کی لعنت اور پھٹکار، اِس دنیا میں بھی، اور قیامت کے دن بھی۔ تو سُنو! اور آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک قومِ عاد نے اپنے پالنے والے کو نہ مانا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ (نتیجتاً) قوم عاد جو ہودؑ کے قوم والے تھے خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے۔

خدا کا فرمانا کہ " اُن کے پیچھے دنیا میں بھی لعنت لگادی گئی اور آخرت میں بھی "۔ اس سے محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ہم کو بُروں کو بھی بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ شیطان پر بھی لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ ایسی صلح کل خدا کو پسند نہیں۔

* ...... (فصل الخطاب)

* حضور اکرمؐ نے فرمایا: " جو اپنے والدین کو لعنتی کہتا ہے، یا غیر خدا کا نام لیکر جانور ذبح کرتا ہے، مجرم کو پناہ دیتا ہے، یہ سب ملعون ہیں "۔ (الحدیث)

دوسری حدیث میں حضور اکرمؐ نے فرمایا: " سود خور، سود کی تحریر لکھنے والے، اُس کے گواہ، زکوٰۃ نہ دینے والے، حلالہ اور جس کے لیے حلال کیا جاتے سب پر خدا لعنت بھیجتا ہے "۔ (الحدیث)

* ..... (تفسیر روح البیان)

نیز حضور اکرمؐ نے فرمایا: " اللہ رشوت لینے والے، دینے والے، اور رشوت دلانے والے دلال پر لعنت بھیجتا ہے "۔ (الحدیث) از تفسیر روح البیان)

نیز حضور اکرمؐ نے فرمایا: " اللہ شراب پر، شراب پینے والے پر، اُسے پلانے والے پر، اُس کے بیچنے اور خریدنے والے پر، اُس کے اٹھانے والے اور جس کے لیے اٹھائی جائے، اور اُس کے نفع کھانے والے، سب پر لعنت بھیجتا ہے "۔ (الحدیث) از تفسیر روح البیان)

نیز حضورِ اکرم ؐ نے فرمایا:

* دنیا اور اہلِ دنیا ملعون ہیں، سوا اللہ کا ذکر کرنے والے، خدا سے محبت کرنے والے، اور عالمِ دین اور طالبِ علم کے۔ (الحدیث)

*۔۔۔۔ (از تفسیر روح البیان)

* نیز اللہ نے قرآن میں بدکار کو بُرا کہا، فاسق کو فاسق کہا، کافر کو کافر اور مشرک کو مشرک کہا۔ کسی سے بیزاری کی، کسی پر لعنت بھیجی، کسی نافرمان پر عذاب نازل فرمایا۔

* شیطان اپنی نافرمانی کے سبب سے سب سے پہلا لعنتی ہے۔

* ظالموں پر اللہ نے لعنت کی۔

* جھوٹوں پر اللہ نے لعنت کی۔

* مشرکوں، عہد توڑنے والوں اور کافروں سے برأت و بیزاری کا اعلان فرمایا۔

* ابولہب اور اُس کی زوجہ کو بُرا کہا۔

* پیغمبروںؑ کی نافرمان ازواج پر عذاب بھی کیا، بُرا بھی کہا۔ وغیرہ وغیرہ

* روایت ہے کہ جب خدا نے قومِ عاد کو برباد کیا اور ہودؑ اور اُن کے ساتھیوں کو نجات بخشی تو حضرت ہودؑ اپنے ساتھیوں سمیت مکّہ تشریف لے آئے۔ باقی تمام زندگی وہیں گذاری۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر روح البیان)

* ہر نبیؑ جس کو اُس کی اُمت جھٹلاتی، وہ پھر مکّے آجاتا تھا۔

*۔۔۔۔۔ (انسان العیون۔ فتوح الحرمین)

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (۵۹)

یہ تھا وہ قبیلۂ عاد جس نے جان بوجھ کر اپنے پالنے والے مالک کی باتوں، نشانیوں اور دلیلوں کا انکار کیا تھا اور خدا کے رسولوں کی بات کو نہ مانا تھا اور ہر ہٹ دھرم، سرکش، جابر دشمنِ حق کے پیچھے پیچھے ہو لیے تھے۔

انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے دشمن اور دوست

قومِ عاد کا علاقہ بادیہ میں مشرق سے اجفر تک چار منزل میں تھا۔ وہاں زراعت اور باغات بڑے اچھے تھے۔ اُن لوگوں کی عمریں بھی بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ اُن کے جسم بھی بڑے بڑے تھے۔ وہ سب بُت پرست تھے۔ وہ لوگ حضرت ہودؑ پر کسی طرح ایمان نہ لائے۔ بلکہ اُن کو تکلیفیں دیں۔ اللہ نے سات سال کے لیے اُن سے بارش کو روک دیا۔ قومِ عاد کے لوگ حضرت ہودؑ کو اُن کے کھیتوں پر ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ حضرت ہودؑ کے گھر سے ایک چشم ادھیڑ عمر عورت نکلی۔

اُس نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟

اُنھوں نے کہا: ہم فُلاں فُلاں شہر کے رہنے والے ہیں۔ سخت قحط میں مبتلا ہیں۔ ہم لوگ حضرت ہودؑ کی خدمت میں آئے ہیں کہ وہ بارش کے لیے خدا سے دُعا فرمائیں۔

اُس عورت نے کہا کہ ہودؑ اگر ایسے ہوتے تو خود اپنے ہی لیے دُعا کرتے۔ خود اُن کی کھیتی ساری کی ساری جل چکی ہے۔

اُن لوگوں نے کہا: اچھا: تم یہ بتادو کہ وہ کہاں ہیں؟ — اُس نے بتادیا۔ تب وہ حضرت ہودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے نبی اللہ! ہمارے ملک میں سخت قحط پڑا ہے۔ آپ خدا سے بارش کے لیے دُعا فرمائیں۔" حضرت ہودؑ نے نماز پڑھی، پھر دُعا کی۔ پھر فرمایا: جاؤ بارش کافی ہوگی۔ اور

تمھارے ہاں ارزانی ہوگی"۔ تب اُنھوں نے اُس کانٹری (کافی) عورت کا قصّہ اُن کو سنایا۔

حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ وہ میری بیوی ہے۔ میں نے خدا سے اُس کی طولِ عمر کی دعا کی ہے۔

اُنھوں نے پوچھا: کیوں؟

حضرت ہودؑ نے فرمایا: کوئی مومن ایسا پیدا نہیں ہوتا جس کی ایذا کے لیے کوئی دشمن موجود نہ ہو۔ وہ میری دشمن ہے۔ پس میں نے یہی چاہا کہ میرا دشمن کم سے کم ایسا تو ہو جو میرے ماتحت رہے۔

غرض حضرت ہودؑ اپنی قوم کو برسوں بت پرستی سے روکتے رہے، خدا کی طرف بلاتے رہے۔ مگر وہ نہ مانے۔ تو خدا نے اُن کی طرف بادِ صرصر بھیج دی۔ جس کا ذکر سورۂ قمر اور سورۃ الحاقہ اور سورۂ اعراف میں موجود ہے۔ (" وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ..." (سورۃ الحاقہ آیت ۶-۷)

یعنی: "اور جو قومِ عاد تھے وہ ایک یخ بستہ طوفانی آندھی سے ہلاک کیے گئے جسے اللہ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رکھا..."

..... (تفسیر صافی ص۲۳۷ بحوالہ تفسیر قمی)

ایک کا انکار سب کا انکار

اگرچہ اُن کے پاس صرف ایک نبیؑ آیا تھا جس کا اُنھوں نے انکار کیا۔ مگر خدا نے فرمایا: "اُنھوں نے رسولوںؑ کی بات نہ مانی" یہ اِس لیے فرمایا کہ چاہے کسی ایک نبیؑ کی تکذیب کی جائے تو وہ بھی سارے انبیاء کی تکذیب ہوتی ہے کیونکہ ہر نبیؑ ایک ہی پیغام لاتا ہے۔ اِس لئے اُس کا انکار سارے انبیاءؑ کا انکار ہوتا ہے۔ ..... (تفہیم القرآن)

بمصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ✧ اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است
..... (اقبال)

یعنی: (خود کو محمد مصطفےٰؐ تک پہنچاؤ کہ سارا دین اُن ہی سے ملتا ہے۔ وہی مجسمۂ دین کل ہیں۔ اگر اُن تک نہ پہنچے تو پھر سب کفر ہی کفر ہے)

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ (۵۱) اے میری قوم والو! اِس (ہدایت کے)
اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى کام پر تو میں تم سے کوئی اُجرت بھی نہیں
الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ مانگتا۔ میرا اجر و معاوضہ تو اُس (خدا)
کے ذمّے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ آخر تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟

مطلب یہ ہے کہ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ اگر تم عقل سے کام لیتے تو ضرور سوچتے کہ جو شخص بے غرض ہو کر، بغیر کسی ذاتی فائدہ کے تم کو نصیحتیں کر رہا ہے اور سخت سے سخت ترین مشقتیں جھیل رہا ہے، وہ ضرور اپنے پاس علم و یقین کی کوئی ایسی ... ما ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر، اپنی دنیا بنانے کی فکر سے بے پرواہ ہو کر اپنے آپ اُن مصیبتوں کے طوفان میں ڈال رہا ہے اور دنیا بھر کی دشمنی مول لے رہا ہے۔ ایسے مخلص، سچے کھرے انسان کی بات ہرگز اتنی بے وزن نہیں ہو سکتی کہ بغیر سوچے سمجھے اُسے یوں ہی ٹال دیا جائے اور اُس پر غور کرنے کی ذرا سی تکلیف بھی ذہن کو نہ دی جائے۔ * ...... (تفہیم القرآن)

* انبیاءؑ اپنی ہدایت کے کام پر قوموں سے کبھی اُجرت نہیں مانگتے، اِس لیئے کہ ہدایت کا کام ایسا نہیں کہ جس پر لوگوں سے اُجرت مانگی جائے۔ اِس کام کی کوئی انسان اُجرت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ اِس کی اُجرت تو صرف خدا ادا کر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ جو ہادی اپنے پیروکاروں سے اُجرت مانگے گا، پھر اُس کی قوم کے سامنے وقعت ہی کیا رہ جائے گی؟ پھر قوم اُس کی بات کیوں سُنے اور مانے گی؟ *.. (روح المعانی)

پھر اُس میں اور بندر نچانے والے میں فرق ہی کیا رہ گیا؟ ہدایت کا کام طمع اور لوگوں سے فائدوں کی توقعات رکھنے کی ضد ہے۔ * ..... (مؤلف) * شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

؎ رو مکن سعدیا دیدہ بر دستِ کس ∴ کہ بخشندہ پروردگار است و بس " یعنی اے سعدی! کسی سے کوئی اُمید نہ رکھو، کیونکہ پالنے والا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔ وہی بخشش والا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ٥٢

(۵۲) اور اے میری قوم! اپنے پالنے والے مالک سے معافی مانگو، پھر اُسی کی طرف پلٹ کر صرف اُسی سے لَو لگاؤ۔ تو وہ تمہاری طرف (اپنی نعمتوں کی) خوب موسلا دھار برستی ہوئی گھٹا بھیجے گا، اور تمہاری قوت میں اور قوت بڑھا دے گا۔ (اس لیے) تم مجرموں کی طرح (خدا سے) منھ نہ پھیرو۔

نتائج محققین نے اِس آیت سے نتیجے نکالے: (۱) دنیا میں بھی ترقی اور زوال کا دار و مدار صرف مادّی بنیادوں پر نہیں ہوتا، قوموں کی قسمتوں کا اُتار چڑھاؤ اخلاقی بنیادوں پر ہوتا ہے

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی فرد یا قوم لاکھ بُری کیوں نہ ہو، اگر اپنی غلطی کو محسوس کرلے اور خدا کی نافرمانی چھوڑ کر خدا کی بندگی اور اطاعت کی طرف پلٹ آئے تو اُس کی قسمت بھی پلٹ جاتی ہے اُس کی مہلتِ عمل میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔ پھر اُسے سزا کے بجائے انعام، ترقی اور سرفرازی عطا کی جاتی ہے۔ ......* (تفہیم القرآن)

(۳) تیسرا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے ہاں قوم یا فرد اگر اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے تو اُس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "جو شخص اپنے گناہوں پر صدقِ دل سے معافی مانگتا ہے لاذنب له اُس پر کوئی گناہ باقی ہی نہیں رہتا۔ وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے اُس نے کوئی گناہ کبھی کیا ہی نہ تھا۔"
*...... (تحف العقول)

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے ؞ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

* امام غزالی نے خوب لکھا کہ گناہ کا داغ اگر دامن پر پڑجائے تو اُس کے صرف دو ہی علاج ہیں

(۱) یا وہ داغ جہنّم کی آگ سے مٹتا ہے (۲) یا پھر آنسو کے اُس قطرے سے مٹتا ہے جو خدا کے سامنے اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر بہایا جائے۔

* ...... (احیاء العلوم)

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"شرمندگی کے آنسو کا ایک قطرہ جہنّم کو بجھانے کے لیے کافی ہے۔"

* ..... (مفاتیح الجنان)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ استغفار کرو ماضی کے گناہوں اور کوتاہیوں پر، اور مستقبل کے لیے اللہ کی طرف رُجوع کرو (تاکہ وہ اپنی رحمت اور توجّہ کے ذریعے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی عطا فرمائے)

* .... (ماجدی)

مال اور اولاد کی وسعت کا طریقہ

خدا کا فرمانا: "اگر تم استغفار کرو گے تو وہ تمھاری قوّت میں اور قوّت بڑھا دے گا" اِس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے کہ:

"معاویہ کا دربان حضرت امام حسن علیہ السّلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض گذار ہوا: کہ بے اولاد ہوں مجھے کوئی طریقہ بتائیے کہ صاحبِ اولاد ہو جاؤں۔"

آپ نے اُسے کثرت سے استغفار پڑھنے، یعنی گناہوں سے خدا کی جناب میں معافی مانگنے کا مشورہ دیا، پھر تو وہ کبھی کبھی ایک دن میں سات سو مرتبہ استغفار پڑھ لیا کرتا تھا۔ لہٰذا اِس استغفار کی برکت سے خدا نے اُس کو بِیس بیٹے دیے۔ جب معاویہ کو یہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے خط کے ذریعے سے حضرت امام حسن علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ آپؑ کو یہ طریقہ کہاں سے معلوم ہوا؟ حضرت امام حسن علیہ السّلام نے جواب میں یہی آیت تحریر فرمائی، اور یہ بھی لکھا کہ:

"یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ" "تمھاری قوّت میں اور قوّت بڑھا دے گا"

یعنی: اولادِ نرینہ انسان کی طاقت میں اور طاقت کا اضافہ ہے۔"

* .... (تفسیر روح البیان)

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۵۳

(۵۳) اُنھوں نے جواب دیا: "اے ہودؑ! (اوّل تو) تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لائے ہی نہیں ہو، اور (اگر لائے بھی ہوتے تو بھی) ہم تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو تو چھوڑنے والے نہیں ہیں. اور نہ ہم تمھیں ماننے ہی والے ہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۵۴

(۵۴) ہم تو بس یہ سمجھتے ہیں کہ تمھارے اوپر ہمارے ہی خداؤں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے"۔ ہودؑ نے کہا: "میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں قطعی لاتعلق اور بالکل بیزار ہوں اُن سے جن کو تم نے خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے۔

(آیت ۵۳): بَيِّنَةٍ: واضح دلیل لانے سے کافروں کی مراد دلیلِ عقلی نہیں۔ توحید پر دلیلِ عقلی تو بیشمار موجود ہیں۔ اُن جاہلوں کا دلیل لانے سے مراد معجزات، خوارقِ عادات اور عجائبات اور انوکھے نرالے تماشے دکھانا ہوتا ہے۔

(آیت ۵۴) .... (ماجدی)

کافروں کی ذہنیت کافروں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ: اے ہودؑ! تو نے ضرور کسی دیوی دیوتا کے آستانے پر کچھ گستاخی کی ہوگی۔ اُسی کا خمیازہ تو بھگت رہا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے اور اُنھیں بستیوں میں جہاں کل تک تو عزت کی زندگی گذار رہا تھا، وہاں آج تیری خاطر مدارات گالیوں اور پتھروں سے کی جا رہی ہے۔

حضرت ہودؑ کی دلیل اور حضرت ہودؑ کا یہ فرمانا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ میں کوئی ثبوت، شہادت

یا گواہی نہیں لایا، حالانکہ میں تو سب سے بڑی گواہی خدا کی پیش کر رہا ہوں جو کائنات کے گوشے گوشے میں جلوہ نما ہے اور اُس کی قدرت حکمت، عظمت کی گواہی ذرہ ذرہ دے رہا ہے اور اس کی ساری تجلیات بھی گواہی دے رہی ہیں کہ جو حقیقتیں ہیں تمھارے سامنے بیان کر رہا ہوں، وہ سراسر حق ہیں۔ ان میں جھوٹ کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ اور جو تصوّرات تم نے گھڑ رکھے ہیں اُن میں ذرّہ کی برابر بھی سچّائی نہیں۔

اور آخر میں حضرت ہودؑ کا یہ فرمانا کہ "میں شرک سے بیزار ہوں" وہ اُس بات کا جواب ہے جو کافروں نے کہی تھی کہ "ہم کسی طرح اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں"۔ فرمایا: "پھر میرا بھی فیصلہ سن لو کہ میں تمھارے جھوٹے خداؤں سے قطعی بیزار ہوں۔

*۔۔۔۔۔۔ (تفہیم القرآن)

* اسی عمل کو اصطلاح میں تبرّا (برأت) کہا جاتا ہے جو قرآن کے اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ یعنی: شرک، کفر، نفاق اور ظلم سے بیزاری، علیحدگی اور عدم تعلق کو تبرّا کہتے ہیں۔

*۔۔۔۔ (مؤلف)

جاہلی ذہنیت اور اُس کا منہ توڑ جواب

کافروں اور مشرکوں کا یہ کہنا کہ "ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے" اس کا مطلب یہ ہے کہ:

ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ تم ہمارے بتوں کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تم کو کسی جرم پر سزا دی ہے، کوئی سخت مار ماری ہے، اور اُس کے انتقام میں تم اُن کی مخالفت کر رہے ہو۔ یہ جاہلی ذہنیت کی کیسی واضح ترجمانی ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

* اِس کے جواب میں حضرت ہود علیہ السّلام نے فرمایا کہ: "بھلا یہ بے چارے بُت میرا کیا بگاڑ سکتے تھے کہ میں اِن سے انتقام لیتا۔ یہ تو خود بے حس، کمزور ہیں، یہ غریب بھلا کسی کو کیا تکلیف پہنچا سکتے ہیں، اِن میں تو کوئی سکت ہی نہیں"۔

*۔۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا (۵۵) ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ ۵۵ تو تم سب مل کر میرے خلاف خفیہ ترکیبیں اور چالیں چلو اور مجھے ذراسی بھی مہلت نہ دو۔

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۵۶ (۵۶) میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی پالنے والا مالک ہے اور تمھارا بھی پالنے والا مالک ہے۔ کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی کے بال (چوٹی) اُس کے قبضہ میں نہ ہوں۔ بیشک میرا پالنے والا مالک سیدھے راستے پر ہے۔

حضرت ہودؑ کے فرمانے کا مطلب

(آیت ۵۶) آپؑ کا مطلب یہ ہے کہ:

"میرا خدا جو کچھ بھی کرتا ہے بالکل صحیح کرتا ہے۔ اُس کا ہر کام سیدھا اور درست ہوتا ہے (اُس کا کوئی کام غلط نہیں ہوتا) اُس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ بلکہ وہ سراسر حق اور عدل کے ساتھ خدائی کر رہا ہے، اِس لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تم گمراہ رہو، بدکاریاں کرتے رہو، بدمعاشیاں پھیلاتے رہو اور پھر نجات بھی پا جاؤ۔ اور میں سچّا، کھرا، راستباز اور نیکوکار رہو کر بھی نقصان میں رہوں۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔

★ ..... (تفہیم القرآن)

★ خدا کا فرمانا کہ: "کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں، مگر یہ کہ خدا اُس کی پیشانی کے اوپر کے بالوں کو پکڑے ہوئے ہے" تو یہ اِس لیے فرمایا کہ اگر کسی کی پیشانی کے اوپر کے بال پکڑ میں آ جائیں تو وہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے۔ اِس لیے پیشانی کے بالوں کو پکڑنے سے مراد کسی پر پورے پورے طور پر قابو پالینا یا کامل اقتدار رکھنا ہے۔ یہ کسی کی انتہائی تذلیل بھی ہے۔ ★ (تفسیر تبیان)

★ اور خدا کا یہ فرمانا کہ "یقیناً میرا پالنے والا مالک سیدھے راستے پر ہے"۔
اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدا جو کچھ بھی کرتا ہے بالکل ٹھیک کرتا ہے۔
★...... (فصل الخطاب)

★ اِس کے دوسرے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ: خدا حق اور عدالت کے راستے پر ہے۔
★...... (تفسیر جلالین)

★ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا: "یعنی خدا حکیم است" یعنی خدا حکیم ہے۔
★...... (فتح الرحمان، تفسیر تبیان)

★ مگر شاہ ولی اللہ صاحب کے بیٹے شاہ عبدالقادر نے اس کا عجیب مطلب لکھا ہے: یعنی
"جو سیدھی راہ پر چلے وہ اُس سے (خدا سے) ملے"۔
★...... (موضح القرآن)

توحید کی حقیقت بزبانِ حضرت ہودؑ

غرض حضرت ہودؑ نے جو توحید پر یہاں تقریر فرمائی ہے، وہ ایک مبلّغِ توحید کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ کامل ہے۔ توحید کی حقیقت یہی ہے کہ:

(۱) اللہ کو سب کا پالنے والا مالک مانا جائے۔ (۲) اُسی پر بھروسہ کیا جائے۔

(۳) یہ مانا جائے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اُردو محاورہ میں اِس کو اِس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کوئی خدا کی اجازت کے بغیر کان تک نہیں ہلا سکتا۔ کائنات کی ہر ہر چیز خدا کی قدرت اور حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ اِسی بات کو عربی محاورے کے مطابق اِس طرح کہہ سکتے ہیں کہ "کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں جس کی پیشانی کے بال خدا کے ہاتھ میں نہ ہوں"۔
★...... (تفسیر کبیر)

★ "نقد النصوص" میں ہے کہ ذاتِ خدا درحقیقت تمام افعال اور اختیارات کا مصدر ہے۔"
★...... (تفسیر روح البیان)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ ٥٧

(٥٧) اگر تم (اُس سے) منھ پھیرتے ہو تو (پھیرلو) میں نے وہ پیغام تمھیں پہنچا ہی دیا ہے، جس کو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اب میرا پالنے والا مالک تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اُس کا کچھ بھی تو نہ بگاڑ سکو گے (کیونکہ) بلاشبہ میرا مالک ہر چیز پر پوری پوری طرح محاسب و نگراں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ٥٨

(٥٨) پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آہی گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہودؑ کو اور جو اُن کا ساتھ دے کر اُن کو دل سے مان گئے تھے، نجات دے کر ایک بہت ہی سخت عذاب سے بچا لیا۔

(آیت ٥٧) یہ آیت کافروں کی اُس بات کا جواب ہے کہ ہم تجھ پر کسی طرح ایمان لانے والے نہیں ہیں۔
*...... (تفہیم القرآن)

★ کسی نے ارسطو سے پوچھا کہ بادشاہوں کے لیے عدل ضروری ہے یا شجاعت؟ ارسطو نے کہا: بادشاہ اور صاحبِ اختیار اگر عدل کرے تو پھر اُسے شجاعت کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔
*..... (تفسیر روح البیان)

(آیت ٥٨) خدا کا فرمانا کہ "ہم نے اُن کو ایک سخت عذاب سے بچا لیا"۔ تو سخت عذاب سے یہاں مراد آخرت کی سخت سزا ہے جس سے حضرت ہودؑ اور اُن کے ساتھیوں کو خدا نے اُن کے ایمان کی وجہ سے بچا لیا۔ (تفسیر کبیر)

پہلی نجات سے مراد عذابِ دُنیا سے بچانا ہے۔ اور دوسری نجات سے مراد عذابِ آخرت کے عذاب سے بچانا ہے۔
*........ (تفسیر کبیر)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ؕ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۸۵﴾

اور (شہر) مَدیَن کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا)۔ اُنھوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو (کیونکہ) اُس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمھارے پاس تمھارے پالنے والے مالک کی صاف اور کھلی ہوئی دلیل اور ہدایت آگئی ہے۔ تو ناپ تول پوری پوری کیا کرو۔ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں (ڈنڈی مار کر) کم نہ دو۔ اور دُنیا میں اصلاح و اور دُرستی کے بعد فساد اور خرابیاں نہ پھیلاؤ۔ اِسی میں تمھاری بہتری اور بھلائی ہے، اگر تم واقعی حق کو ماننے والے ہو۔ (معلوم ہوا کہ حق کا واقعاً ماننا لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور خدا کی عملی اطاعت کرنے سے ثابت ہوتا ہے)

مَدیَن کے لوگوں کی تجارتی بے ایمانی

حضرت ابراہیمؑ کی ایک زوجہ محترمہ کا نام قطورہ تھا۔ جن کے بطن سے ایک صاحبزادے "مَدیَن" نامی پیدا ہوتے۔ اُنہی کے نام سے اُن کے شہر کا نام "مَدیَن" پڑ گیا۔ اُنھوں نے کوئی خاص معجزہ ضرور دکھایا تھا، جس کا مفصل ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ (مدارک، تفسیر کبیر)

مَدیَن کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحرِ احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے واقع تھا۔ اہلِ مدین تجارت پیشہ تھے۔ کیونکہ دو تجارتی شاہراہوں پر اُن کی بستیاں آباد تھیں، اِسی لیے عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا۔ (تفہیم)

کہا جا رہا ہے کہ: "ملک میں فساد نہ پھیلاؤ"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ (۱) تجارتی معاملات میں بے ایمانی کرنا، زمین پر فساد برپا کرنا ہے۔ (۲) احکامِ شریعت پر عمل نہ کرنا بھی فساد پھیلانا ہے۔ (۳) اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کمی کرنا بھی فساد پھیلانا ہے۔ کیونکہ یہ قوم ناپ تول میں ڈنڈی مارا کرتی تھی۔ غرض فساد پھیلانے میں ہر قسم کی خیانت

بد دیانتی، ظلم، غصب، چوری، ڈکیتی، حق مارنا وغیرہ شامل ہیں۔ ـــــ (تفسیر کبیر)

اہلِ علم بھی ڈنڈی مارتے ہیں

جو اہلِ علم اپنے معاصر ساتھیوں کے احترام میں کمی کرتے ہیں وہ بھی حقیقتاً ڈنڈی مارتے ہیں۔ (اور جو دوسروں کو علم نہیں سکھاتے وہ عالم بھی ڈنڈی مارتے ہیں۔) ـــــ (روح المعانی)

خدا کا فرمانا کہ: "اگر تم واقعی مومن ہو" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مَدْیَن والے مسلمان تو تھے مگر اعتقادی اور اخلاقی بُرائیوں میں مبتلا رہتے تھے اِس لیے ایمان کا بس کھوکھلا دعوٰی باقی رہ گیا تھا۔

اسی لیے حضرت شعیب نے فرمایا کہ: "اگر تم مومن ہو" یعنی خدا، رسول اور آخرت کو دل سے مانتے ہو، تو تم میں خیر، عدل، رحم، بھلائی اور دیانت ہونی چاہیئے اور تمھارا کردار دنیا پرستوں سے مختلف ہونا چاہیئے

اِسی لیے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے روایت فرمائی کہ: جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا: " اَلْاِیْمَانُ هُوَ الْعَمَلُ " (یعنی) "ایمان عمل کا نام ہے۔" ـــــ (تحف العقول)

اِسلام کا فلسفہ عمل پر منتج ہے

:- حضرت علیؑ ابنِ ابی طالب نے فرمایا:-

اَلْاِسْلَامُ، هُوَ التَّسْلِیْمُ، وَ التَّسْلِیْمُ، هُوَ الْیَقِیْنُ، وَ الْیَقِیْنُ هُوَ التَّصْدِیْقُ، وَ التَّصْدِیْقُ، هُوَ الْاِقْرَارُ، وَ الْاِقْرَارُ هُوَ الْاَدَاۗءُ، وَ الْاَدَاۗءُ هُوَ الْعَمَلُ۔

ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:- (نہج البلاغہ ص۸۴۳ قول ۱۲۵)

"اسلام نام ہے سرِ تسلیم خم کرنے کا، اور سرِ تسلیم خم کر دینا ہی یقین (کی بنیاد پر) ہے، اور یقین (ہو جانے پر) تصدیق (کی جاتی) ہے، اور تصدیق (کرنے کے بعد) اعتراف (کرنا) ہے، اور اعتراف (کر لینے کے بعد) فرض کی بجا آوری (ضروری ہو جاتی) ہے، اور فرض کی بجا آوری (یعنی) (کسی فریضے کو انجام دینا ہی) عمل ہے۔"

اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ جب تک کسی بندے کے قلب کو طاہر نہ کر دے اُس وقت تک وہ بندہ نہ ہم کو چاہتا ہے اور نہ ہمیں دوست رکھتا ہے، اور اللہ کسی بندے کے قلب کو طاہر کرتا ہی نہیں جب تک کہ وہ ہمیں (ہماری ولایت کو) تسلیم نہ کرلے۔"[1] پتہ چلا کہ یہ ایمان ہے اور یہی تسلیم ہے اور یہی اسلام ہے۔

[1] (کافی، کلینی و غایۃ المرام ص۴۳۹ و بحار الانوار جلد۷ ص۶۴)

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ (۸۶) تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۸۶

اور ہر راستے پر نہ بیٹھ جاؤ تاکہ لوگوں کو ڈراؤ دھمکاؤ اور، اللہ کے راستے سے اُن لوگوں کو روک دو جو اُس پر ایمان لائے ہیں اور (اس طرح) سیدھے راستے کو ٹیڑھا کرنے لگو۔ اور یاد کرو اُس وقت کو، جبکہ تم بہت ہی کم تھے، تو اُسی خدا نے تم کو بہت زیادہ کر دیا۔ اور یہ بھی دیکھو کہ کیسا (بُرا) ہوتا رہا ہے انجام خرابیاں پیدا کرنے والوں کا۔

اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا ہے

امام قرطبی نے اِس آیت کے ذیل میں لکھا کہ: "ہمارے زمانے میں بھی خلافِ شرع ظلم، جَور، جبر اور زیادتی عام ہے۔ اسلام صرف نام کا باقی رہ گیا ہے۔ جبکہ ایسی قومیں ہمیشہ تباہ ہوتی رہی ہیں۔ اُن کو اُن کے علوم، فنون، صنعیں حرفتیں، مال دولت، تہذیب، تمدّن، ترقیاں اور روشنیاں کسی قیمت پر ہلاکت سے نہیں بچا سکیں۔" ـــــ (قرطبی)

وَلَا تَقْعُدُوْا : اِس کے معنی میں کئی اقوال ہیں :

(۱) "یہ لوگ راستے پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جو آدمی حضرت شعیبؑ سے ملنے کے لیے آتے تھے تو وہ اُن کو ڈراتے دھمکاتے تھے۔ (۲) ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ رہزن اور ڈاکو تھے اور ان کو اس فعلِ بد سے روکا گیا ہے۔ (۳) دین کے راستوں پر مورچے بنا کر دین کے طلبگاروں پر ڈاکے ڈالا کرتے تھے یعنی جو لوگ حضرت شعیبؑ کے پاس دین سمجھنے جاتے یا دین کی باتیں سیکھ کر واپس آتے تھے تو یہ لوگ اُن کے دلوں میں شیطان کی طرح وسوسے ڈالا کرتے اور حضرت شعیبؑ کے متعلق ہزاروں قسم کی غلط باتیں کرتے تاکہ اُن لوگوں کے دلوں سے پیغمبرِ خدا کا وقار اُٹھ جائے۔" مروی ہے کہ تمام انبیاء میں سے حضرت شعیبؑ نہایت عمدہ اور قادر الکلام مُقرّر و خطیب تھے۔ اِس لیے اُن کا لقب بھی "خطیب الانبیاء" ہے۔

(تفسیر انوار النجف جلد ۶ صفحہ ۵۴)

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ ۸۷

(۸۷) اور اگر تم میں کا ایک گروہ اُس تعلیم پر ایمان لاتا ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لاتا، تو پھر صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے (اور تمہارے) درمیان فیصلہ کردے (کیونکہ) وہی سب اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ ———— ۸۷

''صبر سے کام لو'' سے مراد

خدا کا فرمانا: ''صبر کیے رہو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔'' یہ وعید اور تہدید ہے۔ یعنی دھمکی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ انھیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت عطا فرما دیجیے۔ ★ ———— (قرطبی)

مطلب یہ ہے کہ: ''چاہیئے تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوا تو لازمًا ایک گروہ وہ ہوگا جو نجات پائے گا، اور دوسرا گروہ ہلاک ہوگا۔ مگر اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔ (اس کا فیصلہ آخرت میں ہوگا) فورًا ہی اس کا نتیجہ سامنے نہ آئے گا۔ ★ ———— (جلالین - فصل الخطاب)

تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا

———— (آٹھواں پارہ ختم ہوا) ————

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَهُوَ حَسْبِيْ مَنْ لَّمْ يَزَلْ لَا يَزَالُ ———— ✲

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ✲ ————

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ ۸۵

(۸۵) تو اے میری قوم والو! بالکل ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپا تولا کرو اور لوگوں کو اُنکی چیزیں کم نہ دو۔ اور تم فسادی بنکر زمین میں خرابی یا فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ ۸۶

(۸۶) اگر تم ایماندار ہو تو تمہارے لیے اللہ کی وہ نعمت کہیں بہتر ہے جو (ایمانداری سے ناپ تولنے کے بعد) باقی رہ جائے۔ اور میں کوئی تمہارا نگہبان یا محافظ نہیں ہوں۔

میں ہی بقیّتُ اللہ ہوں

جب حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام کو اُموی خلیفہ نے شام بلایا اور واپسی پر اُس کے حکم سے شہرِ مَدیَن کا دروازہ آپؑ پر بند کر دیا گیا تو حضرت امام محمّد باقرؑ مدین کے ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہ پہاڑ مدیَن کے لوگوں کو شہر کے اندر سے صاف نظر آتا تھا۔ پھر آپؑ نے مدین کے لوگوں سے بلند آواز میں خطاب فرمایا کہ "اے اِس شہر کے رہنے والو! جس کے رہنے والے ظالم ہیں"۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی " اگر تم ایماندار ہو تو تمھارے لیے اللہ کی وہ نعمت کہیں بہتر ہے جو باقی رہ جائے"۔ پھر فرمایا: "میں ہی وہ بقیّتُ اللہ ہوں " (یعنی اللہ کی وہ نعمت میں ہی ہوں جو باقی ہے)۔ پھر فرمایا: خدا فرماتا ہے کہ " اگر تم ایماندار ہو تو تمھارے لیے اللہ کی وہ نعمت کہیں بہتر ہے جو باقی ہے"۔

مدین کے رہنے والوں میں ایک بوڑھا آدمی تھا، وہ لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: "اے لوگو! خدا کی قسم حضرت شعیبؑ نے بھی یہی کلام اپنی قوم سے فرمایا تھا" اگر تم اِس شخص کی خدمت میں نہ جاؤ گے اور اِس کو

اپنے شہر کے بازاروں سے نہ گذرنے دوگے تو خدا کا عذاب یا اوپر کی طرف سے نازل ہوگا یا نیچے کی طرف سے۔

(یہ سن کر شہر کے لوگوں نے حضرت امامؑ کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے اور بڑے احترام سے پیش آئے۔)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ: "جب حضرت امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے تو سب سے پہلے یہی آیت تلاوت فرمائیں گے۔ اور پھر فرمائیں گے "اَنَا بَقِيَّتُ اللّٰهِ وَحُجَّتُهٗ وَخَلِيْفَتُهٗ عَلَيْكُمْ"۔ یعنی "میں تم سب کے لیے خدا کی باقی رہنے والی یادگار ہوں اور تم پر خدا کی حجت (دلیل) ہوں اور خدا کا خلیفہ ہوں۔" پھر جو شخص آپ پر سلام کرے گا وہ یہی کہکر سلام کرے گا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَقِيَّتَ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ" (یعنی۔ سلام ہو آپ پر اے خدا کی زمین پر خدا کی باقی رہنے والی یادگار!)

* ..... (اکمال الدین)

* سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۸ میں ہے کہ: "ان کے نبیؐ نے ان سے کہا کہ طالوت کی حکومت کی (بادشاہ ہونے کی) نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمھارے رب کی طرف سے تسکین وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ..... الخ۔ اور آلِ موسیٰؑ و آلِ ہارونؑ کے ترکہ (تبرکات) کا بقیہ ہے۔"

* حضرت شعیبؑ کے آخری الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ "میرا تم پر کوئی زور نہیں ہے، میں صرف تمھاری خیر خواہی کر سکتا ہوں، زیادہ سے زیادہ بس اتنا کر سکتا ہوں کہ تمھیں سمجھا دوں۔ آگے تمھیں خود اختیار ہے چاہے میری بات مانو یا نہ مانو۔ اصل چیز تم سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ خدا کی بازپرس سے ڈرنا ہے۔ اگر تمھیں خدا کا کچھ خوف ہے تو اپنی اِن حرکتوں سے باز آجاؤ۔ * .... (تفہیم القرآن)

* خدا کا ارشاد " اللہ کی نعمت جو باقی رہ جائے بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم ایماندار ہو"۔ اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ لیا کہ صحیح ناپ تول کے بعد جتنا نفع تمھارے لیے باقی رہ جائے وہ حرام کمائی سے بہت اچھا ہے۔ اِس لیے کہ وہ حلال ہوگا اور اُس کا کمانا عبادت ہوگا، اُس پر بازپرس نہ ہوگی۔

*......... (سرّ فصل الخطاب۔ بحر)

* ڈنڈی مار کر حرام کمانے سے بچوگے تو تمھیں خدا کے ہاں کی ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتیں ملیں گی جو دنیا کی بے ایمانی سے کمائی ہوئی نعمتوں سے کہیں بہتر ہیں۔ *.. ۔ (تفسیر تبیان)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ۸۷

(۸۷) اُنھوں نے جواب دیا: "اے شعیبؑ! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے اُن سب کے سب معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا پاٹ اور بندگی ہمارے باپ دادا تک کیا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہمیں خود اپنے اموال تک میں اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا اختیار نہ ہو؟ واقعی بس تُو ہی ایک بڑا بردا شت کرنے والا شریف آدمی رہ گیا ہے!"

قومِ شعیبؑ کی کٹھ حجتی

قومِ شعیب کا یہ کہنا کہ: "اے شعیبؑ! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے ..... الخ۔ تو اصل میں یہ حضرت شعیبؑ کی قوم کا طنزیہ جملہ ہے۔ جس کی روح آج بھی ہر اُس کرپٹ (بد کردار) سوسائٹی میں موجود رہتی ہے جو خدا سے غافل ہو کر ہر قسم کی بُرائی میں ڈوب چکی ہوتی ہے۔ کیونکہ نماز دینداری کی سب سے پہلی اور نمایاں نشانی سمجھی جاتی ہے، اسی لیے دنیا کے بدمعاش لوگ نماز پڑھنے کو سب سے زیادہ خطرناک بیماری کی علامت سمجھتے ہیں۔ کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر یہ بدمعاش لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اِس شخص پر دینداری کی بیماری کا حملہ ہو گیا ہے۔ کیوں کہ یہ بدکردار لوگ یہ جانتے ہیں کہ اب یہ خود بھی بُرائی سے رُکنے لگے گا اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی درست کرنے کی کوشش شروع کر دے گا، اِس لیے بے دین لوگ نماز پڑھتے دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ اب ہم پر بَلا کی تنقید ہوگی اور دینداری کا وعظ شروع ہونے والا ہے۔ ہمارے ہر عمل پر کیڑے نکالنے کا ایک لامتناہی سلسلہ چھڑا چاہتا ہے۔ اِسی لیے بدمعاش لوگ نمازی پر سب سے زیادہ طعنے کستے ہیں، اور نمازیوں کو خوب خوب کوستے ہیں۔

* ..... (تفہیم القرآن)

اِسلام کا فلسفہ

اور قومِ شعیبؑ کا یہ کہنا کہ: "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں خود اپنے اَموال تک میں اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا کچھ اختیار نہ ہو؟" یہ جملہ بھی اسلام کی ضد جاہلیت کے نظریے کی مکمل ترجمانی کر رہا ہے۔ اِسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی صرف چند رسومات کے ادا کر دینے کا نام نہیں، بلکہ تمدّن، معاشرت، معیشت، سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں خدا کے احکامات پر عمل کرنے کا نام بندگی یا عبادت ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی ہر چیز کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے۔ انسان کو خود مختارانہ تصرّف کا حق نہیں۔ اس کے مقابلے میں جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ ہم جو چاہیں کریں۔ یا پھر ہمیں اپنے باپ دادا کے طریقوں پر چلنا چاہیئے۔ اور اگر دین کوئی چیز ہے بھی تو اُس کا تعلق صرف پوجا پاٹ کی رسومات سے ہے، باقی رہے دُنیوی معاملات، تو اس میں ہمیں پوری طرح آزادی ہے ہم جو چاہیں کریں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ زندگی کو دین اور دنیا کے دو الگ حصّوں میں تقسیم کرنے کا تخیل کوئی نیا تصوّر نہیں۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے قومِ شعیبؑ کا بھی یہی فلسفہ تھا جو آج اہلِ مغرب کا ہے۔ یہ کوئی نئی روش نہیں ہے جو کسی ذہنی ارتقا کا نتیجہ ہو۔ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے، جو ہزاروں سال سے جاہلیت کی آن بان رہی ہے۔ اور اسلام ہمیشہ سے اس نظریہ کے خلاف رہا ہے۔

* ..... (تفہیم القرآن)

* اکثر مفسّرین نے حضرت شعیبؑ کی قوم کے اِس جملے کو "واقعی بس تو ہی ایک بڑا برداشت کرنے والا شریف آدمی رہ گیا ہے" طنزیہ جملہ قرار دیا ہے۔ * .... (روح المعانی۔ تفسیر جلالین)

* مگر اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قوم اُن کو واقعی شریف اور متحمل انسان سمجھتی ہو۔ اس لیے اعلانِ نبوّت سے پہلے کے طویل عرصے تک حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کے افعال و اعمال پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا جبکہ وہ دل سے اُن کے اعمال کو بُرا سمجھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؑ اعلانِ نبوّت سے پہلے بھی اپنی قوم کی بدکاریوں سے بیزار ہوتا ہے۔ ہاں لب کشائی اُس وقت تک نہیں کرتا جب تک خدا اُس کو تبلیغ کا حکم نہیں دیتا۔ * .... (فصل الخطاب)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ ۸۸

(۸۸) اُنھوں نے کہا: "اے میری قوم! کیا تم نے غور کیا کہ میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق بھی عطا فرمایا ہے[1]۔ اور میں یہ بھی تو نہیں چاہتا کہ میں تمھاری مخالفت کروں یا اُن چیزوں کو خود کروں جن کے کرنے سے میں تمھیں روکتا ہوں۔ میں تو صرف اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک کہ میں کرسکوں۔ اور یہ جو کچھ بھی میں کرنا چاہتا ہوں اِس کا بھی دار و مدار اللہ ہی کی توفیق پر ہے۔ اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف لو لگائے رکھتا ہوں۔

---

[1] حضرت شعیبؑ کا فرمانا کہ "خدا نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا ہے" تو رزق کے یہاں دو سرے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی تو "علمِ حق" کے ہیں جو مجھے خدا نے بخشا ہے۔ اور دوسرے معنی "زندگی گذارنے کے ذرائع" ہیں، جو اللہ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اِس لیے اب میرے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں جان بوجھ کر ان بداخلاقیوں اور گمراہیوں میں تمھارا ساتھ دوں جن میں تم مبتلا رہو۔

ممکن ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کے اِس جملے کا جواب دیا ہو کہ جو اُنھوں نے طنزاً کہا تھا کہ "اے شعیبؑ! بس تم ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گئے ہو" تو اِس تُرش جملے کا ٹھنڈا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ: بھائیو! اگر میرے رب نے مجھے حق شناس

بصیرت بھی دی ہے اور ساتھ ساتھ رزقِ حلال بھی عطا فرمایا ہے، تو پھر میرے لیے یہ کیسے مناسب ہے کہ میں تمھاری گمراہیوں اور حرام خوریوں کو حق حلال کہہ کر خدا کی ناشکری کروں؟

نیز یہ کہ میری سچائی کا تو تم اسی بات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ میں جو کچھ دوسروں سے کہتا ہوں اُسی پر خود بھی عمل کرتا ہوں۔ اگر میں خود بتوں کے آستانوں یا سرمایہ داروں کے محلوں کا مجاور بن کر بیٹھ جاؤں، تب تم ضرور یہ کہہ سکتے تھے کہ میں اپنی دکان چمکانے کے لیے دوسروں کی دکان اور کاروبار کو بگاڑ رہا ہوں۔ اگر میں خود اپنے کاروبار میں بے ایمانی کر رہا ہوتا تو تم ضرور یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی ساکھ جمانے کے لیے ایمانداری کا ڈھول پیٹ رہا ہوں۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ میں خود اُن برائیوں سے بچتا ہوں جن سے تمھیں روک رہا ہوں۔ یہ بات اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ میں سچا کھرا انسان ہوں

*..... (تفہیم القرآن)

* حضرت شعیبؑ کا فرمانا کہ: "میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر قائم ہوں۔" تو دلیل سے یہاں مراد دولتِ نبوت اور حکمت ہے۔

*..... (روح المعانی)

* اِس دلیل سے مراد جائز آمدنی بھی لی گئی ہے۔ یعنی مالِ حلال جو خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے

*..... (بیضاوی)

* اِس دلیل سے مراد "توحید کا علم" بھی لیا گیا ہے۔

*..... (تفسیر کبیر)

انبیاء کرامؑ کا اندازِ بیان

یہ ہوتا ہے کہ کمالِ عبدیت اور قوم کی اصلاح کی نسبت ذرا اپنی طرف بیان ہوگئی تو فوراً اُس کو خدا کی جانب پھیر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک نبیؑ اور دُنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور مصلحین جُدا ہو جاتے ہیں۔ لیڈروں کی نگاہ ہمیشہ لوگوں کی تعداد، مال، دولت، کرسی اور مادّی طاقت پر ہوتی ہے، جبکہ پیغمبروں کی نگاہ اوّل سے آخر تک صرف اور صرف خُدا پر رہتی ہے۔

*..... (ماجدی)

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ ٨٩

(٨٩) اے میری قوم! کہیں میری مخالفت تمھیں ایسا مجرم نہ بنادے کہ تم پر بھی وہی عذاب آگر رہے جو قومِ نوحؑ یا قومِ ہودؑ یا صالحؑ کی قوم پر آیا تھا۔ اور لوطؑ کی قوم (کا زمانہ) تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔

حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو گذری ہوئی اُمتوں پر عذاب سے متنبہ کر رہے ہیں

مطلب یہ ہے کہ قومِ لوطؑ کا واقعہ تو ابھی تازہ ہے۔ تمھارے قریب ہی کے علاقے میں پیش آچکا ہے غالباً اُس وقت قومِ لوطؑ کی تباہی کو سات سو برس سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور جغرافیائی حیثیت سے بھی قومِ شعیبؑ کا ملک اُس علاقے سے بالکل قریب تھا جہاں قومِ لوطؑ رہا کرتی تھی۔
.... (معالم، ابنِ جریر، ابنِ کثیر)

نتائج! محققین نے نتیجہ نکالا کہ ا: ہر نبیؑ اپنی اُمت پر بے حد مہربان ہوتا ہے۔ اِسی محبت کی وجہ سے حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ "کہیں مجھ سے ضد رکھنے کی وجہ سے تم ایسی حرکتیں نہ کر بیٹھنا کہ آخرکار تم بھی اُنہی سزاؤں کے مستحق بن جاؤ جو تم سے پہلے کی قومیں بھگت چکی ہیں۔

۲: دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جس قدر انبیاءؑ کو اپنی اُمت سے محبت ہوتی ہے اُسی قدر اُمت کے بدمعاشوں کو نبیؑ سے ضد اور دشمنی بھی انتہائی کمال پر ہوتی ہے۔ ...... (ماجدی۔ تفہیم)

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰ (۹۰) تو دیکھو! اپنے پالنے والے مالک سے معافی مانگ لو اور اُسی کی طرف پلٹ آؤ۔ کیونکہ حقیقتاً میرا پالنے والا مالک بڑا ہی رحم کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

خدا کی رحمتیں، معافیاں اور محبت

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خداوندِ عالم سنگدل اور بے رحم نہیں۔ اُس کو اپنی مخلوقات سے کوئی دشمنی بھی نہیں کہ خواہ مخواہ اُن کو سزا دے۔ وہ اپنے بندوں کو مار مار کر خوش نہیں ہوتا۔ مگر جب تم لوگ اپنی سرکشی میں حد سے کہیں زیادہ بڑھ جاتے ہو اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز نہیں آتے تب با دلِ نا خواستہ وہ تمھیں سزا دیتا ہے۔ وہ اُس کا حال تو یہ ہے کہ تم چاہے کتنے ہی قصوروار کیوں نہ ہو، اگر تم اپنے اعمال پر شرمندہ ہو کر خدا کی طرف پلٹو گے تو اُس کا دامنِ رحمت تمھیں اپنی آغوش میں لے لے گا۔ کیونکہ خدا اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔

؎ میں گنہگار، سیہ کار، خطا کار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو ؟

حضورِ اکرم ؐ نے اِس مضمون کو بڑی خوبصورت مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

آپ ؐ فرماتے ہیں کہ: "اگر تم میں سے کسی کا اونٹ صحرا میں کھو جائے جس پر تمہارا کھانا، پینا، بستر وغیرہ سب کچھ لدا ہوا ہو، اور تم اُس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو جاؤ، عین اُسی وقت تم اچانک دیکھو کہ وہ گم شدہ اونٹ تمھارے سامنے کھڑا ہے تو اُس وقت تمھیں کتنی خوشی ہوگی۔ بس اِس سے بھی کہیں زیادہ خوشی خدا کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔

حضورِ اکرم ؐ نے دوسری مثال اِس سے بھی زیادہ خوبصورت دی ہے۔ کہ جب حضور ؐ کے پاس کچھ قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ اُن میں ایک عورت تھی جس کا بچہ کھو گیا تھا۔ وہ ماں کی ماری

جس بچے کو دیکھتی چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی تھی۔

حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اگر یہ عورت اپنے بچے کو پالے تو خود اپنے ہی ہاتھوں سے آگ میں پھینک دے گی؟ پھر فرمایا: "اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ لِوَلَدِھَا۔" یعنی: "اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بھی کہیں زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔"

*...... (تفہیم القرآن)

آیت کا پیغام

خدا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے اپنی رحمت کی صفت کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف کردے گا اور اپنی محبت کی وجہ سے ہماری ناقص اطاعتوں کو بھی قبول فرمائے گا۔ (انشاء اللہ) اس لیے ــــ ہم کو چاہیے کہ ہم عبادت اور اطاعت کے ذریعے خدا کی طرف متوجہ ہوں۔

*.......... (ماجدی)

حضرت رسولِ خداؐ کا استغفار

حضورِ اکرمؐ اس لیے استغفار فرماتے تھے کہ جب آپؐ رُجوع اِلَی اللّٰہِ کے اُعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی طرف ترقی فرماتے تھے تو پہلے مرتبے کی کمی پر استغفار فرماتے۔

اور اولیائے خدا کا استغفار بھی اسی طرح کا ہوتا ہے (یعنی مرتبے کی بلندی کے لیے)

غرض استغفار کے لیے یہ ضروری نہیں کہ گناہ کا صدور ہو۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "علیؑ نے ایک آنکھ جھپکنے کی مقدار کے مطابق بھی کبھی کفر یا شرک نہیں کیا۔"

*..... (تفسیر روح البیان)

(اس کے باوجود حضرت علیؑ خدا کی بارگاہ میں بےحد استغفار فرماتے تھے آپؑ کی دعائیں اس کی گواہ ہیں۔)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ (۹۱)

اُنھوں نے جواب دیا: "اے شُعَیبؑ! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تُو ہمارے درمیان ایک کمزور سا آدمی ہے۔ اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تو تجھے کب کا سنگسار تک کر چکے ہوتے۔ اور تُو ہمارے سامنے کوئی اہمیّت بھی تو نہیں رکھتا۔"

قومِ شعیبؑ کا حضرت شعیبؑ سے یہ کہنا کہ: "تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں"، تو یہ سمجھ میں نہ آنا اس لیے نہ تھا کہ حضرت شعیبؑ کسی غیر زبان میں اُن سے بات کر رہے تھے، یا اُن کا کلام بہت پیچیدہ اور مشکل تھا۔ باتیں تو سب صاف سیدھی اور واضح، منطقی اور مدلّل تھیں، لیکن اُس قوم کے ذہن کا سانچا کچھ اس قدر ٹیڑھا ہو چکا تھا کہ حضرت شُعیبؑ کی بالکل سیدھی سادی واضح باتیں کسی طرح اُن کے دماغ میں نہ اُترتی تھیں۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے تعصبات اور خواہشات کے غلام تھے۔ اِس لیے اپنے احمقانہ خیالات پر جم چکے تھے۔ وہ کسی ایسی بات کو سُننے ہی کے لیے تیار نہ تھے جو اُن کے مفادات اور خواہشات کے خلاف ہو۔ اگر سُن بھاگتے تھے تو پھر اُن کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ یہ کس دنیا کی باتیں ہو رہی ہیں؟

*...... (تفہیم القرآن)

* حضرت شعیبؑ کی قوم کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو صرف تیرے کُنبے اور قبیلے کا لحاظ کر رہے ہیں ورنہ اب تک تو ہم تجھے سنگسار کر چکے ہوتے۔

پُرانی جاہلی قوموں میں کُنبے، قبیلے کی طاقت کا لحاظ کرنا بڑی تاریخی اہمیّت رکھتا ہے اور جاہلی قوموں کی آخری سخت سزا سنگسار کرنا ہوتا تھا۔

*...... (روح المعانی)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِىْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۹۲

(۹۲) شعیبؑ نے کہا: "اے میری قوم! کیا تمھاری نظر میں میرا قبیلہ اللہ سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟ (تم میری برادری سے توڈرتے ہو لیکن) اللہ کو تو تم نے بالکل ہی پس پُشت ڈال رکھا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی کر رہے ہو، میرا پالنے والا مالک اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

حضرت شُعیبؑ خطیب الانبیائؑ تھے

حضرت شعیبؑ مشہور پیغمبر ہیں۔

صغانی نے کہا کہ "شعیبؑ عربی نام ہے اور شعب (گھاٹی) کی تصغیر ہے یا اشعب (یعنی بہت چوڑے سینے والا) کی تصغیر ہے۔" لیکن بعض نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ اِس لیے کہ انبیاءؑ کے ناموں میں تصغیر جائز نہیں۔

بہرحال حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ کے خسر تھے۔ آپ کی خطابت میں بلا کی فصاحت و بلاغت ہوتی تھی۔ اِس لیے علماء نے آپؑ کو خطیب الانبیاءؑ لکھا ہے۔ حضورِ اکرمؐ بھی آپ کو خطیب الانبیاءؑ فرمایا کرتے تھے۔ ٭..... (تفسیر صافی ص۲۱۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر قمی، لغات القرآن نعمانی جلد۲ ص۲۸۵)

٭ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو حال قومِ شعیبؑ کا تھا وہی صورتِ حال اِن آیتوں کے اُترنے کے وقت مکّے والوں کی تھی۔ اُس وقت قریش کے لوگ حضورِ اکرمؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ صرف اس وجہ سے آپؐ کو قتل نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کو بنی ہاشمؑ اور خاصکر حضرت ابوطالبؑ کا خوف تھا۔ حضرت شعیبؑ جو جواب دے رہے ہیں وہی جواب حضورؐ کی طرف سے قریش کے لیے تھا۔ کہ "تم لوگ میری برادری (ابوطالبؑ) سے تو ڈرتے ہو اور خدا سے نہیں ڈرتے۔ خدا کو تم نے بالکل پس پُشت ڈال دیا ہے۔ کیا تمھاری نظر میں میرا قبیلہ (بنی ہاشمؑ یا حضرت ابوطالبؑ) اللہ سے بھی زیادہ طاقتور ہیں؟ تم کو چاہیئے کہ تم ابوطالبؑ سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ڈرو۔

٭..... (مؤلف)

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ (٩٣) اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ ٩٣

اے میری قوم! تم اپنی جگہ جو بھی کرتے ہو، وہ کیے جاؤ، اور جو میں کرتا ہوں وہ میں کیے جاؤں گا۔ بہت جلد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلیل کر دینے والا عذاب آتا ہے؟ اور کون جھوٹا (ثابت ہوتا) ہے؟ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

انتظار کرو

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "کتنا اچھا ہے صبر اور راحت کا انتظار۔ کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں پڑھا۔ "تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"

* ...... (تفسیر صافی ص٢٤٠ بحوالہ مجمع البیان)

* حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام نے فرمایا: "صبر کی چار شاخیں ہیں: اشتیاق[١]، خوف[٢] و زُہد[٣] (یعنی دنیا سے بے اعتنائی) اور[٤] انتظار۔ "اشتیاق"[١] سے مراد یہ ہے کہ جو جنّت کا مشتاق ہو گا وہ خواہشوں کو بھلا دے گا اور۔ "خوف"[٢] سے مراد یہ ہے کہ جو دوزخ سے خوف کھاتے گا وہ حرام کاموں سے کنارہ کش رہے گا۔ [٣] "زُہد" یہ ہے کہ جو دُنیا سے بے اعتنائی اختیار کرے گا وہ مصائب کو سہل و آسان سمجھے گا۔ اور[٤] "انتظار" سے مراد یہ ہے کہ جسے موت کا انتظار ہو گا، وہ نیک کاموں کے انجام دینے میں جلدی کرے گا۔" *...... (از نہج البلاغہ ص٨١٣ حدیث (٣٠) باب حِکَم و مواعظ)

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "خوشی کا انتظار کرنا افضل ترین عبادتوں میں سے ہے۔" *...... (تحف العقول)

* یہ اس لیے کہ ایسا انتظار کرنا خدا پر ایمان کا حاصل ہے اور خدا کی قوت کے استغنا کا نتیجہ ہے۔ *... (مؤلف)

★ نیز یہ کہ خوشی کا انتظار بھی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔

★ . . . (تفسیر عیاشی)

یہی انتظار قوموں کی زندگی اور ترقّی کا سبب بنتا ہے۔ بقولِ اقبالؔ:

مجذوبِ فرنگی نے باندازِ فرنگی ۔ مھدیؑ کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو

اے تُو کہ ہے مھدیؑ کے تصوّر ہی سے بیزار ۔ محروم نہ کر آہوئے مشکیں سے خُتن کو

ہو زندہ کفن پوش، تو مُردہ اُسے سمجھیں

یا چاک کریں مَردکِ ناداں کے کفن کو ★... (اقبالؔ)

سبق اِن آیات کے بغور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس قوم کو ایسے آلات اور وسائل بخشے تھے کہ جن سے وہ کمالات حاصل کرسکتے تھے۔ خدا نے اُن کو وہ وسائل عطا فرمائے تھے جو فرشتوں کو بھی نہیں بخشے (مثلاً۔ اختیار) مگر انھوں نے اُن آلات و وسائل کو اپنے نفس کی خواہش اور خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کیا۔ اِس طرح اپنی اپنی استعداد اور آلاتِ کمالیہ کو ضائع کردیا۔ اِسی لیے اسماءِ جلالیہ کے جلال سے ہلاک و برباد ہوئے۔

★ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اللہ ظالم کو پہلے مُہلت دیتا ہے (تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلے) پھر جب خدا اُس کو پکڑتا ہے تو پھر اُس کا بچنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

نمی ترسد ازاں کایزدِ تعالیٰ

اگرچہ دیر گیرد سخت میگیرد

ظالم اِس بات سے نہیں ڈرتا کہ اگرچہ خدا دیر سے پکڑتا (سزا دیتا) ہے مگر جب پکڑتا ہے تو پھر بڑی سختی سے پکڑتا ہے (پھر جان گلے میں آجاتی ہے اور نیا پانچا ہوجاتا ہے۔ اور اُس کی پکڑ اور گرفت سے کوئی چھڑانے والا بھی نہیں)

★ . . . (تفسیر روح البیان)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ ۹۴

(۹۴) اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ ہی گیا تو ہم نے شعیبؑ اور اُن کے ایماندار ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچالیا، اور جو ظالم تھے اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنے ہی گھروں میں بے حس و حرکت منہ کے بل پڑے کے پڑے رہ گئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۠ ۹۵

(۹۵) جیسے کہ وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے سنو! کہ مَدْیَنؔ والے بھی خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے جس طرح سے کہ ثمود والے پھینکے گئے تھے۔

(آیت ۹۴) محققین نے نتیجہ نکالا کہ: "نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے خدا کے فضل و کرم ہی سے ملتی ہے۔ * ..... (ماجدی)

* حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم پر عذاب آنے کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ حضرت جبرئیل نے اُن پر ایک چیخ ماری جس کے خوف سے ہر شخص کی روح نکل گئی۔
*..... (تفسیر صافی صہ ۲۴۱ بحوالہ الجوامع)

* اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے مراد منکرینِ توحید و نبوّت ہیں۔ *..... (مؤلف)

* (آیت ۹۵) مفسرین نے لکھا کہ اہلِ مَدْیَنؔ بھی قومِ ثمود کی طرح عربی النسل تھے۔ اور اُن کی بداعمالیاں، ڈاکہ زنی اور بدمعاشیاں بھی قومِ ثمود کی سی تھیں۔
*..... (ابنِ کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ ۲۲

(۲۲) انھوں نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ اِس شہر میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں۔ ہم تو وہاں ہرگز بھی داخل نہ ہوں گے جبتک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ۲۳

(۲۳) مگر اُن میں سے دو شخصوں نے جو اللہ سے ڈرتے تھے اور جن کو اللہ نے اپنی نعمت عطا کی تھی، کہا: "جب تم مقابلہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو"۔

آیت ۲۲ : جَبَّار، بڑے ڈیل ڈول والے انسان کو بھی کہتے ہیں جو لمبے چوڑے اور طاقتور ہوں۔ (قرطبی ۔ تفسیر کبیر)

آیت ۲۳ : حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا کہ:
"یہ دونوں شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا ہیں۔ یہ دونوں حضرت موسیٰ ؑ کے چچا زاد بھائی تھے"۔ (تفسیر صافی ص۱۳۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (۲۴)

(۲۴) (لیکن بنی اسرائیل نے، کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے، جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (۲۵)

(۲۵) (موسیٰؑ نے، کہا: اے میرے مالک! میں تو کسی پر اختیار ہی نہیں رکھتا سوا اپنی ذات پر یا اپنے بھائی پر۔ لہٰذا اب تو ہی ہمیں اِن نافرمان لوگوں سے الگ کردے۔

بنی اسرائیل نے خدا و رسولؐ کا مذاق بھی اُڑایا

بنی اسرائیل نے صرف یہی نہیں کہ خدا کا حکم نہ مانا، بلکہ اُس کا مذاق بھی اُڑایا۔ جو اُن کے اندازِ کلام سے ظاہر ہے کہ "تم اور تمہارا خدا جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"، حکم عدولی کے ساتھ ساتھ تمسخر، کفر و فسق کی شدید ترین قسم ہے۔ اسی موقع پر حضرت موسیٰؑ نے ہارونؑ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور کہا: "اے مالک! مجھے سوا اپنے اور اپنے بھائی کے کسی پر اختیار نہیں"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سوا حضرت ہارونؑ کے ساری قوم نے حکمِ خدا کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یا کم سے کم بہت بڑی اکثریت فاسق ہو چکی تھی۔

(تفسیر علی ابن ابراہیم - تفسیر تبیان ؛ فصل الخطاب)

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ (۷) (انھیں اِس وقت وہ بات سناؤ کہ)

إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ط جب موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا:

سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ "میں نے ایک آگ سی محسوس کی ہے

أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ تو میں ابھی یا تو وہاں سے تمہارے

لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۞ لیے (آگے جانے والے راستے کی)

کوئی خبر لے آتا ہوں، یا پھر تمہارے لیے ایک لکڑی میں لگا ہوا انگارہ ہی چن لاتا ہوں، تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو (یا تاپ سکو)

★ حضرت موسیٰؑ، حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جب وہاں رہنے کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو وہاں سے (یعنی حضرت شعیبؑ کے شہر مدین سے) رخصت ہوئے تھے۔ (رات کا وقت راستے میں ہوا) سردی شدت پر تھی اندھیرا چھا چکا تھا، راستے کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا، قریب کہیں آگ جلتی ہوئی نظر آئی تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا، اور اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ میں تمہارے تاپنے کے لیے آگ لیکر آتا ہوں۔ اور وہاں سے راستے کا سراغ دریافت کروں گا۔ (تفسیر انوار النجف)

★ یہ اُس وقت کا قصہ ہے جب حضرت موسیٰؑ مدین میں ۸ یا ۱۰ سال گذار کر اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر کوئی ٹھکانہ تلاش کرنے جا رہے تھے۔ مدین کا علاقہ خلیج عقبہ کے کنارے عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے سواحل پر واقع تھا وہاں سے چل کر حضرت موسیٰؑ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی حصے میں اُس مقام پر پہنچے جو اب کوہِ سینا اور جبلِ موسیٰؑ کہلاتا ہے نزولِ قرآن کے زمانے میں طور کے نام سے مشہور تھا۔ اُسی کے دامن میں یہ واقعہ پیش آیا جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ (تفہیم)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَٰنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ⑧

(۸) پس جب موسیٰؑ اُس آگ کے پاس آئے تو اُن کو آواز دی گئی کہ: "بڑی برکت والا قائم و دائم ہے وہ خدا جس کا جلوہ (اس) آگ میں بھی ہے، اور اس کے چاروں طرف بھی۔ اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے۔

يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّهُۥٓ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑨

(۹) اے موسیٰؑ! حقیقتاً میں ہی اللہ ہوں، زبردست طاقت والا، عزت والا، اور حکمت والا۔

آیت ۸ کی تشریح: آیت کے آخری الفاظ نے پوری طرح واضح کر دیا کہ خداوندِ عالم، جہت، رنگ، مقدار، وزن، بلکہ ہر قسم کے تعینات سے پاک ہے، تاکہ کوئی شخص تجلّی کو جو آگ کی شکل میں مقید تھی، عینِ ذاتِ خدا نہ سمجھ لے۔ بھلا وہ خدا جو ناقابلِ فہم وسعتیں رکھتا ہے، آگ کے چند شعلوں میں کیسے محدود ہو سکتا ہے؟
(ابنِ کثیر)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
از ہر چہ گفتہ ایم، و شنیدیم و خواندہ ایم

★ اس کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ : آگ جو جلوہ گر تھی، وہ فرشتے تھے اور اُن کے ارد گرد کم درجے کے فرشتے تھے۔ (فتح الرحمٰن)

★ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کی قدرت کی جلوہ نمائی تھی جو ویسے تھی مظاہر قدرت کی شکل میں تمام کائنات میں پھیلی ہوتی ہے۔ وہ اُس کی ایک خاص شکل تھی جو فوراً بلا اسباب وجود میں آگئی تھی۔ مقصد یہ ہرگز نہیں کہ خدا نے آگ میں حلول فرمالیا تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ خدا کی قدرتِ خاص کا ایک مظاہرہ تھا۔ (فصل الخطاب)

★ یہ مقام جہاں حضرت موسیٰؑ نے جھاڑی میں آگ لگی دیکھی تھی کوہِ طور کے دامن میں سطح سمندر سے 5000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں رومی سلطنت کے پہلے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے ۳۶۵ء کے لگ بھگ ٹھیک اُسی مقام پر ایک کنیسہ تعمیر کرایا تھا۔ جہاں حضرت موسیٰؑ سے خدا نے گفتگو کی تھی۔

اس کے دو سو سال بعد قیصر جسٹینین نے یہاں ایک دَیر Monastery تعمیر کرایا۔ جس کے اندر قسطنطین کے بنائے ہوئے کنیسہ کو بھی شامل کرلیا۔ یہ دَیر اور کنیسہ آج تک موجود ہیں اور یونانی کنیسہ پر Greek Orthodox church کے راہبوں کا قبضہ ہے۔

سورۂ قصص میں ہے کہ : آواز ایک درخت سے آرہی تھی۔" اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وادی کے کنارے ایک خطہ میں آگ سی لگی ہوئی تھی مگر نہ کچھ جل رہا تھا، نہ کوئی دھواں اُٹھ رہا تھا۔ اس آگ کے اندر ایک ہرا بھرا درخت کھڑا تھا جس پر سے یکایک یہ آواز آنی شروع ہوئی۔ ★ (تفہیم القرآن)

★ آگ کے اندر سے محبت آمیز اور پیار بھرے انداز سے خوش آمدید یوں ہوئی: "بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا" یعنی: "مبارک ہے وہ ذات جو آگ کے اندر ہے اور جو اُس کے ارد گرد ہے۔" ان الفاظ نے حضرت موسیٰؑ کے قلب و جگر میں محبت کی ایک لہر پیدا کردی، اور مزید پیاری گفتگو کے لیے دل بے چین ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ندائے وحی تھی جس نے آگ کے اندر اور باہر کھڑے ہوئے فرشتوں نے حضرت موسیٰؑ کو تحیہ و تہنیت و حمد کا پیغام سنایا۔ پھر آواز آئی سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ پھر آواز آئی: اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

(ملخص از تفسیر انوار النجف)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾

(۱۰) اور ذرا اپنی لاٹھی کو پھینکو۔ تو اب جو موسیٰؑ نے دیکھا تو وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے۔ وہ تو پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے آواز دی) اے موسیٰؑ! ڈرو نہیں۔ میرے پاس (میرے) رسولؑ ڈرا نہیں کرتے۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا ۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾

(۱۱) سوا اس کے کہ کسی سے کوئی قصور یا زیادتی ہو جائے، پھر اگر اس برائی کے بعد بھی اس نے نیک کام کر کے اسے بھلائی سے بدل لیا، تو میں بڑا معاف کرنے والا، بیحد مسلسل رحم کرنے والا ہوں۔

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

(۱۲) اور (اے موسیٰؑ!) ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، چمکتا ہوا نکلے گا،

مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ فِىۡ تِسۡعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَقَوۡمِهٖ‌ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۱۲﴾

بغیر کسی تکلیف یا بیماری کے۔ یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں، معجزوں میں سے ہیں، فرعون اور اُس کی قوم کی طرف (لے جانے کے لیے جو) حقیقتاً بڑے حد سے نکل جانے والے بدکردار اور بداعمال فاسق لوگ ہیں۔

آیت ۱۰ کی تشریح: نتیجہ:

عرفاء و فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ خوفِ طبعی کمال کے منافی نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ کوئی بھی فطری تقاضا کمال کے منافی نہیں ہوا کرتا جبکہ یہ خوف عقلی اور فطری تھا۔ کیوں کہ اس میں غیرِ خدا کو کوئی دخل تک نہ تھا۔ اس لیے یہ خوف شانِ نبوت کے ہرگز منافی نہیں تھا۔

★ ...... (مرشد تھانوی)

★ حقیقت میں یہ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو تسلی دی جارہی تھی کہ "ڈرنا تو انھیں چاہیے جو گنہگار ہوں، تم تو معصوم ہو، تم جیسے مُرسلین کو میرے پاس ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

★ ..... (تفسیر تبیان۔ تفسیر مجمع البیان)

★ سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء میں سانپ کے لیے "ثُعبان" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے "ثُعبان" کے معنیٰ "اژدہا" ہوتا ہے۔ مگر یہاں اُس کو "جآنّ" کہا گیا۔ جس کے معنیٰ "چھوٹے سانپ" کے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسامت کے اعتبار سے وہ اژدہا تھا۔ مگر اُس کی حرکت کی تیزی چھوٹے سانپ کی سی تھی۔ سورۃ طٰہٰ میں اسی کو "حَيَّةٌ تَسۡعٰى" "دوڑتا ہوا سانپ" فرمایا گیا ہے۔ (تفہیم۔ تفسیر کبیر)

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا (۱۳) مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾

مگر جب ہماری کھلی، روشن اور واضح نشانیاں اُن کے پاس آئیں، تو انھوں نے کہا: "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔

وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ (۱۴) اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۴﴾

اور اُنھوں نے جان بوجھ کر سراسر ظلم وستم اور غرور وتکبّر سے اُن کا انکار کیا۔ حالانکہ اُن کے دلوں کو اُن نشانیوں اور معجزوں کا یقین تھا۔

تو اب دیکھ لو کہ اُن فسادیوں کا کیسا (بدترین) انجام ہوا۔؟

آیت ۱۴ کی تشریح:۔ اُن کا ظلم وستم یہ تھا کہ اُنھوں نے خدا کی نشانیوں کو نہ مانا، اور اُن کو اُن کے مرتبے سے گرانے کی کوشش کی، اور بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر رکھا، اور اُن کے لڑکوں کو ذبح کرتے رہے۔ پھر اُن کا غرور وتکبّر یہ تھا کہ وہ خود کو حقیقتوں پر غور وفکر کرنے، اور اُن کو ماننے سے بلند وبالا سمجھتے تھے۔ *..... (تفسیر ماجدی)

★ "سورۃ الاعراف" میں اُن کی ہٹ دھرمی کا یوں ذکر ہے کہ:

"اور جب اُن پر عذاب آتا تو کہتے: "اے موسیٰؑ! تم ہمارے لیے اپنے رب سے اُس عہد کے بموجب جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے، دعا کرو۔ اگر تم اِس عذاب کو ہم سے دور کرا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے، اور ضرور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے"۔ پس جب عذاب دور ہو جاتا تو وہ پھر اپنا عہد توڑ دیتے۔" (سورۃ الاعراف ۱۳۴-۱۳۵ پ ۹)

★ اسی قسم کی بہت سی بدعہدیوں کے بعد اُن فسادیوں کا بدترین انجام ہوا۔ ★ (مؤلف)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

(۸) وہ اللہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سارے کے سارے بہترین اور اچھے نام (وصفات)[1] اُسی کے لیے ہیں۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

(۹) اور کیا آپ تک موسیٰ کے واقعہ کی خبر پہنچی ہے؟

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰

(۱۰) جب اُنھوں نے ایک آگ دیکھی، تو اپنے بال بچوں سے کہا کہ: "ذرا ٹھہرو، میں نے ایک آگ[2] دیکھی ہے، شاید کہ میں تمھارے لیے اُس میں سے کچھ آگ یا انگارا لے آؤں۔ یا اُس آگ پر کوئی رہنمائی حاصل کرسکوں۔

---

[1] ★ جنابِ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا: "خدا کے ۹۹ نام ہیں جو شخص خدا کو اُن (اسمارِ حسنیٰ) اچھے ناموں کے ساتھ پکارے گا اُس کی دعا قبول ہوگی، اور جو شخص اُن ناموں کا احصار کریگا (سمجھ لے گا) وہ جنتی ہوگا۔" (تفسیرِ نمونہ)

[2] ★ حضرت موسیٰ جب مدین سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کے لیے چلے تو رات کے اندھیرے میں راستہ بھول گئے، بھیڑ بکریاں منتشر ہوگئیں، ادھر بیوی کو وضعِ حمل کی تکلیف ہوگئی، گویا مصائب میں گھر گئے، اُس وقت آگ نظر آگئی۔ جو نورِ خداوندی تھا۔۔
(تفسیرِ نمونہ) ملخص

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ (۱۱) تو جب وہ اُس آگ کے پاس گئے تو اُنھیں آواز دی گئی کہ: "اے موسٰیؑ!۔

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ (۱۲) میں تمھارا پالنے والا مالک ہوں۔ تم نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ اپنی جوتیاں اُتار دو۔ حقیقتاً تم "طُویٰ" الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ کی مقدس و محترم وادی میں ہو۔

★ جب حضرت موسٰیؑ آگ کے قریب گئے تو اُس کو درخت کے اندر دیکھا۔ وہ درخت عناب کا درخت تھا۔ یہ واضح قرینہ تھا کہ یہ کوئی عام آگ نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدائی نور ہے۔ جو درخت کو بھی نہیں جلاتا۔ گویا یہ نورِ حیات ہے۔ پھر جب موسٰیؑ نے یہ آواز سنی کہ: "میں تمھارا پالنے والا مالک ہوں" موسٰیؑ پر ایک وجد سا طاری ہو گیا۔ ★...... (تفسیر نمونہ)

حضرت موسٰیؑ کے جوتے اُتروانے کا مطلب

حضرت امام مھدی علیہ السلام نے حضرت موسٰیؑ علیہ السلام کے جوتے اُتار دینے کا مطلب یہ بتلایا کہ "حضرت موسٰیؑ کو اپنی بیوی بچوں سے بڑی محبت تھی۔ اِس محبت کو خدا کی محبت کے مقابلہ میں کم کر دینے کو محاورہ میں اشارتاً جوتے اُتارنے کے حکم سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ خدا سے مناجات کرتے ہوئے (یا خدا کا کلام کرتے ہوئے یا خدا سے کلام کرتے ہوئے) غیرِ خدا کی طرف مائل نہ ہوں"۔ ★ (تفسیر صافی ص ۳۱۸ بحوالہ الاکمال)

★ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت موسٰیؑ ایک چنگاری لینے گئے تھے لیکن عہدۂ نبوت و رسالت کے ساتھ واپس ہوئے۔ اِس سے نتیجہ نکلا کہ جن چیزوں کی تھیں اُمید نہیں ہے، اُن کی اُمید اُن چیزوں کے ملنے سے بھی زیادہ ہی رکھو جن کے ملنے کی تمھیں اُمید ہے۔ (کیونکہ نا اُمیدی کفر ہے) ★... (تفسیر نور الثقلین جلد ۳)

وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ (۱۳) اور میں نے تم کو چُن لیا ہے، پس
لِمَا يُوۡحٰى ۝ غور سے سنو جو وحی کی جاتی ہے۔
اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ (۱۴) حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ
اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَاَقِمِ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں،
الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ ۝ اس لئے میری ہی بندگی یا مکمل اطاعت
کرو، اور میری یاد کے لیے نماز ادا کرو۔

ف اہلِ اشارات نے لکھا کہ تمہیدی گفتگو کے بعد جب حضرت موسیٰؑ کا دل اس قابل ہوگیا کہ خدا کی براہِ راست تجلیات کو برداشت کرسکے، تب اُن کو کارِ رسالت تفویض ہوا۔ *.... (ماجدی)

پہلے اصولِ دین، پھر فروعِ دین کی تعلیم حضرت موسیٰؑ کو پہلا پیغام اور تعلیم یہ دی گئی کہ "میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، اِس لیے صرف میری عبادت کرو، اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔" معلوم ہوا کہ توحید کے بعد خدائے یکتا کی عبادت اور اطاعت کا درجہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ بندے کا خدا سے تعلق استوار ہوتا ہے (پھر اگلی آیت میں عقیدۂ آخرت کا بیان ہوگا۔) اس لئے اِس طرح اصولِ دین، پھر پہلا فروعِ دین (یعنی نماز) کا مختصر بیان ہوا۔ *.... (تفسیر نمونہ)

نماز کے لیے حکم ہوا کہ: "میری یاد کے لیے نماز قائم کرو"

(اور جنابِ رسولِ خداؐ کو بھی فروعِ دین کے پہلے رُکن (نماز) کا حکم ملا تھا۔ ارشاد ہوا کہ:)

" وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا " یعنی: "اور اپنے اہلِ بیت کو نماز کا حکم دو، اور تم بھی اس کی پابندی کرتے رہو۔") (تاکہ اللہ کا ذکر جاری رہے)

اور سورۂ رعد آیت ۲۸ میں بتایا گیا کہ: "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" یعنی

اللہ کا ذکر اطمینانِ قلب کا سبب ہوتا ہے:

اور سورۂ الفجر آیت ۲۷ تا ۸۹ میں ارشاد فرمایا گیا کہ: "يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ"

یعنی: "اے نفسِ مطمئنہ! اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹ آ۔ تو بھی اُس سے خوش ہے اور وہ بھی تجھ سے راضی و خوش ہے۔ تو میرے بندوں میں داخل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

★ اِن تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ: (۱) نماز خدا کی یاد کو باقی رکھتی ہے۔ (۲) خدا کی یاد دلوں کو سکون بخشتی ہے۔ (۳) اور نفسِ انسانی نفسِ مطمئنہ بن کر جنت اور قربِ خدا کا اہل بن جاتا ہے۔ ★...... (تفسیرِ نمونہ)

نماز کی اصلی غرض یہ ہے کہ انسان خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ دنیا کے دھوکے میں نہ آجائے! اُسے یاد رہے کہ وہ کس کا بندہ ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "اے بندے! تو مجھے یاد کر میں تجھے یاد کروں گا۔"

★ حضورِ اکرمؐ سے پوچھا گیا: "اگر ہم نماز کے وقت سو گئے تو کیا کریں"؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "نیند میں کچھ قصور نہیں۔ قصور تو جاگنے کی حالت میں ہے۔ پس تم میں سے کوئی بھول جائے یا سو جائے تو جب یاد آئے یا جب نیند سے جاگے، نماز پڑھ لے۔"

★...... (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾
(۱۵) کیونکہ قیامت[۱] تو بہر حال لازمی طور پر آنے والی ہے میں اُس کا وقت چھپائے رکھنا چاہتا ہوں، تاکہ ہر شخص اپنی کوشش کے مطابق بدلہ پائے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾
(۱۶) تو کوئی ایسا شخص جو قیامت کو نہیں مانتا، اور اپنی خواہشوں کے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے، تم کو اُس سے نہ روک دے[۲]۔ ورنہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔

۱۔ خدا نے قیامت کے وقت کو اس لئے چھپائے رکھا ہے تاکہ ہر شخص اپنی کوششوں کے مطابق جزا پائے اس طرح ہر شخص کو عمل کی آزادی مل گئی ہے، اور کیونکہ موت یا قیامت کا وقت معلوم نہیں ہے اس لئے ہر وقت اس کے لیے آمادہ رہنا ضروری ہے، اسی لیے ہر شخص نیک عمل کی طرف جلدی کرتا ہے۔ ★... (مؤلف)

۲۔ یعنی تم کہیں کسی دشمنِ دین کی محبت سے متاثر ہو کر فکرِ آخرت سے غافل نہ ہو جانا۔ یعنی خدا کے دشمنوں کا اثر قبول نہ کر لینا، ہم جیسوں کے لیے تو رونگٹے کھڑے ہونے کا مقام ہے جبکہ حضرت موسیٰؑ نبی اولوالعزم پیغمبر کو اس بات سے خبردار کیا جا رہا ہے

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ تکالیفِ شرعیہ کامل ترین ہستیوں سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ ہمہ شما کی کیا حیثیت؟ ★ـــ (ماجدی - تھانوی)

وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۱۷﴾ (۱۷) اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰؑ!

قَالَ هِىَ عَصَاىَ‌ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿۱۸﴾ (۱۸) موسیٰؑ نے عرض کی: "یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں اور اسی سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس میں میرے لیے اور دوسرے فائدے بھی ہیں۔

قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾ (۱۹) خدا نے فرمایا: "اے موسیٰؑ! (ذرا) اسے پھینکو (تو سہی)۔

فَاَلۡقٰٮهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿۲۰﴾ (۲۰) موسیٰؑ نے اُسے پھینکا، تو ایکدم سے وہ لاٹھی ایک سانپ بن کر دوڑنے لگا

قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ‌ وقفۃ (۲۱) خدا نے فرمایا: "اسے پکڑ لو اور ڈرو مت۔

سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ۝ (۲۱) ہم اِسے ابھی اِس کی پہلی سیرت (حقیقت) پر پلٹا دیں گے۔ ۲۱

وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰىۙ ۝ (۲۲) اور ذرا اپنا ہاتھ تو اپنی بغل میں دباؤ، چمکتا ہوا نکلے گا، بغیر کسی تکلیف یا عیب کے، یہ دوسرا معجزہ ہو گا۔

عصائے موسیٰؑ کا معجزہ ہونا جب حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ اپنے عصا (لاٹھی) کو زمین پر پھینکو۔ انھوں نے اُسے زمین پر ڈال دیا۔ تو زرد رنگ کا سانپ بن گیا جس کی گردن پر گھنے بال تھے پھر وہ پھولنے لگا یہاں تک کہ ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا کہ اونٹ کے حجم کے برابر پتھروں کو نگلنے لگا اور بڑے بڑے درختوں کو دانتوں سے پکڑ کر اکھاڑ پھینکتا، اُس کی آنکھیں آگ کی طرح روشن تھیں۔ حضرت موسیٰؑ یہ دیکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اپنے پروردگار کو یاد کرکے کھڑے ہو گئے۔ آواز آئی: ڈرو مت، بلا خوف و خطر اسے پکڑ لو۔ تو انھوں نے اپنے ہاتھ پر اونی کپڑا لپیٹ کر پکڑنا چاہا۔ خدا نے فرمایا: اے موسیٰؑ! اس کپڑے کی کیا حقیقت ہے اس اژدہے کے سامنے۔ بہرحال حضرت موسیٰؑ نے بغیر کپڑے کے اپنا ہاتھ اُس کے منھ میں داخل کر دیا تو وہ اژدہا پھر لاٹھی کی صورت میں بدل گیا۔ اور یہ عصا حضرت آدمؑ جنت سے لائے تھے۔ پھر یکے بعد دیگرے انبیاءؑ اِس کے وارث ہوئے یہاں تک کہ حضرت شعیبؑ (جو حضرت موسیٰؑ کے سُسر تھے) کے پاس پہنچا۔ اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کو دیا۔

دوسرا معجزہ یدِ بیضا۔ چمکتا ہوا ہاتھ، تھا۔ جو اندھیری رات میں سورج کی طرح چمکتا تھا۔ خدا کے حکم پر آپؑ نے اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا۔ یہ معجزہ تھا، برص کی بیماری والا ہاتھ نہ تھا۔

*۔۔۔۔ (ملخص از تفسیر انوار النجف)

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ (۲۳) تاکہ ہم تمہیں اپنی قدرت کی کچھ بڑی بڑی نشانیاں دکھادیں۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ (۲۴) اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔ واقعی وہ بڑا ہی سرکش ہوگیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ۝ (۲۵) موسیٰ نے عرض کی: "پالنے والے مالک! میرے سینے[1] کو کھول دے۔ (کشادہ کردے)

وَيَسِّرْ لِىْ اَمْرِىْ ۝ (۲۶) اور میرے لیے میرے کام کو آسان کردے۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ۝ (۲۷) اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔

يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ۝ (۲۸) تاکہ لوگ میری بات کو (بخوبی) سمجھ سکیں۔

وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ ۝ (۲۹) اور میرے لیے میرے ہی خاندان میں سے ایک وزیر مقرر کردے۔

---

[1] صدر کے معنی | امام راغب نے لکھا کہ قرآن میں صدر (سینہ) سے مراد

عضوِ جسمانی نہیں ہوتا، بلکہ علم و عمل اور انسان کے سارے قوتے باطنی مراد ہوتے ہیں۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ "میری باطنی قوتوں، اور عقل و فکر کی اصلاح فرما، اور اُن کو قوی کر دے۔"

* ...... (مفردات، امام راغب)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "قرآن میں جہاں جہاں "قلب" آیا ہے، اُس سے مراد "عقل" ہے۔"

* ...... (اصولِ کافی)

؎ دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ✲ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں * (اقبال)

★ ایک رہبرِ انقلاب کا اولین سرمایہ کشادہ دلی، حوصلہ، ہمت، استقامت، اور بُردباری ہونا چاہیے۔ اِسی لیے حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ نے فرمایا: "سینہ کی کشادگی، رہبری اور سرداری کا وسیلہ ہے۔"

* ...... (نہج البلاغہ)

حاصلِ کلام

"میرے سینے کو کھول دے" یعنی میرے دل میں نبوّت کے اس عظیم کام کو سنبھالنے کی ہمّت پیدا کر دے۔ میرا حوصلہ بڑھا دے۔ کیونکہ نبوّت کے کام کے ادا کرنے کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس لیے مجھے صبر، عزم، ہمّت، حوصلہ اور بیخوفی عطا فرما۔ * (تفہیم)

میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے

"**وزیر**" یہ لفظ "وزر" سے بنا ہے۔ جس کے معنی "سخت بوجھ" کے ہیں۔ کیونکہ وزیر، نظامِ سلطنت کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، اِس لیے اُن کو "وزیر" کہا جاتا ہے۔ پھر وزیر کے معنی "معاون اور مددگار" کے بن جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ دعا کرنا کہ "میرا وزیر میرے اہلِ خاندان سے بنا دے"، بتاتا ہے کہ نبی کا وزیر اُس کی اُمّت یا اصحاب سے نہیں، اُس کے اہلِ بیت سے ہوتا ہے۔ * (تفسیرِ نمونہ)

نتائج (۱) عام وسائل سے مدد لینا نبوّت کی سنّت ہے۔ (۲) طبعی طریقوں سے کام کرنا توکّل کے منافی نہیں۔ * ...... (تفسیرِ نمونہ)

هٰرُوۡنَ اَخِى ۝ (۳۰) ہارون کو، جو میرا بھائی ہے۔

اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ ۝ (۳۱) اُس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے۔

وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۝ (۳۲) اور اُسے میرے کام میں شریک کر دے۔

كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ۝ (۳۳) تاکہ ہم خوب تیری تسبیح (پاکی بیان) کریں

وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ۝ (۳۴) اور خوب بڑھ چڑھ کر تیرا ذکر اور چرچا کریں۔

اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ۝ (۳۵) یہ حقیقت ہے کہ تو ہمیشہ ہی سے ہمارے حالات کا خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ دعاء بتا رہی ہے کہ کاملین دعاء اور توکل کے ساتھ ساتھ اسباب سے بھی تمسک فرماتے ہیں۔ ... (تھانوی)

حضور اکرمؐ کی دعاء "مالک! میں بھی تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے کیا تھا، کہ: "میرے سینے کو کھول دے، میرے کاموں کو میرے لیے آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کو کھول دے، تاکہ لوگ میری باتوں کو سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر فرما دے، میرے بھائی علیؑ کو، اور میری پشت کو اُس کے ذریعہ سے مضبوط کر دے، اور اُس کو میرے کام میں شریک کر دے، تاکہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں، تجھے بہت بہت یاد کریں، کیونکہ تو ہمارے حال سے خوب واقف ہے۔" (درمنثور سیوطی) ... (تفسیر مجمع البیان، تفسیر المیزان، تفسیر نور الثقلین)

(اس دعاء سے معلوم ہوا کہ نبی کا وزیر خود نبی بھی منتخب نہیں کر سکتا پھر اُمّتِ نبی یہ کام کیسے کر سکتی ہے۔)

نبی کا خلیفہ صرف خدا مقرر کر سکتا ہے

محققین نے حضرت موسیٰؑ کی دعا سے یہ نتیجہ نکالا کہ: کسی نبی کا خلیفہ یا وارث خود نبی بھی معین نہیں کر سکتا۔ پھر اُمت کس حساب میں ہے؟

اگر نبی خود اپنا خلیفہ مقرر کر سکتا ہوتا تو حضرت موسیٰؑ خدا سے حضرت ہارونؑ کو اپنا وزیر بنانے کے لیے کیوں دعا فرماتے۔ اگر حضرت موسیٰ بھول گئے تھے تو خدا یاد دلا دیتا کہ مجھ سے دعا کیوں کر رہے ہو تم کو خود اپنا وزیر بنانے کا اختیار ہے۔ پھر جب اولوالعزم نبی، صاحبِ کتاب، خود اپنا خلیفہ، وزیر، یا وارث معین نہیں کر سکتا، تو بھلا گنہگار اُمت خاتم الانبیاءؐ کا وارث اور خلیفہ کیسے معین کر سکتی ہے ثابت ہوا کہ نبی کا جانشین صرف خدا معین فرماتا ہے۔ ★ ... (فصل الخطاب)

> این سعادت بزورِ بازو نیست
> تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یعنی: خلافتِ رسولؐ کی سعادت اپنے زورِ بازو سے حاصل نہیں کی جا سکتی یہ تو اُسی وقت ملتی ہے جب خداوندِ عالم کسی کو اس کا لائق سمجھ کر بخشتا ہے۔

★ اِسی لئے پیغمبرِ اکرمؐ نے بھی اپنے وزیر کے لیے حضرت موسیٰؑ کی طرح دعا فرمائی، جس کا جواب خداوندِ کریم نے یوں دیا۔ "کیا ہم نے آپؐ کے سینے کو نہیں کھول دیا؟ آپؐ کے اس بوجھ کو نہیں اُتارا جو آپؐ کی پیٹھ توڑے دے رہا تھا؟ پھر ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کیا۔ یقیناً مشکلوں کے ساتھ ساتھ آسانی ہوا کرتی ہے۔ یقیناً مشکلوں کے بعد آسانی ہوا کرتی ہے۔ اب جب کہ تم اپنے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو (علیؑ کو) مقرر کر دو۔ اور اپنے مالک کی طرف رغبت کرتے ہوئے (لوٹ جاؤ) ★... (سورۃ الم نشرح پارہ ۳۰)

★ "اے علیؑ! تمہارا مقام میرے نزدیک بالکل وہی ہے، جو موسیٰؑ کے ہاں ہارونؑ کا مقام تھا"

★ ---- (بخاری شریف۔ باب فضائل علی ابن ابی طالبؑ)

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ (۳۶) خدا نے فرمایا: "دیا گیا تم کو، جو تم نے مانگا، اے موسیٰؑ!

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾ (۳۷) اور ہم نے ایکمرتبہ (پہلے بھی) تم پر احسان کیا تھا۔

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى ﴿۳۸﴾ (۳۸) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمھاری ماں کو اشارہ کیا۔ ایسا اشارہ جو وحی کیے جانے کے قابل تھا

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾ (۳۹) کہ اِس بچے (موسیٰؑ) کو صندوق میں رکھ دو اور اُسے دریا میں ڈال دو پھر دریا اُس کو ساحل پر پھینک دے گا۔ تو اُسے میرا اور اس بچے کا دشمن اُٹھا لے گا۔ اور میں نے تمھارے لیے اپنی طرف سے محبت کا اثر پیدا کر دیا تاکہ تم خاص میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔

حضرتِ موسیٰ کی ولادت اور حفاظت

تفسیر قمی میں روایت منقول ہے کہ :

فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جس کا موسیٰ بن عمران ہو گا جس کے ہاتھوں فرعون اور اس کی فوج ہلاک ہو گی پس اُس کے سدِّباب کے لیے اُس نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو تہِ تیغ کرنا شروع کیا۔ اُن کی عورتوں اور مردوں میں دوری کر دی، بلکہ اکثر مردوں کو جیل خانوں میں ڈال دیا۔

"تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ فرعون کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں اُن کی پوری نسل نہ ختم ہو جائے (اور شاہی خاندان کی نوکری کے لیے کوئی نہ بچے) لہٰذا ایک سال بنی اسرائیل کے قتلِ عام کا حکم ہوتا اور ایک سال یہ حکم بند رہتا۔ اور حضرت موسیٰؑ اسی قتل والے سال میں پیدا ہوئے۔

بروایت قمی جب حضرت موسیٰؑ کی ولادت ہوئی تو اُن کی ماں نے اپنے حسین و جمیل بچے کو دیکھ رونا شروع کر دیا کہ ہائے میرا یہ خوبصورت بچہ ابھی قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت موسیٰؑ اس قدر خوبصورت تھے کہ دوست و دشمن اُن کو دیکھتے ہی گرویدہ ہو جاتے۔ فرعون نے دیکھا تو وہ گرویدہ ہو گیا، آسیہ زنِ فرعون نے دیکھا وہ گرفتارِ محبت ہو گئیں۔

غرض فرعون کی طرف سے جو دایہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی پہرہ دار تھی جب اُس کو اُن کی ولادت کا علم ہوا اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو روتا دیکھا تو کہنے لگی "تم غم نہ کھاؤ، میں اس کی اطلاع نہ دوں گی۔

تفسیر صافی کی روایت کے مطابق : خدا نے ایک تابوت اُتارا اور آواز آئی کہ بچے کو اس تابوت میں داخل کر کے دریا میں ڈال دو اور غم و اندوہ کو دل سے نکال دو، صبر سے کام لو۔" حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ایسا ہی کیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی بہن سے کہا کہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ یہ تابوت دریا میں بہتا ہوا شاہی محل کے قریب پہنچ گیا۔ فرعون نے اُس کو دیکھا، اُسے نکالنے کا حکم دیا، جب تابوت کو باہر نکال کر کھولا گیا تو فرعون اور اُس کی زوجہ بچہ کی خوبصورتی پر مائل اور شیدائی ہو گئے۔ لیکن فرعون کو اسرائیلی بچہ سمجھ کر اپنے تخت

اور حکومت کی فکر لاحق ہوئی؛ اِس لیے بچّہ کے قتل کے درپے ہوا۔ لیکن اُس کی زوجہ آسیہ نے اُس کی سفارش کی اور اِس طرح حضرتِ موسیٰؑ کی جان بچ گئی۔ کیونکہ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی، اِس لیے:

آسیہ زوجہ فرعون نے بچّہ کی پرورش شروع کی، لیکن بچّہ بھوک سے روتا اور کسی کا دودھ منھ سے نہ لگاتا۔ پس گردونواح کی اسرائیلی عورتوں کو دودھ پلانے کے لیے حکم ہوا لیکن پیغمبرِ خدا نے کسی عورت کے دودھ کو قبول نہ کیا۔ بالآخر حضرت موسیٰؑ کی بہن کسی طرح محل میں جا پہنچی اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک ایسی عورت کو بلا کر لے آؤں جو اِس بچّے کو دودھ بھی پلائے گی اور اِس کی پرورش بھی بخوبی کرے گی۔؟

اِس طرح حضرت موسیٰؑ اپنی ماں کی گودی میں پہنچے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے ماں کا دودھ پیا تو فرعون بہت خوش ہوا، اور انعام واکرام دے کر بچّے کی تربیت کا اُن کو کفیل بنا دیا اور آئندہ کے لیے مزید انعام واکرام کا وعدہ بھی کیا۔

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی والدہ سے کتنی مدّت تک غائب رہے۔؟ آپؑ نے فرمایا: "صرف تین دن"۔ (بحوالہ تفسیر انوار النجف) "ملخص"

★ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور خوشی کی خاطر خدا نے کیا کیا انتظامات فرمائے تو حضرت خاتم الانبیاءؐ حضرت محمّد مصطفےٰ ص کے ماں باپ کا خدا کی نگاہ کیا مقام ہوگا۔؟ معلوم ہوا کہ والدین کا خدا کے ہاں خاص مقام ہوا کرتا ہے۔

اِس طرح جو لوگ انبیاء کرامؑ کی پرورش کے ذمّے دار ہوتے ہیں اُن کی عظمت بھی قرآن سے ثابت ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کے لیے خدا نے اپنے رسولؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی"
یعنی: "کیا اُس (خدا) نے تم کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی"۔ (سورۃ والضحیٰ ۹۳ آیت ۶)

★ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا: خدا نے رسول اللہؐ کو ابوطالبؑ کے ذریعہ پناہ دی"
★ . . . . . (تفسیر کبیر امام رازی)

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ	(۴۰) جب تمھاری بہن چل رہی تھی اور پھر
هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ	اُس نے (فرعون کے محل میں جا کر) کہا: "میں تم
فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ	کو اُس کا پتہ بتا دوں جو اِس بچے کی
تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬	(بخوبی) پرورش کر سکے؟" اِس طرح ہم نے
وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ	پھر تمھیں تمھاری ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ
مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫	اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ رنجیدہ
فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ	نہ ہوں۔ پھر تم نے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا
مَدْیَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی	تو ہم نے تم کو اُس غم سے بھی نجات دی،
قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ﴿۴۰﴾	پھر تمھیں مختلف امتحانات سے گذارا۔ تو

(اس دوران) تم کئی سال مَدیَن والوں میں رہے۔ پھر اے موسیٰ! اب تم ٹھیک اپنے وقتِ معیّن پر ہماری تقدیر (پروگرام) کے فیصلے پر اِدھر آ گئے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۴۱﴾ (۴۱) اور میں نے تم کو اپنے کام کا بنالیا ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ (۴۲) سو، جاؤ! تم اور تمھارا بھائی' میری نشانیوں کے ساتھ' اور (دیکھو) مجھے یاد کرنے میں سستی نہ کرنا۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ (۴۳) تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ واقعی سرکشی میں حد سے بڑھ چکا ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ (۴۴) مگر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا[1]' شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ (۴۵) دونوں نے عرض کی: "اے ہم دونوں کے پالنے والے مالک! ہمیں ڈر ہے کہ وہ کہیں ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے' یا سرکشی میں بڑھ جائے۔

مُبلّغین کو نرم لہجہ اختیار کرنا چاہیئے

[1] محققین نے نتیجہ نکالا کہ مبلّغینِ دین کے لیے ضروری ہے

کہ ہمیشہ نرم اندازِ گفتگو اختیار فرمائیں۔
٭ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ابنِ عربی)

٭ امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "جب خدا نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا تو نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا، حالانکہ خدا جانتا تھا کہ فرعون نصیحت حاصل نہ کرے گا، اور نہ ڈرے گا۔ لیکن ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت یہ تھی کہ موسیٰ جانے پر آمادہ ہوجائیں۔ (تاکہ اتمامِ حجت ہوجائے) ٭ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر صافی)

٭ محققین نے لکھا کہ خدا کو خوب معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ اُس کے تیور ہی بتا رہے تھے پھر بھی خدا نے یہ فرمایا: "شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے"۔ اصل میں یہاں تبلیغِ دین کے اصول کو بتلایا گیا ہے کہ فرعون جیسے سرکش متکبر انسان کے سامنے بھی دین کو نرمی سے پیش کیا جائے۔ کیونکہ سخت کلامی، قبولِ حق میں خود حجاب بن جاتی ہے نصیحت سننے والا اگر حق کو قبول کرنا بھی چاہے تو بھی اُس میں سخت کلامی کی وجہ سے ضد کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، پھر وہ حق کو قبول نہیں کرتا۔
٭ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر مجمع البیان ۔ فصل الخطاب ۔ تفسیر نمونہ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آدمی کی اصلاح کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو وہ سمجھانے سے مان جاتا ہے یا پھر برے کام کے برے انجام کے خوف سے سیدھا ہوجاتا ہے۔ ٭ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

۳۔ حضرت موسیٰ کو خوف تھا کہ کہیں فرعون اپنی سرکشی کی وجہ سے بات سننے سے پہلے ہی انھیں اور ہارونؑ کو قتل نہ کردے۔ اس کے جواب میں خدا نے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا: "تم بالکل نہ ڈرو، میں تو تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔ میں سنتا، دیکھتا ہوں"۔

٭ رہا یہ سوال کہ حضرت موسیٰ نے اپنے علم کے باوجود یہ کیوں سوال کیا؟ جواب یہ ہے کہ علم و آگہی کے کئی مراتب و مدارج ہوتے ہیں۔ انسان کسی بات کو یقینی طور پر جاننے کے لیے قلبی اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو معاد پر یقین تھا لیکن اطمینانِ قلب کے لیے خدا سے دعا کی کہ مجھے دکھا دے۔
٭ ۔ ۔ ۔ (تفسیر نمونہ)

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (۴۶) خدا نے فرمایا: "ڈرومت، میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ ہوں، میں تم دونوں کے ساتھ سنتا ہوں گا اور دیکھتا رہوں گا۔

فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (۴۷) تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے پالنے والے مالک کے (بھیجے ہوئے) پیغمبر ہیں، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، اور اُن کو تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے پالنے والے مالک کی طرف سے معجزہ بھی لے کر آئے ہیں، اور سلامتی ہو اُس پر جو سیدھے راستے پر چلے۔

---

* فرعون کے مظالم اب حد سے بڑھ گئے تھے۔ بنی اسرائیل کا مطالبہ تھا کہ ہمیں ہمارے وطن کنعان (شام) واپس جانے دے۔ مگر فرعون کی حکومت اُن سے بیگار اور محنت مزدوری کا سخت کام بہت کم اُجرت پر یا مفت لیتی تھی۔ جس طرح ہمارے ہاں ظالم وڈیرے اپنے ہاریوں سے مفت کام لیتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے یہی مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ (مؤلف)

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

(۴۸) حقیقتاً ہم کو واقعاً بطورِ وحی یہ پیغام دے کر بھیجا گیا ہے کہ اُس کے لیے (دائمی) عذاب ہے، جو حق کو جھٹلائے اور اُس سے منھ موڑلے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی ﴿۴۹﴾

(۴۹) فرعون نے پوچھا: "اے موسیٰ! تم دونوں کا پالنے والا مالک ہے کون ؟

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾

(۵۰) موسیٰؑ نے جواب دیا: "ہمارا پالنے والا[۱] مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کا وجود بخشا ہے، پھر اُس کی رہنمائی بھی کی ہے"

خدا کی ذات کی معرفت

۱ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ خدا کی ذات کی معرفت ممکن نہیں، صرف اُس کے صفات اور افعال ہی سے اُس کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ .... (تھانوی)

★ خدا کی معرفت کا پہلا باب یہ ہے کہ اُس نے ساری مخلوقات کو شرفِ وجود بخشا۔ پھر جس کی جیسی فطرت کی ساخت رکھی ویسا ہی اُس سے کام لیا۔ غرض تخلیق و تربیت، دونوں کا مبداء اور سرچشمہ

خدا ہی ہے۔ اُسی نے ہستی کی ساخت کو موزوں، متوازن، ہم آہنگ اور مناسب بنایا۔

"خدا کی ہدایت" سے مراد یہ ہے کہ "جس مقصد کے لیے جس مخلوق کو پیدا کیا اُسے اُسی کام پر لگا دیا"۔ یہ ہے رُبوبیّت اور ہدایت کی شان۔

غرض حضرت موسیٰ ؑ کا جواب اپنے کمالِ اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کامل ہے، اور تمام مخلوقات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جواب بتا رہا ہے کہ "قادر بذاتِ خود" منعمِ حقیقی اور ہادیٔ برحق صرف خدا کی ذات ہے، اُس کے سوا، جو کچھ ہے وہ اپنی ذات وصفات وافعال میں خدا کا محتاج ہے۔ اسی لیے اس جواب پر فرعون مبہوت ہو کر رہ گیا، اور مجبور ہو گیا کہ کلام کا رُخ موڑ دے۔
* - - - (ماجدی)

غرض حضرت موسیٰ ؑ نے معرفتِ الٰہی کا بنیادی اصول بتا دیا کہ خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور جس وجود کو جس چیز کی ضرورت تھی اُس کو وہ چیز فراہم کی۔ مثلاً پرندوں کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ اُڑ سکیں، اور سمندروں میں رہنے والی مخلوق کو ایسا بنایا کہ وہ سمندروں میں رہ سکے۔

پھر موجودات کی رہنمائی بھی کی، کہ وہ اپنی احتیاجات کو کس طرح پورا کریں؟

پھر انسان کی ہدایتِ تکوینی بھی کی اور ہدایتِ تشریعی بھی کی، کیونکہ انسان فاعلِ مختار اور صاحبِ عقل و اختیار ہے، اِس لیے اُس کی ذمّہ داریاں بتائیں، اور دنیوی واُخروی فلاح کے اصول بتائے۔

اِس طرح حضرتِ موسیٰ ؑ نے فرعون کو سمجھا دیا کہ تُو کچھ بھی نہیں ہے، نہ تو عالمِ ہستی کی ضروریات کو جانتا ہے، نہ اُن کو پورا فراہم کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرعون یہ جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔
* - - - - (تفسیر نمونہ)

نبوّت کی دلیل

حضرتِ موسیٰ ؑ نے اشارتاً رسالت کی یہ دلیل پیش کر دی کہ خدا کائنات کا خالق بھی ہے اور ہادی بھی، جو ہر چیز کو اُس کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایت دے رہا ہے۔ انسان کی شعوری ذمّہ داریوں کا تقاضا ہے کہ اُس کو زندگی گزارنے کے طریقوں اور مقاصد کی ہدایت کی جائے۔ اور اُن کی عقل و شعور سے اپیل کر کے اُن کو سیدھا راستہ دکھائے۔ اُسی کو نبی کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے ہدایت کا کام انجام دے۔ * - - (تفہیم القرآن)

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ (۵۱) فرعون نے پوچھا: "اچھا تو پھر جو نسلیں گذر
الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾ چکی ہیں، اُن کا کیا بنا"؟

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (۵۲) موسیٰؑ نے کہا: "اُن کا علم میرے پالنے والے
فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ مالک کے پاس ایک کتاب میں (محفوظ) ہے
وَ لَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ اور میرا پالنے والا مالک نہ تو چوکتا بھٹکتا ہے
اور نہ کچھ بھولتا بھالتا ہے۔

۱؎ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ جب خدا ہی پالنے والا مالک ہے تو پھر پچھلی نسلیں اور قومیں ختم کیوں ہوگئیں؟ حضرت موسیٰؑ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ کوئی نسل ختم نہیں ہوئی۔ خدا کا نظام ہی یہ ہے کہ جس کو زمین پر پیدا کیا جائے اُس کو موت کے بعد زمین میں لوٹا دیا جائے اور قیامت کے دن پھر زمین سے نکالا جائے اور حسبِ فکر و عمل دائمی زندگی عطا کی جائے۔
*..... (فصل الخطاب)

۲؎ حضرت موسیٰؑ کے حکیمانہ جواب کا مطلب یہ تھا کہ پچھلے لوگ جیسے بھی تھے اپنا اپنا کام کر کے خدا کے ہاں جا چکے، اُن کا پورا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے، خدا کے پاس کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ مجھے اور تمھیں یہ فکر نہیں کرنی چاہیے کہ اُن کا کیا انجام ہوا؟ ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔ فرعون کا اصل مقصد یہ تھا کہ موسیٰؑ ہمارے باپ دادا کو جہنمی کہیں تو لوگ موسیٰؑ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اِس لیے حضرت موسیٰؑ نے انھیں جہنمی نہ کہا، بلکہ بڑی حکمت کے ساتھ جواب دیا جو بالکل صحیح بھی تھا اور لوگوں کو بھڑکانے والا بھی نہ تھا۔
*..... (تفہیم)

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّ سَلَکَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾

(۵۳) وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، اور تمہارے چلنے کے راستے بنائے، اور آسمان سے پانی بھی برسایا، پھر ہم نے اُس سے مختلف اقسام کی نباتات کے جوڑے نکالے۔

کُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾

(۵۴) (تاکہ، تم بھی) کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ حقیقتاً اس سارے نظام میں صاحبانِ عقل وفہم کے لیے (خدا کی عظمت، قدرت اور حکمت کی زبردست) نشانیاں اور دلیلیں موجود ہیں۔

اُولِی النُّهٰی (صاحبانِ فکر و عمل) جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر اولی النہٰی (صاحبانِ فکر و عمل) ہیں۔" پوچھا گیا: اولی النہٰی کون ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: "وہ لوگ جو اچھے اخلاق اور عقلِ سلیم رکھتے ہیں، صلۂ رحمی (یعنی) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں، فقیروں، ضرورتمندوں، یتیموں اور ہمسایوں کی مدد کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، دنیا میں صلح اور امن پھیلاتے ہیں اور جب لوگ غفلت کی نیند سوئے ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔"
(اصول کافی جلد ۲)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵ (۵۵) غرض اِس زمین ہی سے تو ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تمھیں واپس لے جائیں گے، اور پھر اِسی سے تم کو دوبارہ (باہر) نکالیں گے۔

مٹّی اور انسان

ہر چیز مٹّی سے بنی، پھر سب کچھ مٹّی ہی میں مل جائیگا

یعنی سب انسان مٹّی سے پیدا ہوئے ہیں، پھر سب مٹّی ہی میں مل جائیں گے، پھر سب کے سب مٹّی میں سے زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔ مٹّی سے پیدا ہونا اور مٹّی میں مل جانا تو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جب دو باتیں سچّی ثابت ہو چکیں تو تیسری بات کا ہونا کیوں محال سمجھا جائے؟

یہ آیت فرعون جیسے سرکشوں کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ بھولیں کہ وہ مٹّی سے بنے ہیں اور مٹّی ہو جانا ہے، سارا غرور و نخوت مٹّی مل جائے گا۔ *...... (تفسیر نمونہ)

نماز میں ۲ دو سجدے کیوں؟

کسی نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے نماز میں ۲ دو سجدے کرنے کا مطلب پوچھا: تو آپؑ نے فرمایا: "پہلے سجدے کا مطلب یہ ہے کہ اے مالک! میں تو مٹّی ہی تھا" پھر پہلے سجدے سے سر اُٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ: "مالک! تُو نے مجھے اِسی مٹّی سے باہر نکالا"۔

پھر دوسرے سجدے میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ "تُو مجھے اِسی مٹّی کی طرف پلٹائے گا"۔ اور دوسرے سجدے سے سر اُٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ: دوبارہ تُو مجھے اِسی مٹّی سے اُٹھا کر کھڑا کرے گا۔"

*.... (بحارالانوار جلد ۸۵ چاپ جدید)

وَلَقَدۡ اَرَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾ اس طرح ہم نے فرعون کو اپنی قدرت و حکمت کی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا چلا گیا۔

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ یٰمُوۡسٰی ﴿۵۷﴾ (۵۷) کہنے لگا: "اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے زور پر ہمارے ہی ملک سے نکال باہر کرو"؟

فرعون کی بدمعاشی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت موسیٰ تو اپنی قوم کو آزاد کرا کے مصر سے باہر نکال کر لے جانے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور فرعون، لوگوں کو بھڑکانے کے لیے بالکل ہی اُلٹی بات کہہ رہا ہے کہ: "تم ہمیں اپنے جادو کے زور پر ہمارے ہی ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔" اس کو آجکل سیاست کہتے ہیں، جو اصل میں بدمعاشی ہے۔ اس طرح فرعون تعصب کی آگ بھڑکا کر اپنا کام نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ * ..... (تفہیم)

* فرعون کے جواب کا اصل مطلب یہ تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا یہ نبوت کا دعویٰ، توحید کا پیغام یہ سب کچھ صرف میری حکومت پر قبضہ کرنے کا بہانہ ہے۔ تمہارا مقصد نہ توحید کا پیغام ہے نہ بنی اسرائیل کی نجات ہے، تمہارا اصل مقصد حکومت حاصل کرنا ہے۔ انسان جیسا خود ہوتا ہے ایسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ یہی وہ تہمت ہے جو ہمیشہ مصلحین کے خلاف تمام سلاطین و حکام جور استعمال کرتے آئے ہیں۔ "ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں" * ..... (تفسیر نمونہ)

فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ (۵۸) اچھا تو پھر ہم بھی تمہارے مقابلے پر
فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ ویسا ہی جادو لائیں گے (جیسا تم لائے ہو)
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ پس اب تم ہمارے اور اپنے درمیان (مقابلے
وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝۵۸ کے) وعدہ کا ایک وقت مقرّر کرلو۔ جس کے
خلاف، نہ ہم کچھ کریں اور نہ تم۔ ایسی جگہ پر
(مقابلہ ہو) جو کھلے میدان کے سامنے درمیان میں ہو۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ (۵۹) موسیٰؑ نے کہا: "تمہارے لیے اُس
وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ وعدے کا دن (تمہارے) جشن اور زینت
والا دن ہے۔ اور یہ کہ دن چڑھے لوگ جمع کرلیے جائیں۔

★ مصری لوگ اپنا قومی تہوار سال میں دو دفعہ مناتے تھے۔ ایک دفعہ مارچ میں اور دوسری دفعہ اگست میں۔ مگر تیسرا جشن اِن دونوں سے بڑھ چڑھ کر ہوتا تھا۔ آیت میں وہی دن مراد ہے۔ (یعنی میلے کا دن)

★ فرعون کا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح جادوگروں کے ذریعے موسیٰؑ کے معجزے کا اثر لوگوں کے دلوں سے دور ہوجائے۔ اور اُدھر حضرت موسیٰؑ یہ چاہتے تھے کہ مقابلہ ضرور ہو۔ تاکہ ساری قوم جادو اور معجزے کے فرق کو سمجھ لے۔ اسی لیے جشنِ اعظم کا دن مقرر ہوا تاکہ پوری قوم مقابلہ دیکھے
*۔۔۔۔ (تفہیم)

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ (۶۰) تو فرعون نے پلٹ کر اپنی ساری
ثُمَّ اَتٰى ۝ مکاریاں جمع کریں اور پھر (مقابلہ پر) آگیا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ (۶۱) موسیٰؑ نے اُن سے کہا: "وائے ہو تم پر
لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اللہ پر جھوٹی تہمتیں اور الزامات نہ لگاؤ،
فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ ورنہ وہ (اپنے) عذاب سے تمہارا تیا پانچا
خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ کر ڈالے گا، (کیونکہ) جس نے بھی جھوٹ
گھڑا وہ ہمیشہ لازمی طور پر ناکام و نامراد ہوا۔"

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ (۶۲) اِس پر اُن میں آپس میں جھگڑا ہونا
وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ شروع ہوگیا، اور پھر وہ چپکے چپکے
مشورے کرنے لگے

ؔ حضرت موسیٰؑ کی یہ دو ٹوک باتیں بتا رہی ہیں کہ وہ خود جادوگر نہیں ہیں، جادوگر ایسی دو ٹوک باتیں نہیں کرسکتے، یہ باتیں از خود بتا رہی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ سچے پیغمبر ہیں، اسی لیے جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادوگر نہیں ہیں بلکہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں، اُن کی یہ باتیں سچائی کی دلیل تھیں، ہر نبی کی باتیں اُس کی سچائی کی دلیل ہوا کرتی ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا: "یہ باتیں سن کر جادوگر آپس میں چپکے چپکے مشورے کرنے لگے۔"
(تفسیر نمونہ)

قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿۶۳﴾

(۶۳) پھر بولے کہ: "یقیناً یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور پر تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں، اور تمہارے اعلیٰ مثالی شاندار طریقۂ زندگی کا خاتمہ کر ڈالیں۔

فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا‌ ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿۶۴﴾

(۶۴) تو تم اپنی ساری تدبیریں مکمل کرلو، اور پھر صف بندی کر کے (مقابلے پر) آجاؤ (اس لئے کہ) آج جو غالب رہا وہی جیت گیا۔"

حضرت موسیٰؑ سے جادوگروں کو متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر فرعون کے سرداروں نے جادوگروں سے کہا کہ: "موسیٰؑ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے، وہ زمین جو تمھیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہی نہیں بلکہ موسیٰؑ تمھارے دین کو بھی ختم کردینا چاہتا ہے۔ پس تم متحد ہو کر موسیٰؑ کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ۔ اسی اتحاد میں تمھاری کامیابی چھپی ہوئی ہے۔ آج وہی کامیاب ہوگا جو اپنی برتری ثابت کردے گا۔ * ... ... (تفسیر نمونہ)

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰی ﴿۶۵﴾

(۶۵) جادوگروں نے کہا: "اے موسیٰؑ! تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم اپنا جادو پھینکیں"؟

قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُہُمۡ وَ عِصِیُّہُمۡ یُخَیَّلُ اِلَیۡہِ مِنۡ سِحۡرِہِمۡ اَنَّہَا تَسۡعٰی ﴿۶۶﴾

(۶۶) موسیٰؑ نے کہا: "چلو تم ہی پھینکو" تو ایکدم سے اُن کی پھینکی ہوئی رسّیاں اور لکڑیاں موسیٰؑ کے خیال میں اُن کے جادو کے زور سے دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِہٖ خِیۡفَۃً مُّوۡسٰی ﴿۶۷﴾

(۶۷) موسیٰؑ بھی اپنے دل میں ڈرنے لگے۔[1]

★ [1] حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ "حضرت موسیٰؑ اپنی جان کے خوف سے نہیں ڈر رہے تھے، بلکہ اُن کو یہ خوف ہوا تھا کہ کہیں میری جاہل قوم یہ دیکھ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ ★ ..... (تفسیر صافی - نہج البلاغہ)

★ حضرت موسیٰؑ کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سب ماجرا دیکھ کر اُن کی قوم کہیں شبہ میں نہ پڑ جائے اور ڈر کر گمراہ نہ ہو جائے۔ ★ ..... (تفسیر تبیان - جلالین)

قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی ﴿۶۸﴾ ہم نے کہا: "ڈرو مت، یقیناً تم ہی جیتو گے۔ (یعنی: تم اِن پر غالب ہو گے)

وَ اَلۡقِ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾ اور پھینک دو وہ (عصا) جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، وہ اُن ساری چیزوں (جادو کے سانپوں) کو جو اُنھوں نے بنائے ہیں، ہڑپ کر جائے گا۔ یہ جو کچھ بھی بنا لائے ہیں وہ تو صرف جادوگر کا فریب ہے۔ اور جادوگر کہیں جائے کبھی حقیقی معنی میں کامیاب نہیں ہوتا خواہ کیسی ہی شان (دکھاوے) سے آئے۔"

جادو کرنا حرام اور سیکھنا جائز ہے

اسلامی فقہ میں جادو کو حرام اور گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے کیونکہ جادو کا اکثر کام دھوکہ دینے، گمراہ کرنے اور سادہ لوگوں کے عقیدے خراب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ جادوگروں کے جادو کو باطل کرنے اور ان سے پہنچنے والی تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے جادو سیکھنا جائز ہے۔
★ ---- (تفسیر نمونہ)

★ جناب امیر المومنین ؑ نے فرمایا: "نجومی مثل کاہن کے ہے، اور کاہن مثل ساحر (جادوگر) کے ہے، اور جادوگر مثل کافر کے ہے اور کافر جہنم میں جائے گا۔" (نہج البلاغہ)

★ جادو انسان کی طاقت سے اور معجزہ خدا کی طاقت سے ہوتا ہے، جادوگر، مکار ہوتے ہیں جبکہ انبیاء پاکیزہ کردار ہوتے ہیں۔
★ ---- (ملخص، از تفسیر نمونہ)

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (۷۰) (آخر کار) سارے کے سارے
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ جادوگر سجدے میں گر پڑے، اور
وَمُوْسٰی ۞ پکار اٹھے: "مان لیا ہم نے ہارون
اور موسیٰؑ کے پالنے والے مالک کو۔ (کہ حقیقی معبود وہی ہے)

★ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھا تو ان کو فوراً یقین آگیا کہ یہ کام اُن کے فن کی حدود سے بالکل باہر ہے، اسی لیے وہ سب کے سب فوراً بیساختہ سجدے میں گر پڑے۔

اس طرح فرعون کی یہ کوشش قطعاً ناکام ہوگئی کہ حضرت موسیٰ جادوگر ہیں۔ سب نے مان لیا کہ موسیٰؑ جو دکھا رہے ہیں وہ جادو نہیں، وہ، وہ معجزہ ہے جو خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لیے جادوگروں نے یہ نہیں کہا کہ موسیٰؑ ہم سے زیادہ بڑا جادوگر ہے، بلکہ انھیں یقین آگیا کہ موسیٰؑ جادوگر نہیں ہے رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔ ★ ۔۔۔۔ (تفہیم)

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ ایمان صرف نبی پر لانا کافی نہیں ہوتا، نبیؑ کے ساتھ ساتھ نبیؑ کے وصیؑ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی لیے جادوگروں نے کہا کہ "مان لیا ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کے پالنے والے مالک کو۔" یعنی موسیٰؑ کے ساتھ ساتھ ہارونؑ پر بھی ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ نبیؑ کے وصیؑ پر ایمان لانے پر ہی ایمان مکمل ہوتا ہے۔

★ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! تم میرے پاس وہی مقام اور منزلت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے پاس حاصل تھی، ہاں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"
★ ۔۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری شریف)

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

(۷۱) فرعون نے کہا: ارے، تم نے میری اجازت ملنے سے پہلے ہی مان لیا؟ تو یقیناً یہی تمہارا گرو (اُستاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ تو اب تو میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا، اور پھر لازمی طور پر تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی پر چڑھاؤں گا، پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کی سزا زیادہ سخت ہمیشہ رہنے والی ہے۔"

★ ہاری ہوئی بازی کو جیتنے کے لیے (کھسیانی بلی کی طرح) فرعون کا یہ آخری داؤ تھا کہ جادوگروں کو اتنی تکلیف دہ سزا دے کہ وہ مان لیں کہ (واقعی) موسیٰؑ سے اُن کی ملی بھگت (نورا کشتی) ہے۔ مگر جادوگروں کے (پختہ یقین اور) عزم ہمت نے اُس کی یہ بازی بھی اُلٹ (کر رکھ) دی۔ اُن کے اِس سزا کو برداشت کرنے نے ثابت کر دیا کہ جادوگر سچے دل سے موسیٰؑ (و ہارونؑ کے رب) پر ایمان لائے ہیں اور فرعون کا قول جھوٹا ہے اور سیاست ہے۔
★ ..... (تفہیم)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿۷۲﴾

(۷۲) جادوگروں نے کہا: "ہم ہرگز تجھے اُن واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آچکیں، اور نہ اُس ذات پر (تجھے ترجیح دیں گے) جس نے ہمیں پیدا کیا، پس جو کچھ بھی تجھے کرنا ہے کر ڈال (زیادہ سے زیادہ تو ہماری) دنیوی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔

ایمان کی پختگی

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ اگر انسان میں صلاحیت ہے تو وہ بہت جلد توفیقاتِ الٰہی کے سبب سے انتہائی کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ جادوگروں کا عمل اُن کے (ایمان کی پختگی) اور انتہائی باکمال ہونے کی دلیل ہے۔ (اسی وجہ سے وہ اپنی جان پر کھیل گئے) * (تھانوی)

* اصل میں جادوگروں نے فرعون سے کہا تھا کہ ہمیں حضرت موسیٰؑ کو اُس وقت دکھا دے جب وہ سوئے ہوئے ہوں۔ جب اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کو سوتے ہوئے دیکھا تو اُن کا عصا اُس وقت بھی اُن کی حفاظت کر رہا تھا۔ اِس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادوگر نہیں ہے۔ کیونکہ جادوگر کا جادو اُس کے سونے پر باطل ہو جاتا ہے۔ مگر فرعون کسی طرح نہ مانا اور اُس نے جادوگروں کو مجبور کیا کہ وہ موسیٰؑ کا مقابلہ کریں۔

* ..... (تفسیر صافی بحوالہ الجوامع)

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

(۷۳) حقیقتاً ہم نے تو اپنے پالنے والے مالک کو (دل سے) مان لیا ہے، تاکہ وہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو، اور جادوگری کو، جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاف کردے، اور اللہ تو کہیں بہتر کہیں زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۗ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

(۷۴) حقیقت یہی ہے کہ جو اپنے پالنے والے مالک کے سامنے بحیثیت مجرم کے آئے گا، اُس کے لیے تو جہنّم (ہی جہنّم) ہے، جس میں وہ نہ تو مرے ہی گا[ف۱]، اور نہ وہ زندہ رہیگا۔

ف۱ یعنی: موت اور زندگی کے درمیان لٹکتا رہے گا۔ نہ موت آئے گی، کہ تکلیف ختم ہو جائے اور نہ زندگی کا لطف پاسکے گا۔ زندگی سے بیزار رہ کر موت بھی نصیب نہ ہوگی۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک عذاب اور تکلیف کی صورت ہے۔ جس کے تصوّر ہی سے روح کانپ اُٹھتی ہے۔ (تفہیم) * ...... (خدا ہم سب کو اس عذاب سے محفوظ رکھے)

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾

(۷۵) اور جو اُس کی بارگاہ میں بحیثیت مومن کے حاضر ہو، کہ اُس نے نیک اعمال بھی انجام دیے ہوں تو یہی وہ ہیں کہ جن کے لیے بلند درجے[ل] (جنّت میں مہیّا کیے گئے) ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

(۷۶) (یعنی) جاودانی زندگی والے اسدا بہار جنّتوں کے گھنے اور سرسبز و شاداب باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ صلہ اور انعام ہے اُس کے لیے جو پاکباز رہا ہو۔

ل امام فخرالدین رازی نے نکتہ نکالا کہ: "درجاتِ عالیہ تو اُن کاملین کے لیے ہیں جو اعمالِ صالح میں راسخ ہیں۔ رہا صرف معافی اور نجات کا معاملہ، تو یہ مقام اُن کلمہ گو یوں کا ہے جو ایمان و عمل کے اونچے درجات نہیں رکھتے ہوں گے۔" (تفسیر کبیر)

★ محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ: "ماحول کی مجبوری کو اکثر بہلانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ انسان فاعلِ مختار ہے، اگر چاہے تو جادوگروں کی طرح اپنے ماحول کے خلاف ایمان کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے۔ ★۔۔۔ (تفسیر نمونہ)

★ کربلا میں حضرت حُر کا یہی کردار نظر آتا ہے۔ (مولف) ★۔۔۔۔ (حدیث بیخبراں ہے تو بزمانہ بساز: گر زمانہ با تو نہ سازد تو بزمانہ ستیز) ★۔۔۔۔ (اقبال)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ (۷۷) پھر ہم نے موسیٰ پر وحی کی[ل] کہ اب تم

اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر روانہ

لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ ہو جاؤ، اور اُن کے لیے سمندر کے اندر (اپنا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ عصا مار کر) خشک راستہ بنا لو۔ نہ تو تم کو

پیچھا کر کے پکڑے جانے کا کوئی خوف ہونا چاہئیے اور نہ خطرہ۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ (۷۸) پس فرعون نے اپنی فوجوں کے ساتھ

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا اُن کا پیچھا کیا، تو سمندر نے اُن کو ایسا

غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ ڈھانپ لیا جیسا کہ ڈھانپا جانا چاہیئے

تھا۔ (یعنی بہت ہی بُری طرح سے اُن کو ڈبو مارا۔)

ل اُس زمانہ میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحرِ احمر سے بحرِ روم تک کا پورا علاقہ کھلا ہوا تھا۔ اِسی لئے حضرت موسیٰؑ نے بحرِ احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ شاید اُن کا خیال تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا پہنچ جائیں گے۔ مگر اُدھر سے فرعون لشکرِ عظیم لیکر آ پہنچا۔ اُس وقت خدا نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ سمندر پر عصا مارو۔ چنانچہ سمندر (عصا کے مارنے سے) پھٹ گیا، اور اُس کا ہر ٹکڑا ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اُس کے درمیان حضرت موسیٰؑ کے قافلہ کے گزرنے کا راستہ نکل آیا۔ یہ صریحی معجزے کا بیان ہے۔ ہوائی طوفان یا جوار بھاٹے کی وجہ سے یہ صورت ہرگز نہیں ہو سکتی۔
☆ - - - - (تفہیم)

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ — (۷۹) غرض فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا[1] اور انھیں سیدھا راستہ نہ دکھایا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ — (۸۰) اے بنی اسرائیل! ہم نے تو تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی، اور (کوہِ) "طور" کے دائیں جانب تم سے (اپنی شریعت اور ہدایت عطا کرنے کا) وعدہ کیا، اور تم پر "مَن[2] و سلویٰ" (حلوہ اور بھنی ہوئی بٹیروں کا گوشت) اُتارا۔

---

[1] حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے، کہ جبریلؑ نے حضورِ اکرمؐ کو بتایا کہ "جب فرعون سمندر کے کنارے پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اُس میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں، تو اپنے لشکر سے کہا کہ سمندر میرے خوف سے خشک ہو گیا ہے، لہٰذا تم اس میں داخل ہو جاؤ۔" اسی لیے خدا نے فرمایا کہ: "فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔" (تفسیر صافی ص۱۲۳)

[2] "کتاب خروج" میں "من و سلویٰ" کی تفصیل صرف یہ لکھی ہے کہ "سلویٰ" دھنیئے کے بیج کی طرح سفید اور اُس کا مزہ شہد کے بنے ہوئے پوڑے کی طرح تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر جا کر اُسے جمع کرتے اور چکّی میں پیس کر ہانڈیوں میں اُبال کر روٹیاں بناتے۔ اُس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا، اور رات کو جب اوس پڑتی تو اُس کے ساتھ "مَن" بھی گرتا۔ (خروج باب ۱۱ آیت ۹)

* ایک روایت میں ہے، کہ "مَن"، "حلوے" کی طرح تھا جو رات کو اوس کی طرح نازل ہوتا جس کو وہ درختوں سے جمع کر لیتے۔ اور "سلویٰ" پرندوں کا بھنا ہوا گوشت تھا جو فراوانی سے انھیں ملتا تھا۔

(تفسیر انوار النجف) ---- *

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (۸۱) وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝۸۱

لو کھاؤ ہمارا دیا ہوا پاک و نفیس رزق، اور اُسے کھا کر اُس کے بارے میں سرکشی اور زیادتی نہ کرنا، ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ لازمی طور پر گر کر ہی رہا (وہ برباد ہو کر رہا)۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (۸۲) وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝۸۲

اور حقیقتاً میں تو بہت ہی معاف کرنے والا ہوں اُس کو جو توبہ کرلے ابدی حقیقتوں کو دل سے مان لے اور نیک اعمال کرے، اور پھر سیدھے راستے پر قائم بھی رہے۔

گناہوں سے توبہ

گناہوں سے معافی کی چار شرطیں آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) سرکشی، نافرمانی یا شرک و کفر سے باز آجانا۔ (۲) اللہ و رسولؐ، کتاب و آخرت کو دل سے مان لینا (۳) نیک اعمال بجالانا۔ (۴) غلط راستے پر پھر نہ جانا (یعنی سیدھے راستے پر جمے رہنا۔) * (تفہیم)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "بخشش خداوندی کے چار دروازے ہیں: (۱) توبہ (۲) ایمان (۳) عمل صالح (۴) ولائے آلِ محمدؐ۔ اور فرمایا: تینوں شرطیں کارآمد نہیں جب تک چوتھی شرط پوری نہ ہو۔"

★ .... (تفسیر صافی بروایت کافی بحوالہ انوار النجف)

بخشش کی شرط ولائے آلِ محمدؐ

تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں "ثُمَّ اهْتَدٰى" (ہدایت) سے مراد یہ ہے کہ "ہماری ولایت اپنے اندر رکھتا ہو"

اور آپؑ کے حلفیہ بیان فرمایا کہ "اگر کوئی بندہ پوری زندگی رُکن اور مقام کے درمیان عبادتِ پروردگار میں گذار کر مرے اور ہماری وِلا نہ رکھتا ہو تو خدا اُس کو اوندھے منھ جہنّم میں ڈال دے گا۔" (اِس روایت کو اہلِ سنّت کے عظیم محدث ابوالقاسم حسکانی نے نقل کیا ہے)

★ .... (بحوالہ تفسیر انوار النجف - حاکم حسکانی) ★ ... (تفسیر نمونہ)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ بھی روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "تم دیکھتے نہیں کہ خدا نے ہدایت کی کیسی شرط لگادی۔ ایمان اور عملِ صالح بھی کچھ نفع نہ دے گا جب تک تم ہدایت یافتہ نہ ہوگے۔" راوی نے پوچھا: "کس طرح ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے؟" فرمایا: "ہماری طرف ہدایت پایا ہوا ہو کر۔"

★ .... (تفسیر صافی صـ ۳۲۱ بحوالہ تفسیر قمی)

★ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "اے علیؑ! جو شخص تمہاری راہ سے بھٹک گیا، وہ یقیناً گمراہ ہوگیا۔ کیونکہ جس نے تم تک اور تمہاری ولایت تک راہ نہ پائی، وہ ہرگز ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا، اور یہ بات خدا کے اُس قول سے ثابت ہے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت پڑھی۔"

★ .... (المجالس)

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى (۸۳) اے موسیٰ ! آخر کس چیز کے سبب سے تم جلد بازی سے کام لیکر اپنی قوم کو چھوڑ آئے ؟

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (۸۴) موسیٰؑ نے عرض کی : "وہ لوگ تو میرے پیچھے پیچھے آہی رہے ہیں، اور میرے پالنے والے مالک ! میں تو جلدی کر کے آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہو گیا ہوں کہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں۔"

لہ اہلِ اشارات نے لکھا کہ اس میں اشارہ ہے حضرت موسیٰؑ کے فورِ شوق اور اضطراب کی جانب۔ ★--- (ماجدی)

★ حضرت موسیٰؑ کو جب (کوہ) طور پر بلایا گیا تھا تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنی قوم کے ساتھ آنا۔ مگر قوم نے تیاری میں بڑی دیر کردی۔ موسیٰؑ ملاقاتِ رب کے شوق میں یہ کہکر چلے گئے کہ میں جاتا ہوں تم میرے پیچھے آجانا۔ اِدھر قوم، موسیٰؑ کے جاتے ہی سامری کے جال میں پھنس گئی۔ ★.... (تفسیر مجمع البیان)

★ فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ "خدا کے حکم سے ذرا بھی ہٹنا، انتہائی نیک نیتی ہی سے کیوں نہ ہو، برے نتائج کا حامل ہوتا ہے۔" ★.... (ماجدی)

★ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "عاشقِ بیقرار کو نہ کھانے کا ہوش رہتا ہے، نہ ٹھنڈے خوشگوار پانی کا، نہ اُسے چین کی نیند آتی ہے، اور نہ اُس کا کسی دوست سے جی لگتا ہے.... وہ تو رات دن خدا کو یاد کرتا ہے، اس اُمید پر کہ وہ جلد اپنے محبوب (اللہ) تک پہنچ جائے.... جس طرح موسیٰؑ نے فرمایا: "اے اللہ! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی اس لیے کی، تاکہ تو مجھ سے خوش ہو جائے۔" ★.... (تفسیر از الثقلین جلد ۳ ص ۳۸۸)

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾	خدا نے فرمایا: "ہم نے تمھارے (آ جانے کے) بعد تمھاری قوم کا امتحان کیا، اور سامری[ؔ] نے انھیں گمراہ کر دیا۔"
فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾	(غرض) موسیٰ سخت غصہ میں افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے اور کہا: "اے میری قوم کے لوگو! کیا تمھارے پالنے والے مالک نے تم سے اتنا اچھا[۲] وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا اتنی سی مدت تمھارے لیے بہت لمبی ہو گئی؟ یا ارادتاً تم نے یہی چاہا کہ تمھارے پالنے والے مالک کا غیظ و غضب تم پر اُترے؟ پس تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔"

سامری [ؔ] سامری منافق تھا اور اسلام ظاہر کرتا تھا، اُس کی قوم گائے کی پجاری تھی۔ اُس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ "سامرہ" بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا جس کو سامری کہا جاتا تھا۔۔۔۔ (تفسیر کشاف جلد ۲ ص ۲۹ طبع مصر)

★ بائیبل کا بیان ہے کہ "دولتِ اسرائیل کے فرمانروا عمری نے ایک شخص "سمر" سے وہ پہاڑ خریدا تھا جس پر بعد میں اُس نے دارالسلطنت تعمیر کیا۔ کیونکہ پہاڑ کے مالک کا نام "سمر" تھا، اِس لیے اُس شہر کا نام سامریہ رکھا۔"

(سلاطین ۱ باب ۱۶ آیت ۲۴) - - - - ★

★ اِس سے ثابت ہوا کہ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے "سمر" نام کے لوگ پائے جاتے تھے۔ جن کی نسبت سے قبیلہ کا نام سامری بنا۔

(تفہیم) - - - - ★

۵؎ اللہ کے اچھے وعدوں سے مراد

(۱) خدا کا بنی اسرائیل کو خیریت سے مصر سے نکالنا۔ (۲) فرعون کو تہس نہس کرنا۔ (۳) صحرا میں سائے اور خوراک کا انتظام کرنا۔ (۴) شریعت اور ہدایت نامہ دینا۔ کیا خدا کے احسانات کو اتنی مدّت ہو گئی ہے کہ تم اُنھیں بھول گئے ہو؟ کیا تمہاری مصیبت کا زمانہ گذرے صدیاں گذر گئی ہیں کہ تم بدمست ہو گئے ہو؟ ہدایت نامہ دینے کا جو ہم نے وعدہ کیا تھا اُس کے پورا ہونے میں اتنی تاخیر تو نہیں ہوئی ہے کہ تم بہانے بنا سکو۔

اور حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا کہ "تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی" تو اِس وعدے سے مراد ہر قوم کا وہ وعدہ ہے جو وہ نبی سے کرتی ہے۔ یعنی:[1] نبی کی اطاعت اور اتباع کا وعدہ۔

(۲) نبی کی دی ہوئی ہدایت پر عمل کرنے کا ———— وعدہ۔

(۳) اور خدا کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرنے کا ———— وعدہ۔

(تفہیم) - - - - ★

★ بہرحال یہ بات طے ہے کہ کسی شخص کا یہ ارادہ کبھی نہیں ہوا کرتا کہ خدا کا غضب خریدے۔ اِس لیے اِس عبارت سے مراد یہ ہے کہ: اے قوم! تمہارا عمل اِس قسم کا ہے کہ گویا تم نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ خدا کا غضب خریدو۔

(تفسیر نمونہ) - - - - ★

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ (۸۷) اُنھوں نے جواب دیا: "ہم نے از خود

بِمَلْكِنَا وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اپنی طرف سے آپ سے کوئی وعدہ خلافی نہیں

اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ کی۔ البتّہ ہوا یہ کہ ہمیں قوم والوں کے

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى بہت سے زیور اکٹّھا کر کے لانے پر آمادہ کیا گیا

السَّامِرِیُّ ﴿۸۷﴾ تھا۔ تو ہم نے اُن کو (لا کر آگ میں) ڈال دیا۔

پھر سامری نے (اُس میں) کچھ ایسا ہی کام کر ڈالا۔"

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا (۸۸) کہ وہ (بدبخت) اُن کے لیے ایک بچھڑے

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا کا مجسّمہ بنا کر نکال لایا، جس سے بیل جیسی

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى آواز نکلتی تھی۔ تو لوگ پکار اُٹھے کہ:

فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ "یہی ہے تمھارا اور موسیٰؑ کا معبود، جسے وہ (یہاں)

بھول گئے (ہیں)"

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ (۸۹) کیا وہ (احمق) دیکھتے سمجھتے نہ تھے

اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّلَا يَمۡلِكُ (۸۹) کہ نہ تو وہ (بچھڑا) اُن کی کسی بات کا
لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ۟ ع ... جواب ہی دیتا ہے، اور نہ اُن کے کسی بھی
نقصان یا نفع کا اختیار رکھتا ہے۔ ۸۹

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ (۹۰) حالانکہ ہارُونؑ پہلے ہی اُن سے کہہ چکے تھے
مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ کہ اے قوم! تمھارا اس کے ذریعہ سے امتحان
بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ لیا گیا ہے، تمھارا پالنے والا مالک تو سب کو
فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ۝ فیض پہنچانے والا "رحمٰن" ہے۔ پس تم میری
پیروی کرو، اور میری بات مانو"۔

سامری کا بچھڑا

مصر سے روانگی سے پہلے بنی اسرائیل نے قبطیوں سے اپنے زیورات عید کے موقعہ پر پہننے کے لیے طلب کیے۔ اِس کے فوراً بعد مصر چھوڑ دینے کا حکم ملا تو وہ زیورات واپس نہ کر سکے۔ سامری نے انہی زیورات کو آگ میں ڈلوا کر بچھڑا بنایا تھا۔ اُس کے قالب میں جبرئیلؑ کی گھوڑی کے پیر کی مٹی ڈالدی، جس سے وہ بچھڑا حرکت میں آگیا۔

★ بہر صورت حضرت موسیٰؑ کے چلے جانے کے ۳۵ دن بعد سامری نے بنی اسرائیل کو اُس بچھڑے (گوسالہ) کی عبادت کی دعوت دی، جو عوام کالانعام نے قبول کرلی۔ حضرت ہارونؑ نے اتمام حجت کیا کہ اِس امتحان سے نکلو اور اِس فتنہ سے بچو اور میری اطاعت کرو اور میری بات مان لو۔ لیکن وہ اُلٹا در پے ایذا ہو گئے، اور اُن کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اُن میں سے معدودے چند آدمی حضرت ہارونؑ کے پیرو تھے۔ ★... (ملخص از تفسیر انوار النجف)

قَالُوا لَن نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ (۹۱) اُنھوں نے کہا: "ہم تو اسی کو پوجتے رہیں گے
عٰكِفِينَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا جب تک کہ موسیٰؑ ہمارے پاس واپس
مُوسٰى ﴿۹۱﴾ نہ آجائیں"۔

قَالَ يٰهٰرُونُ مَا مَنَعَكَ (۹۲) موسیٰؑ ہارونؑ سے مخاطب ہو کر
اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡٓا ﴿۹۲﴾ بولے: "اے ہارونؑ! تم نے جب یہ
دیکھ ہی لیا تھا کہ وہ گمراہ ہو رہے ہیں، تو پھر تم کو
کس چیز نے روکا،

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ (۹۳) کہ تم میرے پیچھے پیچھے[1] نہ چلے آئے؟
اَمۡرِىۡ ﴿۹۳﴾ تو کیا تم نے بھی میرے حکم کی مخالفت کی"؟

---

[1] حضرت موسیٰؑ کا مطلب یہ تھا کہ "اے ہارونؑ! تم ثابت قدم لوگوں کو، جو گوسالہ (بچھڑے) کی پرستش سے الگ رہے تھے، لے کر میرے پاس کیوں نہ آگئے"؟ (تبیان)

★ ہارونؑ نے جواب دیا کہ: "مجھے یہ خوف ہوا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے قوم میں انتشار و اختلاف پیدا کر دیا۔

★ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کے بعد خلافتِ ظاہری کے لیے تلوار نہ نکالی، کیونکہ حضورؐ نے قوم میں اختلاف اور انتشار پیدا کرنے سے منع فرمایا تھا، اور صبر کی تلقین فرمائی تھی۔ (مؤلف)

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ (۹۴) ہارُونؑ نے کہا: "اے میرے ماں جائے

بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ (بھائی)! میری داڑھی نہ پکڑیے، اور

اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ نہ میرے سر کے بال کھینچیے، مجھے تو بس

فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِس بات کا ڈر تھا کہ آپؑ کہیں گے کہ

وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی،

اور میری بات کا خیال تک نہ کیا۔

حضرت ہارُونؑ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ "میں نے لوگوں کو گمراہی سے روکنے کی بڑی ہی کوشش کی مگر اُنھوں نے آپؑ کے خلاف سخت فساد کھڑا کر دیا، اور مجھ کو مار ڈالنے پر تل گئے۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں خانہ جنگی نہ ہو جائے۔ اور بعد میں آپؑ شکایت کریں کہ تم نے معاملات کو اِس حد تک کیوں بگڑنے دیا، میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا؟" کیونکہ سورۃ الاعراف میں حضرت ہارونؑ کا یہ جواب موجود ہے کہ: "میری ماں کے بیٹے! اِن لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور اِس ظالم گروہ میں مجھے شمار نہ کریں۔" (الاعراف آیت ۱۵۰) ــــ (تفہیم)

حضرت موسٰیؑ کا غصّہ آپؑ کا غصّہ تمام تر غیرتِ دینی کے سبب سے تھا، اِس لیے صرف جائز ہی نہ تھا، بلکہ عبادت تھا۔ اور حضرت ہارونؑ کا ماں جائے کہنا صنفِ محبّت کے لیے تھا۔ نیز یہ کہ اسرائیلیوں کے نزدیک تخاطب کا یہی طریقہ عام تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں تفرقہ ڈالنا بدترین گناہ ہے۔

★ آنحضرتؐ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ شرک کے بعد سب سے زیادہ لڑنے جھگڑنے سے باز رہنا۔ (الحدیث)

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ موسیٰؑ نے کہا: "اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے"؟

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ اُس نے جواب دیا: "میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جو اُن لوگوں کو نہیں دکھائی دی، تو میں نے (خدا کے) بھیجے ہوئے (فرشتے) کے قدم کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی لے لی، اور اُس کو (بچھڑے مجسّمے کے اندر) ڈال دیا، اور میرے نفس نے مجھے ایسا کرنے پر اُکسایا تھا۔

سامری کون تھا اور کیا تھا؟؟

★ سامری حضرت موسیٰؑ کی قوم سے تھا۔

★ اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ: "یہ شخص اہلِ کرمان سے تھا لیکن بنی اسرائیل میں بہت مقبول تھا۔

★ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص دراصل ایسی جگہ کا رہنے والا تھا جہاں کے لوگ گوسالہ پرستی کرتے تھے۔ اور اس کا اپنا دین بھی یہی تھا۔

★ حضرت موسیٰؑ کے لشکر میں یہ سب سے آگے تھا۔ اس نے حضرت جبرئیلؑ کی سواری کے

قدموں کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ جہاں اُس کا قدم پڑتا ہے اُس جگہ کی مٹی میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ پس اُس نے وہ مٹی اُٹھالی، اور اپنے پاس محفوظ کرلی۔ پس جب ابلیس بشکلِ انسانی بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کے لیے آیا تو بنی اسرائیل (اُن) قبطیوں سے حاصل کردہ سونا لے کر آگ میں پگھلایا اور گوسالہ کی شکل میں اُس کو ڈھال دیا۔ پس سامری سے مٹی لے کر اُس کی ایک چٹکی اُس گوسالہ کے اندر ڈال دی، تو اُس میں حرکت بھی پیدا ہوگئی اور چمڑا اور بال بھی اُگ آئے۔ پس کہا گیا کہ تمہارا خدا یہ ہے۔ لہٰذا اِس کی پرستش کرو۔

چنانچہ بنی اسرائیل کی اکثریت اُس شیطانی جال میں پھنس گئی۔ جن کی تعداد چھ لاکھ تک مذکور ہے۔ اور حضرت ہارون ؑ کی نصیحت پر عمل والے اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد بارہ ہزار منقول ہے۔"
* ---- (تفسیر انوار النجف)

★ سامری کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ: "جبریل ؑ کو میں نے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ جہاں اُن کے گھوڑے کا پیر پڑتا ہے وہاں کی گھاس تروتازہ ہوجاتی ہے۔ اِس لیے میں سمجھ گیا کہ اِس مٹی میں زندگی پیدا کرنے کی تاثیر ہے۔"
* ---- (ماجدی)

صوفیاء نے نتائج نکالے

(۱) اِس آیت سے کشف و کرامات پر ناز کرنے کی ممانعت نکلتی ہے۔ (۲) کشف کی صلاحیت کافر و مشرک میں بھی ہوسکتی ہے۔ (۳) کشف کوئی معیارِ فضیلت نہیں۔
* ----- (تھانوی)

؎ کل میکدے میں تھی جو کوئی بیخودی کی بات :: مسجد میں جا کے کشف و کرامات ہوگئی۔

قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِى الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ‌ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ‌ ۚ وَانْظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا‌ ؕ لَّـنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِى الۡيَمِّ نَسۡفًا ۝۹۷

(۹۷) موسیٰؑ نے کہا: "چل دفع ہو۔ اب تیرے لیے زندگی بھر یہی پکارتے رہنے (کی سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے کہ "مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے"۔ اور تیرے لیے ایک (دائمی سزا کے) وعدے کا وقت مقرر ہے، جو تجھ سے ہرگز نہ ٹل سکے گا۔ اور اب دیکھ اپنے اُس معبود کا حشر، جس پر تو بری طرح ریجھا ہوا (فریفتہ) تھا، کہ اب ہم اُسے ضرور جلا ڈالیں گے، اور پھر ریزہ ریزہ کر کے اُس کی راکھ دریا میں بہا دیں گے۔

سامری اور اُس کے بچھڑے (گوسالہ) کا انجام

حضرت موسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ:

"ہم اِس (گوسالہ) کو جلائیں گے اور دریا میں بہائیں گے"۔ یہ اِس لیے فرمایا "تاکہ دنیا سمجھ لے کہ جس بچھڑے (گوسالہ) کے مجسمے کو وہ اپنا معبود سمجھ رہے ہیں، وہ کتنا مجبور اور بے بس ہے۔
(مجمع البیان)

★ محققین نے لکھا کہ: سامری کو دنیا میں بھی سزا ملی کہ اُسے اَچھوت قرار دے دیا گیا۔ ہندوستان (بھارت) میں آج بھی چھوت چھات کا دستور سامری کی سزا سے ماخوذ ہے۔
(ماجدی)

فقہاء نے نتائج نکالے

(۱) مشرک سے لاتعلقی جائز ہے۔

(۲) بڑے مجرموں سے ملنے جُلنے سے روک دینا جائز ہے۔

اہلِ اشارات نے لکھا

کہ اگر گناہ بغیر بغاوت کی نیّت کے ہوں تو اکثر خدا کی طرف سے توفیقِ توبہ مل جایا کرتی ہے۔ جیسے اسرائیلیوں کو توبہ کی توفیق ملی۔ مگر سامری کو توبہ کی توفیق اِس لیے نہ ملی کہ اُس نے خبثِ باطن اور بغاوت کے ساتھ گناہ کیا، جبکہ اسرائیلیوں نے بغاوت کے ساتھ گناہ نہ کیا۔

* ----- (ماجدی)

حضرت علی علیہ السّلام کی دعاء

دُعائے میں آپؑ نے اِس طرح دعاء تعلیم فرمائی:

"خدایا! اگرچہ مجھ سے خطائیں ہوئی ہیں، مگر وہ تجھ سے بغاوت کی نیّت سے نہ تھیں بلکہ شیطان نے میرے نفس کو گناہ پر اُبھارا اور اُس نے مجھے پھسلا دیا۔ اِس لیے میری خطاؤں کو معاف فرما دے"۔

* ----- (از مفاتیح الجنان)

★ آپؑ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: **اِس اُمّت کا سامری (حسن بصری) ہے**

"ہر قوم اور ہر گروہ میں کوئی نہ کوئی سامری ضرور ہوتا ہے۔ اور اِس اُمّت کا سامری یہ (حسن بصری) ہے۔ فرق یہ ہے کہ سامری کہتا تھا لَا مِسَاسَ (مجھے کوئی نہ چھوئے) اور یہ (حسن بصری) کہتا ہے "لَا قِتَالَ" یعنی: کسی سے جنگ نہیں کرنا چاہیے۔ حتّٰے کہ منحرفین اور مفسدین سے بھی"۔

* ----- (نور الثقلین جلد ۳)

★ اللہ نے سامری کو دائمی عذاب میں مبتلاء کر دیا، جو بھی اُس کو ہاتھ لگاتا یا اُس کے بدن کو چھوتا تھا تو وہ فوراً بیمار پڑ جاتا تھا۔ پس لوگ اُس سے کنارہ کش ہو گئے اور وہ جنگلوں میں جانوروں کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور ہو گیا۔ اُس کی اولاد جہاں کہیں آباد ہے وہ بھی اسی بلاء میں گرفتار ہے اور لامساسی لقب سے مشہور ہے۔

* --- (تفسیر قمی بحوالہ انوار النجف)

★ تفسیر بُرہان کی ایک روایت ہے، کہ جن لوگوں نے گوسالہ کی عبادت کی تھی اُنہی کو بعد میں قائل کرنے کے لیے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا گویا مقصد یہ تھا کہ اُن کے دلوں میں اُس کے معبود ہونے کا تصوّر تک ختم ہو جائے۔

* --- (تفسیر انوار النجف)

اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ (۹۸) تم لوگوں کا اصل معبود تو بس اللہ[1]

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ ہے، جس کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی

شَیْءٍ عِلْمًا ۝۹۸ نہیں، اور اُس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ (۹۹) اِس طرح ہم پچھلے[2] گذرے ہوئے

مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ حالات کی کچھ خبریں تمہارے سامنے

وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا بیان کرتے ہیں، اور ہم نے خاص اپنی

ذِكْرًا ۝۹۹ طرف سے ذکر یعنی درسِ نصیحت تمھیں عطا کیا ہے۔

۱؎ مطلب یہ ہے کہ حقیقی خدا گھڑے ہوئے خداؤں جیسا نہیں ہے، کہ نہ کسی کی سُن سکتے ہیں اور نہ کسی کا جواب دیتے ہیں، اور نہ کسی کی کوئی مشکل حل کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ (تفہیم)

۲؎ **تاریخ کی اہمیت** اِس آیت میں تاریخ کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ تاریخ انسانوں کے ہزاروں سال کے تجربے کا نچوڑ ہوتا ہے، اور انسان کی زندگی کا حاصل تجربے کے سوا کچھ نہیں۔ اسی لیے

★ امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: "اے بیٹا! یہ ٹھیک ہے کہ میں نے پچھلے لوگوں میں زندگی نہیں گزاری، لیکن میں نے اُن کے کردار کا مطالعہ کیا، یہاں تک کہ اب میں اُن ہی میں سے ایک ہوگیا ہوں۔ تاریخ کے مطالعے کی وجہ سے گویا میں اُن سب کے ساتھ اوّل دنیا سے آج تک رہا ہوں۔ میں نے اُن لوگوں کی زندگی کے صاف شفاف حصّے کو گدلے اور گندلے حصّے سے الگ کرکے پہچان لیا ہے۔" ★..... (نہج البلاغہ)

مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ (۱۰۰) اب جو کوئی بھی اِس سے منھ موڑے گا

يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۙ۝ تو وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اُٹھائیگا

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ (۱۰۱) جس کی سزا) میں وہ ہمیشہ رہے گا

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ۙ۝ اور اُن کے لیے قیامت کے دن (اُس گناہ کا

بوجھ) سخت تکلیف دہ بوجھ ثابت ہوگا۔

يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ (۱۰۲) اُس دن جب صُور پھونکا جائے گا

الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ۖۚ۝ اور ہم مجرموں کو اِس حال میں جمع کریں گے

کہ اُن کی آنکھیں سفیدی[۱] مائل نیلی ہو چکی ہونگی

يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ (۱۰۳) وہ آپس میں چپکے چپکے[۲] کہہ رہے ہوں گے

لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ۝ "تم دنیا میں بمشکل دس[۱] دن رہے ہو

---

۱ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ پیاس کی وجہ سے اُن کی آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔

۲ یعنی مجرم لوگ آپس میں سرگوشی کریں گے۔ جب صورِ اوّل میں سب مرجائیں گے اور چالیس سال کے بعد دوسرے صور سے سب زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور جب اپنے سامنے عذاب دیکھیں گے تو چالیس سال کا پُرسکون زمانہ اُن کو دس دن کے برابر محسوس ہوگا۔ بعضوں نے کہا کہ ہولِ محشر کی وجہ سے اُن کو گزشتہ مدت بالکل قلیل معلوم ہوگی *

* (تفسیر انوار النجف)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (۱۰۴) (جبکہ) ہمیں خوب معلوم ہے جو وہ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً کہہ رہے ہیں، حالانکہ اُن کا سب سے سمجھدار اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا آدمی تو یہ کہتا ہوگا کہ تم (دنیا میں) نہیں رہے ہو، مگر صرف ایک دن۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (۱۰۵) وہ لوگ آپؐ سے پہاڑوں کے متعلق فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا پوچھتے ہیں، تو آپؐ کہدیجئے کہ میرا پالنے والا مالک (قیامت کے دن) اُن کو دُھول یا سُرمہ بنا کر اُڑا دے گا۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (۱۰۶) اور انھیں بالکل چٹیل[1] میدان بنا دے گا۔ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ (۱۰۷) جس میں نہ پھر تمھیں کوئی ناہمواری اَمْتًا (ڈیڑھا پن) نظر آئے گا، اور نہ کوئی بلندی۔

---

[1] اِس قسم کی دوسری آیات سے جو شکل ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے، کہ قیامت کے دن پورا کرۂ زمین چٹیل میدان کی طرح ہموار کر دیا جائیگا، نہ اِس میں پہاڑ ہوں گے، نہ سمندر، * - - - (مولف)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا (۲۳) (مثلاً) اور ہم نے موسیٰ کو
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف
اپنی نشانیوں اور کھلی ہوئی دلیل کے
ساتھ بھیجا۔
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ (۲۴) مگر اُنھوں نے کہا: "یہ تو
فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ جادوگر ہے، وہ بھی بڑا جھوٹا۔"

آیت ۲۳-۲۴ کی تشریح "سلطانٍ مبینٍ" یعنی: سندِ ماموریت" اِس بات کی سند کہ حضرت موسیٰؑ کو خدا نے خود رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی ایسی واضح علامات جن سے اِس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہ رہے کہ موسیٰؑ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، اور اُن کی پشت پر الٰہی طاقتیں ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی نبوّت کی واضح نشانی یہ بھی کہ چند سال پہلے جو شخص فرعون کے ایک آدمی کو اتفاقاً غلطی سے قتل کر کے چھپ کر شہر سے نکل گیا ہو، وہ اچانک ہلا لاٹھی ہاتھ میں لئے سیدھا فرعون کے بھرے دربار میں دندناتا ہوا دندانہ گھستا چلا آئے اور پھر دھڑلے کے ساتھ فرعون جیسے سرکش شہنشاہ اور اُس کے ساتھیوں کو علی الاعلان للکارے کہ تم خدا نہیں ہو۔ اللہ رب العالمین خدا ہے۔ اور میں اُس کا نمائندہ ہوں۔ مجھے مانو اور میری ہدایات پر عمل کرو۔

اِس قدر جرأت کے بعد فرعون جیسے مطلق العنان عالمی طاقت کو اُن پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے جبکہ موسیٰؑ اُس کی غلام قوم کے ایک فرد تھے، اور اُن پر الزامِ قتل بھی تھا، اگر فرعون اُن کو فوراً گرفتار کر لیتا تو وہ احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شخصیت نے اُن سب کو اپنا مرعوب کر دیا تھا کہ وہ اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ کشاف)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

(۲۵) پھر جب وہ (پیغمبر) ہماری طرف سے حق کو اُن کے سامنے لے آئے، تو انھوں نے کہا: "اچھا تو اب جو لوگ اِس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دو۔" مگر منکرینِ حق کافروں کی چال بالکل بیکار رہی (یا) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

خداوندِ عالم نے فرمایا کہ "پھر جب وہ (موسیٰؑ) ہماری طرف سے حق اُن کے سامنے لے آئے"۔ یعنی جب پے درپے معجزات اور نشانیاں دکھا دکھا کر حضرت موسیٰؑ نے یہ بات فرعون پر پوری پوری طرح واضح اور ثابت کر دی کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسولؑ ہیں اور انھوں نے اپنا پیغامِ حق اپنی مضبوط اور واضح دلیلوں سے اُن کے سامنے برحق ثابت کر دیا تب فرعونیوں نے پوری طرح سمجھ لیا کہ اب دلیلوں کے ذریعے ہم موسیٰؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

لہٰذا وہ غنڈہ گردی اور بدمعاشی پر اُتر آئے۔ ظالموں، جابروں کا طریقۂ کار یہی ہوا کرتا ہے کہ جب اُن کے پاس دلیل نہیں ہوتی تو پھر وہ ظلم و جبر پر اُتر آتے ہیں۔ اِسی لیے آخرِ کار فرعون نے بھی ظلم اور جبر کا طریقہ اختیار کیا کیونکہ وہ حق کے سامنے دلیل نہ لا سکا تو مجبور ہو کر اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے "سب لڑکوں کو قتل کر دو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو"۔ اصل میں فرعون کا اس حکم دینے کا مقصد حضرت موسیٰؑ کے حامیوں کو بُری طرح ڈرانا دھمکانا تھا۔ تاکہ وہ ڈر کر اور سہم کر حضرت موسیٰؑ کا ساتھ چھوڑ دیں۔" ؎

گفتارِ صدقِ مایۂ آزار می شود
چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم) ......٭

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

(۲۶) اور فرعون نے تو (یہاں تک) کہدیا: "چھوڑ دو مجھے، میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں۔ اب پکار لے یہ اپنے پالنے والے مالک کو، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین و مذہب (یا) طریقۂ زندگی ہی کو بدل ڈالے گا، یا پھر ملک میں فساد برپا کر دے گا۔"

★ فرزندِ رسولِ خدا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ "فرعون کو حضرت موسیٰ کے قتل کرنے سے کونسی چیز روکتی تھی"؟ امام نے فرمایا: "(۱) حضرت موسیٰ کی (معجزانہ) قوت۔ (۲) اور دوسرے یہ کہ انبیاء کرام اور اولادِ انبیاء کو ولد الزنا کے سوا کوئی قتل نہیں کرتا"۔ (علل الشرائع)

★ فرعون کا یہ کہنا کہ موسیٰ "تمہارے دین کو بدل ڈالے گا"۔ تو فرعون کا دین کیا تھا؟ فرعون کا مطلب "دین" سے اُس کی اپنی حکومت تھی۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰ میری حکومت کے نظام کو ختم کر کے اپنی حکومت یا کوئی دوسری حکومت قائم کر دے گا۔ (روح المعانی)

★ ہر زمانہ کے مکّار، بدمعاش، ظالم حکمراں کبھی اپنے منھ سے یہ نہیں کہتے کہ ہمیں اپنے اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔ وہ ہمیشہ اس طرح بات کرتے ہیں کہ خطرہ عوام کو ہے، مجھے نہیں ہے۔ اِسی لیے فرعون نے یہ مکّاری چلی کہ لوگوں سے کہا کہ اگر موسیٰ کامیاب ہو گئے تو وہ تمہارا دین بدل ڈالیں گے، میں تمہارے غم میں گھلا جا رہا ہوں، اس لیے موسیٰ کو قتل کر دینا چاہیے۔ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

وَقَالَ مُوْسٰىٓ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

(۲۷) اور موسیٰ نے کہا: "میں اپنے اور تمہارے پالنے والے مالک سے پناہ مانگتا ہوں، ہر اُس متکبر شخص کے مقابلے میں جو حساب کے دن کو نہیں مانتا۔"

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ

(۲۸) اِس پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، بول اُٹھا: "کیا تم ایک شخص کو (صرف) اِس بات پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پالنے والا مالک اللہ ہے، جبکہ وہ شخص تمہارے پاس تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے واضح دلیلیں اور معجزے بھی لے کر آیا ہے۔ پھر اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کے جھوٹ سے خود اُسی کو نقصان پہنچے گا، لیکن اگر

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ کَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

وہ سچّا ہوا، تو جس عذاب (کے ہولناک نتائج) سے وہ تم کو ڈراتا ہے اُس میں سے کچھ حصّہ تو ضرور تم پر آ کر رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کسی ایسے شخص کو ہدایت دے کر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے بڑھ جانے والا بھی ہو اور بڑا جھوٹا بھی

مومنِ آلِ فرعون حزقیلؑ کا ذکر [1]

خداوندِ عالم کا فرمانا: "آلِ فرعون میں سے ایک شخص جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا" بطور تعریف ہے۔ خدا اُس شخص کی مدح فرما رہا ہے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اسی کو تقیہ کرنا کہتے ہیں۔ بشرطیکہ انسان اپنی جان اور عزت کے بچانے کے لیے اپنے ایمان کو چھپائے۔ تقیہ کے معنی "بچانا" ہوتا ہے۔ (مؤلف)

اِس آیت کے سلسلے میں فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام علی ابنِ موسیٰ الرضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ مردِ مومن، فرعون کا ماموں زاد بھائی تھا۔"

* ...... (تفسیر صافی بحوالہ عیون الاخبار الرضاؑ)

★ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "وہ شخص فرعون کے خزانوں کا مالک (انچارج) تھا اور اُس نے چھ سو سال اپنا ایمان چھپائے رکھا تھا۔" (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی)

★ نیز امام صادقِ آلِ محمدؑ نے فرمایا: "تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آبا و اجداد کا دین ہے، اور جو تقیہ کا منکر ہے اُس کا کوئی دین نہیں۔ تقیہ زمین میں اللہ کی ڈھال ہے۔ اِس لیے کہ اگر مومنِ آلِ فرعون نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا ہوتا تو وہ ضرور قتل کر دیا جاتا۔" (تفسیر مجمع البیان)

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

(۲۹) اے میری قوم والو! آج تمھیں حکومت حاصل ہے اور زمین میں تم غالب بھی ہو لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آ گیا، تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کرے گا؟" فرعون نے کہا: "میں تو تمھیں بس وہی رائے دے رہا ہوں جو میں (ٹھیک) سمجھتا ہوں، اور میں تمھیں صرف وہی راستہ بتاتا ہوں جو بالکل ٹھیک اور بھلا ہوتا ہے۔"

★ اصل میں انسان کا مددگار صرف خدا ہے۔ اگر ہم برے کام کر کے اللہ کو ناراض کر دیتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرنا چھوڑ دیتا ہے اور ہمیں خود ہمارے حوالے کر دیتا ہے۔ پھر کوئی مدد کرنے والا نہیں رہتا، پھر انسان یا ایسا معاشرہ بے یار و مددگار زمانے کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے۔ (مؤلف)

★ فرعون کے جواب میں نمایاں کمزوری دکھائی دے رہی ہے، کیونکہ وہ احمق اُس مومن کے عقلی استدلال کا جواب نہ دے سکا اس لیے اُس نے صرف اپنی انا کو نمایاں کر کے دلیل کے بجائے اپنی ذات اور اپنی انا کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ "میں جو سمجھتا ہوں ٹھیک سمجھتا ہوں، کیونکہ میں بڑی توپ ہوں، طرم خاں ہوں، مجھ جیسا بڑا آدمی غلط تھوڑی سوچ سکتا ہے" یہ کہو اس خود بتا رہی ہے کہ اُس کے پاس کوئی عقلی دلیل نہ تھی، اس لئے اُسے اپنے مال متاع اور اقتدار کا سہارا لینا پڑا۔ ...... (فصل الخطاب)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ (۳۰) اِس پر وہ شخص جو (دل میں)
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ ایمان لایا تھا' بولا: "اے میری قوم
يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ والو! میں تمھارے لیے اُس دن سے
ڈرتا ہوں جو اس سے پہلے بہت گروہوں پر
آچکا ہے۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ (۳۱) جیسا دن قومِ نوحؑ، قومِ عاد و
وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ ثمود اور اُن کے بعد والی قوموں پر
بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ آیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ
ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

"مِثْلَ دَاْبِ" یعنی قومِ نوحؑ اور قومِ عاد و ثمود کا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ اور ان کے بعد دوسری وہ قومیں جو نبیوں کی تکذیب کرتی رہیں، اُن کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرو' اور اُن کا انجام بد اللہ کی طرف سے ظلم نہیں تھا، بلکہ اُن کے اپنے کردارِ بد کا بدلہ تھا۔ (تفسیر انوار النجف)

حاصلِ بیان یہ ہے کہ خداوندِ عالم کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوقات کو خواہ مخواہ ہلاک کیوں کرے گا؟ خدا اُن پر اپنا عذاب صرف اُسی وقت بھیجتا ہے جب وہ حد سے گزر جاتے ہیں۔ اور یہ خدا کے عدل و انصاف کا تقاضا ہوتا ہے۔ (ظلم نہیں ہوتا۔) (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

وَيٰقَوْمِ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ (۳۲) اور اے میری قوم والو! میں تمہارے

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ لیے اُس پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں جب

(ہر ایک) ایکدوسرے کو روتے اور فریاد کرتے ہوئے پکارتا ہوگا۔[1]

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ (۳۳) جس دن تم پیٹھ پھرائے بھاگے بھاگے

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ پھروگے، اللہ سے تمہارا بچانے والا

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ کوئی نہ ہوگا، غرض جسے اللہ گمراہی میں

هَادٍ ﴿۳۳﴾ چھوڑ دے اُسے ہدایت کرکے صحیح

راستے پر لگانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

---

[1] **يَوْمَ التَّنَادِ "پکارنے کے دن" سے مراد**

فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس پکارنے کے دن" سے مراد وہ دن ہے جس دن جہنم والے جنتیوں کو پکار پکار کر کہیں گے: "تھوڑا سا پانی اور جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اُس میں سے کچھ ہماری طرف پھینک دو۔" (القرآن) (سورۃ الاعراف آیت ۵۰ پارہ ۸)

غرض یہ وہ دن ہے جس دن ہر ایک دوسرے کو آواز دے گا۔ (تفسیر صافی بحوالہ معانی الاخبار)

★ قیامت کے دن کو چیخ و پکار کا دن اِس لیے کہا جاتا ہے کہ اُس دن بڑی زبردست چیخ و پکار مچے گی۔

(ابن جریر)

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ (۱۰۴) اور موسیٰ نے کہا: "اے فرعون! میں تمام جہانوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰۴ کے پالنے والے کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ (۱۰۵) " مجھ پر لازم ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق

اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ کے سوا کچھ نہ کہوں۔ بیشک میں تمہارے پاس

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے کھلی ہوئی

اِسْرَآءِيْلَ ۝ ۱۰۵ دلیلیں لے کر آیا ہوں پس تو میرے ساتھ (میری قوم)

بنی اسرائیل کو بھیج دے۔"

فرعون کے معنی: "سورج دیوتا کی اولاد" ہوتے ہیں۔ قدیم مصری، سورج کو "مہادیو" یا "ربِّ اعلیٰ" مانتے تھے۔ بادشاہ اُسی وقت بادشاہ ہوسکتا تھا جب وہ سورج کا جسمانی مظہر، نمائندہ یا خلیفہ ہو۔ اِسی لیے ہر شاہی خاندان خود کو سورج کی اولاد بنا کر پیش کرتا تھا، اور خود کو فرعون یعنی "سورج کی اولاد" کہتا تھا۔ ★..... (تفہیم)

(آیت ۱۰۵) فرعون نے بنی اسرائیل کو زبردستی اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اُن کی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ: "بنی اسرائیل کو اُن کے ساتھ اُن کے آبائی وطن شام کی مقدس سرزمین پر جانے کی اجازت دے۔ ★..... (مجمع البیان)

بنی اسرائیل اصل میں ایک موحّد قوم تھی جو اُس وقت کے مشرک فرعون کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اِسی لیے حضرت موسیٰؑ کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ میں اپنے موحّدین کو اس مشرکانہ جاہل فضا سے الگ لے جا کر ایک علیحدہ خطۂ زمین پر آباد کروں گا۔

پاکستان بنانے کا تصور بھی حضرت موسیٰؑ کے اِسی مطالبے کا سا تصور تھا۔ ★..... (ماجدی)

حضرت موسیٰؑ، فرعون کی طرف خدا کے پیغامات لے کر آئے تھے۔ (۱) اللہ کی بندگی (اسلام) قبول کرو۔ (۲) بنی اسرائیل کو آزاد کرو اور اُن پر ظلم بند کرو۔ ★..... (تفہیم)

قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ (۱۰۶) فرعون نے کہا: "اگر تو کوئی نشانی لیکر آیا ہے
بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ‏ ۝ تو اُسے پیش کر اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے"!
فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ (۱۰۷) پس موسیٰ نے اپنا عصا (ڈنڈا-لاٹھی کو زمین پر)
مُّبِيۡنٌ ۝ ۱۰۷ ڈال دیا، تو یکایک وہ ایک جیتا جاگتا، ظاہر بہ ظاہر
اژدہا بن گیا۔
وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ (۱۰۸) پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ (اپنی جیب سے) نکالا
لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝ ۱۰۸ تو وہ سب دیکھنے والوں کیلئے چمک (جگمگا) رہا تھا۔

(آیت ۱۰۶) مشرکوں کو عقلی دلائل اور ضمیر کی گواہی کے بجائے مادّی قسم کے معجزات زیادہ سمجھ میں آتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ عقل وضمیر سے کام لینا نہیں چاہتے۔ اِسی لیے وہ ہمیشہ مادّی قسم کے معجزات اور خوارقِ عادات کی فرمائشیں کرتے رہتے ہیں۔ *........ (ماجدی)

(آیت ۱۰۷) "ثُعۡبَانٌ" بڑے موٹے، لمبے چوڑے سانپ یا اژدہے کو کہتے ہیں۔ *.... (تفسیر کبیر۔ قرطبی)

حضرت موسیٰ کا عصا جنّت کے درخت سے تھا جسے حضرت آدم اپنے ہمراہ لائے تھے، پھر وہ عصا نسلاً بعد نسلٍ حضرت شعیب تک پہنچا، جب حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو آٹھ برس کیلئے اپنا اجیر بنایا تو اُس وقت وہ عصا آپ کو دیا گیا تھا۔
*....... (مجمع البیان)

(آیت ۱۰۸) حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے جو نور نکلتا تھا وہ اسقدر طاقت ور چمکدار تھا کہ سورج کی شعاعیں بھی اُس کے سامنے ماند پڑجاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ بڑے وجیہ جوان تھے۔ گندمی رنگ تھا۔ بخت اور بارعب وہیبت والے تھے۔
*....... (تفسیر صافی ص۱۷۹)

رہا لاٹھی کا اژدہا بننا اور پھر اُس کا دوبارہ عصا بن جانا، تو جو شخص یہ مانتا ہے کہ خدا زندگی اور موت کا عطا کرنے والا ہے، تو وہ اگر تدریجاً زندگی عطا کرسکتا ہے، تو اچانک بھی عطا کرسکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اژدہے کے انڈے سے تدریجاً اژدہے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن لکڑی (عصا) سے اژدہا صرف تین دفعہ بنا تھا۔ *....... (تفہیم)

قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ (۱۰۹) (اس پر، فرعون کی قوم کے سرداروں نے (آپس میں) کہا:

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۙ ۱۰۹ حقیقتاً یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ (۱۱۰) یہ تمھیں تمھاری زمین سے نکال دینا چاہتا ہے

فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ۱۱۰ پس اب تم کیا حکم دیتے ہو؟

سیاستدانوں کی بدمعاشیاں

(آیت ۱۱۱) یہاں سیاستدانوں کی بدمعاشی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ ظالم غاصب ہوتے ہوئے مجبور عوام کی زبان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے ترجمان بن کر اُن کی ہمدردیاں حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ فرعون کے درباری اور سردار سب قبطی تھے جو فرعون کے خاندان کے لوگ تھے، اور بنی اسرائیل بیچارے غریب عوام تھے، اس لیے فرعون نے اُن سے کہا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں جادوگر ہیں اور تمھیں تمھاری اپنی زمینِ مصر سے نکلوانا چاہتے ہیں تاکہ تم بے گھر ہو جاؤ۔ ..... پھر سرداروں نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ کیونکہ موسیٰؑ و ہارونؑ جادوگر ہیں اس لیے سارے شہروں سے بڑے بڑے جادوگر منگوا کر اُن کو شکست دلوادے۔ اس طرح اُن کی نبوت کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہو جائے گا۔ ... * (فصل الخطاب)

رہا سوال کہ حضرت موسیٰؑ سے فرعون کیوں مرعوب ہو گیا؟ تو اس کا سبب یہ تھا کہ: حضرت موسیٰؑ ایسا معجزہ دکھا رہے تھے جسے وہ خود اور اُس کے درباری اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ کسی عظیم طاقت کا اعجاز ہے۔ اسی لیے اُس نے ایک طرف تو حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہا، اور دوسری طرف بوکھلا کر اُن کو سیاسی انقلاب لانے والا بھی کہا جبکہ سب جانتے ہیں کہ جادو کے بل پر کبھی دنیا میں کوئی سیاسی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔

تحقیق اور نتیجہ: محققین نے لکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے مشن کو جو حق تھا باطل کی شکل میں پیش کیا۔ یہی حال ہر زمانے کے اہلِ باطل کا ہوتا ہے کہ وہ عوام کو اہلِ حق سے نفرت دلانے کے لیے اُن کے حق کو بُرے الفاظ اور پیرائے میں ظاہر کیا کرتے ہیں۔

*..... (ماجدی)

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ (۱۱۱) وہ سب بولے: اِس کو اور اِس کے بھائی کو مہلت
فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ ۱۱۱ دے کر انتظار میں رکھو اور اکٹھا کرنے والوں کو تمام
شہروں میں بھیج دو۔

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ۝ ۱۱۲ (۱۱۲) تاکہ وہ ہر ماہرِ فن جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔
وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا (۱۱۳) پس تمام (ماہر ترین) جادوگر فرعون کے
لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ۝ ۱۱۳ پاس آکر کہنے لگے: "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں
اِس کا کوئی صلہ تو ضرور ملے گا۔؟

ولادت کی پاکیزگی کا اثر

(آیت ۱۱۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "فرعون کے مصاحبوں میں کوئی ولد الزنا نہ تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو وہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو قتل کرنے کا مشورہ دیتا۔ اِسی لیے ہمیں (اہلبیتِ رسولؐ کو) تکلیف دینے کی کوشش وہی کرتا ہے جس کی ولادت میں خباثت ہوتی ہے۔" * ...... (تفسیر صافی ص۱۶۹)

فرعون کی مکاریاں

فرعون کے درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ "تو حضرت موسیٰؑ کو روکے رکھ" تا اِس عرصے میں ہر شہر سے ماہر جادوگروں کو بُلالے۔ * ...... (قرطبی)

فرعون کے مصاحبوں کے کہنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو دربار سے ہٹا دے تاکہ ہمیں اُن کے بارے میں سوچنے اور ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کا موقع مل جائے۔ * ...... (تفسیر صافی ص۱۶۹)

(آیت ۱۱۳) جَآءَ السَّحَرَةُ: عبارت میں حذف زیادہ ہے لیکن مطلب واضح ہے۔ یعنی جادوگروں نے آکر پہلے جادو کیا اور رسیوں کے سانپ بنا کر دکھائے، تو ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ (اے موسیٰؑ تم بھی) اپنا عصا ڈالو۔ چنانچہ عصا، اژدہا بنا جو اُن کے سانپوں کو نگل گیا۔ * ...... (تفسیر انوار النجف)

لفظ "لَاَجْرًا" پر تنوین (یہاں دو زبر) اجر کی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لیے آئے ہیں یعنی ہمارے لیے بڑا اجر کیا ہوگا؟ (تفسیر کشاف)

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۱۴﴾ فرعون نے کہا: "ہاں (صلہ بھی ملے گا) اور یقیناً تم میرے مقربین میں سے بھی ہو جاؤ گے۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿۱۱۵﴾ اب وہ بولے: "اے موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں"؟

قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ موسیٰ نے جواب دیا: "تم ہی پھینکو"۔ پھر جب اُنھوں نے پھینکا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن کو ڈرا بھی دیا۔ اور اس طرح وہ بہت زبردست جادو بنا لائے۔

حضرت موسیٰ کی ہیبت اور توکل

(آیت ۱۱۵) جادوگروں نے حضرت موسیٰ کے ادب اور ہیبت کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو یہ اختیار دیا تھا ورنہ اُن کی خواہش یہی تھی کہ پہلے وہ اپنے کرشمے دکھائیں تاکہ لوگ مرعوب ہو جائیں، کیونکہ حضرت موسیٰ کو خدا پر بھروسہ تھا اس لیے اُنھوں نے جادوگروں ہی کو اُن کا فن پہلے دکھانے کا موقع دے دیا۔ (تفسیر صافی ص ۱۶۹)

جادوگروں کے کھیل کی حقیقت

جادوگروں نے موٹے موٹے رسّے اور لمبے لمبے لکڑی کے ڈنڈے (زمین پر) ڈالے تھے جو سب کے سب سانپ معلوم ہوتے تھے۔ تمام میدان اُن سانپوں سے بھر گیا تھا اور وہ ایک دوسرے پر سوار تھے۔ ...... (تفسیر صافی ص ۱۷۰)

عام لفظوں میں اس کو شعبدہ کہتے ہیں۔ مثلاً: پسا ہوا نیل لیکر نئے کپڑے میں رکھیں اور اُس کی بتی بنا کر تیل میں تر کرکے چراغ جلائیں تو اُس مکان میں (جہاں یہ چراغ جلایا جائے گا) جتنے آدمی ہوں گے سبز پوش (نیلے کپڑوں میں ملبوس) نظر آئیں گے۔ اسی طرح جادوگر اپنی لکڑیوں اور رسّیوں میں پارہ بھر کر لائے تھے اور رسّیوں اور لکڑیوں کی شکل سانپوں، اژدہوں جیسی بنائی تھی۔ جب اُن کو زمین پر پھینکا گیا تو سورج کی گرمی سے پارے نے اُڑنے کا قصد کیا، مگر کیونکہ اُن رسّیوں اور کھوکھلی لکڑیوں میں پارہ بند تھا اس لیے اُڑ نہ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسّیاں اور لکڑیاں پارے کے

زور سے اُلٹی سیدھی ہونے لگیں جس سے لوگ یہ سمجھے کہ سانپ اور اژدہے لوٹ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا اصلی اژدہا بن کر اُن سب کو ہڑپ کر گیا۔ اِسی بات سے جادوگر سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰؑ کا اژدہا شعبدہ نہیں' بلکہ اصلیت ہے۔ کیونکہ اُس نے واقعتاً' لکڑیاں اور تمام رسّیاں نگل لی تھیں۔ ٭ ...... (القرآن المبین)

اصل میں جادوگروں نے ڈھٹ بندی یا نظربندی کا فن استعمال کیا' اِسی لیے خدا نے فرمایا: "اُن کے جادو کی وجہ سے یہ خیال ہوتا تھا کہ رسّیاں دوڑ رہی ہیں۔" مگر اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ جادو کا اثر خارج میں کچھ نہیں ہوتا۔ صرف خیال یا نظریں متاثر ہوتی ہیں۔ اصل میں جادو کی کئی قسمیں ہیں۔ شاید فرعون کے جادوگروں نے نظربندی کا فن استعمال کیا تھا۔ ٭ ...... (فصل الخطاب)

جبکہ حضرت موسیٰؑ نے معجزے سے کام لیا۔ یعنی حقیقتاً اُن کا عصا' اژدہا بنا اور اُس نے واقعتاً جادوگروں کی پھینکی ہوئی رسّیوں اور ڈنڈوں کو نگل لیا۔ اِس راز کو جادوگر سمجھ گئے۔ کیونکہ وہ ماہرینِ فن تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ: حضرت موسیٰؑ نے نظربندی کا فن استعمال نہیں کیا اور نہ کوئی اور جادو کی قسم کو استعمال کیا ہے۔ بلکہ یہ جادو کے تمام طریقوں سے کہیں اعلیٰ چیز ہے جو صرف خدائی طاقت ہی سے ممکن ہے۔ اِسی لیے وہ فوراً ایمان لے آئے۔ (مؤلف)

فرعون کے جادوگر ملک کے چنیدہ اور اپنے فنِ جادوگری کے ماہر ترین جادوگر تھے جن کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ: حضرت موسیٰؑ کا عصا' اُن کے سو جانے کے بعد بھی اژدہا بن کر اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جادوگر یہ جانتے تھے کہ: جادو کا اثر جادوگر کے سو جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ تو یہ سن کر اِس مقابلے سے پہلے ہی خائف تھے' تاہم اُنھوں نے اپنے بہترین فنِ جادوگری کا مظاہرہ کیا۔ جب حضرت موسیٰؑ کا عصا' اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا تو اُن کو اِس بات کا مکمل یقین ہوگیا کہ حضرت موسیٰؑ کا فن ہمارے جادو سے بالا و اعلیٰ چیز ہے' اور یہ جادو نہیں بلکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے پروردگار کا معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اِسی لئے وہ حق شناس' یہ کہہ کر سجدے میں گر پڑے کہ: "ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے پالنے والے مالک پر ایمان لے آئے۔" یہ اُن کے یقین کی آخری منزل تھی کہ اُن کے دلوں سے فرعون کا رعب و دبدبہ اور اپنے قتل ہو جانے کا خوف جاتا رہا۔ کیونکہ مومن اللہ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ (الجبر)

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ۚ فَاِذَا ہِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ۚ ۱۱۷
(۱۱۷) اور ہم نے بھی موسیٰؑ کو اشارہ کر دیا کہ اپنا عصا (ڈنڈا) پھینک دو ۔ پھر کیا تھا، وہ عصا اُن سب جھوٹے طلسموں کو (اژدہا بن کر) نگلتا چلا گیا۔

فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَ بَطَلَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۚ ۱۱۸
(۱۱۸) اِس طرح حق واضح ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ سب کا سب جھوٹ اور باطل ہو کر رہ گیا۔

فَغُلِبُوۡا ہُنَالِکَ وَ انۡقَلَبُوۡا صٰغِرِیۡنَ ۚ ۱۱۹
(۱۱۹) پس وہ (سب کے سب) وہیں مغلوب ہو گئے اور خوب ذلیل ہوئے ۔ (اور ایمان پر) پلٹ پڑے۔

وَ اُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ۚ ۱۲۰
(۱۲۰) اور سب کے سب جادوگروں کو (حقیقت کے ادراک نے) سجدے میں گرا دیا۔

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ ۱۲۱
(۱۲۱) وہ کہنے لگے: "ہم نے تمام جہانوں کے پالنے والے مالک کو مان لیا۔

رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ۱۲۲
(۱۲۲) اُسی پالنے والے مالک کو جسے موسیٰؑ اور ہارونؑ مانتے ہیں۔

جادوگروں نے ولایت کو بھی قبول کیا (آیت ۱۲۲) محققین نے لکھا کہ: "جادوگروں نے سب سے پہلے خدا کی ربوبیت کا کلمہ پڑھا، اور کہا: "ہم نے مان لیا تمام کائنات کے پالنے والے مالک کو" پھر اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کو نبوت کا کلمہ پڑھا اور کہا: " موسیٰؑ اور ہارونؑ کے پالنے والے مالک کو"۔ گویا اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ساتھ حضرت ہارونؑ کا بھی کلمہ پڑھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف خدا اور رسولؐ ہی کو ماننے سے مکمل نہیں ہوا، بلکہ نبیؐ کے وصیؑ کا کلمہ پڑھنا ایمان کا جزو ہوتا ہے۔ اور ایمان کو مکمل کرتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔
* ۔۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری شریف)

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۲۳

(۱۲۳) فرعون نے کہا: "قبل اس کے کہ میں تمھیں اجازت دوں، تم اِس پر (کیسے) ایمان لے آئے؟ یقیناً یہ کوئی چال یا خُفیہ سازش تھی جو تم نے اِس شہر میں اِس لیے کی، تاکہ تم اِس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو۔ اچھا تو اب بہت جلد تم کو اِس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ ۱۲۴

(۱۲۴) میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور پھر تم سب کو سولی پر (بھی) چڑھاؤں گا۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ ۱۲۵

(۱۲۵) وہ بولے: "بیشک ہم اپنے پالنے والے مالک کی طرف لَوٹنے والے ہیں۔

خدا پر ایمان لانے کی سزا

(آیت ۱۲۴) لَاُقَطِّعَنَّ ..... یعنی: فرعون نے جادوگروں کو ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پَیر کاٹنے کی دھمکی دی۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا (لیکن جادوگروں نے فرعون کے اِس چیلنج اور ڈرانے دھمکانے کی مطلقاً پروا نہ کی)۔ (تفسیر مجمع البیان، تفسیر انوار النجف)

مروی ہے کہ فرعون پہلا شخص ہے جس نے ہاتھ پیر کاٹنے اور سولی پر لٹکانے کی سزا ایجاد کی۔۔ مومن جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سولی دی گئی تھی۔ جو دریائے نیل کے کنارے پر تھے۔ فرعون نے ہزار ڈرایا دھمکایا، لیکن اُنھوں نے کہا: "تو صرف اِس لیے ہم کو سزا دے رہا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ لہٰذا اِس معاملہ میں اگر ہمیں موت آئے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے، اور ہم ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

عجیب ہی نیک نصیب تھے وہ لوگ کہ جو دن کے اوّل کے حصّہ میں کافر تھے اور آخری حصّہ میں خدا پر جان دیکر شہادت پائی اور جنّت میں جا پہنچے۔ ★..... (تفسیر انوار النجف جلد ۹ صفحہ ۲۴۳)

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

(۱۲۶) اور تو جو ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ تو اس (جرم) کے سوا کچھ نہیں کہ ہم (کیوں) اپنے پالنے والے مالک کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب کہ وہ ہمارے سامنے آچکیں۔ تو اے ہمارے پالنے والے مالک! ہم پر صبر کا دہانہ کھول دے اور ہمیں دنیا سے اِس حال میں اُٹھا لینا کہ ہم تیرے مسلم (یعنی) فرماں بردار ہوں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

(۱۲۷) اور فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا: "کیا تو موسیٰ اور اُن کی قوم کو اِس لیے چھوڑ دے گا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں، حالانکہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو بھی چھوڑ چکے ہیں؟" فرعون نے جواب دیا: "ہم عنقریب اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اُن بیٹیوں (عورتوں) کو زندہ رہنے دیں گے، اور ہم تو یقیناً اُن پر غالب ہیں۔"

فرعون کی آخری چال اور اُس کی ناکامی

(آیت ۱۲۶) فرعون نے پانسہ پلٹتے دیکھ کر آخری چال چلی کہ اِس سارے معاملے کو موسیٰ اور جادوگروں کی چال قرار دیا۔ مگر اُس کی یہ چال بھی اُلٹی پڑی۔ جادوگروں نے اپنے آپ کو ہر سزا کے لیے پیش کر کے ثابت کردیا کہ وہ واقعتاً دل سے حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے، اور یہ کوئی ملی بھگت یا سازش نہ تھی۔ بلکہ صحیح معنی میں اعترافِ حق تھا۔ *........ (تفہیم)

فرعون کے مظالم

(آیت ۱۲۷) فرعون جن مظالم کا ذکر کر رہا ہے یہ وہی ہیں جو وہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے سے پہلے بھی کر رہا تھا۔ اب اعلان کر رہا ہے کہ وہی مظالم پھر کروں گا۔ گویا درمیان میں اُن مظالم کو چھوڑ دیا تھا۔ اب پھر اُن کے شروع کرنے کا اعلان کر رہا ہے۔ *........ (فصل الخطاب — موضح القرآن)

فرق صرف یہ تھا کہ اب نوزائیدہ بچوں کے بجائے طاقتور سمجھدار نوجوانوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے جن سے اسے خوف ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کا ساتھ دیں گے اور منظم ہو کر آزادی کی تحریک چلائیں گے۔ *..... (مجمع البیان)

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸

(۱۲۸) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ یقیناً زمین تو اللہ کی ہی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اُس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری کامیابی انھیں کے لیے ہے جو خدا کے عائد کیئے ہوئے فرائض کو ادا کرتے ہیں اور بُرائیوں سے بچتے رہتے ہیں۔

زمین خدا کی ہے، اس کے وارث بھی اللہ والے (اہل بیتِ رسولؐ کے ائمہؑ) ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اِس آیت کو تلاوت فرمایا، پھر فرمایا: وہ میں ہوں اور میرے اہلِ بیتؑ جن کو اللہ نے زمین کا وارث قرار دیا ہے۔ ہم ہی متقین ہیں، اور زمین ساری کی ساری ہماری ہے۔ پس مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی زمین کے کسی حصّے کو آباد کرے، تو اُسے لازم ہے کہ اُس کا خراج اہلِ بیتِ رسولؐ کے امام کی خدمت میں پہنچا دیا کرے جو باقی رہے وہ اُس کا ہے۔ پھر اگر وہ اُس حصّۂ زمین کو چھوڑ دے، اور دوسرا مسلمان اُس کو آباد کرے، تو یہ آباد کرنے والا اُس زمین کا مستحق ہو جائے گا۔ پھر اُس پر بھی لازم ہے کہ اہلِ بیتِ رسولؐ میں سے جو امامؑ ہو اُس کو خراج ادا کرے۔ اب جو باقی رہے گا، وہ اُس کا حصّہ ہوگا، یہ حکم اُس وقت تک ہے جبتک امام مہدیؑ قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں۔ وہ سب کفّار، مشرکین اور منافقین کو نکال دیں گے۔ صرف اُس کی زمین کی ملکیت باقی رکھیں گے جو ہمارے ماننے والوں کے قبضے میں ہوگی۔

(تفسیر صافی ص۲۰۱ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حکومت دلیلِ حقّانیت نہیں ہوتی

یہاں زمین کا وارث بنانے سے مراد تکوینی تسلط عطا کرنا ہے۔ یعنی: ایسے مادّی اسباب فراہم کیے کہ وہ زمین پر مسلّط ہوگئے، اُن کی حکومت قائم ہوگئی۔ اِس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ جس کو حکومت مل جائے وہ خدا کی طرف سے حاکم مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یا۔ ہر صاحبِ حکومت حق پر ہوتا ہے۔ اِسی لیے بعد میں ارشاد فرمایا: "مگر آخرت کی بہتری اُن لوگوں کے لیے ہے جو متّقی (یعنی خدا کی ناراضگی سے بچتے) ہیں۔"

معلوم ہوا کہ حقیقی اور ابدی کامیابی اور حق پر ہونے کا معیار حکومتِ دُنیا کا

، حاصل ہو جانا ہرگز نہیں ہوا کرتا، اس کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری (یعنی بُرے کاموں سے اللہ کی خوشنودی کے لیے بچتے رہنا) ہوا کرتا ہے۔

اب جو لوگ حکومتِ دنیا کے حاصل ہو جانے کو حقانیت کا ثبوت سمجھتے ہیں، انھوں نے یہاں یہ مطلب لیا کہ "اُن کو حکومت کا مستحق بنا دیا"، مگر وہ لوگ یہ بات بھول گئے کہ حکومت تو کافروں، مشرکوں، ظالموں، فاسقوں اور فاجروں کو بھی مل جایا کرتی ہے، تو فرعون کو بھی اللہ کا بنایا ہوا حاکم کیوں نہ مان لیا جائے؟ پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون کے خلاف تحریک چلانا باطل قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی نام نہاد مسلمان کسی طرح حاکم ہو جائے اور یزید بن کر ظلم کرنے لگے تو اُس کو بھی حاکم برحق ماننا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ نظریہ اسلام، قرآن، انسانیت اور عقل کی ضد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ٭.... (فصل الخطاب)

علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اُس کو ✻ یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
بُرا نہ مانیے گر ہم بُرا کہیں اُس کو ✻ یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ

٭...... غالب

نتیجہ : محققین نے اِن الفاظ سے کہ: "وہ خدا اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، زمین کا وارث (مالک) بنا دیتا ہے" یہ نتیجہ نکالا کہ: دنیا کی حکومت مل جانا حقانیت اور مقبولیتِ الٰہی کا معیار نہیں۔ حکومت تو فرعون کو بھی ملی ہوئی تھی۔ حکومت کا ملنا مصالحِ تکوینی اور قوانینِ فطرت کے تابع ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ جو حاکم ہو وہ خدا کا پسندیدہ بھی ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو خدا کا پسندیدہ ہو وہی حکمراں بھی ہو۔ محکومیت مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں۔

٭...... (ماجدی)

حکومت کے تخت پر تو ہمیشہ سے ایسے ہی لوگ بیٹھتے رہے ہیں جن کو خدا اُس کے ذریعے سے آزمائش میں مبتلا کرتا رہا ہے جو اکثر اپنے اختیارات سے اللہ کے بندوں پر ظلم و ستم روا رکھتے چلے آئے ہیں اور عوام کی آزمائش اور اللہ کے بندوں کا امتحان ظلم و جبر کو اللہ کی رضا کے لیے برداشت کرنا ہوتا ہے۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۲۹

(۱۲۹) موسیٰ کی قوم کے لوگوں نے کہا: "ہم تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے جاتے تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں"۔ موسیٰ نے جواب دیا: "قریب ہے وہ وقت بھی کہ تمہارا پالنے والا مالک تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں اُن کی جگہ لینے والا (جانشین) بنا دے۔ پھر وہ دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو"۔

حضرت موسیٰؑ کا حلم و تحمل

فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے یہ دل شکن جملہ کہا، جس میں (معاذ اللہ) حضرت موسیٰؑ کو دوسرے الفاظ میں منحوس کہا گیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰؑ نے غصہ کرنے کے بجائے اس جملے کو اُن کے وقتی اضطراب یا بے چینی کا نتیجہ قرار دیا۔ اور نہایت تسلی کے ساتھ اُن کو مستقبل کی خوشخبری سُنائی۔

یہ جواب حضرت موسیٰؑ کے تحمل، صبر اور اخلاقی رفعت کا بیّن ثبوت ہے۔ اور اِس سے وہ ساری غیر مستند روایات غلط ثابت ہو جاتی ہیں جن میں حضرت موسیٰؑ کو مغلوب الغضب انسان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس جواب کے آئینے میں ہم حضرت موسیٰؑ کو دوسرے انبیاءِ کرامؑ کی طرح ایک صابر اور عاقل، نہایت بُردبار انسان دیکھ سکتے ہیں، جو تمام انبیاءؑ کا شعار رہا ہے۔ *...... (فصل الخطاب)

"عَسٰی" یعنی "قریب ہے وہ وقت" جب اللہ کی طرف سے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی شک و احتمال کے نہیں ہوتے، بلکہ اس میں یقین اور وعدہ کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ *...... (ابو البقاء)

آیت اس بات کو بھی بتا رہی ہے کہ کافروں کا مغلوب ہونا اور مومنین کا غالب ہونا خدا کی ایک نعمت ہے اس لیے مومنین کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کافروں، فاسقوں، فاجروں اور ظالموں کے ساتھ بلا کسی عذر و مجبوری کے ذلّت و خواری کی حالت میں پڑے رہیں۔

*...... (تھانوی)

وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۱۳۰

(۱۳۰) اور (پھر) ہم نے فرعون کی اولاد کو کئی سالوں تک متواتر قحطوں اور پیداوار کے نقصانات میں پکڑے رکھا کہ شاید اس طرح اُن کو ہوش آجائے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰۤئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۳۱

(۱۳۱) مگر جب بھی اُنھیں کوئی فائدہ یا بھلائی ملتی تو وہ کہتے: "ہم تو اِسی کے مستحق ہیں"۔ اور جب کوئی نقصان یا بُرائی آپہنچتی تو وہ موسیٰ اور اُس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ حالانکہ درحقیقت اُن کی نحوست تو اللہ کے ہاں ہے۔ مگر اُن میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔

(آیت ۱۳۰) "سِنِیْنَ" سے مراد خشک سالی۔ محاورۂ عرب میں جس سال قحط زیادہ ہو اُسے "سنۃ" کہتے ہیں۔ (تفسیر صافی، قمی)

نحوست بُرے اعمال سے ہوتی ہے

(آیت ۱۳۱) حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ تمھاری نحوست تمھارے کفر و شرک کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ کافر و مشرک بھی دنیا میں عیش کرتے ہیں۔ بلکہ جو اصل حقیقت تھی وہ فرمائی کہ دنیا کے تمام اُمور خدا کے مقرر کیے ہوئے قوانین (تقدیر) پر منحصر ہوتے ہیں۔ *..... (تفسیر تبیان، موضح القرآن)

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا کہ "کافروں مشرکوں کی نحوست کا سبب اُن کے بُرے اعمال ہوتے ہیں *..... (فتح الرحمٰن)

کفار اپنی محرومیوں اور بدنصیبیوں کو حضرت موسیٰ ؑ کے سر تھوپتے تھے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اُن کا کفر اور ظلم خدا پر خوب روشن ہے اور اُن کی محرومیاں اُن کے گناہوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ * . . . . . (کشاف)

کافروں کی حق دشمنی آخرت میں ظاہر ہوگی

یہ بات اگرچہ اپنے مقام پر درست بھی ہو تو بھی آیت کا مضمون یہ نہیں ہے۔ آیت کا مضمون تو یہ ہے کہ: مشرکوں، کافروں، حق دشمنوں کی اصل نحوست اللہ کے یہاں ظاہر ہوگی یعنی، بدلے کے دن ظاہر ہوگی، جب اُنھیں اُن کے بُرے اعمال کی سخت سزا دی جائے گی۔ * ..... (تفسیر مجمع البیان)

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ (۱۳۲) اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۳۲

اور اُنھوں نے موسیٰؑ سے کہا: "تو جب بھی چاہے ہم پر جادو کرنے کے لیے خواہ کوئی بھی نشانی لے آ، ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں۔"

فرعون اور اُس کے ساتھیوں کی انتہائی جہالت

یہ انتہائی ہٹ دھرمی تھی کہ: فرعون اور اُس کے ساتھی پورے ملک میں قحط پڑ جانے اور پورے ملک میں مسلسل پیداوار کم ہو جانے جیسی بڑی باتوں کو جادو قرار دے رہے تھے۔ حالانکہ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ بھلا جادو میں اتنی طاقت کہاں کہ قحط ڈال سکے۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے:

"فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۗ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۟" (سورۃ النمل، آیت ۱۳-۱۴)

یعنی: پس جب ہماری نشانیاں علانیہ اُن کی نگاہوں کے سامنے آگئیں، تو اُنھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ حالانکہ اُن کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے (کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا) مگر اُنھوں نے ظلم اور تکبّر کی وجہ سے انکار کیا پس دیکھ تو فسادیوں کا کیا انجام ہوا؟" (سورۃ النمل ۱۳-۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ جب حق کے مقابلے میں ضد اور حق دشمنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو انسان ہر صورت میں حق کی مخالفت کی ٹھان لیتا ہے، پھر اُس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر سیدھی سادی واضح حقیقت کا بھی انکار کر بیٹھتا ہے۔ یہی ذہنیت جاہلیت کے عربوں کی تھی اور یہی ذہنیت جاہلینِ فرنگ کی آج تک چلی آرہی ہے۔ حضور اکرمؐ کی پاک و پاکیزہ زندگی کے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، اُن سے اُلٹے سیدھے نتائج اخذ کرنا، یہ خاص جوہر ہیں آج کی جاہلیت کے روشن خیال محققینِ فرنگ کے۔

* .... (ماجدی)

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ (۱۳۳) پھر ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل
الۡجَـرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ چھوڑے، چیچڑیاں اور سُرسُریاں پھیلائیں،
الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا مینڈک نکالے، اور خون تک برسا دیا۔ یہ سب
وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ۝ ۱۳۳ کھلی ہوئی نشانیاں تھیں جو الگ الگ دکھائی
گئیں، مگر وہ تکبر اور سرکشی ہی کیے چلے گئے، اور وہ (واقعاً بڑے ہی) مجرم لوگ تھے۔

طوفان اور قُمَّل کے معنی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "یہ طوفان پانی کا تھا اور اُس کے ساتھ ساتھ طاعون کا مرض بھی تھا۔" (تفسیر صافی ص۱۸۱ بحوالہ تفسیر عیاشی)

★ آیت میں "قُمَّل" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی جوں، چھوٹی مکھی، ٹڈی، مچھر، سُرسُری (وہ کیڑے جو گندم وغیرہ کو کھاتے ہیں یعنی گھُن) ہوتے ہیں۔ (یہی چیز بائبل میں بھی ہے۔ (کتاب خروج باب ۸ تا ۱۲)

★ عربی میں طوفان کا لفظ ہر شدید ملک گیر نقصان یا حادثے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ (راغب۔ تفسیر کبیر)

★ تورات میں آتشیں ژالہ باری، اولوں میں لپٹی ہوئی آگ کا ذکر آیا ہے۔ عام مفسرین نے طوفان سے مراد موت یا وبائی امراض کو لیا ہے۔ ★ ...... (تفسیر کبیر بقول حضرت ابنِ عباسؓ)

★ الجدری نے طاعون مراد لیا ہے۔ ★ ----- (بیضاوی)

★ عطا اور مجاہد نے طوفان سے مراد "موت" کو لیا ہے یعنی موت کا طوفان ★..... (تفسیر روح المعانی)

★ طوفان کے معنی میں چند اقوال ہیں: ۱۔ پانی طغیانی کی شکل میں، ۲۔ اچانک موت، ۳۔ طاعون، ۴۔ چیچک۔ (انوار النجف ص۵۰)

فرعون اور آلِ فرعون پر عذاب الٰہی

جب جادوگروں کو سزا دی جا چکی تو فرعون کے وزیر ہامان نے فرعون کو مشورہ دیا کہ: "اب جو شخص بھی موسیٰؑ کے دین پر جائے، اُس کو قید کر لیا جائے۔" چنانچہ سرکاری حکم صادر ہوا اور بنی اسرائیل دھڑا دھڑ قید ہونے لگے۔ تب خداوندِ عالم نے اُن ظالموں پر متعدد عذاب بھیجے۔

۱۔ سِنِین: قحط سالی ۲۔ نقصِ ثمرات: پیداوار کی کمی ۳۔ طوفان: طغیانی۔ جب پانی آیا تو فرعونیوں کے گھر

خراب ہوگئے تو یہ لوگ جنگلوں میں خیمہ زن ہوگئے۔ طوفانی پانی صرف فرعونیوں (یعنی قبطیوں) کے گھروں میں داخل ہوا اور اُن ہی کی تباہی کا باعث ہوا تھا لیکن بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ تک نہ آیا۔ قبطیوں کی زمینیں بھی برباد ہوگئیں تب اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ سے دُعاء کی خواہش ظاہر کی۔ آپؑ نے دُعاء کی، عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ ہامان نے فرعون کو پھر مشورہ دیا کہ اگر تُو نے بنی اسرائیل کو آزاد کردیا تو وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مل کر تیری سلطنت کو تباہ کردیں گے۔ لہٰذا اُس نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کردیا۔ کیونکہ طغیانی کے بعد اُن کی فصلیں اچھی پیدا ہوئیں تو کہنے لگے کہ یہ پانی تو ہمارے لیے باعثِ رحمت نعمت تھا۔ [۳] ۔ خدا نے اُن کی سرکشی کی بدولت اور دوسرے سال یا دوسرے مہینے مکڑی کا عذاب بھیجا۔ مکڑیوں نے اُن کی تمام فصلوں اور درختوں کے چھلکے، گھروں کے دروازے، کپڑوں اور سامان تک کو صاف کردیا۔

یہ عذاب دیکھ کر فرعون اور قبطی تلملا اُٹھے اور حضرت موسیٰؑ سے التجا کی؛ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو میں ایمان لے آؤں گا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے آزاد کردوں گا۔ پس حضرت موسیٰؑ نے پھر دعاء کی، ساتویں دن مکڑیوں کا عذاب دور ہوگیا۔ (یعنی ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک)، اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر سے باہر تشریف لے گئے اور اپنے عصا سے مشرق کی طرف اشارہ کیا تو مکڑیاں چلی گئیں۔

ہامان نے فرعون کو بنی اسرائیل کے خلاف پھر ورغلایا اور اُنھیں آزاد نہ کیا۔ چنانچہ خدا نے اُن پر پانچواں [۵] عذاب قُمّل کا بھیجا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ "عین الشمس" نام کی بستی میں گئے اور وہاں زمین پر عصا مارا تو زمین سے مچھروں، جوؤں، یا بے پروں کی ٹڈیوں کا سیلاب نکل پڑا۔ پس وہ کپڑوں، اُن کے کھانوں، گندم اور اُن کے فرش وغیرہ میں داخل ہوگئیں۔ ان کے بال، ابرو، پلکیں اور چمڑا بھی نوچ نوچ کر کھانے لگیں۔ وہ پھر حضرت موسیٰؑ کے پاس آگئے اور عذاب برطرف کرنے کی التجا کرنے لگے۔ آپؑ کی دعاء سے یہ عذاب بھی دور ہوگیا لیکن فرعون نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر چھٹا [۶] عذاب مینڈکوں کا تھا۔ اُنھوں نے مینڈکوں سے تنگ آکر پھر حضرت موسیٰؑ سے دعا کی التجا کی۔ آپؑ کی دعا سے عذاب دور ہوگیا۔ لیکن بنی اسرائیل کو اب بھی آزاد نہ کیا۔ پھر ساتواں [۷] عذاب خون کا تھا۔ ہر کھانے پینے کی چیز میں خون شامل ہوجاتا اس طرح وہ بھوک و پیاس سے بیتاب ہوگئے۔ یہ عذاب دور ہوا تو پھر آٹھویں [۸] عذاب سے اُن کی سرکشی کے سبب دریائے نیل میں غرق کرکے قصہ تمام کردیا۔ بنی اسرائیل آزاد ہوگئے۔ .... (ملخص از مجمع البیان) بحوالہ تفسیر انوار النجف جلد ۶ ص ۸۱، ۸۲، ۸۳۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۞ ۱۳۴

(۱۳۴) اور جب کبھی اُنھیں کوئی سزا دی جاتی تو وہ کہتے: "اے موسیٰؑ تمھیں اپنے مالک کی طرف سے جو عُہدہ حاصل ہے اُس کی بنا پر اپنے پالنے والے مالک سے ہمارے لیے دُعا کردیں۔ اگر اس دفعہ تم نے ہم سے یہ سزا اُٹھوادی، تو ہم تمھاری بات ضرور مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمھارے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔

رِجز، برف کا عذاب

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "یہاں "رِجز" سے مراد "برف" ہے۔ خراسان کا علاقہ بھی بلادِ رِجز میں سے ہے"۔
(تفسیر صافی ص ۱۸۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "فرعون کی قوم پر سُرخ رنگ کی برف گری۔ اُنھوں نے ایسی برف کبھی نہ دیکھی تھی اُسی سے وہ مرگئے"۔
★.......... (تفسیر مجمع البیان)

حضرت موسیٰؑ کا عہد اور عہدہ

فرعونیوں کا کہنا کہ: "اے موسیٰؑ! ہمارے لیے اپنے پالنے والے مالک سے دعا کرو اُس عہدے کے سبب سے جو اُس نے تمھیں عطا کیا ہے"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو تمھاری دُعا کو قبول کرنے کا عہد کیا ہے، اُس عہد کی بنا پر دُعا کرو۔ یا۔ خدا کے اُس عہد کی بنا پر جو اُس نے تم سے عذاب دور کرنے کے سلسلے میں کر رکھا ہے، دُعا کرو۔ ★..... (جلالین)

اور اس کے تیسرے معنی جو زیادہ مناسب ہیں، وہ یہ ہیں کہ:

موسیٰؑ! تم کو جو خدا نے نبوّت اور رسالت کا عہدہ عطا فرمایا ہے، اُس عظیم عہدے کی بنا پر خدا سے دُعا کرو، کہ ہم پر سے عذاب کو لوٹا دے۔ ★....... (تفسیر مجمع البیان)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ○ ۱۳۵

(۱۳۵) مگر جب ہم اُن سے ایک وقت تک کے لیے جس تک کہ وہ پہنچنے والے تھے، سزا ہٹا لیتے تو وہ فوراً اپنے عہد توڑ ڈالتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ○ ۱۳۶

(۱۳۶) آخر کار ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُنھیں سمندر میں غرق کر ڈالا، کیونکہ اُنھوں نے ہماری دلیلوں اور نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن سے بالکل بے پرواہ ہو گئے تھے۔

(آیت ۱۳۵) مطلب یہ ہے کہ جب عذاب اُن سے ٹل جاتا تو وہ سرکشی کرتے۔ توریت میں یہی مضمون بار بار آیا ہے:

"جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اُس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سُنی"۔ (خروج ۸ : ۱۵)

"فرعون نے اِس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ اُن لوگوں کو (حضرت موسیٰؑ کے ساتھ) جانے کی اجازت نہ دی"۔ (خروج ۸ : ۳۲)

فرعون کو بار بار مہلت دی گئی

"یَم" سے مراد وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۸۰)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "جب جادوگر ایمان لے آئے تو حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ اللہ نے اُسی سال اُن پر طوفان بھیجا جس سے اُن کے گھر برباد ہو گئے اور اُن کو خیموں میں رہنا پڑا۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اگر تم طوفان روک دو تو میں بنی اسرائیل کو آزاد کر دوں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو طوفان رُک گیا۔ اب فرعون نے بنی اسرائیل کو چھوڑنا چاہا تو ہامان نے کہا کہ اگر تو نے بنی اسرائیل کو چھوڑا تو موسیٰؑ تجھ پر غالب آ جائیں گے اور تیرا ملک تجھ سے چھین لیں گے۔ پس اُس نے اُن کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اِس پر خدا نے دوسرے ہی سال اُن پر ٹڈی بھیجی جس نے ہر درخت اور ہر پتے کو، یہاں تک کہ اُن کی داڑھیوں کے بال سب کھا لیے۔ فرعون نے توبہ کی۔ اسی صورت سے فرعون بار بار توبہ کرتا رہا، عذاب آتا رہا لیکن بنی اسرائیل کو آزاد نہ کیا۔ آخری عذاب کے بعد بنی اسرائیل آزاد ہو گئے فرعون اور اُس کا لشکر غرق کر دیا گیا اور حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل گئے۔ (ملخص تفسیر صافی صفحہ ۱۸۰ بحوالہ تفسیر قمی و مجمع البیان)

فرعون کی قوم پر برف کا عذاب بھی بھیجا گیا تھا۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ۱۳۷

(۱۳۷) اور اُن کی جگہ ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور کر دیے گئے تھے، اُس زمین کے مشارق و مغارب کا وارث (مالک) بنا دیا جسے ہم نے اپنی برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اور اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے پالنے والے مالک کا اچھا کلمہ (وعدہ اور حکم) پورا ہوا، کیونکہ اُنھوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور فرعون اور اُسکی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو (چیزیں) وہ بناتے تھے اور (جو عمارتیں) وہ اونچی اُٹھایا کرتے تھے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۳۸

(۱۳۸) اور بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر کے پار گزار دیا۔ پھر وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بُتوں کی عبادت میں لگی ہوئی تھی۔ تو اُنھوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دو جیسے اِن لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: تم لوگ تو بڑی جہالت (کی باتیں) کرتے ہو۔

بنی اسرائیل کی مشرکانہ ذہنیت

(آیت ۱۳۸) بنی اسرائیل کی ذہنیت کو اہلِ مصر کی غلامی نے اِس بُری طرح بگاڑ دیا تھا کہ اُن کے مصر سے نکلنے کے ستّر سال بعد حضرت موسیٰ کے خلیفۂ اوّل حضرت یوشع بن نون نے اپنی آخری تقریر میں فرمایا تھا: "تم خداوند کا خوف رکھو اور نیک نیّتی اور صداقت کے ساتھ اُس کی عبادت کرو۔ اور اُن دیوتاؤں کو دور کر دو جن کی عبادت تمھارے باپ دادا بڑے دریا کے پار مصر میں کیا کرتے تھے۔ (بس) خداوند کی پرستش کرو۔ اگر خداوند کی پرستش تم کو بُری معلوم ہوتی ہے تو آج ہی اُسے چُن لو جس کی تم پرستش کرو گے۔۔۔ رہی میری اور میرے گھرانے کی بات، تو ہم خداوند ہی کی پرستش اور اطاعت کریں گے۔

* ۔۔۔۔ (یشوع ۲۴: ۱۴-۱۵)

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ (۱۳۹) یہ لوگ جس (دین) میں ہیں وہ تو یقیناً تباہ
وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۳۹ برباد ہونے والا (اور تباہ کر دینے والا) ہے
اور جو کام وہ کر رہے تھے وہ تو سراسر باطل ہے۔

قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا (۱۴۰) پھر موسیٰؑ نے کہا: کیا میں اللہ کو چھوڑ
وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ۱۴۰ کر تمہارے لیے کوئی دوسرا معبود تلاش
کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے
تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔

وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ (۱۴۱) اور وہ وقت تو یاد کرو جب ہم نے فرعون کی
يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ اولاد سے تمہیں نجات دی۔ وہ تمہیں سخت ترین
يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ سزا دیا کرتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کیا کرتے
نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس
رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ ۱۴۱ میں تمہارے مالک کی طرف سے تمہارا بڑا ہی سخت امتحان تھا۔

ہماری آزمائش کے دو طریقے

(آیت ۱۴۱) خداوندِ عالم کبھی اپنے بندوں کو عیش و آرام، اور مال و دولت دے کر آزماتا ہے کہ بندہ اُس کا شکر ادا کرتا ہے کہ نہیں، عبادت اور اطاعت کرتا ہے کہ نہیں، اور کبھی خدا، بندوں کو تنگی اور تکلیف دے کر آزماتا ہے کہ بندہ صبر کرتا ہے کہ نہیں؟ ..... معصومؑ کا ارشاد ہے کہ:۔ "بہ نسبت شکر کے صبر کا امتحان زیادہ آسان ہے۔"

امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "جس پر دنیا میں کشادگی کی گئی اور وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ امتحان میں گرفتار ہے، تو اُس نے اپنی عقل کو کھو دیا۔"

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۱۴۲

(۱۴۲) اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور بعد میں دس (راتیں) اور ملا کر اُسے پورا کیا۔ اِس طرح اُس کے پالنے والے مالک کی مدّت چالیس راتوں میں پوری ہوئی۔ موسیٰؑ نے (کوہِ طور پر جاتے ہوئے) اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا: "تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اُن کی اِصلاح بھی کرتے رہنا اور خرابی یا فساد پیدا کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔

خدا کا قانونِ بدا

محققین نے اِس واقعے سے خدا کے قانونِ بدا کو ثابت کیا ہے۔

"خدا کا قانونِ بدا" کے معنی یہ ہیں کہ کبھی کبھی خدا کی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ تقدیر کا آخری محتتم نتیجہ ایک دم سامنے نہ لایا جائے۔ بلکہ پہلے تقدیر جو لوحِ محفوظ پر لکھی ہوتی ہے' وہ کچھ اور لکھی ہوتی ہے' اور بعد میں وہ بدل دی جاتی ہے' اور وہ تقدیر لکھ دی جاتی ہے جو آخری ہوتی ہے' اور جو خدا کو پہلے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً: تقدیر میں پہلے یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر چالیس سال ہے۔ پھر جب وہ آدمی اپنے رشتہ داروں' دوستوں' انسانوں سے بھلائی کرتا ہے' اُن کو فائدہ پہنچاتا ہے' تو اُس کی عمر میں تیس سال کا اضافہ کر دیا جاتا ہے' اور اب اُس کی کُل عمر ستّر سال لکھ دی جاتی ہے۔ بظاہر ہمیں یا فرشتوں کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُس کی تقدیر بدل دی لیکن خدا کو پہلے ہی سے معلوم ہوتا ہے' کہ وہ شخص نیکی کرے گا' اور اس کی عمر بعد میں بڑھا دی جائے گی۔ اِس لیے لوحِ محفوظ کو "لوحِ محو و اثبات" بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی تختی جس پر لکھا اور مٹایا جاتا ہے۔ غرض "قانونِ بدا" کے اعتبار سے لوحِ محفوظ پر آخری نتیجہ ایکدم سامنے نہیں آتا۔ پہلے اُس شخص کی عمر کُل چالیس سال لکھی ہوئی سامنے آتی ہے' بعد میں

آخری نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اُس کی عمر ستر سال ہوگی۔

حضرت موسیٰؑ کے اِس واقعہ میں بھی بالکل اِسی طرح ہوا۔ پہلے حضرت موسیٰؑ کو تیس ۳۰ راتیں دی گئیں، پھر دس راتوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اِس طرح خدا کی تقدیر کا آخری فیصلہ یکایک سامنے نہ آیا۔ بعد میں پوری تقدیر سامنے آئی جو کُل چالیس ۴۰ راتیں تھیں۔ *..... (فصل الخطاب)

رہا یہ سوال کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ تو اِس میں خدا کی ہزاروں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً: یہی مصلحت کہ ہم نیکیوں کی طرف تیزی سے آگے بڑھیں، تو ہو سکتا ہے کہ ہماری تقدیر بدل جائے۔ بقول اقبالؔ ؎

نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں اُن کی تقدیریں

اور نہ معلوم کتنی مصلحتیں ہوں جن کا علم ہم کو نہیں ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے اِس واقعے میں خدا نے دس راتیں شاید اِس لیے بڑھائی گئی ہوں کہ اِس طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم کا امتحان ہو جائے اور اُن کے ایمان اور کم عقل ہونے کی حقیقت کُھل کر سامنے آجائے۔ اگر یہ دس راتیں نہ بڑھائی جاتیں تو اصل صاحبانِ ایمان اور بے ایمان، اور منافقوں کا فرق کیسے معلوم ہوگا۔؟

حضرت ہارونؑ کی خلافت

حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارونؑ سے یہ فرمانا کہ: "تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اُن کی اصلاح بھی کرتے رہنا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

اِس حکم سے محققین نے کئی نتائج نکالے ہیں:

(۱) نبیؑ اپنا جانشین خود (بحکم خدا) مقرر کرتا ہے۔ قوم کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ نبیؑ کا جانشین خود مقرر کرلے۔

(۲) نبیؑ کے جانشین کا اصل مقصد قوم کی اصلاح کرنا ہوتا ہے، فتوحات یا مہم جوئی نہیں۔

(۳) اِس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ نبیؑ تو پہلے ہی ہو چکے تھے، کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے پہلے دعا فرمائی تھی کہ "ہارونؑ کو میرے منصب میں میرا شریک قرار دے۔" جس پر خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"ہم نے تمہارے سوالات اور دعائیں قبول فرمالیں"۔ مگر اب تک ہارونؑ "امام" یعنی قوم کے سربراہ مقرر نہیں کیے گئے تھے۔ اب جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ سے فرمایا کہ: "تم قوم میں میری جانشینی کا کام انجام دو"۔ تو گویا حضرت موسیٰؑ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارونؑ کو سربراہی (امامت) کا عہدہ بھی عطا فرمادیا۔

اِس سے ثابت ہوا کہ امامت، نبوّت کا لازمی جزو نہیں ہوا کرتی۔ اگر امامت، نبوّت کا لازمی جزو ہوتی تو حضرت موسیٰؑ کو کیا ضرورت تھی کہ حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمائیں۔ ٭...... (مجمع البیان)

اب حضرت رسولِ خداؐ کا یہ فرمانا، جس کو صحیح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ:

"اے علیؑ! تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔ (بخاری شریف)

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ کو نبوّت کے علاوہ امامت اور خلافت کا عہدہ بھی حاصل تھا، جس کو حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے لیے ثابت فرمایا۔ اِس سے ثابت ہوگیا کہ: حضرت علیؑ "حضرت ہارونؑ کی طرح حضور اکرمؐ کے مقرر کیے ہوئے حضورؐ کے خلیفہ اور اُمت کے پہلے امامؑ ہیں۔ مگر آپؑ نبیؐ نہیں ہیں۔ اور آپؑ کو امامت کا عہدہ خدا کی طرف سے ملا ہے، بالکل اِسی طرح جیسے حضرت ہارونؑ کو خلافت اور امامت کا عہدہ خدا کی طرف سے ملا تھا۔ ٭...... (فصل الخطاب)

جس طرح حضرت ہارونؑ کی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد، بات نہ مانی اور اطاعت نہ کی تو اُن کے عہدۂ امامت وخلافت پر کوئی فرق نہ پڑا، بالکل اِسی طرح حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد اگر اِس اُمت نے حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت کو تسلیم نہ کیا، تو اِس سے ائمۂ اہلِ بیتؑ کی امامت اور خلافت پر ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جو عہدہ خدا عطا فرماتا ہے، وہ لوگوں کی قبولیت کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ لوگوں نے تو انبیاءؑ اور رسولوںؑ کی نبوّت اور رسالت کو بھی قبول نہ کیا، تو اُن کے قبول نہ کرنے سے انبیاءؑ اور رسولوںؑ پر کیا فرق پڑا؟ ٭...... (موقف)

"چالیس راتوں" کے بارے میں صوفیاء نے لکھا کہ: یہی عدد اصل ہے صوفیاء کے ہاں چلّہ کشی کا، جس کی برکتیں بارہا مشاہدہ سے اور تجربے میں آچکی ہیں"۔ ٭...... (تھانوی)

وَ لَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَ (۱۴۳) كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَيۡكَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِىۡ وَلٰـكِنِ انْظُرۡ اِلَى الۡجَـبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِىۡ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے پالنے والے مالک نے ان سے کلام کیا تو انھوں نے درخواست کی: "اے میرے پالنے والے مالک! تو مجھے (خود کو) دکھلا کہ میں تجھے دیکھ لوں۔" (یعنی مجھے اتنی طاقت دے کہ میں تجھے دیکھ سکوں) فرمایا: "تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ البتہ ذرا تم اس پہاڑ کی طرف تو دیکھو۔ اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو البتہ تم مجھے عنقریب دیکھ لو گے۔" پس جب ان کے پالنے والے مالک نے پہاڑ پر تجلّی کی (نور کی چمک ڈالی) تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب انھیں ہوش آیا تو بولے: "پاک ہے تیری ذات (دیکھے جانے سے) میں نے تو تیری ہی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اور میں تو سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔"

اللہ دیکھے جانے (دیدار) سے پاک و منزّہ ہے

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے تقاضوں پر خدا سے عرض کی تھی کہ مجھے اپنی ذات کو دکھا دے اور مجھے یہ قدرت بھی دے کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔ اس طرح کہ مجھ پر اپنے نور کا پورا پورا چمکارا (چمک یا ضو) ڈال، تاکہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ تجھے دیکھ سکوں۔ خدا نے فرمایا: "لَنْ تَرٰىنِىْ" یعنی، نفیِ اَبد کے ساتھ انکار کیا۔ اس لیے اب خدا کا دیدار کبھی ممکن نہ ہوگا، عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ عقلاً اس لیے کہ دیدار کے لیے جہت (سمت) کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ کسی ایک طرف محدود ہوگا تو دیکھا جا سکے گا لیکن ایسی صورت میں دوسری سمتیں خدا سے خالی ہو جائیں گی۔ دوسرے یہ کہ جس کو دیکھا جائے گا اُس کا جسم ہونا شرط ہے، اور جسم اللہ کے لیے ثابت نہیں۔ لہٰذا خدا کو دیکھنا محالِ عقلی ہے .... نیز حضرت موسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ:

* .... (تفسیر صافی ص۱۸۱، القرآن المبین)

"وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی "اور میں تو سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں"۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے اِس جواب پر سب سے پہلے مجھے اِس بات کا یقین کامل ہوگیا کہ خدا ہرگز ہرگز دیکھا نہیں جاسکتا۔ (تفسیر صافی ۲۲۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "حضرت موسیٰؑ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ: "میں اُن لوگوں میں سے سب سے پہلا ہوں جو اِس بات پر ایمان لائے کہ خدا آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، اور نہ کبھی دیکھا جائے گا۔" ۔۔۔۔۔ (تفسیر مجمع البیان)

کسی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ: کیا حضرت موسیٰؑ اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ خدا کو دیکھا نہیں جاسکتا؟ حضرت امامؑ نے فرمایا: "یقیناً وہ جانتے تھے کہ خدا اِس بات سے بلند وارفع ہے کہ اُس کو آنکھوں سے دیکھا جاسکے۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بتایا کہ اُن سے خدا نے کلام کیا ہے، اور اُس کا پورا واقعہ سُنایا، تو اُن لوگوں نے کہا کہ "ہم تمہاری بات کا اُس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک ہم اللہ کا کلام خود نہ سُن لیں۔" وہ لوگ تعداد میں سات لاکھ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اُن میں سے سات ہزار چُنے، پھر اُن میں سے "ستر" کا انتخاب کیا۔ اُنھیں لیکر وہ کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ پہاڑ کے دامن میں سب کو ٹھہرایا، خود پہاڑ پر چڑھے۔ خدا نے اُن سے کلام فرمایا: جو اُن سب نے بھی سُنا۔ خدا نے ایک درخت میں بولنے کی قوت پیدا کردی تھی۔ پھر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو جب تک خدا کو ظاہراً کوہِ طور پر نہ دیکھ لیں گے، ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔" جب اُنھوں نے اتنا بڑا بول زبان سے نکالا اور تکبر کیا، تو اُن پر بجلی گری اور وہ سب کے سب مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ بنی اسرائیل مجھ پر الزام لگائیں کہ: کیونکہ میرا دعویٰ غلط تھا اِس لیے میں نے سب کے سب کو قتل کر ڈالا۔ اِس پر اللہ نے اُن کو زندہ کردیا۔ اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: اگر تم خود اللہ سے دیدار کا سوال کرتے تو وہ ضرور یہ بات قبول کرلیتا۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: "دیکھو! خدا آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، بلکہ علامات سے پہچانا جاسکتا ہے۔

اُنھوں نے کہا: جب تک آپ خدا سے دیکھنے کا سوال نہ کریں گے، ہم ایمان نہیں لائیں گے۔" مجبوراً حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ: "مالک! تُو نے اِن کی بات سُن لی۔؟" خدا نے فرمایا: موسیٰؑ! جو یہ کہتے ہیں، وہی سوال کرو۔ ہم اِن

کی جہالت کی وجہ سے تم سے باز پرس نہ کریں گے۔" اِس کا اطمینان ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے یہ سوال کیا تھا۔
(عیون اخبار الرضاؑ و تفسیر صافی ص۱۸۲ بحوالہ التوحید) ★ ......

آیت کے الفاظ سے محققین نے درجِ ذیل نتیجے نکالے ہیں:
(۱) خدا کا دیدار کسی وقت ممکن نہیں۔ کیونکہ خدا نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے: "لَنْ تَرٰىنِیْ" (تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا) ہرگز میں پورا مستقبل آگیا۔

(۲) پھر حضرت موسیٰؑ نے بیہوش ہونے کے بعد ہوش میں آنے پر فرمایا: "پاک ہے تیری ذات" اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ: خدا کو دیکھنا خدا کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔ دیدار کا ہونا خدا کے واسطے نقص ہے، جس سے پاکی کا اعلان حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔

(۳) پھر حضرت موسیٰؑ کا یہ فرمانا کہ: "اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی: "میں اوّل درجے کا دل سے ماننے والا ہوں"۔ اِسی سے نتیجہ نکالا کہ خدا کے دیدار کو ناممکن سمجھنا ایمان کا جزو ہے۔ اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰؑ پہلے ہی سے یقین رکھتے تھے کہ خدا کا دیدار ممکن نہیں۔

(۴) رہا یہ سوال کہ پھر حضرت موسیٰؑ نے دیدار کا یہ سوال: "رَبِّ اَرِنِیْ" (مالک مجھے اپنے آپ کو دکھا) کیوں کیا؟ تو جیسا کہ حضرتِ امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ یہ مطالبہ اپنی قوم کے جاہلوں کے شدید اصرار اور خدا کی اجازت کی بنا پر حضرت موسیٰؑ نے خدا کے سامنے پیش کیا تھا۔

(۵) کیونکہ خدا نے مطلق طور پر اِس بات کی نفی کر دی کہ "تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے"، اور اس نفی کو برداشت کر سکنے یا آخرت سے مستثنیٰ نہیں کیا، اِس لیے اِس سے رویتِ خدا کی ابدی نفی ہوگئی۔

اگر آخرت میں خدا کو دیکھنا ممکن ہوتا تو خدا دیدار کی مطلق نفی نہ فرماتا، بلکہ خدا فرماتا کہ: "دُنیا میں تو نہیں، لیکن آخرت میں تم مجھے دیکھ لوگے"، اِس طرح حضرت موسیٰؑ اور اُن کی قوم کو تسلّی بھی ہو جاتی اور وہ لوگ بے موت نہ مارے جاتے، اور نہ حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہوتے۔ ★ ...... (فصل الخطاب)

اِن تمام دلائل و شواہد کے باوجود اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ "خدا قیامت میں ہمیں دکھائی دے گا" یہ

عقیدہ بھی عجیب ہے کہ جس خالق کی مخلوق دکھائی نہ دیتی ہو۔ مثلاً ہوا۔ جو محسوس تو ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی، جن، فرشتے، آنکھوں کی بینائی۔ یہ تمام لطیف چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں جو دکھائی نہیں دیتیں، پھر خالق جو انتہائی "لطیف" ہے، ان کو آخرت میں کیسے نظر آئے گا۔ بقول اقبال ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

"لَنْ تَرٰىنِيْ" یعنی: "تو مجھے ہرگز ہرگز نہ دیکھے گا۔" یہ تھا خدا کا اصل جواب، جو یہیں ختم ہوگیا۔ آگے جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ مزید شفقت اور کرم کی وجہ سے ہے۔ ارشاد ہوا، اچھا یہ پہاڑ جو ظاہری اعتبار سے بھی انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے، اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالتے ہیں (جو ہماری ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے) اگر وہ اسے برداشت کرے گا، تو تمھارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا۔ *...... (ماجدی)

دِعلب یمانی نے امیر المومنین حضرت علی ابنِ طالب علیہ السلام سے سوال کیا کہ: کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: کیا میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے دیکھا تک نہیں ہے؟ اُس نے پوچھا: آپ کیونکر دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "لا تراہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان ..... الخ"

یعنی: "آنکھیں اُسے کھلم کھلا نہیں دیکھتیں، بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اُسے پہچانتے ہیں۔ وہ ہر چیز سے قریب ہے، لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں، وہ ہر شے سے دور ہے، مگر الگ نہیں۔ وہ غور و فکر کیے بغیر کلام کرنے والا ہے اور بغیر آمادگی کے قصد و ارادہ کرنے والا، اور بغیر اعضاء (کی مدد) کے بنانے والا ہے۔ وہ لطیف ہے لیکن پوشیدگی سے اُسے متصف نہیں کیا جاسکتا، وہ بزرگ و برتر ہے مگر تند خوئی و بد خلقی کی صفت اُس میں نہیں وہ دیکھنے والا ہے مگر حواس سے اُسے موصوف نہیں کیا جاسکتا، وہ رحم کرنے والا ہے مگر اس صفت کو نرم دلی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے، چہرے اُس کی عظمت کے آگے ذلیل و خوار اور دل اُس کے خوف سے لرزاں و ہراساں ہیں۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۷)

توبۂ حضرت موسیٰ ؑ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ توبہ ہمیشہ گناہ پر ہی نہیں، بلکہ کسی نامناسب کام پر بھی ہوسکتی ہے اِس پر اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔ (اِسی کو ترکِ اولیٰ کہتے ہیں) * ...... (قرطبی)

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴ (۱۴۴)

فرمایا: اے موسیٰ! حقیقتاً میں نے ہی تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تم کو منتخب کیا کہ تم میری پیغمبری کا کام کرو اور مجھ سے بات چیت بھی کرو پس جو کچھ میں تمہیں عطا کروں اُسے لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

الواحِ موسیٰؑ کا انکشاف

قَالَ يٰمُوْسٰى : تفسیر صافی میں عیاشی سے علم جفر کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت موسیٰؑ پر الواحِ تورات نازل فرمائی ہیں۔ جن میں تمام علوم درج تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ کا زمانہ انتہا کو پہنچا، تو حکم ہوا کہ الواح کو واپس کر دیجیے۔ چنانچہ زبرجد کی تختیاں بہشت کے پہاڑ زینت سے لی گئی تھیں پس حکمِ پروردگار ملنے پر حضرت موسیٰؑ نے وہ تختیاں اُٹھالیں اور پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے۔ بحکمِ خدا پہاڑ شگافتہ ہوا اور آپؑ نے وہ تختیاں کپڑے میں لپیٹ کر اُس میں رکھ دیں وہ شگاف بحکمِ خدا مل گیا اور تختیاں اُس میں پوشیدہ ہو گئیں۔ جب حضورِ اکرمؐ مبعوث ہوئے تو یمن کا ایک قافلہ آنحضرتؐ کی خدمت میں شرف یابی کیلئے آرہا تھا، اُس پہاڑ سے جب اُن کا گذر ہوا تو پہاڑ شگافتہ ہوا اور وہ تختیاں اُن اہلِ قافلہ پر ظاہر ہو گئیں۔ انھوں نے تختیاں اُٹھا کر محفوظ کر لیں۔ اور حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اِدھر بذریعہ وحی آنحضرتؐ کو بھی اطلاع ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ لوگ پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ: اے اہلِ یمن! جو چیز تم کو پہاڑ کے اندر سے ملی ہے، وہ امانت کہاں ہے؟ اُن لوگوں نے حیرت سے عرض کی، آپؐ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ فرمایا: مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے اور وہ تختیاں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپؐ نے اُن کو پڑھا اور پھر حضرت علیؑ کو بلوا کر اُن کے حوالے کر دیں۔ اور فرمایا: اے علیؑ! رات کو اپنے سرہانے اِن تختیوں کو رکھ کر سو جانا۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو اُن کے تمام علوم آپؑ کو حفظ ہو چکے تھے۔ آپؑ نے بحکمِ حضورِ اکرمؐ اُن کو لکھ لیا۔ اور اُس کا نام جفر رکھا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جفر ہمارے پاس ہے، اور عصاءِ موسیٰؑ بھی ہمارے پاس ہے۔

* . . . . . (تفسیر صافی - بحوالہ عیاشی)

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ۝ ۱۴۵

(۱۴۵) پھر ہم نے موسیٰ کو ہر چیز کی نصیحت کی اور ہر ہر پہلو کے متعلق واضح تفصیل تختیوں پر لکھ دی۔ (اور کہا کہ) اب تم اِن ہدایات کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اُس کی اچھائیوں کو اختیار کریں۔ عنقریب میں تمھیں حد سے بڑھ جانے والے نافرمانوں کا ٹھکانا دکھا دوں گا۔

حضرت موسیٰ کی لائی ہوئی تختیاں

اِنہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام تورات پڑا۔ خود تورات میں ہے:

"اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اُتر گیا۔ اور شہادت کے دونوں تختے اُس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف اِدھر اُدھر لکھے ہوئے تھے۔ اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا تھا سو خدا کا لکھا ہوا تھا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔" ...... (خروج ۳۲ : ۱۵)

ہر چیز کی نصیحت کے معنی

خدا کا یہ فرمانا کہ: "پھر ہم نے موسیٰ کو ہر چیز کی نصیحت کی"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ: "ہم نے دینی مسائل اور احکامِ دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل درج کی"۔ "ہر چیز" سے دنیا کی تمام چیزیں مراد نہیں، صرف احکامِ دین اور مسائلِ دین مراد ہیں جن کے حضرت موسیٰ اور اُن کی قوم محتاج تھی۔ ...... (قرطبی، تفسیر کبیر، روح المعانی)

خدا کا یہ فرمانا کہ: "اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اُن کے بہتر مفہوم کی (اچھائیوں کی) پیروی کریں"۔ یعنی احکامِ الٰہی کا وہ صاف اور سیدھا مفہوم لیں جو عقلِ عام سے سمجھا جا سکتا ہو۔ جس کی تاویل کرنے میں خواہ مخواہ کی چکر بازیاں، مفاد پرستیاں حیلے اور موشگافیاں نہ ہوں۔ ...... (تفہیم)

بُرے کاموں کا بُرا انجام

آخری فقرے کے دو معنی نکلتے ہیں (۱) ایک تو یہ کہ "تم دیکھ لوگے کہ بُرے کام کرنے والوں کا آخرت میں گھر کیسا خراب ہوگا"۔ یعنی جہنم اُن کا ٹھکانا ہوگا۔ (۲) بُرے کام کرنے والوں یعنی فرعون اور اُس کی قوم کے برباد شدہ گھر تمھاری آنکھوں کے سامنے ہیں، تو یاد رکھو کہ یہ ہوتا ہے تکبر، حق دشمنی اور بُرائی کا انجام۔ ...... (فتح الرحمٰن۔ تفسیر تبیان)

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِیَ الَّذِيۡنَ (۱۴۶) (اور) جو لوگ زمین پر ناحق بڑے بنتے ہیں میں
يَتَكَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ اُن کو عنقریب اپنی نشانیوں اور احکامات سے پھیر دونگا۔
وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وہ اگر (میری) تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں، تو بھی وہ
وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ اُن کو نہ مانیں گے۔ اور اگر وہ سیدھا نیکی کا راستہ
سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَیِّ دیکھ بھی لیں گے تو بھی اُسے اپنا راستہ نہ بنائیں گے۔ اور اگر
يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ وہ گمراہی کا ٹیڑھا راستہ دیکھ لیں گے تو اُسے (فوراً) اپنا
كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا راستہ بنا لیں گے۔ یہ اس لیے ہوا کہ اُنھوں نے حقیقتاً ہماری
غٰفِلِيۡنَ ۝ ۱۴۶ نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن سے لاپروائی کرتے رہے۔

خدا کا اپنی نشانیوں سے پھیر دینا

"خدا کا اپنی نشانیوں سے پھیر دینے" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا اُن کو اپنی توفیقات سے محروم کر دے گا۔ پھر اُنھیں کبھی یہ توفیق ہی نہ ہوگی کہ خدا کی آیتوں نشانیوں، دلیلوں اور حقیقتوں پر غور و فکر کریں۔ وہ بس دنیا کے کتّے بنے زندگی گزار دیں گے۔ (جلالین)

اِس کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ: "میں اب مزید معجزے اُن کے سامنے نہیں لاؤں گا" کیونکہ لفظ "آیت" کے معنی معجزے کے بھی ہیں۔ نیز یہ کہ دوسرے مقام پر خدا نے فرمایا ہے کہ معجزے اُن کے سامنے آئے مگر وہ نہ مانے۔ اِس لیے اب اُن کو مزید معجزے نہیں دکھائے جائیں گے۔

(مجمع البیان)

تکبّر کا انجام

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: "جو لوگ تکبّر کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں اُنھیں کبھی حق کے قبول کرنے کی توفیق نہ ہوگی۔ ایسے لوگ ہمیشہ حق سے برگشتہ رہیں گے۔ نہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی اعتبار سے حق کو قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جائے۔

(ماجدی)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۰ (۱۴۷)

تو جس کسی نے بھی ہماری نشانیوں کو اور (ہم سے) آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، اُس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ کیا اُن کو سوائے اُس کے کہ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، کچھ اور بدلہ دیا جائے گا۔؟

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۰ (۱۴۸)

اور موسیٰؑ کی قوم نے اُن کے پیچھے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا۔ اُس کے جسم میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ وہ نہ تو اُن سے بات ہی کر سکتا تھا، اور نہ انھیں سیدھا راستہ بتاتا تھا؟ (پھر بھی) اُنھوں نے اُسے اپنا معبود (خدا) بنا لیا۔ وہ (واقعاً سخت) گناہگار و ظالم تھے۔

خدا کے یہاں سے اجر ملنے کے دو اصول

(آیت ۱۴۷) خدا کے یہاں انسان کی کوششوں کے اجر کا انحصار دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ (۱) وہ کوشش خدا کے بھیجے ہوئے قانونِ شریعت کے مطابق ہو۔ (۲) اُس کوشش کا مقصد دنیوی فائدے نہ ہوں، بلکہ آخرت میں خدا سے اجر لینا مقصود ہو۔ اِس لیے کہ جس نے خدا کے قانون کے خلاف کوئی عمل کیا، تو گویا اُس نے خدا سے منہ موڑا اور باغیانہ انداز اختیار کیا۔ اور جس نے دنیا کے فائدے کیلئے کچھ کام کیا، اُس کو کوئی حق ہی نہیں کہ آخرت کے اجر کا مطالبہ کرے۔ * ...... (تفہیم)

بنی اسرائیل کا شرک یا گوسالہ پرستی

(آیت ۱۴۸) "خُوَارٌ" کے معنی، گائے، بیل، بکری یا بھیڑ کی آواز کے ہوتے ہیں۔ جو بے معنی ہوتی ہے۔ * .... (اقرب)

خدا کا فرمانا: "اور موسیٰؑ کی قوم نے اُن کے بعد......" یعنی حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر تورات لانے کے لیے جانے کے بعد اپنے زیوروں سے ایک مورتی بنالی اور اُسے خدا سمجھ کر پوجنے لگے..." اِس کی اصل وجہ تو یہ * ...... (تفسیر تبیان)

تھی کہ: ... "مصر میں گائے کی پرستش اور اُس کو مقدس سمجھنے کے رواج سے بنی اسرائیل اتنی شدت سے متاثر ہوچکے تھے کہ قرآن میں فرمایا: "اُن کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بس کر رہ گئی تھی"۔ انھوں نے سمندر کا پھٹنا، فرعون کا غرق ہونا، اپنا بخیریت فرعون سے نجات پانا، بندِ غلامی ٹوٹنا اور دوسرے کئی معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور ابھی ان سب باتوں کو صرف تین مہینے ہوئے تھے، اِس کے باوجود پہلے تو اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ سے مصنوعی خدا طلب کیا، پھر حضرت موسیٰؑ کے "طور" پر جاتے ہی بچھڑے کو خدا بنالیا۔"
* ...... (تفہیم)

بچھڑا سچ مچ کا بچھڑا نہیں بن گیا تھا۔ وہ وہی سونے چاندی کا رہا۔ * .....(معالم)

رہا اُس میں سے آواز کا پیدا ہونا، تو آواز مٹی کے بنے ہوئے کھلونوں، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلی ویژن سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اِس سے بڑی کیا حماقت ہوسکتی ہے کہ ایسی بے بس مخلوق کو اپنا خدا مان لیا جائے۔

توراۃ میں ہے کہ: "اُنھوں نے کہا، اے اسرائیل! یہ تمھارا معبود (خدا) ہے جو تمھیں مصر سے نکال لایا۔"
* ..... (خروج ۳۲ : ۴)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ، حجتِ شرعی اور عقلی کے سامنے خوارقِ عادات سے دھوکا کھانا حماقت ہے۔
* ..... (تھانوی)

قصہ یہ تھا کہ چونکہ بنی اسرائیل فرعونیوں میں جزیہ دے کر زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جب اُن کا عید کا دن ہوتا تو اُنہی سے زیورات عاریتہً لے لیا کرتے تھے جس دن حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر نکل جاؤ وہ عید کا دن تھا، اور فرعونیوں کے زیورات اُن کے پاس تھے۔ جب دریائے نیل عبور کر کے پار ہوئے اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا تو حضرت موسیٰؑ وعدۂ خداوندی کے ماتحت اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا جانشین بناکر کوہِ طور کی طرف چلے گئے۔ جب تیس دن گذر گئے پس سامری، جو ایک چالاک کاریگر بھی تھا، نے بنی اسرائیل سے فرعونیوں کے زیورات اکٹھے کر کے سونے کو پگھلا کر ایک گوسالہ کا نمونہ بنادیا۔ جو گائے کے بچے کی طرح آواز کرتا تھا۔ اِس کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سامری نے جبرئیل کے گھوڑے کے سموں کی مٹی لیکر بچھڑے کے قالب میں ڈالدی پس وہ آواز کرنے لگا
* ..... (ملخص از تفسیر انوار النجف ج ۶ ص ۹۸-۹۹)

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۱۴۹

(۱۴۹) پھر جب (اُنکی حماقت کا جادو خود) اُن کے ہاتھوں ٹوٹا، اور اُنھوں نے دیکھا کہ وہ واقعًا بالکل گمراہ ہو چکے ہیں، تب وہ کہنے لگے: "اگر ہمارا مالک ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہمیں معاف نہ کر دے گا، تو ہم بڑا ہی نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۵۰

(۱۵۰) پھر جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف غصّے اور رنج میں بھرے ہوئے پلٹے تو کہنے لگے: "میرے بعد تم نے میری بہت ہی بُری جانشینی کی۔ کیا تم نے اپنے مالک کے حکم میں جلدی کی؟ (یہ کہا) اور تختیاں پھینک دیں۔ اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ بولے: "اے میرے ماں جائے! اِن لوگوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا، اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالتے، پس آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں۔ اور اِس گناہگار ظالم قوم کے ساتھ مجھے شامل نہ کریں۔"

(آیت ۱۴۹) اس آیت میں "ہاتھوں" کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ شرمندگی تو دل میں پیدا ہوتی ہے مگر اس کا اثر ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ: "قیامت کے دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا۔"

*۔۔۔۔ (لغات القرآن نعمانی ۔ جلد ۳ ۔ ص ۲۱۶)

"سقط ایدیھم" کے معنی عربی محاورہ میں شرمندہ ہونے کے بھی ہوتے ہیں۔ *۔۔۔ (امام راغب، معالم، بحر، قرطبی)

حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کو "ماں جائے" کیوں کہا؟ (آیت ۱۵۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کو "ماں جائے" (ابن ام) اس لیے فرمایا کہ

باپ سے جتنے بھی بیٹے ہوں، اُن کی مائیں مختلف ہوں تو اُن میں اکثر دشمنی ہوجایا کرتی ہے۔ سوا اُن کے کہ جنھیں خدا اِس سے محفوظ رکھے لیکن ایک ماں کی جتنی اولاد ہوتی ہے اُن میں دشمنی عقل سے بعید ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے۔ وہ بڑے حلیم اور بُردبار تھے، اسی لیے بنی اسرائیل کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ★..... (تفسیر صافی صفحہ ۱۸۳، بحوالہ علل الشرائع)

حضرت موسیٰؑ کا اپنی قوم سے فرمانا کہ: "تم نے جلدی سے کام لیا۔" یعنی میرے آنے میں کچھ دیر ہوئی، اور تم میرے آنے کا انتظار نہ کرسکے، اور مورتی بنا کر پوجنے لگے۔ ★..... (تفسیر مجمع البیان)

امامت پر بحث و تبصرہ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "حضرت ہارونؑ اور اُن کی اولاد حضرت موسیٰؑ کی امامت میں امام تھی۔ لیکن جب اُن کی جگہ خلیفہ ہوتی تو اُمت حکم میں نہ رہی۔ خلافت کسی اور کی قسمت میں تھی۔ خلیفہ وہ کہ اُمت کو دین اور دنیا کے بندوبست میں رکھے جس طرح پیغمبرؐ سنوار گیا تھا۔ نصرتِ حق اُن کے ساتھ ہے۔ اور امام وہ کہ پیغمبرؐ کی یادگار ہو۔ جو خدمت اور ایثار پیغمبرؐ سے منظور ہو، وہ اُمت اُن سے کرے، تاکہ برکت اور قبولیت پاویں۔" ★......... (موضح القرآن)

اوّل تو یہ کہ دینِ اسلام میں دین اور دنیا الگ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جب اُمت امام (ہارون) کے حکم میں رہی تو حق اُمت کے ساتھ تھا، یا امام کے ساتھ تھا؟ اگر حق اُمت کے ساتھ تھا تو اُمت کو خدا کی طرف سے سزا کیوں ملی؟ اور اگر حق امام کے ساتھ ہوتا ہے تو اِس سے ثابت ہوا کہ جسے رسولؐ امام بنائے اُس کے خلاف اجماع، شوریٰ وغیرہ سب باطل ہیں۔ اور ایسے اجماع اور شوریٰ سے جو اقتدار حاصل ہوگا، وہ بھی باطل ہوگا۔

رہا سوال یہ کہ خلیفہ وہ جو اُمت کو صحیح راستے پر قائم رکھے، تو ظاہر ہے کہ یہ قائم رکھنا جبریہ تو ہو نہیں سکتا، اِس لیے کہ جبر کا حق تو خود رسولؐ تک کو حاصل نہیں، تو رسولؐ کے خلیفہ کو کیونکر حاصل ہوگا؟ اگر رسول کو جبر کا حق حاصل ہوتا تو آج ایک انسان بھی کافر نہ ہوتا۔ جب کافروں کا وجود خدا کی خدائی کو باطل نہیں کرتا، تو منافقین اور منکرین کا وجود امام کی امامت کو کیسے باطل کرسکتا ہے؟ امام یا خلیفہ کا کام رسولؐ سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ اِس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت ہارونؑ یا حضرت علیؑ یا ائمۂ اہلِ بیتؑ کی خلافت اور امامت ناکام تھی۔ یا اُنھوں نے اپنے

کام کو اچھی طرح انجام نہیں دیا، اِس لیے کہ اکثریت نے اُن کو نہیں مانا۔

اکثریت نے تو خدا کو بھی نہ مانا کیونکہ خدا خود ارشاد فرمایا ہے: اَکْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ، قَلِیْلٌ مَّا تَشْکُرُوْنَ " لوگوں کی اکثریت فاسق ہے، کم ایسے لوگوں ہیں جو اللہ کے فرمانبردار و شکرگذار ہیں۔" ...... (فصل الخطاب)

محققین نے لکھا کہ: حضرت موسیٰؑ کا غصہ تمام تر اللہ کے لیے تھا، اس لیے اُس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بعض جاہل صوفیاء نے اِس غصے کی کیفیت کو اپنی حالتِ وجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کی سند بنانا چاہا ہے۔ مگر ______ محققین کے نزدیک یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو اور باطل ہے۔ کجا نبیؑ اوالعزم کا جوشِ توحید میں غصہ کرنا اور کجا موسیقی کی سُر تال پر جوشِ جنون میں کپڑے پھاڑ ڈالنا۔ اِن دونوں چیزوں میں کوئی یکسانیت نہیں۔ .... (قرطبی)

قرآن مجید نے جناب رسولِ خداؐ کی آمد کو حضرت موسیٰؑ کی آمد سے تشبیہ دے دی، تاکہ امتِ اسلامیہ کے کان کھلیں، اور پھر پیغمبر اکرمؐ کی زبانِ وحی ترجمان نے اِس کی پوری وضاحت بھی فرمادی، تاکہ کُند سے کُند ترین افرادِ اُمّت بھی منشاءِ خداوندی کے سمجھنے میں پیچھے نہ رہیں لیکن جاہ طلبی اور اقتدار کی پیاس نے ان سب باتوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور کیا۔ نہ اثر لینا تھا، اور نہ لیا۔ اور سب کچھ ویسا ہی کر دکھایا، جو حضرت موسیٰؑ کی اُمت نے کیا تھا۔

لہٰذا قرآن مجید کی آیت کا ظاہر اگرچہ اُن لوگوں کے حق میں ہے جو اِن کے ظاہری مصداق تھے، لیکن انہی آیات کا باطن اور تاویل قیامت تک اُن لوگوں کے حق میں ہے، جو اُن جیسے اعمال و کردار کا مظہر بنیں گے۔ اور حضورؐ کا واضح فرمان: یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ...الخ

اگر سوچا سمجھا جائے تو اِس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی حیثیت موسیٰؑ کی تھی اور علیؑ کی حیثیت ہارونؑ کی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰؑ کی وصیت تھی کہ میرا بھائی ہارونؑ میرا خلیفہ ہے اس کی اطاعت کرنا۔ یہاں بار ہا حضورؐ نے فرمایا: علیؑ میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ اِن کی اطاعت کرنا۔ چنانچہ وہاں ہارونؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں حضرت علیؑ کے خلاف ہنگامہ ہوا اور اکثریت نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا... الخ ...... (ملخص از تفسیر انوار النجف)

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِاَخِىۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِىۡ رَحۡمَتِكَ ۖ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ۱۵۱

(۱۵۱) (تب موسیٰؑ نے) عرض کی: "اے میرے پالنے والے مالک! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ تُو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُفۡتَرِيۡنَ ۱۵۲

(۱۵۲) ارشاد ہوا: "جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا اُن پر تو ضرور اُن کے مالک کی طرف سے عنقریب غضب، اور دنیا کی زندگی ہی میں ذلت پہنچے گی۔ جھوٹ گھڑنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

حضرت موسیٰؑ کی دعاءِ مغفرت

(آیت ۱۵۱) حضرت موسیٰؑ نے اپنے ساتھ اپنے بھائی ہارونؑ کے لیے بھی دعاءِ مغفرت مانگی۔ اپنے لیے تو شاید اس لیے مانگی کہ جوشِ توحید میں اُنھوں نے حضرت ہارونؑ پر سخت گیری فرمائی تھی۔ اور حضرت ہارونؑ کے لیے، اس لیے شاید دعاءِ مغفرت مانگی کہ وہ فتنے کو دور کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو سکے تھے۔ *...... (تفسیر کبیر۔ بیضاوی)

مگر یہ استدلال کافی کمزور ہے۔ حضرت ہارونؑ نے، بھرپور کوششیں کیں، مگر قوم نے ایک نہ سنی۔ اصل میں نبی کا استغفار کسی کوتاہی یا گناہ کے سبب سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ خدا کی عظمت کے پیشِ نظر اپنی کوششوں کو اُس کی عظمت اور حق کے مقابلے میں کمزور سمجھتا ہے۔ اس لیے حضورِ اکرمؐ بھی روزانہ سَو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں استغفار کیا کرتے تھے۔ *...... (مؤلف)

(آیت ۱۵۲) حضرت ہارونؑ نے اپنی صفائی پیش کی تو حضرت موسیٰؑ فوراً مطمئن ہو گئے اور ان کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی خدا سے دُعا مانگنے لگے۔ اس دعا کے ذریعے سے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کی بے گناہی کو ثابت کیا۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: اگر اُمت رسولؐ کے مقرر کیے ہوئے خلیفہ یا امام کا حکم نہ مانے تو اُمت مجرم قرار پاتی ہے۔ امام پر الزام عائد نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ امام کی مخالفت کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کا کہنا نہ ماننے کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں دی گئی۔ *...... (فصل الخطاب)

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۱۵۳

(۱۵۳) اور وہ لوگ جنھوں نے بُرے کام کیے، پھر اس کے بعد اُنھوں نے توبہ کر لی اور ایمان بھی لے آئے تو یقیناً اس (توبہ و ایمان) کے بعد آپ کا پالنے والا مالک ضرور معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ○ ۱۵۴

(۱۵۴) پھر جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُنھوں نے وہ تختیاں اُٹھا لیں، جن کی تحریر میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے مالک سے ڈرتے ہیں۔

خداوندِ کریم کی نظر میں توبہ کی اہمیت (آیت ۱۵۳) گنہگار اُمت کی تسلی کے لیے ہے کہ اگر بندے سے کوئی غلطی ہو جائے، لیکن بعد میں وہ توبہ کرلے تو خداوندِ کریم اُس کو بخش دیتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسولِ خداؐ کے خصوصی اصحاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو امام علیہ السلام نے سلمانؓ، مقدادؓ اور ابوذرؓ کا نام لیا۔ راوی نے عمار کے بارے میں پوچھا، تو آپؑ نے فرمایا: "وہ بھی اچھے صحابی تھے لیکن ابتدا میں وہ بھی پھسلنے والوں ہی سے تھے۔ بعد میں سنبھل گئے تھے" بہرحال معصومؑ کا ارشاد ہے کہ: "گناہ سے توبہ کرنے والا انجام کے لحاظ سے گناہ نہ کرنے والے جیسا ہے"۔ * .... (کافی۔ بحوالہ انوار النجف)

(آیت ۱۵۴) خدا کا یہ فرمانا کہ: "جب موسیٰؑ کا غصہ ساکت (ٹھنڈا) ہوا" سے معلوم ہوا کہ غصے کے عالم میں جو کچھ حضرت موسیٰؑ فرما رہے تھے وہ اُن کی آواز نہ تھی، وہ اُن کا غصہ تھا جو بول رہا تھا۔ اس لیے اُن کی خاموشی اُن کے غصے کی خاموشی تھی۔ مگر وہ غصہ قوم کی سرکشی پر تھا، صرف خطاب حضرت ہارونؑ سے تھا، اس لیے وہ غصہ شانِ رسالت کے خلاف نہ تھا اور نہ حضرت ہارونؑ کے خلاف تھا۔ * ---- (تفسیر تبیان، فصل الخطاب)

(وہ غصہ جوشِ توحید (اللہ کے دین) اور قوم کی گمراہی کے سبب سے تھا۔) (مولف)

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

(۱۵۵) پھر موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ستّر آدمیوں کو منتخب کیا تاکہ وہ (اُس کے ساتھ) ہمارے مقرّرہ وقت پر حاضر ہوں۔ پھر جب اُن کو ایک سخت زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰؑ نے عرض کی: "اے میرے مالک! اگر تُو چاہتا تو اِن کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تُو ہم سب کو اُس کام کے بدلے میں ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے احمق لوگوں نے کیا ہے؟ یہ تو تیرا امتحان ہے جس کے ذریعے سے تُو جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دے اور جسے چاہے توفیقِ ہدایت بخش دے۔ تُو ہی ہمارا سرپرست ہے، پس ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما، اور تُو ہی سب سے بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔

خدا کے دیدار کا مطالبہ حماقت ہے

حضرت موسیٰؑ نے صرف اُن لوگوں کو منتخب فرمایا تھا، جنھوں نے گوسالہ (بچھڑے) کو پوجا نہ تھا۔ صرف اُنہی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ مگر کیونکہ اُن لوگوں نے دوسروں کو گوسالہ پوجنے سے روکا نہ تھا، بلکہ خاموش رہے تھے، اِس لیے خدا نے اُن کو اِس خاموشی کی سزا میں ہلاک کر دیا۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "جو کسی جماعت کے عمل سے راضی ہوتا ہے، وہ بھی اُنہی لوگوں کی طرح ہوتا ہے، جو اُس بُرے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔" .... (الحدیث)

حضرت امام حسینؑ کی زیارت پڑھتے ہوئے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً قَتَلَتْكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً ظَلَمَتْكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً سَمِعَتْ بِذٰلِكَ فَرَضِيَتْ بِهٖ"
اللہ کی لعنت ہو اُس گروہ پر جس نے آپ کو قتل کیا، اور اللہ کی لعنت ہو اُس گروہ پر بھی جس نے آپ پر ظلم کیا اور اللہ کی لعنت ہو اُس گروہ پر بھی جس نے آپ کے قتل اور آپ پر ظلم کو سنا اور اُس گروہ کے اِس بدترین فعل سے راضی ہوا۔
...... (زیارت وارث)

حضرت موسیٰؑ کا فرمانا: "کیا تُو ہمیں ہلاک کرتا ہے اِس سبب سے جو ہمارے احمق ساتھیوں نے کیا۔" یہاں حماقت

سے مراد: (۱) خدا کو دیکھنے کے مطالبے کی حماقت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ (۲) گوسالہ پوجنے کی حماقت بھی مراد ہوسکتی ہے۔ پہلی بات ابن اسحاق نے کہی ہے اور دوسری بات حضرت ابن عباسؓ نے۔ ...... (تفسیر ...)

مگر بہتر یہ ہے کہ "حماقت" سے خدا کے دیدار کے مطالبے کی حماقت مراد لی جائے جو یہاں زیادہ قرین قیاس ہے۔ ...... (مجمع البیان)

امتحان و آزمائش کا فائدہ

محققین نے نتیجہ نکالا کہ ہر امتحان، ہر آزمائش، انسانوں کے درمیان فیصلہ کر دیا کرتی ہے کہ کون واقعی نیک ہے اور کون جھوٹا منافق ہے۔ اس لیے خدا کی حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ قوموں کے امتحانات ہوتے رہیں۔ جو لوگ واقعاً اپنی اصلاح کر لیتے ہیں، خدا کی توفیقات اُن کا دامن تھام لیتی ہیں، وہ اُس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

بہرحال یہ طے ہے کہ انسان کو نجات بغیر خدا کی توفیق کے نہیں ہوتی، اور خدا کی توفیقات بغیر ہماری کوششوں کے نہیں ملتیں۔

خدا نے فرمایا: "جو لوگ ہمارے راستوں میں کوشش کرتے ہیں، ہم انھیں اپنے راستوں کی ضرور ہدایت کرتے ہیں۔" وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔" (القرآن ۲۹ العنکبوت آیت ۶۹)

غرض خدا کی توفیقات ملنے کا ایک ضابطہ ہے جو سراسر حکمت اور عدل پر مبنی ہے۔ ...... (تفہیم)

حضرت موسیٰؑ کا فرمانا کہ: (اے خدا!) "کیا تُو ہم سب کو اِس کام کے بدلے میں ہلاک کر دے گا، جو ہم میں سے احمق لوگوں نے کیا۔" اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کے دیدار کا مطالبہ حماقت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اِس قسم کا سوال استفہام استعظام کہلاتا ہے، اِس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ: تُو ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ ...... (قرطبی)

"تفسیر بُرہان" میں بروایت ابنِ بابویہ مروی ہے: معصوم سے دریافت کیا گیا کہ: لوگوں کو اپنے امام کے انتخاب کا اختیار کیوں نہیں؟ فرمایا: جب ایک مسلّم حقیقت ہے کہ انسان، دوسرے کے دل کی بات نہیں جان سکتا کہ اُس میں اچھائی ہے یا بُرائی، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ مل کر ایک فسادی کو چُن لیں؟ راوی نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اِسی وجہ سے خدا نے امام کے انتخاب کا حق اُن کو نہیں دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے باوجود کمالِ عقل و فہم کے اپنی قوم سے ستر آدمی چُنے تھے لیکن اُن میں ایک بھی مومن نہ تھا، وہ سب منافق تھے جن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ ...... (تفسیر برہان - بحوالہ تفسیر انوار النجف صفحہ ۱۰۳) (ملخص)

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا (۱۵۶) حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۵۶

اور ہمارے لیے اِس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تو تیری ہی طرف رُجوع کر رکھا ہے"۔ (اللہ نے جواب میں) فرمایا: "سزا تو میں جسے چاہتا ہوں، دیتا ہوں، مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ تو عنقریب میں اپنی رحمت کو اُن لوگوں کے لیے لکھوں گا جو میری نافرمانی سے بچیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری باتوں (اور احکامات) کو مانیں گے۔

دنیا اور آخرت میں خدا کی رحمت کس کیلئے؟

دُنیا میں خدا کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوتے ہے۔ لیکن آخرت میں خدا کی رحمت صرف اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہوگی جو خدا کی ناراضگی سے ڈرے اور بچے رہنے والے کی طرزِ زندگی اختیار کریں گے۔ *۔۔۔۔۔ (تفسیر صافی ص۱۸۳)

حضرت موسیٰؑ کی دُعا میں دنیا کا بھی ذکر تھا اور آخرت کا بھی۔ خدا کی دنیا والی رحمت ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اِسی لیے دنیا میں وہ "رحمٰن" ہے۔ یعنی ہر ایک پر رحم کرنے والا ہے۔ اور آخرت میں خدا کی رحمت صرف اُن کے لیے ہے جو ایمان اور تقویٰ کی صفت رکھتے ہیں یعنی خدا، رسولؐ اور آخرت کو دل سے مانتے ہوں، اور خدا کی ناراضگی سے عملاً بچتے ہوں۔ *۔۔۔۔۔ (جلالین۔ فصل الخطاب)

نتیجہ: محققین نے نتیجہ نکالا کہ: "خدا کی خدائی میں اصل چیز غضب نہیں ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ خدا کبھی کبھی رحم و فضل سے کام لیتا ہو، بلکہ خدا کی حکمرانی کی اصل شان رحم پر قائم ہے۔ خدا کا سارا نظام رحم ہی رحم ہے۔ اِس میں غضب صرف اور صرف اُسی وقت نمودار ہوتا ہے۔ جب لوگوں کی سرکشی، ظلم اور حق دشمنی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ *۔۔۔۔ (تفہیم)۔۔۔۔۔۔۔ محققین نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ: خدا کی

دنیا والی رحمت کافر اور مومن، دونوں کے لیے ہے، مگر خدا کی آخرت والی رحمت ایمان اور تقویٰ پر منحصر ہے۔
*...... (جلالین)

خدا کا فرمانا: "وَاکْتُبْ لَنَا...." یعنی: "ہمارے لیے اِس دنیا میں بھی بھلائی لکھدے اور آخرت میں بھی"
" اِس کا مطلب یہ ہے کہ: بھلائی کو ہمارے لیے لازمی قرار دے۔" عرب کے محاورے میں لکھنے کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ *....... (تفسیر کبیر، امام راغب)

خدا کا فرمانا کہ: "میں عنقریب اپنی رحمت کو اُن لوگوں کے لیے لکھوں گا جو میری نافرمانی سے بچیں گے" (تقویٰ اختیار کریں گے)۔ اِس سے اشارہ عملِ قلب کی طرف ہوگیا، کیونکہ ڈرنے یا بچنے کا اوّلین تعلق قلب سے ہوتا ہے...... اور خدا کا فرمانا کہ: "جو زکوٰۃ دیں گے اور میرے احکامات کو مانیں گے"۔ اِس سے اِشارہ اعمالِ جوارح کی طرف ہوگیا۔ *...... (تفسیر کبیر)

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ یعنی: "اپنا عذاب دیتا ہوں جسے چاہوں"۔ "تفسیر مجمع البیان" میں امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام سے مروی ہے کہ: "بنی اسرائیل زلزلے کے عذاب میں اس لیئے مبتلا ہوئے کہ اُنھوں نے حضرت موسیٰ پر حضرت ہارونؑ کے قتل کا الزام لگایا تھا"۔ واقعہ اِس طرح تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اور اُن کے دونوں فرزند شبّر اور شبیّر پہاڑ کی طرف گئے۔ اور دامنِ کوہ میں حضرت ہارونؑ سو گئے اور خدا نے اُن پر موت نازل کردی پس حضرت موسیٰؑ اُن کو دفن کر کے واپس ہوئے تو بنی اسرائیل نے پوچھا: ہارونؑ کہاں گئے؟ تو آپؑ نے جواب دیا: وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔" اُنھوں نے کہا: ایسا نہیں ہے بلکہ چونکہ حضرت ہارونؑ نہایت خلیق اور ملنسار انسان تھے اور ہمیں اُن کے ساتھ کافی وابستگی تھی، اِس لیے آپؑ نے حسد کیا اور اُن کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اُن لوگوں کو حضرت ہارونؑ کی قبر پر لے گئے اور حضرت ہارونؑ سے خطاب کر کے فرمایا: بتائیے آپؑ کو قتل کیا گیا ہے یا اپنی موت سے مرے ہیں؟ حضرت ہارونؑ نے قبر کے اندر سے جواب دیا: "مجھے کسی نے قتل نہیں کیا، بلکہ میں اپنی موت سے مرا ہوں۔"

پس حضرت موسیٰؑ پر الزام لگانے کی وجہ سے موردِ عذابِ خداوندی ہوئے اور صاعقہ یا رجفہ سے جل کر خاکستر ہوگئے۔ *..... (تفسیر مجمع البیان۔ بحوالہ تفسیر انوار النجف ج ۶ ص ۱۰۶)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(۱۵۷) وہ لوگ جو اس پیغمبر اور نبیِ اُمّی (مکّی) کی پیروی کریں گے جس (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے، اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ اُن کے لیے پاک چیزوں کو حلال، اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔ اور اُن پر سے وہ (خود ساختہ بیہودہ رسوم کے) بوجھ اور طوقوں کو اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ (سماجی اور سیاسی) بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ پس وہ لوگ جو اُس پر ایمان لائے اور جنہوں نے اُس کو قوت پہنچائی اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ ساتھ نازل ہوا ہے، تو وہی لوگ دنیا اور آخرت کی پوری پوری کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ۱۵۷

نبی اور رسول کا فرق

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آباءِ طاہرینؑ کے ذریعے سے روایت کی ہے کہ: جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "رسول" وہ ہوتا ہے جس سے فرشتے نازل ہو کر کلام کریں۔ "نبی" وہ ہوتا ہے جسے خواب میں خدا کے احکامات ملتے ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبوّت اور رسالت ایک ہی ذات میں جمع ہو جاتی ہیں۔ * (تفسیر صافی ص۱۸۳ بحوالہ کافی، تفسیر مجمع البیان)

اُمّی کے معنی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضور اکرمؐ کو "اُمّی" کیوں کہا گیا؟ آپؑ نے فرمایا: "مکّہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے خود ارشاد فرمایا: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" یعنی: تاکہ آپؐ اُم القریٰ (مکّہ) اور اُس کے اِرد گرد والوں کو (بُرے کاموں کے بُرے انجام) سے

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۹

(۱۵۹) اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت بھی کرتا تھا اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف بھی کرتا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی اُمت کا ایک گروہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جس گروہ کا اِس آیت میں حوالہ دیا گیا ہے اُس گروہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینِ اسلام کو ماننے والے تھے۔"

* ...... (تفسیر صافی ص۱۸۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اِس آیت میں جن کو اُمت کہا گیا ہے وہ ایک طبقہ ہے جو صحیح معنی میں شریعتِ موسوی پر عامل تھے اور ان کو ہمارے رسولؐ کی آمد اور صداقت کی خبر نہیں پہنچی تھے۔ خدا اُس طبقے کی تعریف فرما رہا ہے۔ اُنھوں نے خود حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں کی۔

* ...... (تفسیر تبیان)

(نوٹ) یہ بات تو بڑی حیرت کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اُمت کے اُس حق بیں و حق پرست گروہ کو ابتک یا آنحضرتؐ کی بعثت تک ہمارے رسولؐ کی آمد اور صداقت کی خبر ہی نہیں پہنچی جبکہ توریت میں مکمل نشاندہی فرمادی گئی ہے، اور آپؐ کی بعثت کی چہار دانگِ عالم میں شہرت ہو چکی تھی۔ یہ گروہ ضرور ایمان لے آیا ہوگا۔

حق کے مطابق انصاف کرنے کے معنی "ہر فیصلہ حق اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق کرتا ہے اور لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

* ...... (بیضاوی، تفسیر کبیر، قرطبی)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے راس الجالوت (یہودی عالم) سے دریافت کیا کہ قسم کھا کر بتاؤ کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کی اُمت کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئی؟ اُس نے کہدیا: صرف ایک فرقہ۔ آپؑ نے فرمایا: "جھوٹ بولتا ہے۔ بلکہ خدائے واحد کی قسم حضرت موسیٰؑ کی اُمت اکہتر جماعتوں پر تقسیم ہوئی، ایک فرقہ جنت میں جائے گا باقی تمام جہنم میں جائیں گے۔

* ...... (تفسیر برہان)

وَ قَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَیۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اِذِ اسۡتَسۡقٰىهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ۚ فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَیۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ وَ ظَلَّلۡنَا عَلَیۡهِمُ الۡغَمَامَ وَ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَ مَا ظَلَمُوۡنَا وَ لٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾	اور ہم نے اُس قوم کو بارہ گھرانوں میں گروہ گروہ کر کے تقسیم کر دیا تھا۔ اور ہم ہی نے موسٰیؑ کو وحی کی، جب اُس کی قوم نے اُس سے پانی طلب کیا کہ فلاں چٹان پر اپنی لاٹھی مارو۔ چنانچہ اُس سے یکایک بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور ہر آدمی نے اپنا اپنا گھاٹ بھی پہچان لیا۔ پھر ہم نے اُن پر بادلوں کا سایہ کیا۔ اور اُن پر منّ و سلوٰی بھی اُتارا (پھر کہا) کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تمھیں بخشی ہیں۔ مگر (اس کے بعد جو کچھ بھی اُنھوں نے کیا تو اُس سے) ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

اسباط کے معنی

• عربی میں "اسباط" اولاد کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں اسباط ایسے ہی تھے جیسے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قبائل تھے۔ ..... (تفسیر صافی ص۲۰۱)

اِسی لیے "اَسۡبَاط" کے معنی قبیلے کے ہو گئے۔ "سِبۡط" کے معنی ایک دادا کی اولاد۔ اِس کی جمع ہوئی "اسباط" جس کے معنی میں، پوتے، نواسے دونوں آتے ہیں، مگر نواسوں کے لیے یہ لفظ زیادہ بولا جاتا ہے۔ عام طور پر اسباط بنی اسرائیل مراد ہیں، اور وہ قبیلہ بھی مراد ہے جو ایک دادا کی اولاد ہو۔ ...... (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ ص۲۰)

خدا کی مہربانیاں بنی اسرائیل پر

خداوندِ عالم نے بنی اسرائیل پر بے پناہ احسانات فرمائے۔ اُن میں سے ایک بڑا احسان یہ بھی تھا کہ جزیرہ نمائے سینا کے بیابانی علاقے میں اُن

کے لیے پانی فراہم کر دیا۔ اور دھوپ کی تپش سے بچانے کے لیے ہر وقت آسمان پر بادلوں کو بچھا دیا۔ کھانے کے لیے "منّ و سلویٰ" نازل فرمایا۔ یہ تینوں انتظامات کتنی لاکھ انسانوں کے لیے فرمائے گئے۔ مثلاً اگر اُن کو صرف پانی ہی نہ ملتا تو سب کے سب چند گھنٹوں میں ہلاک ہو جاتے۔ آج بھی اگر اُس صحرا میں آکر ٹھہریں تو دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی یکایک وہاں پانی، کھانے اور سائے کا بندوبست نہیں کر سکتیں۔ آج بھی اُس جزیرہ نما کی کل آبادی ۵۵ ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔ پھر یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے کہ اُس نے بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان فرمایا تھا۔ ...... (تفہیم)

ان سب مہربانیوں کے باوجود بنی اسرائیل، خدا کے انبیاء کو قتل کرتے رہے، اُس کے احکامات کی نافرمانی کرتے رہے۔ جس کے سبب سے مختلف ادوار میں عذاب خداوندی میں مبتلا ہوتے رہے۔ یہی بنی اسرائیل وہ تھے کہ: ... جو حضورِ اکرمؐ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اور موسوی دین میں اپنی من مانی کرتے رہے کتابِ خدا، توراۃ میں تحریفات کیں اور آنحضرتؐ کو نوع بہ نوع جھٹلاتے رہے۔ اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوئے۔ چنانچہ سورۃ ۵ المائدہ، آیت ۸۲ میں ارشاد ہوا:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا"

(اور تُو ایمان والوں کی عداوت میں یہود اور مشرکوں کو یقیناً سب لوگوں سے زیادہ شدید پائے گا)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ: جب قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے اور آپؑ مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ فرمائیں گے تو اعلانِ عام ہوگا کہ کوئی شخص اپنے ساتھ زادِ راہ نہ اُٹھائے۔ چنانچہ وہی پتھر جس سے بارہ چشمے بنی اسرائیل کیلئے پھوٹ پڑے تھے، امام عصرؑ اپنے ساتھ رکھیں گے اور ہر منزل پر اُس سے پیاسوں کے لیے پانی کے چشمے جاری ہوں گے اور بھوکے شکم سیر ہو کر کھانا کھائیں گے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ: الواحِ حضرت موسیٰؑ اور آپؑ کا عصا بھی ہمارے پاس ہیں ۔۔۔ (تفسیر برہان)۔ اور حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے پیغمبر آخر الزمانؐ کی فضیلتیں سُنیں تو دعا کی کہ مجھے بھی اُن کی اُمت میں شامل فرما۔
(تفسیر مجمع البیان) (ملخص)

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا (۱۶۱) اور یاد کرو وہ وقت جب اُن سے کہا گیا
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا تھا کہ اِس بستی میں آباد ہو جاؤ۔ اور اُس میں
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ جہاں سے چاہو روزی حاصل کرو۔ اور "حِطّہ"
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ (یعنی) توبہ توبہ کہتے ہوئے اور دروازے میں
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۶۱ (شکر کا) سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، تو ہم
تمہاری خطائیں معاف کردیں گے، اور نیکی کرنے
والوں کو عنقریب اور زیادہ بھی عطا کریں گے۔

بابِ حِطّہ؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ جس شہر میں بنی اسرائیل کو داخل ہونے کا حکم ہوا تھا اُس کے آٹھ دروازے تھے اور جس دروازے سے اِن کو گذرنے کا حکم ہوا تھا وہ بابُ الحِطّہ تھا۔ نیز لفظ حِطّہ اِن کے لیے توبہ و استغفار کا کلمہ تھا اور خضوع و خشوع سے جھکتے ہوئے اِن کو شہر میں اُس دروازے سے داخل ہونے کا حکم تھا۔

"مجمع البیان" میں ہے کہ وہ دروازہ اُن کیلئے چھوٹا رکھا گیا تھا تاکہ خواہ مخواہ وہ جھک کر گذریں لیکن (اُنکی فطرت میں تو شرارت تھی) بجائے حِطّہ کے حنطۃٌ (یعنی گندم) وِرد شروع کردیا، اور سجدہ کرنے کی بجائے اکڑ کر اور سر اونچا کرکے دروازے میں پیر پہلے داخل کردیے اور پھر کھسک کر گذر گئے۔ ..... (تفسیر انوار النجف ج۲ ص۱۱۵، مجمع البیان)

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: علیؑ بابِ حِطّہ ہیں، جو اِس میں داخل ہوگا وہ مومن ہوگا اور جو اِس سے خارج ہوگا وہ کافر ہوگا۔ (تفسیر عمدۃ البیان) اور مراد اِس سے علیؑ کی پیروی کرنا ہے۔ (تفسیر انوار النجف ص۱۱۱)

ابنِ ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: "اِس اُمت میں ہماری (اہلبیت رسولؐ کی) مثال ایسی ہے جیسی کہ نوحؑ کی کشتی، اور جیسے بابِ حِطّہ بنی اسرائیل کے لیے تھا۔" (تفسیر درمنثور جلد ۱ ص۷۲ سطر ۱ مطبوعہ مصر)

جس دروازے سے بنی اسرائیل کو جھک کر داخل ہونے کا حکم تھا اُس کے اوپر آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کی مثالیں موجود تھیں۔ اور سجدہ کرنے سے مراد اُن کی تعظیم کرنا تھا اور اُن کی ولایت کے عہد کو تازہ کرنا تھا۔ لیکن اُن کی نافرمانی کی وجہ سے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی طاعون سے مرگئے۔
(تفسیر امام حسن عسکریؑ) بحوالہ انوار النجف ص۱۱۵)

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝ ۱۶۲

(۱۶۲) مگر جو لوگ اُن میں سے ظالم اور گناہگار ہو گئے تھے اُنھوں نے اُس بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی دوسری بات سے بدل دیا۔ پس ہم نے بھی اُن کے اُسی ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے اُن پر آسمان سے عذاب بھیج دیا۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ ۱۶۳

(۱۶۳) اور (اے رسولؐ!) اُن سے اُس بستی[1] کا حال تو پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ جبکہ وہ سَبت (ہفتہ) کے دن زیادتی کیا کرتے تھے اور یہ مچھلیاں ہفتے[2] ہی کے دن اُبھر اُبھر کر سطحِ سمندر پر اُن کے سامنے آجاتی تھیں اور ہفتے کے سوا باقی دنوں میں سامنے نہ آتی تھیں۔ یہ اِس لیے ہوتا تھا کہ ہم اُن کی نافرمانی کی وجہ سے اُن کو امتحان میں ڈال رہے تھے۔

اسرائیلی بندرگاہ ایلہ

[1] یہ بستی کونسی تھی؟ اِس کے بارے میں کئی قول ہیں جن میں کوئی بھی مستند نہیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

محققین کا غالب میلان اِس طرف ہے کہ یہ مقام اَیلہ۔ ایلات یا ایلوت ہے، جہاں اب اسرائیل کی یہودی ریاست واقع ہے۔ اُسی نے اِس نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے۔ جو اُردن کی بندرگاہ عقبہ کے قریب ہے۔ بنی اسرائیل کے عروج کے زمانے میں یہ بڑا اہم تجارتی مرکز تھا۔ اور حضرت سلیمانؑ نے اپنے جنگی تجارتی بیڑے کا صدر مقام اِسی شہر کو بنایا تھا۔ ..... (تفہیم)

ہفتے کے دن کی اہمیت

[2] وہ بستی ایلہ، مدین یا طبریہ تھی جو دریا کے کنارے پر واقع تھی۔ اُن لوگوں کا تجاوز یہ تھا کہ سنیچر (ہفتے) کے دن اُن پر مچھلی کا شکار ممنوع تھا کیونکہ اس دن مچھلیاں یوم امن سمجھ کر سر کو باہر نکال کر سامنے آجاتیں بنی اسرائیل اس دن جال لگا رکھتے تھے تاکہ مچھلیاں (زیادہ تعداد) میں جال میں پھنس جائیں، پھر اتوار کے دن اُن کو نکال کر لے آتے (انوار النجف ص۱۱۱)

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

(۱۶۴) اور انھیں یہ بھی یاد دلاؤ کہ جب اُن میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ تم اُن لوگوں کو نصیحت ہی کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے؟ یا سخت عذاب دینے والا ہے۔ انھوں نے جواب دیا تھا کہ: "ہم تو یہ کام تمھارے مالک کے سامنے اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں، اور اِس اُمید پر بھی کرتے ہیں کہ شاید اِس طرح یہ لوگ خدا کی نافرمانی سے بچنے لگیں۔

نصیحت کرنا ضروری ہے اِس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم قوم کو نصیحت کرتے رہیں گے چاہے قوم ہماری بات نہ مانے، مگر ہم اِس طرح خدا کے سامنے بے گناہ یا معذور قرار پائیں گے۔ خدا اُن کے اعمال کا ذمّے دار ہم کو قرار نہ دے گا۔ اگر خاموش رہیں گے تو ہم بھی اُن کے بُرے کاموں میں شریک سمجھے جائیں گے۔ .... (جلالین)

پھر آخر میں اُن کا یہ فرمانا کہ: "شاید وہ لوگ تقویٰ اختیار کریں" اِس کا مطلب یہ ہوا کہ بالکل مایوس ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ نصیحت کا اثر قبول کریں۔ *........ (فصل الخطاب)

وہ لوگ امتحان میں اِس لیے ڈالے گئے کہ خدا اہلِ طاعت کا امتحان لطف اور مہربانی کا مستحق بنانے اور نعمتیں عطا کرنے کے لیے کرتا ہے، اور گناہگاروں کا امتحان اُن کی حقیقت بتانے یا اصلاحِ حال کا موقع دینے کے لیے کرتا ہے۔

شریعت میں حیلے بعض فقہاء نے یہاں استدلال کیا ہے کہ احکامِ شریعت کی تعمیل سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ *....... (روح المعانی)

فقہاء نے جو حیلے کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ احکامِ شریعت کی تعمیل کے لیے ہے، نہ کہ اُن سے بچنے کے لیے۔ (مگر یہ راستہ بہت کمزور ہے)
*...... (تھانوی)

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ۱۶۵

(۱۶۵) بالآخر جب وہ لوگ (ہماری ہدایات کو) بالکل ہی بھول گئے جو انھیں بار بار یاد دلائی گئی تھیں، تب ہم نے اُن لوگوں کو تو بچا لیا جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے تھے، مگر باقی اُن لوگوں کو جنھوں نے زیادتی کی تھی، ہم نے بڑی ہی سخت سزا میں پکڑ لیا' اُسی نافرمانی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نصیحت کرنے کی اہمیت

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس بستی میں تین قسم کے لوگ تھے۔ (۱) جو کھلم کھلا خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ (۲) جو خود خلاف ورزی تو نہیں کر رہے تھے مگر گناہگاروں کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ (۳) تیسرا گروہ وہ تھا جن کی غیرتِ ایمانی خدا کے احکام کی بے حُرمتی کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اُن کو یہ اُمید بھی تھی کہ شاید یہ لوگ اُن کی بات سُن کر گناہوں سے رُک جائیں گے۔ اور اگر نہ رُکیں گے تو بھی وہ خدا کے سامنے اِس لیے جوابدہ نہ ہوں گے کہ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ قرآن کے فرمان کے مطابق جب اُس قوم پر عذاب آیا تو صرف یہ تیسرا گروہ نجات پا سکا۔ کیونکہ اُن کو خدا کے سامنے اپنی جوابدہی اور معذرت پیش کرنے کی فکر تھی۔ باقی دونوں گروہوں کا شمار ظالموں میں ہوا اور اُن دونوں گروہوں نے خدا سے سزا پائی۔ اِسی لیے قرآن میں ارشاد ہے کہ: "ڈرو اُس فتنہ سے جس کے وبال میں صرف وہی لوگ گرفتار نہیں ہوں گے جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا"۔

اِس کی تشریح میں حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "اللہ خاص لوگوں کے جرائم پر عام لوگوں کو سزا نہیں دیتا جب تک کہ عام لوگوں کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بُرے کام ہوتے دیکھیں اور اُن کے خلاف اظہارِ ناراضگی پر قدرت بھی رکھتے ہوں، اور پھر بھی اظہارِ ناراضگی نہ کریں۔ جب عام لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو اللہ خاص و عام سب کو اپنے عذاب میں فرما دیتا ہے۔" (الحدیث) (تفہیم)

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوا عَنْهُ (۱۶۶) پھر جب انھوں نے پوری سرکشی کے ساتھ
قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ ۱۶۶ وہی کام کیے جس سے انھیں روکا گیا تھا تب
ہم نے کہا کہ اب تم ذلیل ہو کر بندر بن جاؤ۔

خدا کے حکم کی خلاف ورزی کا انجام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "جب اُن لوگوں نے حکمِ خدا کو بُھلا دیا اور نصیحت کو نہ مانا تو حق پرستوں نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ اِس بستی میں نہیں رہیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر خدا کا عذاب اُترے اور ہم بھی اُس کی لپیٹ میں آجائیں۔ پس وہ شہر سے نکل گئے اور رات بھر زیرِ آسمان رہے۔ صبح کو جب شہر میں آئے اور شہر کا دروازہ بند پایا تو بہت کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ پایا۔ شہر کی فصیل کے ساتھ ایک سیڑھی لگا کر چڑھے تو دیکھا کہ سب کے سب بندر بن چکے ہیں۔ پس اُن لوگوں نے اُن بندروں سے صرف اتنا کہا: "کیا ہم نے تم لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے منع نہیں کیا تھا"؟ *..... (تفسیر صافی ص۱۸۵ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "ہم نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی کتاب میں یہ لکھا پایا کہ: "ایک قوم ایلہ" میں رہتی تھی جس کا تعلق قوم ثمود سے تھا۔ اُن کی اطاعت کا امتحان خدا نے اِس طرح لیا کہ ہفتے کے دن اُن کے پاس مچھلیاں بھیجی جاتی تھیں (جبکہ اُن کو ہفتے کے دن شکار کی ممانعت تھی) وہ مچھلیاں نہروں میں تیرتی ہوئی اُن کے دروازوں کے سامنے کی نہروں میں آجاتی تھیں۔ وہ یہ حالت دیکھ کر اُن کا شکار کر لیتے تھے۔ عرصے تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ اُن کے علماء اور درویشوں نے انھیں ایسا کرنے سے بہت روکا، مگر شیطان اُن کے کانوں میں یہ پھونک دیتا کہ ہفتے کے دن شکار کے کھانے کی ممانعت کی گئی ہے، شکار کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ اِس لیے تم لوگ ہفتے کے دن شکار کر لیا کرو اور پھر ہفتے بھر کھاتے رہا کرو۔ اِس طرح وہ قوم شکار کرتی رہی اور گنہگار بن گئی۔ ایک گروہ اُن سے الگ ہو گیا۔ وہ خاموش رہے۔ اور اُنھوں نے نصیحت کرنا بھی چھوڑ دی (مگر ایک گروہ نصیحت کرتا رہا)۔ پھر اِس خاموش رہنے والے گروہ نے نصیحت کرنے والے گروہ سے کہا: "تم ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا سخت سزا دینے والا ہے"۔ نصیحت کرنے والوں نے جواب دیا: "تمہارے پالنے والے مالک کے سامنے معذرت کرنے کیلئے اور تاکہ وہ باز آجائیں"۔ (پھر وہی ہوا جو پہلی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے)

*..... (تفسیر صافی ص۱۸۵ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

" تفسیر مجمع البیان " میں ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ سنیچر (ہفتے) کا دن ہمارے جمعہ کی طرح اُن کے لیے مقرر تھا کہ اس کی عظمت کو بحال رکھیں۔ اُس دن شکار نہ کریں۔ مچھلیاں اُس دن اتنی کثرت سے آجایا کرتیں کہ پانی اُن کی کثرت سے چھپ جاتا۔ شیطان نے اُن کو سبق پڑھایا کہ سنیچر کے دن حوضوں میں جمع کرلیا کرو اور اتوار کے دن پکڑ لیا کرو۔ پس وہ ایسا کرنے لگے۔ بعض نے ایسا بھی کیا کہ سنیچر کے دن دھاگے سے ایک مچھلی کو باندھ دیا اور اتوار کے دن اُس کو لاکر پکایا اور کھالیا۔ دوسروں نے اُس کو بُرا بھلا کہا۔ لیکن جب دیکھا کہ اُس پر کوئی عذاب نہ آیا تو اُن کے دلوں سے بھی خوف جاتا رہا تو وہ بھی یہی کام کرنے لگے۔ ان کے تین گروہ ہو گئے۔ واعظ گروہ نے اُن سے علیحدہ اپنی سکونت اختیار کرلی۔ مجرمین کی تعداد ۱۲ ہزار تھی۔ ایک رات جو سوئے تو صبح کو بندر کی شکل میں مسخ ہو چکے تھے۔ تین دن یا سات دن تک زندہ رہ کر لقمۂ اجل ہو گئے۔ ان کی نسل آگے نہیں بڑھی۔
*..... (تفسیر مجمع البیان)

* حضرت امام زین العابدینؑ سے اُن کی تعداد اسّی ہزار منقول ہے صرف دس ہزار واعظ بچ گئے تھے۔ *..... (تفسیر صافی)

قرآن کا اعلانِ صداقت کی دلیل

قرآن کا یہودیوں کے لیے یہ اعلانِ سزا قرآن اور آسمانی کتابوں کی صداقت کی دلیل ہے کہ آج تک تاریخ میں کوئی دَور ایسا نہیں گذرا جس میں یہودی قوم دنیا میں کہیں نہ کہیں روندی یا پامال نہ کی جاتی رہی ہو۔
...... (تفہیم - تفسیر کبیر)

توریت میں بھی یہودی صفت لوگوں کو سخت سزائیں سنائی گئی ہیں۔ یعنی:

" اگر تم میرے سُننے والے نہ ہوتے اور اُن سب حکموں پر عمل نہ کیا ... اور مجھ سے عہد شکنی کروگے تو میں بھی تم سے ایسا ہی سلوک کروں گا .... اور میرا چہرہ تمہارے خلاف ہوتا۔ اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے۔ اور جو تم سے کینہ رکھتے ہیں، تم پر حکومت کریں گے۔" (احبار ۲۶ : ۱۴ - ۱۷) نیز فرمایا: " تیرے بیٹے اور تیری عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن اُن کی راہ تکتے تکتے تھک جاؤ گے۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا۔" * (استثناء ۲۸ : ۳۲) نوٹ فرمائیں کہ یہودی صفت اعمال کا انجام کیسا بھیانک دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے۔ تمام مجرموں اور خاص کر عادی مجرموں کے ساتھ خدا کا یہی سلوک ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

؎ " حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں "
(اقبال)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۱۶۷

(۱۶۷) اور یاد کرو جب تمہارے پالنے والے مالک نے یہ اعلان کیا کہ: وہ اُن پر قیامت تک برابر ایسے لوگ مسلّط کرتا رہے گا جو اُن کو بدترین سزا دیں گے۔ یقیناً تمہارا مالک بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بیشک وہ بڑا ہی معاف کرنے والا، بیحد رحم کرنے والا بھی ہے۔

یہودیوں اور یہودی صفت لوگوں کا انجام

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد خدا نے اُن (بنی اسرائیل) پر بخت نصر کو مسلّط کیا۔ اُس نے اُن کے ملک کو ویران کیا، لڑنے والوں کو قتل کیا، عورتوں اور بچّوں کو قید کیا، جو باقی بچے اُن پر جزیہ لگا دیا۔ وہ کافروں کو جزیہ ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ مبعوث ہوئے۔ آنحضرتؐ نے بھی اُن پر جزیہ لگا دیا۔ غرض اسی طرح یہ لوگ پٹتے رہینگے۔
* ...... (تفسیر صافی ص ۱۸۵)

یہ لوگ یہودی تھے۔ اور یہ آیت یہودیوں کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ وہ قیامت تک اسی قسم کی تکلیفوں میں مبتلا رہیں گے۔ تیرہ سو سال کا مشاہدہ بھی اِس آیت کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر اِس آیت کا آخری جملہ کہ: "بیشک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" اِس بات کی ضرور گنجائش پیدا کرتا ہے کہ اگر یہودی اپنے کردار کی اصلاح کریں گے تو جس حد تک وہ اپنی اصلاح کریں گے، اُتنا ہی خدا کا غضب اُن سے کم کر دیا جائے گا۔ مگر یہ آیت صرف یہودیوں ہی سے متعلق نہیں ہے ہمیں بھی کچھ سمجھانا مقصود ہے۔ اِسی لیے شاہ عبد القادر صاحب نے لکھا:

"یہ احوال اِس اُمّت کو سُنایا ہے کہ یہی سب کچھ اِن پر بھی ہوگا۔" (کان کھول کر سُن لیں اِس اُمّت والے)
* ...... (موضح القرآن)

اِس لیے کہ پیغمبر اکرمؐ فرما چکے ہیں کہ: "جو کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا ہے وہی کچھ میری اُمّت کے ساتھ بھی ہوگا۔"
* ...... (الحدیث - متفق علیہ)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ (۱۶۸) مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ۱۶۸

اور ہم نے اُنھیں زمین میں گروہ در گروہ کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کچھ لوگ تو اُن میں نیک تھے اور کچھ اُن سے مختلف (یا برعکس) تھے پھر ہم اُن کا اچھے اور بُرے حالات سے امتحان لیتے رہتے تاکہ شاید یہ لوگ بُرائی سے باز آجائیں۔

خدا کی طرف سے امتحانات لینے کا طریقہ اور مقصد

خدا کا فرمانا کہ: "ہم اُن کا اچھے اور بُرے حالات سے امتحان لیتے رہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ: ہم قوموں کا امتحان کبھی تو راحت و آرام، دولت و اقتدار، عزت و شان دے کر لیا کرتے ہیں کہ وہ اُن نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ نہیں؟ اُن نعمتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں کہ نہیں؟ اور کبھی قوموں کا امتحان نقر و فاقے، تکلیف اور اذیتوں اور نقصانات میں مبتلا کر کے لیا جاتا ہے اِس سلسلے میں، قوم اور فرد کے مزاج اور طبیعت کو بھی دیکھا جاتا ہے اور اُن کے اعمال کو بھی۔ اور ان امتحانات کا اصل مقصد تو اُن کی اصلاح ہوتا ہے۔ اِس بات کا امتحان لینا ہوتا ہے کہ وہ ہر حال میں خدا کی اطاعت کر کے دکھائیں تاکہ ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں۔ * ...... (تفسیر تبیان۔ مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

عرفاء نے لکھا کہ یہاں خوشحالی سے مراد ظاہری اور مادّی خوشحالی ہے اور بدحالی سے مراد مادّی اور معاشی بدحالی ہے۔ لیکن کبھی کبھی خدا اپنے بندوں کو حسناتِ باطنی سے بھی آزماتا ہے۔ مثلاً کبھی کبھی گناہ کرتے ہوئے وہ کیف محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں، جبکہ وہ باطل پر ہوتا ہے۔ تو اگر گناہ کے ساتھ بسط (دل کا سکون) جمع ہو جائے تو وہ استدراج ہے۔ اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ تھا

* ...... (تھانوی)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۹

(۱۶۹) پھر اگلی نسلوں کے بعد تو اُن کے ایسے نااہل جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث تو بن بیٹھے مگر وہ (اُس سے) اِس حقیر دُنیا کے فائدے سمیٹتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو عنقریب معاف کر دیا جائے گا۔ حالانکہ اگر اُس جیسا مال پھر اُن کے سامنے آجائے تو وہ اُسے بھی لپک کر لیں گے۔ کیا اُن سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق سچی بات کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے؟ جبکہ جو کچھ بھی اِس کتاب میں تھا وہ اُنھوں نے پڑھ بھی لیا تھا۔ (اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ) آخرت کا گھر خدا سے ڈرنے والوں اور بُرائیوں سے بچنے والوں ہی کے لیے بہترین جگہ ہے۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔؟

علماءِ سُوء کا کردار

" حقیر دنیا کے مال کو لے لیتے ہیں " یعنی' جو فیصلے اُن کے علماء کے سامنے آتے تھے اُن میں رشوت لیتے تھے۔ اور اپنی مرضی سے خدا کے احکام کو لوگوں کے لیے آسان کر دیتے تھے اور اُس کی اُجرت بھی لیتے تھے۔" ...... (تفسیر صافی ص۱۸۵)

؎ خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ⁂ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق " (اقبال)

پھر ایسے علماءِ سُوء' یہ آرزو بھی کرتے ہیں کہ معاف کر دیے جائیں گے لیکن اپنی ان حرکتوں سے باز بھی نہیں آتے۔ وہی کام پھر بار بار کرنے پر آمادہ ہیں اور توبہ تک نہیں کرتے۔ ...... (تفسیر صافی ص۱۸۵)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ: "خدا نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو دو حکم دیے ہیں۔ (۱) جب تک جانتے نہ ہوں کچھ نہ کہیں۔ (۲) یہ کہ جو کچھ نہ جانتے

ہوں، اُس کو رد نہ کریں۔" یہ دونوں حکم اِس آیت میں موجود ہیں۔ پہلی بات یوں فرمائی: "کیا اُن سے کتاب کا عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے (دین کے) متعلق سچی بات کے سوا، کوئی بات نہ کہیں گے۔" اور دوسری بات یوں فرمائی: "بلکہ اُنھوں نے اُس چیز کو جھٹلایا جس کا اُن کو علم نہ تھا۔" (الآیۃ) ★..... (تفسیر صافی ص۱۸۶ بحوالہ کافی)

توراۃ کے وارث علماءِ یہود ہوئے جن کی سب سے بڑی بُرائی قرآن نے دنیا طلبی کو قرار دیا۔

★..... (فتح الرحمٰن - فصل الخطاب)

" یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے ⁂ گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؑ "
(اقبالؒ)

علماءِ سُوء کی نشاندہی

یاد رہے کہ علماءِ سُوء کی سب سے بڑی نشانی دُنیا طلبی ہوتی ہے۔ جب وہ دین کو دُنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ جناب امیرالمومنین علیہ السّلام نے قرآن مجید کے بارے میں ہدایت فرمائی، " فَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِهِ وَتَوَجَّهُوا إِلَيْهِ بِحُبِّهِ وَلَا تَسْأَلُوا بِهِ خَلْقَهُ .... " الخ

یعنی، "اِس (قرآن) کے ذریعے (وسیلے) سے اللہ سے مانگو اور اسی کی دوستی لیے ہوئے اُس کی طرف کا رُخ کرو، اور اس (قرآن) کو لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بنالو۔" ★..... (نہج البلاغہ ص۲۶۱)

" خونِ حسینؑ سے لقمے کو تر کرتا ہے تُو ⁂ موسمِ ماہِ محرّم عید ہے تیرے لیے "

★..... (جوش — نظم ذاکر سے خطاب)

اِس آیت میں علماء کی دنیا پرستی کا بڑا ہی بھیانک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بُرے علماء کی سب سے واضح نشانی اور کامرانی سمجھتے ہیں۔ اِس لیے اِس پر اصرار کرتے ہیں۔ ★..... (جلالین)

اور پھر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا انہیں معاف کر دے گا کیونکہ ہم تو خدا کے چہیتے ہیں۔ اِس لیے بار بار دنیا طلبی میں مشغول رہتے ہیں۔ ★..... (تفسیر تبیان)

ایسی حرکتیں اور دین فروشی کے بعد یہ سمجھنا کہ خدا معاف کر دے گا، گویا خدا پر ایک بہتان باندھنا ہے اِس لیے کہ خدا نے کبھی ایسا وعدہ نہیں فرمایا۔ معافی تو وہاں ممکن ہوتی ہے جہاں گناہ پر شرمندگی ہو۔ جہاں اس پر اصرار اور فخر ہو، وہاں معافی کا تصوّر ہی نہیں ہوسکتا۔ ★..... (جلالین - فصل الخطاب)

علماء کی دنیا طلبی

یہودی علماء رشوت اور بد دیانتی کے مال کے بڑے حریص ہیں۔ وہ خدا کے احکامات اور آیات تک کو مال لے کر بدل دیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی شریعت، رشوت، خیانت تو کیا ہدیہ لینے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

تورات میں ہے کہ: "ہدیہ بھی نہ لینا، کیونکہ یہ دانش مندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور سچوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے۔" .... (خروج ۲۲: ۸)

قرآن نے ایسے علماء کو "خَلْفٌ" یعنی کتاب خدا کے نالائق وارث قرار دیا ہے۔
* ..... (امام راغب، قرطبی)

اور یہاں جس مال کے لینے کا ذکر ہے، وہ رشوت کا مال ہے، جو دین کے احکامات کو بدلنے پر علماء کو ملتی تھی۔ ...... (جصاص، تفسیر کبیر)

صاحبِ تفسیر "روح البیان" علامہ آلوسی نے خوب لکھا:

* یہی حال ہمارے زمانے کے بہ کثرت صوفیاء (اور علماء) کا ہے۔ وہ لذاتِ دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم کو یہ چیزیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں، اس لیے کہ ہم واصل بالحق ہیں۔ حرام کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا ذکرِ خفی اس کے ضرر کو دفع کر دے گا۔ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ .... (تفسیر روح المعانی)

جب کہ تورات کے احکامات علماء کے لیے یہ ہیں:

* تو ہر ایک بات جس کا میں تمھیں حکم دیتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کیجیو۔ اس میں کچھ زیادہ نہ کرنا اور نہ اس میں سے کچھ کم کرنا۔" .... (استثناء ۲: ۴ اور ۱۲: ۲۳)

" یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ آیاتِ قرآنی صرف یہودیوں کی مذمت کر رہی ہیں، بلکہ قیامت تک کی ہادی کتاب، گزشتہ اُمتوں کی بدعنوانیاں اور اُن کی عذابِ خدا میں گرفتاریاں بیان کر کے اُمتِ اسلامیہ کو درس دے رہی ہے اور اُن کو عذابِ خدا سے بچنے کی تلقین کر رہی ہے۔" (تفسیر انوار النجف ج۳ ص۔۔)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى (٧٥) پھر ہم نے اُن کے بعد موسیٰ اور ہارون
وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ کو فرعون اور اُس کے سرداروں اور بڑے آدمیوں
بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا کی طرف اپنی دلیلوں کے ساتھ بھیجا مگر انھوں
مُّجْرِمِيْنَ ○ ٧٥ نے تکبر کیا (کیونکہ) وہ بڑے گنہگار لوگ تھے۔
فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا (٧٦) پس جب ہمارے پاس سے حق اُن کے سامنے
قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ٧٦ آیا تو انھوں نے کہا: یقیناً یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔[1]
قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا (٧٧) موسیٰ نے کہا: "ارے تم حق کو ایسا کہتے ہو!
جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ جبکہ وہ تمھارے سامنے بھی آچکا ہے۔ کیا یہ
السّٰحِرُوْنَ ○ ٧٧ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر کبھی بہتری
اور مکمل کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔[2]

معجزوں کو جادو کہنا جہالت ہے

[1] (آیت ٧٦) جاہل قومیں انبیاء کے فضائلِ علمی اور عظمتِ کردار کی قدر تو کیا کرتیں جبکہ اُن کی عقل کی سطح تو اسقدر پست تھی کہ وہ انبیاء کے معجزات کو دیکھ کر اُسے جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ " فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست "

قلب و نفس کی اصلاح تو کیا ہوتی

[2] حقیقی اور پائیدار کامیابی جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی قسمت میں نہیں ہوا کرتی۔ یہ باتیں تھوڑی سی دیر کے لیے محفل کو گرما تو سکتی ہیں مگر اخلاق و کردار، علم و عرفان سے خالی یہ شعبدہ بازیاں کسی ٹھوس اور پائیدار کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتیں، کیونکہ اِن سے قلب اور نفس کی اصلاح تو کیا ہوگی، بلکہ تھوڑی سی شہرت اور کامیابی سے کبر اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ قلب کی ماہیت مزید بگڑ کر مسخ ہو جاتی ہے۔ بقول

" جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں، وہ صدف کیا، وہ گہر کیا "
..... (ماجدی)*

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر جادو اور معجزے میں مشابہت معلوم ہوتی ہے لیکن دونوں میں

زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جادوگر کا مقصد بھی بہت گھٹیا اور سیرت کردار اور اخلاق بھی بہت ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی جادوگر بے غرض، بے دھڑک کسی جابر بادشاہ کے سامنے اچھی باتوں کی تلقین نہیں کرسکتا، نہ وہ باکردار و پاکیزہ انسان ہوتا ہے۔ وہ تو مال، عورت اور تعریفوں کا طلبگار خوشامدی ٹٹو کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر حضرت موسیٰؑ کی جگہ کوئی جادوگر فرعون کے پاس آتا تو پہلے وہ درباریوں کی خوب خوشامدیں اور خوب تعریفیں کرتا، اُن کی خدمتیں بجالاتا، بڑی ذلّتوں کے ساتھ اُن کو سلامیاں پیش کرتا۔ چیخ چیخ کر اُن کو درازیٔ عمر کی دعائیں دیتا، پھر بڑی منّت وسماجت کے ساتھ اُن کے سامنے یہ درخواست کرتا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح فرعون سے ملا دیجئے۔ پھر فرعون کو جھک جھک کر خوب سجدے کرتا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر خوب دعائیں دیتا، پھر عرض کرتا کہ حضور کچھ اِس غلام کو کمالات دکھانے کی اجازت عطا کی جائے۔ پھر جب فرعون اُس کے اُلٹے سیدھے شعبدے و کمالات دیکھ لیتا تو وہ اُس کے سامنے اپنی جھولی پھیلا دیتا کہ حضور! اب کچھ خیر خیرات مل جائے۔ اِس ساری تفصیلات کو قرآن نے صرف ایک فقرے میں ادا کردیا کہ: ”وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ“ جادوگر کبھی مکمّل و بھرپور کامیاب انسان نہیں ہوا کرتے۔“ *...... (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ یہ حق کے دشمن حق کو جادو کہتے ہیں۔ کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ کیا جادو کرنے والے حق و باطل کی کشمکش جیسا صبر آزما کام کرکے کامیابی سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں؟ جادو اور معجزے میں فرق نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سونے اور پیتل میں فرق نہ کرسکے۔ بھلا پیغمبروں کے روشن چہروں، پاکیزہ اخلاق، نورِ تقویٰ، عزم و ہمّت، صبر و شجاعت، علم و عمل کے سامنے جادوگری اور شعبدہ بازی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ *...... (عثمانی)

”چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک“

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں ۔۔۔ کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ۔۔۔ مُلّاں کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

(اقبال)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۷۸

(۷۸) اُنھوں نے کہا: "کیا تم اِس لیئے آئے ہو کہ ہم کو اُس طریقے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، تاکہ زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے؟ اور ہم تو تم کو ہرگز ماننے والے نہیں ہیں۔"

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ○ ۷۹

(۷۹) پھر فرعون نے (اپنے آدمیوں کو) حکم دیا: "ہر بڑے ماہرِ فن، واقفِ کار جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو۔"

لاجواب ہو کر باپ داداؤں کے طریقوں کا سہارا لیا جاتا رہا ہے

(آیت ۷۸) پھر اُنھوں نے اپنی تہمتوں کے سیلاب کا رُخ حضرت موسیٰؑ کی طرف کیے رکھا اور اُن سے کھل کر کہنے لگے: " اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا "

"کیا تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد اور بزرگوں کے طور طریقے سے پھیر دینا چاہتے ہو؟"

درحقیقت اُنھوں نے بڑوں کے طور طریقے، رسومات، خیالی عظمت اور اُن کے افسانوی بُتوں کا سہارا لیا۔ تاکہ عوام کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے متنفر کر سکیں، اور اُنھیں یقین دلائیں کہ یہ تمھارے معاشرے اور ملک کے مقدسات اور عظمتوں کو پامال کرنا اور کھیلنا چاہتے ہیں۔

اِس کے بعد اُنھوں نے اپنی پہلی بات کو جاری رکھا اور کہا کہ خدا کے دین کے بارے میں تمھاری دعوت جھوٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ تو سب اِس سرزمین پر حکومت کرنے کیلئے چال اور خائنانہ سازشیں ہیں:

یعنی: " وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ "

ہم تم دو افراد پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ (۸۰) پس جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا:
مُّوسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ "پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔"

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ (۸۱) پھر جب انھوں نے پھینکا تو موسیٰ نے کہا: "جو
بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ کچھ تم لائے ہو وہ تو جادو ہے ۔ لو اللہ اسے ابھی
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ باطل کیے دیتا ہے (کیونکہ) یقیناً اللہ کبھی
فسادیوں کا کام ٹھیک نہیں ہونے دیا کرتا۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ (۸۲) اور اپنی باتوں، دلیلوں سے حق کو حق
الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ثابت کر دیگا، چاہے مجرم گنہگاروں کو یہ بات
کتنی ہی ناگوار اور ناپسند (کیوں نہ) ہو۔"

حق اور باطل کام میں فرق

[۱] آیت ۸۱ امام رازی نے لکھا کہ پہلے تو فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ ؑ کے معجزات کو دیکھ کر اُس کو جادو کہا تھا۔ اب حضرت موسیٰ کا جادوگروں کی رسیوں کے پھینکنے پر (جو سانپ بن گئی تھیں) یہ فرمانا کہ: "جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جادو وہ نہیں تھا جو میں لایا تھا، بلکہ جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو۔ ۔۔۔۔ * (تفسیر کبیر)

جو میں لایا تھا وہ تو حق ہی حق تھا۔ لیکن جو تم لائے ہو (یعنی رسیوں کو پھینکا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگیں) یہ حق نہیں ہے، بلکہ فساد ہی فساد ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس کی اصل میں کوئی ٹھوس حقیقت ہی نہیں ہے اور پھر اس کا استعمال بھی حق کی مخالفت کے لیے ہو رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بس تم اپنی قوت خرچ کر چکے، اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت سے تمہارا سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیگا کیونکہ خدا کی عادت حکمت اور رحمت کے یہ خلاف ہے کہ اتمامِ حجت کے وقت وہ مصلحین کے مقابلے پر مفسدین کی بات کو سنوار دے، اور کلمۂ حق کو پست و مغلوب کر دے۔ * ۔۔۔۔ (عثمانی)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ٨٣ (٨٣)

مگر موسیٰؑ کو فرعون اور اُس کے بڑے آدمیوں کے خوف کی وجہ سے اُن کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے بھی نہ مانا (اِس لیے) کہ کہیں فرعون اُنھیں سزا نہ دے اور یہ حقیقت ہے کہ فرعون زمین پر غلبہ رکھنے والا، بڑا سرکش اور واقعی اُن لوگوں میں سے تھا کہ جو ہر بات میں حد سے بڑھ جانے والے ہوتے ہیں ۔

آیت میں لفظ "ذریّت" کے معنی ؟

آیت میں "ذُرِّیت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ نوجوان بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی نہایت پُرخطر دور میں حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دینے والے چند جراٴت مند نوجوان تھے، بزرگ اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے ۔ کیونکہ اُن پر تو مصلحت پرستی اور دُنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی چھائی رہی ۔

اِسی طرح جب رسولِ اکرمؐ نے اعلانِ رسالت فرمایا تو آپؐ کو ماننے والے بھی قوم کے بڑے بوڑھے سِن رسیدہ لوگ نہ تھے، بلکہ چند باہمت نوجوان تھے جو شروع شروع میں ایمان لائے ۔ اُن میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا۔ اُن نوجوانوں میں حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ (نے سب سے پہلے آنحضرتؐ پر ایمان ظاہر کیا)، جعفرِ طیار، سعد ابنِ ابی وقاص، مصعب بن عمیر جیسے نوجوان تھے جن کی عمریں بیس[۲۰] سال سے بھی کم تھیں ۔ اور بلالؓ حبشی، صہیب رومی کی عمریں بھی بیس[۲۰] سے تیس[۳۰] سال کے درمیان تھیں ....

ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ملتا ہے جن کی عمر حضورِ اکرمؐ سے زیادہ تھی یعنی حضرت عبیدہؓ بن حارث مطلبی اور صرف ایک صحابی حضورؐ کے ہم عمر تھے یعنی عمارؓ بن یاسر

تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہتے تھے کہ: ہماری

مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے اگر اُسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بس اِسی طرح تمھاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔" *.... (کتاب تلمود)

"مُسْرِفِیْنَ" یعنی حد سے بڑھ جانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے مطلب کو حاصل کرنے کے لیے بُرے سے بُرے طریقے کو اختیار کرنے میں تامّل نہیں کرتے۔ کسی قسم کے ظلم اور بربریّت سے نہیں چوکتے، اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہر انتہا تک جاسکتے ہیں۔ اِس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں جس پر وہ رُک سکیں۔ *...... (تفہیم)

اُن کی قوم کے بچّوں سے مراد بنی اسرائیل کے بچے ہیں۔ *..... (شاہ ولی اللہ)

مگر بعض لوگوں نے اس ضمیر کو فرعون کی طرف پھیرا ہے۔ پھر اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ "فرعون کی اولاد میں سے کچھ نوجوان ایمان لائے تھے۔ *..... (جلالین)

اصل بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی قوم فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلّت اُٹھا رہی تھی۔ مگر پرانی پیشین گوئیوں کے منتظر تھے کہ کوئی اسرائیلی پیغمبرؑ آئے گا جو فرعونیوں کا خاتمہ کر دے گا۔ حضرت موسیٰؑ ٹھیک اُسی شان سے تشریف لائے جس کا اُنھیں انتظار تھا۔ اِسی لیے تمام بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے آنے کو اپنے لیے عظیم نعمت سمجھا۔ وہ دل سے حضرت موسیٰؑ کی عزّت کرتے تھے، مگر اُن میں کے اکثر فرعون کے ظلم و تشدّد کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔ اِسی لیے وہ ابتدا میں باقاعدہ علی الاعلان ایمان نہیں لائے۔ وقت کا انتظار کرتے رہے کہ جس وقت حق کا کلمہ غالب ہوگا تو ہم اپنا اسلام ظاہر کر دیں گے۔ (یعنی اکثریت ابتدا میں تقیہ کرتی رہی) کچھ نوجوانوں نے ہمّت کر کے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور کچھ گنے چُنے قبطی یعنی فرعون کی قوم والے بھی مسلمان ہو گئے۔ آخرِ کار جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تو پوری بنی اسرائیل کی قوم جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہو گئی۔ یہاں ابتدائی قصہ بیان ہو رہا ہے۔ *.... (مشتاق)

(نوٹ) یہی وقت تقیہ کرنے کا ہوتا ہے اور یہی استدلال تقیہ کا جواز ہوتا ہے۔ ظالموں سے نمٹنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے۔ (مؤلف)

وَقَالَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ (۸۴) (مگر اس کے باوجود) موسیٰؑ نے کہا:
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْٓا "اے میری قوم والو! اگر تم نے اللہ کو
اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۸۴ مان ہی لیا ہے تو پھر اُسی پر بھروسہ
بھی کرو، اگر واقعی تم مسلمان (یعنی خدا کے فرماں بردار) ہو۔"

اللہ کے فرماں بردار اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں

آیت کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے کہ اُس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری قوم مسلمان ہونے کا دعوے کرتی تھی۔ اِسی لیے حضرت موسیٰؑ اُن کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو فرعون کی طاقت سے خوف نہ کھاؤ، بلکہ اللہ کی طاقت پر بھروسہ کرو۔

...... (تفہیم)

ع مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

..... (اقبال)

اِس آیت میں بنی اسرائیل کی اُس قوم سے، جو فرعون کے جبر سے دبے اور سہمے ہوئے تھے، کہا جا رہا ہے کہ اب ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مومن کو خدا کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جسے خدا کی لامحدود قدرت اور رحمت پر یقین ہوگا، وہ ہر معاملے میں خدا پر بھروسہ کرے گا، پھر وہ اپنا ہر معاملہ حتیٰ کہ اپنی زندگی اور موت کو بھی خدا کے سپرد کر دے گا۔ صرف اور صرف خدا کے حکم پر چلے گا۔

.... (عثمانی)

ع مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(اقبال)

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۸۵

(۸۵) اِس پر اُنھوں نے جواب دیا کہ: "اب ہم نے اللہ پر بھروسہ کرلیا، تو اے ہمارے پالنے والے مالک! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش قرار نہ دے۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۸۶

(۸۶) اور ہمیں اپنی رحمت کے ذریعے اِن حق کے منکروں (کے مظالم اور سزاؤں) سے نجات عطا فرما۔

(آیت ۸۵) مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر ہر طرح کا ظلم ڈھا کر یہ تجربے کرتے رہیں کہ کس سزا کا کیا نتیجہ نکلا اور اس طرح ہمارا امتحان پر امتحان لیتے رہیں۔ *..... (ماجدی)

جب حق اور باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے اور کچھ نوجوان حق کی آواز اُٹھاتے ہیں تو باطل پرست طاقتیں اُن کو طرح طرح سے بدنام کرتی ہیں اور طاقت کے ذریعے کچل دینا چاہتی ہیں۔ تیسرا گروہ عام لوگوں کا ہوتا ہے جو الگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اُن کا ووٹ بھی آخرِ کار طاقت والوں کے حق ہی میں پڑتا ہے۔ جن کا پلّہ بھاری ہوتا ہے۔ اگر حق کی طرف بلانے والے کچل ڈالے جائیں یا شکست کھا جائیں تو حق دشمن طاقتیں یہ دعویٰ کرنے لگتی ہیں کہ حق ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم کامیاب کیسے ہوتے؟ عوام کہتے ہیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ ایسی بڑی طاقتوں سے ٹکرانا جان گنوانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دین نے کب ہم پر ایسا سخت فریضہ عائد کیا تھا کہ ہم خواہ مخواہ جان دیدیں۔ اس طرح حق پرست لوگ سخت مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ دعا کر رہے ہیں کہ: خدایا! ہم پر ایسا فضل و کرم فرما کہ ہم ظالموں کے ہاتھوں بدنام ہو کر شکست کھانے اور سخت اذیت اُٹھانے سے بچ جائیں۔ *..... (تفہیم)

(آیت ۸۶) اللہ کو دل سے ماننے یا ایمان لانے سے مراد توحید کو دل سے قبول کرنا اور خدا کو اپنا آقا ماننا ہے۔ اس ایمان کا عملی تقاضا توکل ہے۔ یعنی ہم اپنے تمام کام خدا کے سپرد کردیں اور اُسی پر بھروسہ رکھیں۔ *..... (فصل الخطاب)

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ (۸۷) اِس پر ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کو
اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ اشارہ (وحی) کیا کہ: "اپنی قوم کو مصر کے
بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً چند گھروں میں آباد کردو اور خود اپنے گھروں کو
وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قبلہ (کی سمت) (یا قبلہ رُخ) بناؤ (یا)
نماز کو گھروں کے اندر ادا کرو۔ اور نماز کی پابندی کرو اور ایمانداروں کو خوشخبری سُنادو۔"

حضرتِ موسیٰؑ کو تقیہ کا حکم

قبلہ کے مشہور معنی تو اُس مکان کے ہوتے ہیں جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ * (امام راغب) لیکن یہاں قبلہ کے معنی "نماز کی جگہ" کے لیے گئے ہیں۔ * (روح) اور مقصد یہ ہے کہ تم لوگ اپنی نماز اپنے گھروں کے اندر پڑھا کرو۔ * (تفسیر کبیر) اور یہ اِس لیے تاکہ تم فرعون کے مظالم سے بچ جاؤ۔ * (ابنِ کثیر) اِسی کو فقہی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں یعنی ظالم کے ظلم سے بچنے کے لیے اپنے دینی اُمور یا عقائد کو چھپا کر انجام دینا۔ جابر جاہل ظالموں سے بچنے کا یہی اوّلین عقلی، منطقی اور فطری ممکن طریقہ ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا: "چونکہ بنی اسرائیل ظالموں سے خوفزدہ تھے اِس لیے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ہارونؑ کو وحی فرمائی کہ تم اپنے گھروں کے اندر ہی عبادت کرلیا کرو۔" *... (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی ص ۲۲۶)

عالمِ اسلام کی مشہور تفسیر "جلالین" میں ہے: "قبلہ یعنی نماز کی جگہ کہ وہیں نماز پڑھیں تاکہ دشمن کے ضرر سے محفوظ رہیں، کیونکہ فرعون اُنھیں نماز سے روکتا تھا۔ *.... (تفسیر جلالین)۔ بس اسی عمل کو "تقیہ" کہتے ہیں۔

فرعون نے تمام مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کردی تھیں، کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کرسکتا تھا، بحالتِ مجبوری حکم ہوا کہ اپنے مکان ہی میں کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر کرلو جو قبلہ رو ہو۔ بہرحال نماز پڑھنا نہ چھوڑو۔ کیونکہ نماز کی برکت سے خدا کی مدد اور نصرت شاملِ حال ہوجاتی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ کے مسلمانوں کا بھی یہی حال تھا *..... (عثمانی)

نوٹ: اِسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ (مؤلف)

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ۸۸

(۸۸) پھر موسیٰؑ نے دُعا کی: "اے ہمارے پالنے والے مالک! تونے فرعون اور اُس کے ساتھ کے بڑے بڑے آدمیوں کو تو اس دنیا کی زندگی میں بڑی زیب و زینت، اور بڑا مال و دولت دے رکھا ہے۔ اے ہمارے مالک! اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے ہی راستے سے بہکاتے ہیں۔ اے ہمارے مالک! اِن کے مال غارت کر دے، اور اِن کے دلوں پر ایسی مُہر لگا دے کہ یہ لوگ پھر اُس وقت تک حق کو نہ مانیں کہ جبتک تیری سخت تکلیف دہ سزا کو نہ دیکھ لیں۔"

حضرت موسیٰؑ کی بد دعاء

فرعون جیسے متکبروں، ظالموں اور آمروں کی تباہی اور بربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپوں اور بچھوؤں کو ہلاک کرنے کی تمنا کرنا۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کا مطلب یہ تھا کہ اُن کے اموال کو ایسا بدل دے کہ وہ اُس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکیں تو اس دعا کے بعد اُن کے تمام اموال اور ساز و سامان پتھر بن گئے۔ *..... (تفسیر صافی ص ۲۲۶)

جب حضرت موسیٰؑ کو سمجھاتے سمجھاتے یہ یقین ہو گیا کہ فرعونی کبھی ایمان نہ لائیں گے، طویل تجربے سے اُن کی حق دشمنی پوری پوری طرح ثابت ہو گئی، تب حضرت موسیٰؑ نے بد دعا فرمائی، تاکہ فرعونیوں کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو جائے، اور دوسروں کو اُن کے بُرے انجام سے سبق حاصل ہو۔ اُن کی بد دعا کو ایسا ہی سمجھو جیسے خدا نے آخر کار ابلیس پر لعنت فرمائی تھی۔ *..... (عثمانی)

لیکن شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ: "پیچھے ایمان کی اُن سے اب کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ مگر جب آفت پڑتی تو کہتے کہ اب مانیں گے۔ اِسی وجہ سے عذاب تھم جاتا۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا اِس لیے مانگی کہ اب یہ جھوٹا ایمان بھی نہ لا سکیں۔ ان کے دل سخت رہیں۔ تاکہ پورا پورا عذاب آئے اور اُن کا کام تمام کر جائے۔ *... (شاہ ولی اللہ)

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (۸۹) فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۹

خدا نے فرمایا: "تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ اب تم ثابت قدم رہو اور اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلو جو علم نہیں رکھتے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول ہوگئی

حضرت موسیٰؑ تو دعا کرنے والے تھے اور حضرت ھارونؑ آمین کہنے والے تھے۔ مگر اللہ نے دونوں کو دعا کرنے والا قرار دیا۔ ...... (تفسیر صافی ص۲۳۶ و تفسیر تبیان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے فرمایا:

"خدا نے دعا کے جواب میں فرمایا: "قیامت تک جو بھی خدا کی راہ میں جہاد یا جدوجہد کرے گا اُس کی دعا اِسی طرح قبول کی جائے گی جس طرح تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔" .... (کافی)

معلوم ہوا کہ خدا صرف علم رکھنے والوں کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے، جاہلوں، آمروں، دولت مندوں، اور فاسقوں کی پیروی کی اجازت نہیں دیتا۔

جو لوگ اللہ کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے، وہ حق کے لیے کوششیں کرنے والوں کی مسلسل ناکامیوں کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ شاید اللہ کو یہی منظور ہے کہ ظالم باغی، حق دشمن لوگ دنیا پر چھائے رہیں۔ پھر وہ اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حق کے لیے کوششیں کرنا، جہاد کرنا لاحاصل ہے۔ اِس آیت میں خدا حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ تم ناموافق حالات میں مایوس نہ ہو۔ کہیں تم جاہلوں اور نادانوں والی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا تم حق پر ثابت قدم رہو اور حق پر جمے رہو۔ ...... (تفہیم)

؎ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ✻ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ (۹۰) پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گذار دیا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

تو (یہ دیکھکر) فرعون اور اُس کے لشکر نے (اُن پر) ظلم اور زیادتی کرنے کی غرض سے اُن کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ فرعون ڈوبنے لگا تو چیخا: میں مان لیا کہ حقیقتاً کوئی معبود نہیں سوا اُس ذات کے جسے بنی اسرائیل معبود مانتے ہیں۔ اور اب میں بھی مسلمانوں (یعنی) خدا کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فرعون اور اُس کے لشکر کی غرقابی

"تفسیر جامع و مجمع البیان" میں ہے کہ: جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی، کہ فرعون کی تباہی و بربادی کے لیے خدا سے دعا مانگو کیونکہ وہ لوگ اُس کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تھے۔ پس حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو حکم ہوا کہ اِن لوگوں کو اپنے ساتھ لیکر مصر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ انھیں لیکر رات کے اندھیرے میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب دن ہوا تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا۔ دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو حضرت موسیٰؑ نے خدا کے اِذن سے دریا پر اپنا عصا مارا۔ پانی شگافتہ ہوا اور بارہ راستے پیدا ہو گئے۔ نیز ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے پانی کی دیواروں میں روشندان نما جھروکے بن گئے۔ پس ایمان والے تو گذر گئے۔ لیکن جب فرعون اور اُس کا لشکر پہنچا تو عبور کرنے سے ڈر گئے۔ جبرئیل بشکلِ انسانی ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور فرعون مشکی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا، یہ گھوڑی کے پیچھے پانی میں اُتر گیا اور معًا لشکر بھی داخل ہو گیا، جب پورا لشکر دریا میں پہنچ گیا تو پانی آپس میں مل گیا۔ فرعون غرق ہونے لگا تو بولا کہ اب میں بھی ایمان لاتا ہوں خدا نے فرمایا: اب ایمان لانا بیکار ہے۔ کہ تجھ پر عذاب وارد ہو چکا ہے۔

(تفسیر جامع و مجمع البیان ماخوذ از انوار النجف)

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ (٩١) (جواب دیا گیا، احمق) اب (مان رہا ہے) کُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ٩١ حالانکہ اس سے پہلے تک تو نے میرا کوئی حکم نہ مانا اور تُو تو فسادیوں میں سے (بڑا فسادی) تھا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ (٩٢) اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچا کر رکھیں لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانِ مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○ ٩٢ عبرت اور ہماری قدرت اور سزا کی ایک بھرپور دلیل بنا رہے، اور لوگوں میں یقیناً زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

خداوندِ عالم کا یہ اصول ہے کہ عذاب کے وارد ہو جانے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں

ف معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی یا موت کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا یا توبہ تلّا کرنا کوئی کام نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اُس وقت امتحان دینے کا وقت ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے اور نتائج بھگتنے کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آخر فرعون کو کیوں ڈبو دیا گیا جب کہ وہ تو خدا پر ایمان بھی لے آیا تھا؟ اور خدا کی توحید کا اقرار بھی کر رہا تھا۔؟

امام ؑ نے فرمایا کہ: "وہ خدا کی سزا کو دیکھ کر ایمان لایا تھا اور اُس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یہ خدا کا عام حکم ہے، اگلوں کے لیے بھی یہی حکم تھا اور پچھلوں کے لیے بھی یہی طریقہ ہوگا۔"

*..... (تفسیر صافی ص ۲۳۶ بحوالہ عیون الاخبار الرضا)

(آیت ۹۲) فرعون کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن ایسٹ اسمتھ نے اُسکی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اُسکی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو اُسکے غرق ہونے کا ثبوت ہے۔ (تفہیم) اِس کا ذکر پچھلی آسمانی کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے۔ فرعون بائیبل اور قرآن کے اعتبار سے غرق ہوا تھا۔

*.... (فصل الخطاب)

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۹۳

(۹۳) اور اِس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو بڑے ہی اچھے شایانِ شان مقام پر رہنے کی جگہ دی۔[1] اور اچھی اچھی نعمتوں، اور غذاؤں سے نوازا۔ پھر اُنھوں نے آپس میں اختلاف نہ کیا مگر (اس وقت) جب دینِ حق کا علم اُن کے پاس آچکا تھا[2] یقیناً تیرا پالنے والا مالک قیامت کے دن اُن کے درمیان تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

بنی اسرائیل پر نعمتوں کی فراوانی پھر اُن کا اختلاف

[1] مراد فلسطین و شام کے سرسبز علاقے ہیں۔ جہاں بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد آباد ہوئے تھے۔ جہاں بہت خوبصورت مناظر، مکانات اور اچھی روح افزا، آب وہوا تھی۔ اِسی زمین کے لیے تورات میں ہے کہ:

"اچھی وسیع زمین جہاں دودھ اور شہد موجیں مارتا ہے۔" (خروج ۳۰ : ۸)

آج بھی یہ علاقے بڑے حسین اور دلکش مناظر پیش کرتے ہیں۔ *..... (ماجدی)

[2] مطلب یہ ہے کہ ان نعمتوں کی فراوانی کا فطری، عقلی اور منطقی تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے توحید اور بندگی کی راہ پر زیادہ مضبوطی سے قائم رہتے۔ لیکن اِس کے بالکل برعکس اُنھوں نے دینِ حق سے اختلاف کرنا شروع کردیا۔

"بنی اسرائیل کو بڑے اچھے شایانِ شان مقام پر رہنے کی جگہ دی" اِس جگہ سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین کی زمین رہنے بسنے کو ملی۔

یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل نے اپنے دین میں تفرقے پیدا کیے۔ اور نئے نئے مذاہب نکالے۔ اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اُن کو حقیقت کا علم نہ تھا بلکہ یہ تفرقے بازیاں اُنھوں نے جان بوجھ کر اپنے نفس کی شرارتوں

کے اکسانے پر کیں۔ اور خدا کی دی ہوئی بنیادوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھڑے ہوئے اُصولوں پر اپنے دین کی بنیادوں کو رکھ کر عمارتیں کھڑی کیں۔ ★...... (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! فرعونیوں کو ہلاک کر کے اوّل تم کو ملکِ مصر دیا۔ پھر قومِ عمالقہ کو نکال کر ملکِ شام تمہیں دیا۔ پھر دونوں ملک سرسبز و شاداب دیے، جہاں ستھری اور صاف چیزوں کی بہتات ہے۔ پھر مادّی انعام و اکرام کے ساتھ ساتھ تمہیں دینی اور روحانی نعمتوں سے بھی سرفراز فرمایا۔ تورات کا علم دیا۔ دین کے اصول و فروع سمجھائے۔ واضح حقائق سے آگاہ کیا۔ اب اتنے احسانات کے بعد کیا یہ بات مناسب بھی کہ تم ایسی واضح ہدایات میں اختلافات پیدا کرو، فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہو جاؤ ؟ ★...... (عثمانی)

؎ فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

؎ دینِ مُلّاں فی سبیل اللہ فساد (اقبال)

حضرت عیسیٰؑ سے تین سو سال کے بعد قسطنطینِ اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا، پھر عیسائی ہو گیا تو پادریوں نے اُس کی خاطر جدید قوانین اور نئی شریعت بنا ڈالی۔ سوا چند تارک الدّنیا راہبوں کے کوئی شخص اصل دینِ مسیحؑ پر قائم نہ رہا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ کلیساؤں میں مسیحؑ و مریمؑ کی تصاویر پوجی جانے لگیں۔ سُوّر کا گوشت حلال کر دیا گیا۔ مشرق کی طرف نماز پڑھنا بند ہو گئی۔ اِس طرح حقیقی مسیحیت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی، پھر یہی مسیحیت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اسی زمانے میں شام، بیت المقدس، جزیرہ اور بلادِ روم پر نصرانیوں کی حکومت تھی۔ پھر مسلمانوں نے آکر اُن کو زیر کیا۔ ★...... (عثمانی)

؎ نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وُہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
(اقبال)

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡـكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ۚ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۴﴾

(۹۴) اگر اب بھی تمھیں اُس پر شک ہو جو ہم نے تم پر اُتارا ہے، تو اُن لوگوں ہی سے پوچھ لو جو پہلے سے کتاب (خدا کو) پڑھا کرتے ہیں۔ حقیقتاً تمھارے پاس تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے یہ (کتاب) ایک سچی حقیقت بن کر آئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔[۱]

"شک" سے مراد

[۱] اگر قدیم آسمانی کتابوں میں اصل عبارتیں، جن میں لوگوں نے اضافہ یا کمی نہ کی ہو، دیکھی جائیں تو وہ آج بھی قرآن کے بیانات کی مکمل تصدیق اور تائید کرتی ہوئی دکھاتی دیتی ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام نے فرمایا: "اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "اگر تم کو اِس بارے میں شک ہے" تو یہ روئے سخن جاہلوں کی طرف تھا جو قرآن پر شک کرتے ہیں، جبکہ خدا نے آیۂ مباہلہ میں فرمایا: "تاکہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔" یہ نہ فرمایا کہ تم (عیسائیوں) پر خدا کی لعنت قرار دیں۔ حالانکہ خدا جانتا تھا کہ نصرانی جھوٹے ہیں اور رسولؐ (معاذاللہ) جھوٹے نہیں ہیں۔ مگر خدا اور رسولؐ نے یہی پسند کیا کہ جھوٹوں پر لعنت کو قرار دینے کا اعلان کیا جائے تاکہ مخالف کے ساتھ پورا پورا انصاف برتا جائے۔ اور حضورِ اکرمؐ کلام میں ترجیح نہ دی جائے۔

(بیان امام علی نقیؑ از تفسیر صافی صفحہ ۲۲۷ بحوالہ علل الشرائع و تفسیر قمی) ....*

ظاہر ہے کہ حضورِ اکرمؐ خود اپنی لائی ہوئی چیزوں پر کیسے شک کر سکتے تھے۔ بھلا وہ خود جس چیز کی طرف ساری دنیا کو بلا رہے تھے، اور سُننے والوں میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین پیدا کر دیتے تھے، اُس میں خود کس طرح شک کر سکتے تھے؟ اِسی لیے چند ہی آیتوں کے بعد صاف صاف فرمایا: قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ ... الخ (یعنی: کہدو اَے لوگو! اگر تم کو میرے دین میں شک ہے ....)

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ (۵۶) اور ہم نے رسولوں کو اس کام کے

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَ سوا اور کسی کام کے لیے نہیں بھیجا کہ وہ

يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (نیک کام کرنے والوں کو) خوشخبریاں دیں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ یا (برے کاموں کے انجام سے) ڈرائیں، مگر

الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ جو حق کے انکاری ہیں وہ غلط دلیلوں سے

اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ ۵۶ بحث کرتے ہیں تاکہ حق کو نیچا

دکھا کر دبا دیں۔ اور اس طرح انھوں نے میری نشانیوں اور دلیلوں کو، بلکہ اُن تنبیہوں اور دھمکیوں تک کو جن سے اُن کو ڈرایا گیا تھا، مذاق بنا لیا۔

اِس آیت کا پیغام

یہ ہے کہ ہٹ دھرم، مغرور اور حق کی تلاش نہ رکھنے والے لوگ کبھی ایمان نہیں لاتے۔ یہ صرف عذاب دیکھ کر ایمان لائیں گے جو اضطراری ایمان ہوگا اور ناقابلِ قبول ہوگا۔ اصل میں اُن لوگوں کو کوئی انتظار نہ تھا۔ البتہ ان کی کیفیت ایسی تھی کہ گویا وہ خدا کے عذاب کے انتظار میں ہیں۔ اصل میں یہ ایک خوبصورت کنایہ اور بلیغ ترین انداز ہے جیسے ہم کسی بدمعاش سے یہ کہیں کہ "تو بس یہ چاہتا ہے کہ تجھے جیل میں ڈال دیا جائے"۔ حالانکہ وہ چاہتا ہی نہیں لیکن اُس کے کرتوت بتا رہے ہیں کہ یہ جیل جا کر ہی رہے گا۔ غرض تکبر، سرکشی اور غفلت انسان کو اس حالت تک پہنچا دیتی ہے کہ پھر گزشتہ لوگوں کی تاریخ، عقلی دلائل، کوئی چیز اُس پر اثر نہیں کرتی۔

(ملخص از تفسیر نمونہ)

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷

(۵۷) اور اُس شخص سے بڑھ کر حد سے تجاوز کرنے والا ظالم اور کون ہوگا جسے اُس کے پالنے والے مالک کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے، اور وہ اُن سے منھ پھیر پھیر لے۔ اور وہ اُن (گناہوں تک کو) بھول جائے جن کو خود اُس کے ہاتھوں نے کیا ہے۔ بیشک ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں جو اُنھیں قرآن (دیا) حقیقت کی دلیلوں کو نہیں سمجھنے دیتے، اور اُن کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کردی ہے۔ اب اگر آپؐ اُنھیں سیدھے راستے کی طرف بلائیے گا تو بھی وہ اِس حالت میں ہیں کہ کبھی ہرگز سیدھے راستے پر نہ آئیں گے۔

انبیاءِ کرامؑ کو بھیجنے کا مقصد

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "انبیاءِ کرامؑ کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ (۱) انسانوں کو اپنی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر اُبھاریں اور (۲) خدا کی بھولی ہوئی نعمتوں کو یاد کریں (۳) اپنی تبلیغ کے ذریعہ اتمامِ حجت کریں (۴) اور عقل کے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کریں۔"

(نہج البلاغۃ) ---- *

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ (۵۸) جبکہ آپؐ کا پالنے والا مالک تو بڑا ہی

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر

لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ وہ اُنھیں اُن کے گناہوں کی سزا میں

لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا پکڑنا چاہتا تو جلدی سے اُن پر اپنا عذاب

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۵۸ بھیج دیتا۔ مگر اُن کے لیے (موت یا قیامت کے) وعدے کا ایک دن مقرّر ہے۔ اور وہ اُس سے بچ کر بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ (۵۹) اور یہ ہیں وہ بستیاں جن کو ہم نے

لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ تہس نہس، تباہ و برباد کر ڈالا۔ جب

مَّوْعِدًا ۵۹ اُن لوگوں نے ظلم و ستم سے کام لیا تو ہم نے بھی اُن میں سے ہر ایک کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرّر کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ (۶۰) اور جب موسیٰؑ نے اپنے جوان سے کہا کہ

اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ میں تو سفر جاری رکھوں گا جبتک کہ اُس جگہ

الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ ۶۰ نہ پہنچ جاؤں جہاں دو سمندر ملتے ہیں، ورنہ میں ایک لمبے عرصے تک چلتا ہی رہوں گا۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا (۶۱) تو جب وہ اُن دونوں سمندروں کے ملنے

نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ کی جگہ پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو

فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ ۶۱ بھول گئے، تو اُس نے ایک سرنگ کی طرح سمندر میں اپنا راستہ بنالیا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا (۶۲) اب جو وہ آگے بڑھے تو موسیٰؑ نے اپنے

غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ جوان ساتھی سے کہا کہ "لاؤ ہمارا ناشتہ،

سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ ۶۲ آج کے سفر میں تو ہم بُری طرح تھک گئے۔

حضرت موسیٰؑ کا جوان

فرزندِ رسولؐ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہ جوان جس کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت یوشع بن نونؑ بن افرائیم بن حضرت یوسفؑ تھے۔ چونکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی خدمت اور پیروی کرتے تھے اس لیے خدا نے اُن کو حضرت موسیٰؑ کا جوان (فتیٰ) فرمایا۔ (تفسیر صافی صفحہ ۳۰۵)

"مجمع البحرین" وہ مقام ہے جہاں فارس اور روم کے سمندر ملتے ہیں، یہی وہ جگہ جس کی نسبت حضرت موسیٰؑ سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ وہاں حضرت خضرؑ مل جائیں گے۔ *.... (تفسیر صافی صفحہ ۳۰۵)

میں سب سے بڑا عالم ہوں

حضرت موسیٰؑ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یہ کہہ دیا کہ "میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں"۔ یہ حضرت موسیٰؑ کا ترکِ اَولیٰ تھا جس کی اصلاح کے لیے خدا نے اُنھیں حضرت خضرؑ کے پاس جانے کا حکم دیا۔ (تاکہ اُن سے علم حاصل کریں) *.... (مجمع البیان)

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى (۶۳) ساتھی نے کہا: "کیا آپ نے دیکھا تھا

الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ کہ جب ہم ایک چٹان میں پناہ لیے ہوئے

الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا تھے تو اُس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا۔

الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ اور شیطان نے تو مجھے ایسا غافل کر دیا کہ

اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ میں آپ سے اُس کا ذکر کرنا تک بھول گیا

عَجَبًا ۞ ۶۳ — اور مچھلی نے تو عجیب طریقہ سے (نکل کر) اپنا راستہ سمندر میں بنا لیا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ (۶۴) موسیٰ نے کہا: "اُسی منزل کی تو ہمیں

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۞ ۶۴ تلاش تھی"۔ پھر وہ اپنے قدموں کے نشانوں کو کو ڈھونڈتے ہوئے پلٹے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (۶۵) پس اُن دونوں نے وہاں ہمارے بندوں

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا میں سے ایک بندے کو پایا۔ جسے ہم

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۞ ۶۵ نے اپنی طرف سے خاص رحمت عطا کی تھی۔

اور اپنی جناب سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝۶۶

(۶۶) موسیٰؑ نے اُن (خضرؑ) سے کہا: "کیا میں آپؑ کے پیچھے پیچھے چل سکتا ہوں، تاکہ آپؑ مجھے بھی اُس علم اور ہدایت میں سے کچھ عطا فرمائیں جو آپؑ کو سکھایا گیا ہے (یا) آپ مجھے بھی اُس کے حاصل کرنے کا صحیح طریقہ بتا دیجئے گا۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝۶۷

(۶۷) اُنھوں نے فرمایا: "آپؑ میرے ساتھ (رہ کر) صبر نہیں کر سکیں گے۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝۶۸

(۶۸) اور جس چیز کے علم کا آپؑ احاطہ ہی نہ کر سکیں، اُس پر آپؑ کیونکر صبر کر سکتے ہیں۔

قَالَ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًا ۝۶۹

(۶۹) موسیٰؑ نے عرض کی: "اگر اللہ نے چاہا تو آپؑ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ اور میں کسی بھی معاملے میں آپؑ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِىْ فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰

(۷۰) اُنھوں نے فرمایا: "اچھا اگر آپؑ میرے پیروکار ہو کر میرے پیچھے پیچھے چلنا ہی چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھیئے گا جب تک کہ میں خود اُس کا ذکر آپؑ سے نہ کروں"۔ ۷۰

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا (۷۱) اب وہ دونوں چل دیے، یہاں تک کہ فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ جب کشتی پر بیٹھے تو اُن بزرگوار (حضرت خضرؑ) اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ تو موسیٰؑ نے کہا: لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝۷۱ "آپؑ نے تو اِس میں سوراخ کر دیا تاکہ آپؑ اِس میں بیٹھنے والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپؑ نے بڑی سنگین اور سخت بات کر ڈالی۔"

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ (۷۲) اِس پر خضرؑ نے کہا: "کیا میں نے تم سے تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝۷۲ نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ (رہ کر) صبر نہیں کر سکو گے؟"

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا (۷۳) موسیٰؑ نے عرض کی: "میری بھول چوک نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھ پر میرے اِس معاملے اَمْرِیْ عُسْرًا ۝۷۳ میں زیادہ سختی نہ فرمائیے۔"

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا (۷۴) اِس کے بعد پھر وہ دونوں آگے بڑھے غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ یہاں تک کہ اُن کو ایک لڑکا ملا، تو اُس نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ (خضرؑ) نے اُسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰؑ نے لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ۝۷۴ کہا: "ارے آپؑ نے تو ایک بے گناہ کی جان لے لی (یا) آپؑ نے تو ایک پاک جان کو بغیر کسی دوسری جان کے بدلے قتل کر ڈالا! یہ تو آپؑ نے بہت ہی بُرا کام کر دکھایا۔"

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ (۷۵) لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾

(حضرت خضرؑ نے فرمایا) "کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ (رہ کر) صبر و تحمّل نہ کر سکو گے"؟

ایمان کی اہمیت اور خدا کی گہری مصلحت

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے، کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اللہ کو علم تھا کہ اگر یہ لڑکا (جس کو حضرت خضرؑ نے قتل کیا تھا) زندہ رہا تو اس کے والدین اس کی محبت سے کافر ہو جائیں گے، اس لیے اللہ نے حضرت خضرؑ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔" اس سے اللہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح اس کے والدین کو آخرت میں محلِ کرامت (عزت کا مقام) عطا فرمائے۔"

★..... (تفسیر صافی ص ۳۰۷ بحوالہ علل الشرائع)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " جو لڑکا قتل کیا گیا تھا، خداوند تعالیٰ نے اُس کے بدلے میں اُس کے ماں باپ کو ایک لڑکی عطا فرمائی، جس کی نسل سے ستّر نبی پیدا ہوئے۔"

★..... (تفسیر صافی ص ۳۰۷ بحوالہ کافی و مَن لایحضرہ الفقیہ و مجمع البیان)

★ اب رہا یہ سوال کہ آخر حضرت خضرؑ نے ایک بچّے کی جان کیوں لے لی؟

تو ملک الموت ہر لمحہ ہزاروں کی جان لے رہا ہے۔ غرض یاد رہے کہ حضرت خضرؑ نے بھی

ملک الموت کی طرح خدا ہی کے حکم پر اُس کو قتل کیا تھا، اپنی مرضی سے قتل نہیں کیا تھا۔ البتہ یہ کہ خدا کا یہ حکم ملک الموت کو براہِ راست نہیں دیا گیا، بلکہ حضرت خضرؑ کے ذریعے سے دیا گیا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ، اولیاءِ خدا کے تابعِ فرمان ہوتے ہیں۔

* ------ (مؤلف)

* جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچّے کے قتل پر طیش ملاحظہ فرمایا تو کہا کہ "میں نے آپؑ کو کہا نہیں کہا تھا کہ آپؑ سے میرے ساتھ رہ کر صبر نہ ہو سکے گا"۔ اب کی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفت محسوس کرتے ہوئے دوٹوک فیصلے کی بات کردی کہ اگر اِس کے بعد میں نے کسی بات پر لب کشائی کی تو آپؑ کو اختیار ہے کہ مجھے اپنی شاگردی سے الگ کردیں۔

* ------ (تفسیر انوار النجف)

* تفسیر "مجمع البیان" میں جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت ہے کہ:

"حضرت موسیٰؑ کو شرم دامن گیر ہوئی، ورنہ اگر وہ صبر کرتے اور حضرت خضرؑ کی صحبت کو جاری رکھتے تو ہزاروں عجائبات ملاحظہ فرماتے"۔

* ------ بحوالہ (تفسیر انوار النجف)

نتائج

محققین نے حضرت موسیٰؑ کے بار بار حضرت خضرؑ کو ٹوکتے رہنے سے یہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ: (۱) احکامِ شریعت کی خلاف ورزی کو برداشت نہ کرنا انبیائے کرامؑ کی سنّت اور طریقہ ہے۔

(۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دینا اعلیٰ ترین فرائض میں سے ہے۔

(۳) اِس واقعے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اگر کوئی شخص خلافِ شریعت کام کرے تو اُس کو برداشت کیا جائے حضرت موسیٰؑ کے لیے تو پھر بھی سکوت شاید جائز تھا، اِس لیے کہ اُن کو حضرت خضرؑ کی معیت کا حکم خدا نے دیا تھا لیکن جن کو شریعتِ الٰہی کے علاوہ خدا کا کوئی حکم معلوم ہی نہ ہو، اُن کو گناہ پر ساکت و خاموش رہنا جائز نہیں"۔ * ...... (ماجدی - تھانوی)

قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ‌ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ﴿۷۶﴾

(۷۶) (حضرت موسیٰؑ نے) کہا: "اب اِس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو پھر آپ مجھے اپنی صحبت میں اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا۔ لیجیئے اب تو آپ کو میری طرف سے (پورا) عذر مل گیا۔" (یعنی اب تو میں نے آپ سے بہت کافی معذرت کرلی)۔

حضرت موسیٰؑ کو علمِ شریعت حاصل تھا علمِ لَدُنّی حاصل نہیں تھا

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو صرف علمِ شریعتِ ظاہری حاصل تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شریعتِ ظاہری وحقیقت باطنی' دونوں کے جامع تھے۔ اِسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ: "میرے پاس ایسا علم ہے جس کے اظہار کا حکم نہیں ہے، اور نہ آپؑ اُس پر عمل کرسکتے ہیں۔ اور آپؑ کے پاس ایسا علم ہے جس پر عمل کرنا مجھ پر واجب نہیں۔"

*..... (الخصائص الصغریٰ ۔ تفسیر روح البیان)

★ غرض جمہور اُمّت کا اتفاق ہے کہ حضرت خضرؑ نبی تھے اور اُن پر باطنی باتوں کی وحی ہوتی تھی، اور اُسی پر عمل کرنے پر مامور تھے۔ اُمورِ ظاہری پر عمل کرنے کے پابند نہ تھے، جبکہ ہمارے نبیؐ اُمورِ ظاہر اور باطن دونوں کے جامع تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ کا اکثر عمل ظاہری باتوں پر ہوتا تھا اور کبھی کبھی علمِ باطن کے مطابق بھی عمل کرتے تھے۔

*..... (تفسیر ابن حیان ۔ تفسیر روح البیان)

اخلاقی تعلیمات اور نتائج

(۱) غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جملہ اُن کی انصاف پسندی، بلند نظری، عالی ظرفی، اور شرافت کے اعلیٰ معیار کو ظاہر کرتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ: بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو حقائق کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہوں۔

(۲) دوسری اخلاقی تعلیم یہ ملی کہ اپنی غلطی مان لینا اور اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرلینا بڑے لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں الگ الگ چیزوں کے پابند تھے، اِس لیے دونوں کا ساتھ رہنا ممکن نہ ہوا۔ (حضرت موسیٰ ؑ شریعت کے احکام کے پابند تھے، اور حضرت خضر ؑ حکمِ خدا سے باطنی علم و حکمِ الٰہی پر عمل کرتے تھے)۔

(تفسیر نمونہ) -----*

حضرت موسیٰ ؑ کو حضرت خضر ؑ کی شاگردی میں کیوں بھیجا گیا؟

جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا:

" ایک دفعہ کسی نے حضرت موسےٰ ؑ سے سوال کیا کہ تمام زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟

حضرت موسےٰ ؑ نے کہا: "مجھے اپنے آپ سے بڑھ کر کسی کے عالم ہونے کا علم نہیں"

اِس پر خدا نے حضرت موسیٰ ؑ کو وحی کی کہ: "(اے موسیٰ ؑ!) ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے جو تم سے زیادہ عالم ہے"۔ حضرت موسیٰ ؑ نے درخواست کی، کہ "میں اُس عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں"۔

" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِس درخواست پر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا طریقہ بتایا"

(مجمع البیان جلد ۶ ۔ نور الثقلین جلد ۳) -----*

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ (٧٧) پھر وہ دونوں آگے چلے، یہاں تک کہ
اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَآ ایک بستی[۱] والوں کے پاس پہنچے، اور وہاں کے
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا لوگوں سے کھانا مانگا، تو انھوں نے اُن
فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ دونوں کی مہمانداری کرنے سے انکار کر دیا۔
اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ وہاں اُنھوں نے ایک دیوار دیکھی جو بس
لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ گرنے ہی والی تھی۔ خضرؑ نے اُس کو سیدھا
اَجْرًا ﴿٧٧﴾ کھڑا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: "اگر آپ چاہتے
تو اس کام کی اُجرت ہی لے لیتے۔"

ف۱ اُس بستی کے تین نام منقول ہیں

اُس بستی کے متعلق تین[۳] نام یہ ہیں: [۱] انطاکیہ۔ [۲] ایلہ [۳] ناصرہ جس کی طرف نصاریٰ منسوب ہیں۔ "ناصرہ" امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔ اِس بستی کے باشندے بخیل تھے۔ اور امام رضاؑ نے فرمایا کہ "اُنھوں نے نہ حضرت خضرؑ و موسیٰؑ کی ضیافت کی اور نہ قیامت تک وہ کسی کی ضیافت کریں گے۔" (تفسیر انوار النجف)

★ لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر اُس بستی کے لوگ حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ: "آپ "فَاَبَوْا" کے لفظ میں "ب" کے بجائے "ت" لکھ دیجیے۔ تاکہ ہمارے باپ دادا کے بخیل ہونے کی ذلت مٹ جائے۔" آنحضرتؐ نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اس سے خدا پر جھوٹ کا الزام آئیگا اور آیتوں میں تبدیلی نبوت کا کام نہیں ہے۔" (تفسیر کبیر۔ روح البیان)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

(۷۸) خضرؑ بولے: "بس اب میرا اور آپ کا ساتھ ختم ہوا۔ لو اب میں آپ کو اُن باتوں کا مطلب اور حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

(۷۹) وہ جو کشتی تھی، وہ کچھ غریبوں کی تھی، جو دریا میں کام کرتے ہیں۔ تو میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار بنا دوں (کیونکہ) اُنکے آگے ایک بادشاہ (کا علاقہ) ہے، جو ہر ایک (بے عیب اچھی) کشتی پر زبردستی قبضہ کر لیتا ہے۔

نتیجہ آیت ۷۹: فقہاء نے آیت کے لفظ "مسٰکین" سے نتیجہ نکالا کہ آلاتِ حرفہ و تجارت پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ کیونکہ خدا نے کشتی کے مالک ملاحوں کو "مسٰکین" کہا ہے۔ اصل میں فقہاء کے نزدیک مسکین کا اطلاق ہر اُس شخص پر ہوتا ہے جو اگرچہ مال رکھتا ہو، مگر وہ مال اُس کی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو۔ (معالم)

"وَرَآءَهُمْ" وراء کے معنی لغاتِ اضداد میں سے ہے اس کے معنی آگے اور پیچھے دونوں ہیں۔ (تفسیر انوار النجف)

وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ (۸۰) رہا وہ لڑکا (جس کو میں نے قتل کر ڈالا تھا)

مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ تو اُس کے ماں باپ حق کو ماننے والے ہیں۔

يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؏ ﴿۸۰﴾ ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ یہ اُن دونوں کو

اپنے انکارِ حق اور اپنی سرکشی سے تنگ کرے گا۔

فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا (۸۱) تو ہم نے چاہا کہ اُن کا پالنے والا

رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّ مالک اُنھیں اِس لڑکے کے بدلے، ایک

اَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿۸۱﴾ ایسا لڑکا عطا کرے جو اخلاقی پاکیزگی

میں بھی اُس سے بہتر ہو، اور محبّت اور صلہ رحمی میں بھی زیادہ بڑھا چڑھا ہو۔

حضرت خضرؑ کا جواب

محققین نے لکھا کہ: کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے بہت زیادہ سختی کے ساتھ حضرت خضرؑ کو بچّے (لڑکے) کے قتل کرنے پر ٹوکا تھا، اسی لیے حضرت خضرؑ نے بھی اپنے ارادہ کی قوّت کو پوری قوّت سے ظاہر کرنے کے لیے جمع کا صیغہ متکلم تعظیمی (ہم نے چاہا) استعمال کیا۔ تاکہ جس قدر شدّت کے ساتھ اعتراض کیا گیا تھا، اُسی شدّت کے ساتھ جواب بھی دیا جائے۔

(یہی فصاحت کا تقاضا تھا)

٭ ۔ ۔ ۔ ۔ (ماجدی)

٭ ۔ محققین نے قتلِ ناحق کی بُرائی کی شدّت کو اس سے ثابت کیا ہے۔

٭ ۔ ۔ ۔ ۔ (مؤلّف)

سوال ؟ اِس قصّے میں ایک بہت بڑی پیچیدگی ہے کہ آخر خدا کے اُن احکامات کی نوعیّت کیا تھی ؟ کیونکہ کسی بھی شریعت میں بیگناہ کا قتل کرنا جائز نہیں ؟

★ علّامہ شعرانی، شیخ اکبر محی الدین عربی، جُنید بغدادی اور امام غزالی تک نے لکھا کہ :

" کسی کو اپنے الہام کی بنیاد پر قتل کرنا جائز نہیں ۔ ایسا کوئی الہام قابلِ قبول نہیں جو شریعت کے خلاف ہو ۔"

★ ۔۔۔۔ (روح المعانی جلد ۱۶)

★ سوا اس کے کہ وہ الہام یا وحی کسی نبیؑ کو ہو جو براہِ راست خدا سے حکم وصول کر سکتا ہے ۔

جس طرح حضرت ابراہیمؑ کا خواب تھا جس کی بنیاد پر اُنھوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کیا تھا، جو اگرچہ ہر شریعت کے خلاف تھا ۔

★ ۔۔۔۔۔ (مؤلف)

اِس مسئلے کا حل اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ " یہ مان لیا جائے کہ کچھ اعلیٰ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو وحیِ الٰہی کے ذریعہ حکمِ الٰہی کے تحت کام کرتے ہیں ۔ وہی لوگ صاحبانِ امر ہوتے ہیں اور وہی لوگ مشیّتِ الٰہی کے کارکُن بھی ہوتے ہیں ۔ مگر یہ لوگ صرف اور صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کی ولایت، نبوّت اور امامت قرآن و حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہو، خود ساختہ یا مردم ساختہ نہ ہوں ۔ سورۂ قدر میں ایسے ہی عظیم انسانوں کی شان بیان کی گئی ہے ۔"

★ ۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ " جب حضرت موسیٰؑ نے لڑکے کے قتل کرنے پر حضرت خضر علیہ السّلام پر سخت اعتراض کیا تو حضرت خضرؑ نے مقتول کا کاندھا کھول کر حضرت موسیٰؑ کو دکھایا، جس پر صاف لکھا ہوا تھا کہ یہ کافر ہے ۔ پس حضرت موسیٰؑ خاموش ہو گئے ۔"

★ ۔۔۔۔۔ (تفسیر عیاشی)

نتیجے محققین نے نتیجہ نکالا کہ (۱) خدا جب بندے سے اُس کی محبوب ترین چیز چھین لیتا ہے

(بغیر کسی بڑے گناہ یا ظلم کے) تو اُسے اُس سے کہیں بہتر چیز عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ چھینی ہوئی چیز پر صبر کرے۔ دوسرے یہ کہ خدا کوئی نعمت یا تو سزا کے طور پر چھینتا ہے یا امتحان کے لیے۔ تیسرے یہ کہ جو چیز چھینی جاتی ہے کبھی کبھی وہ بہت نقصان دہ ہوتی ہے۔

(تاویلات نجمیہ ۔ روح البیان) *- - - - -

۲۔ کتنا بھی علم ہو مگر خود کو اعلمِ زمانہ نہ سمجھنا چاہیے۔

۳۔ علم کی تلاش میں سفر کرنا عظیم عبادت ہے اور علماء کی زیارت بھی۔

۴۔ انسان کو ہمیشہ علم حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔

۵۔ کاموں میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے (سوائے تین موقعوں کے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

(۱) جب نماز کا وقت داخل ہو جائے تو نماز ادا کرنے میں جلدی کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بھی مصروفیت کی وجہ سے نماز کا وقت ختم ہو جائے۔ اس لیے تاخیر نہ کرو۔

(۲) موت سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو (۳) صدقہ دینے میں جلدی کرو قبل اس کے کہ کوئی مصیبت یا بلا نازل ہو۔ (یعنی اوّلین فرصت میں یہ تینوں اُمور بجا لانا ضروری ہیں)

۶۔ ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔

۷۔ ماں باپ کو تکلیف پہنچانے سے عمر کم ہو جاتی ہے۔

۸۔ لوگ اُس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے۔ (حضرت علیؑ ۔ نہج البلاغہ)

۹۔ اُستاد کا احترام واجب ہے۔ (حضرت علیؑ نے فرمایا: "جس نے مجھے ایک کلمہ بھی سکھایا اُس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا۔)

۱۰۔ عالم کی اطاعت کرنی چاہیئے ——— جیسے حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کی اطاعت کی۔

۱۱۔ کسبِ علم کے وقت انکساری ضروری ہے، عالم کی اجازت اور اُس کا ادب اور حلم ضروری ہے۔

(تفسیر نمونہ) *- - - - -

وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ (۸۲)	رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے
لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى	دو یتیم بچّوں کی تھی۔ اور اُس (دیوار) کے
الۡمَدِيۡنَةِ وَكَانَ تَحۡتَهٗ	نیچے اُن دونوں کے لیے ایک خزانہ دفن
كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا	تھا، اور اُن دونوں کا باپ ایک نیک
صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنۡ	آدمی تھا، تو تمھارے پالنے والے مالک نے
يَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا	چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں، اور
كَنۡزَهُمَا ۖ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ۚ	تمھارے پالنے والے مالک کی مہربانی سے
وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِىۡ ؕ	اپنا خزانہ نکال لیں۔ اور یہ سب کچھ میں نے
ذٰلِكَ تَاۡوِيۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ	اپنی رائے یا اپنے اختیار سے نہیں کیا۔
عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ؕ ﴿۸۲﴾	یہ ہے مطلب، حقیقت اور وضاحت

اُن باتوں کی جنھیں آپ برداشت نہ کر سکے۔

خدا کی نظر میں نیک باپ کی قدر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "نیک باپ کی بدولت خدا کئی پشتوں تک اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں صرف باپ کی نیکی کی بدولت خزانہ کی حفاظت کی گئی"۔ (تفسیر انوار النجف)

خزانے میں کیا چیز پوشیدہ تھی ؟

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

" اُس خزانے میں ایک بڑی سونے کی تختی پوشیدہ تھی ، جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہ :" تعجب ہے اُس انسان پر ، جو قضا و قدر پر ایمان بھی رکھتا ہے ، پھر وہ کیسے غمگین ہوتا ہے ؟

★ تعجب ہے اُس انسان پر ، جسے یقین ہے کہ خدا رازق ہے ، پھر رزق کے پیچھے اپنے کو (بیجا طور پر ، سخت تکلیفوں میں ڈالتا ہے ۔ (حرام و حلال کا خیال نہیں کرتا)

★ تعجب ہے اُس انسان پر کہ جسے موت کے آنے کا یقین ہے ، پھر کیسے خوشیاں مناتا ہے ؟

★ تعجب ہے اُس انسان پر ، جو حساب کتاب پر یقین رکھتا ہے ، پھر نیک اعمال سے غافل ہے ۔

★ تعجب ہے اُس انسان پر ، جو دنیا اور اُس کے انقلابات کو دیکھتا ہے ، پھر وہ دنیاوی نعمتوں پر مطمئن ہوتا ہے ۔ ؟ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ، اور محمد اللہ کے رسول ہیں " ۔

*..... (تفسیر مجمع البیان بروایت ابو الدرداء ، تفسیر روح البیان ،

*..... تفسیر برہان ، بروایت صفوان جمال بحوالہ کافی)

★ حضرت خضرؑ کا ذکر کرو تو اُن پر سلام کرو

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا : " حضرت خضر ؑ نے چشمۂ آبِ حیات کا پانی پیا تھا ، اِس لیے وہ ابھی تک زندہ ہیں اور نفخِ صور (قیامت) تک نہ مریں گے ۔ وہ اکثر ہمارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ، اور ہم اُن سے باتیں سنتے ہیں ، مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے ۔ جہاں کہیں بھی اُن کا ذکرِ خیر ہوتا ہے ، وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں ۔ اِس لیے جو اُن کا ذکر کرے اُس کو چاہیئے کہ اُن پر سلام کرے ۔

زمانۂ حج میں مکہ جاتے ہیں اور حج ادا کرتے ہیں اور عرفات میں حاجیوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں ، غیبت کے زمانہ میں ہمارے قائم (مھدیؑ) کے مددگار رہیں گے ۔ خدا اُن کے ذریعہ ہمارے قائم (مھدیؑ) کی تنہائی کی کبیدگی کو دور فرمائے گا " ۔

*..... (تفسیر نور الثقلین)

جب حضرت موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر نے یہ نصیحتیں کیں:

حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو نصیحتیں کیں

(۱) لوگوں کو فائدہ پہنچانا، نقصان نہ پہنچانا۔

(۲) ہر آنے والے یا ملنے والے سے خندہ پیشانی سے ملنا، کسی سے غصّہ ہو کر نہ ملنا۔

(۳) کسی کی ناجائز خوشامد نہ کرنا۔ (۴) کسی کے ہاں خواہ مخواہ نہ جانا۔

(۵) بلاوجہ نہ ہنسنا۔ (۶) اگر کوئی اپنی غلطی پر نادم ہو تو پھر اُسے وہی غلطی یاد نہ دلانا۔

(۷) اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہونا، بلکہ رونا۔ (۸) آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا۔

(۹) آخرت کی فکر میں مسلسل کوشش کرتے رہنا۔

(۱۰) جو تمھاری پرواہ نہ کرے اُس کے سامنے عاجزی نہ کرنا۔ (۱۱) کسی پر احسان کرنے میں حتی الامکان کمی نہ کرنا۔

پھر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمائش کی کہ آپؑ بھی مجھے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

(۱) اگر کسی پر ناراض ہونا تو صرف اللہ کے لیے۔ (۲) دنیا سے محبت نہ کرنا، کیونکہ اگر یہ محبت حد سے بڑھ جائے تو ایمان سے خارج کرکے کفر میں داخل کر دیتی ہے۔

پھر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو دعا دی کہ خدا آپؑ کو اپنی اطاعت میں مدد فرمائے اور آپؑ کو ہر معاملے میں خوش رکھے، اور لوگ آپؑ سے محبت کریں اور خدا آپؑ کو اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

حضرت موسیٰؑ نے آمین کہی۔ ٭ . . . . (التعریف والاعلام۔ تفسیر روح البیان)

★ حضرت خضرؑ نے حضرت علیؑ کی فرمائش پر نصیحت کی: "اغنیاء کی فقراء پر بخشش کتنا اچھا کام ہے"۔

اور پھر حضرت علیؑ نے فرمایا: "فقراء کا اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرنا اس سے بھی اچھی بات ہے"۔

شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ علمائے یہود نے سردارانِ قریش نے کہا، تم محمدؐ سے پوچھو کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد شام سے مصر کی طرف منتقل کیوں ہوئی؟ اور حضرت یوسفؑ کا قصہ کیا ہے۔؟ چنانچہ یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوا۔

"قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا" ضمیرِ مفعول سے بدلی ہے۔ بروایت ابنِ عباسؓ حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے۔ میں عربوں کے ساتھ تین وجوہ سے محبت کرتا ہوں (۱) میں خود عربی ہوں۔ (۲) قرآن مجید عربی ہے۔ (۳) اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔

★ تفسیر صافی میں بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے اپنے بندوں کو خطاب فرمایا۔ (تفسیر انوار النجف) ★.....

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ۳	(۳) ہم اِس قرآن کو آپؐ کی طرف وحی کرکے، آپؐ کے سامنے بہترین واقعات (اور حقائق) بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ اِس سے پہلے آپؐ اِس سے بے خبر تھے۔

قرآن کا بہترین قصّہ

حضرت یوسفؑ کے قصّے کو سب سے اچھا قصّہ اِس لیے فرمایا کہ اِس میں بہت سی عجیب و غریب پُر از حکمت و عبرت ناک باتیں، صحیح واقعات کے ساتھ نہایت ہی عمدہ اور مؤثر انداز میں بہت ہی خوبی اور ماہرانہ کمال کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

*..... (تفسیر صافی ص۲۲۴)

حضرت یوسفؑ کے قصّے کو بہترین قصّہ اِس لیے فرمایا کہ (۱) اس میں بہترین اخلاقی سبق دیے گئے ہیں۔ (۲) مختلف بصیرتیں جو مختلف قصّوں میں بکھری ہوئی تھیں، اِس قصّے میں سب ایک جگہ جمع کردی گئی ہیں۔ (۳) فطرتِ بشری کو بہترین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴) جو صورتِ حال حضرت یوسفؑ کو اپنے بھائیوں سے درپیش تھی وہی صورت حال حضرت رسولِ اکرمؐ کو قریش کے مقابلے میں درپیش تھی۔ اِس طرح حقیقتاً رسولِ اکرمؐ ہی کا قصّہ حدیثِ دیگراں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ (۵) اور خدا کا یہ فرمانا کہ "نَحْنُ نَقُصُّ" یعنی: ہم خود اِس قصّے کو بیان کررہے ہیں"۔ عربی کے اس دوہرے صیغۂ متکلّم سے مقصود اِس بات پر زور دینا ہے کہ صرف ہم ہی صحیح واقعات بیان کرسکتے ہیں، کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ اتنے پرانے قصّے کے تمام جزئیات کو بالکل صحیح بیان کرسکے۔ غرض اِس سے ثابت ہوا کہ اس واقعے کے تمام جزئیات حرف حرف صحیح بیان ہوئے ہیں۔ یہ کوئی مصنوعی گھڑا ہوا قصّہ نہیں۔

*..... (ماجدی)

★ شیخ اکبر محی الدین عربی نے ''حضرت یوسفؑ کے قصے کو سب سے اچھا قصہ'' کہنے کی وجوہات یہ بیان کی ہیں کہ: (١) اِس قصے میں عبرتوں اور حکمتوں کے عجیب و غریب نکتے بیان کیے گئے ہیں خاصکر بلاؤں پر صبر کرنے اور اُن کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔

(٢) کیونکہ حضرت یوسفؑ بہت خوبصورت تھے اس لیے بھی خدا نے ان کے قصّے کو احسن القصص فرمایا۔

(٣) حضرت یوسفؑ نبی بھی تھے، خوبصورت بھی تھے، صاحبِ علمِ رُؤیا بھی تھے، پھر اُن کو حکومتِ دُنیا بھی ملی اور انھوں نے لاکھوں انسانوں کی جان بچائی قحط سے بچنے کا طریقہ بتاکر۔

(۴) حضرت یوسف کی دعا بھی بہترین دعا ہے کہ فرمایا: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ''(مجھے اپنی فرماں برداری کی حالت میں موت دے اور صالحین سے ملا دے۔)

(۵) اِس قصے میں محبّت کی باتیں ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز محبوب ہوتی ہے اُس کے متعلّقات بھی محبوب اور احسن ہوتے ہیں۔

(٦) اِس قصّے میں سب سے اہم موضوع نفسِ اَمّارہ کا بیان ہے کہ جو اوّلاً زلیخا کے رنگ میں ظاہر ہوا اور پھر پاک صاف ہوکر تزکیۂ نفس کے ذریعے اُس نے ایسی صفائی حاصل کی کہ مقامِ رضا تک پہنچا۔ اِسی لیے زُلیخا کو حضرت یوسفؑ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس طرح نفسِ زُلیخا جو نفسِ اَمّارہ تھا، کامل اور اکمل ہوکر نفسِ مطمئنہ بن گیا۔

(تفسیر روح البیان)

★ . . . . .

★ اِسی لیے حضرت یوسفؑ نے شادی کے بعد جب حضرت زلیخا سے پوچھا کہ تم مجھ سے اب اتنی شدید محبت نہیں کرتیں جتنی پہلے کرتی تھیں، اِس کا سبب کیا ہے؟ زلیخا نے فرمایا کہ تم سے پہلے میں نے تم سے حسین کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اب تم سے بھی حسین (خدا) کو پہچان لیا ہے۔ اِس لیے اب میری تمام تر توجہ اُس کی طرف ہوگئی۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا: کاش تم آخری نبیؐ کو دیکھتیں تو تمھارا کیا حال ہوتا۔ وہ

تو مجھ سے بھی کہیں زیادہ حسین ہوں گے۔ یہ سن کر زلیخا کے دل میں حضور اکرمؐ کی محبت گھر کر گئی۔
*...... (روح المعانی)

(۷) حضرت یوسفؑ کے قصّے کو سب سے حسین قصّہ اس لیے بھی کہا گیا ہے کہ یہ قصّہ ہر انسان سے مناسبت رکھتا ہے۔ ہر شخص جوانی میں حسین ہوتا ہے اور حُسن کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اُس وقت تزکیۂ نفس کے لیے حضرت یوسفؑ کی مثال بہت عمدہ ہے۔ (کیونکہ)

؎ بڑے موذی کو مارا نفسِ اَمّارہ کو گر مارا ÷ نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

* اسی طرح حسد کا ہر شخص نشانہ بنتا ہے۔ مصیبتوں میں ہر شخص گرفتار ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اُسے رُجوع اِلَی اللہِ کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے تمام حالات میں حضرت یوسفؑ کا قصہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔
*.... (تاویلاتِ نجمیہ)

حضرت یوسفؑ کا تعارف

حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ۔ پیغمبر زادے بھی تھے اور خود بھی پیغمبر تھے۔ آپؑ کی والدہ ماجدہ حضرت راحیل تھیں۔ توراۃ میں ہے "اسرائیل (مراد حضرت یعقوبؑ)۔ حضرت یوسفؑ کو اپنے تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ اُس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا۔" *.... (پیدائش ۳۷: ۳)

قرآن میں خدا کا اپنے رسولؐ کو یہ فرمانا کہ "اگرچہ آپؐ اس سے پہلے ان واقعات سے بیخبر تھے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرامؑ کے تمام واقعات آپؐ کو ہم نے بتائے ہیں۔ اگر ہم آپؐ کو یہ واقعات نہ بتاتے تو آپؐ ذاتی طور پر از خود ان واقعات کو جان نہ سکتے تھے کیونکہ آپؐ مخلوق ہیں اور مخلوق کا ہر کمال اُس کا از خود پیدا کردہ نہیں ہوا کرتا۔ (آپؐ کا ہر کمال ہماری عطا ہے۔) *... (فصل الخطاب)

* "اَحْسَنَ الْقَصَصِ" یہ مصدر ہے اور احسن کی نسبت مفعولِ مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی میں دو احتمال ہیں۔ (۱) پورا قرآن احسن القصص ہے۔ کیونکہ فصاحت حُسنِ معنی خوبیٔ مطلب سلاست لفظ تسلسلِ بیان اور تشاکل و تناسبِ ظاہری کے لحاظ سے یہ اپنی مثال خود ہے (۲) صرف سورہ یوسف اس سے مراد ہے جس میں عجائبات اور فوائد موجود ہیں۔ *(تفسیر انوار النجف)

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ (۴) (وہ وقت یاد کرو) جب یوسفؑ نے
اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ اپنے باپ سے کہا: "بابا! میں نے
کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ (خواب میں) گیارہ ستاروں، سورج اور
رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ○ ۴ چاند کو اپنے سامنے سجدے کرتے ہوئے دیکھا۔"

حضرت یوسفؑ کے خواب کی تعبیر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کے ذریعے سے جناب رسولِ خداؐ سے نقل فرمایا ہے کہ: "حضرت یوسفؑ کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ وہ مصر کے مالک ہو جائیں گے اور اُن کے ماں باپ اور اُن کے سب بھائی اُن کے پاس آئیں گے کیونکہ اس خواب میں شمس (سورج) سے مراد اُن کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ ہیں اور قمر سے مراد اُن کی والدہ راحیلؑ ہیں اور گیارہ ستاروں سے مراد اُن کے گیارہ بھائی ہیں چنانچہ جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے دربار میں پہنچے اور اُنھوں نے حضرت یوسفؑ کو تختِ سلطنت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو وہ سب خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت میں وہ (حضرت یوسفؑ کو نہیں بلکہ) خدا کو سجدہ کر رہے تھے۔"

*.... (تفسیر صافی صفحہ ۲۴۴ بحوالہ الخصال)

سجدہ کرنے کے دوسرے معنی

سجدہ کرنے سے یہاں مراد جھکنا یا تابعداری کا اظہار کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ ادب اور سلام کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔

*.... (راغب ـ مدارک)

صاحبِ "روح البیان" نے فرمایا: "سجدہ زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی کو نہیں کہتے بلکہ کسی کی تعظیم کرنے اور اُس کے سامنے انکساری کے اظہار کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔" (روح البیان)

حضرت یوسفؑ کا فرمانا کہ: "رَاَیْتُ" یعنی "میں نے دیکھا" تو یہ لفظ رؤیت سے بھی ہو سکتا ہے اور رُؤیا سے بھی ہو سکتا ہے۔ "رؤیت" کے معنی دیکھنا اور "رُؤیا" کے معنی خواب دیکھنا۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں خواب دیکھنا مراد ہے۔

★..... (کشاف)

انبیاء کے خواب

لوحِ محفوظ کا عکس ہوتے ہیں جس طرح اگر شیشہ یا آئینہ کسی چیز کے سامنے رکھ دیا جائے تو سامنے جو چیز ہوگی آئینے میں اُس کا پورا نقشہ بن جائے گا۔ اسی طرح انبیاءؑ اولیاء اور صالحینؒ کے قلب بھی شیشے کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن پر لوحِ محفوظ کی تمام باتیں منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ عالمِ ملکوت یا لوحِ محفوظ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اُن کے دل میں آجاتا ہے عام طور سے یہ نور سوتے میں چمکتا ہے۔ کیونکہ بیداری کے عالم میں انسان عالمِ شہادت میں جاگتا ہوتا ہے اس لیے اس کے حواسِ ظاہرہ اور باطنہ کام میں مشغول ہوتے ہیں سونے پر یہ تمام حواس سکون پاتے ہیں۔ اس لیے درمیانی حجابات ہٹ جاتے ہیں اور لوحِ محفوظ یا عالمِ ملکوت کا پورا عکس قلب پر پڑنے لگتا ہے۔ ایسے عکس تو مومن کے قلب پر بھی پڑتے ہیں مگر وہ جاگنے پر اُسے یاد نہیں رہتے

★..... (تفسیر روح البیان بحوالہ شرح الشرعۃ)

خواب کی تین قسمیں

(۱) شیطان ڈراتا ہے۔ ایسے خواب تخویف الشیطان کہلاتے ہیں۔

(۲) حدیث النفس۔ یعنی دل کی خواہشات خواب میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ (فرائڈ اسی کو خواب سمجھتا ہے)

(۳) اللہ کی طرف سے فرشتہ لوحِ محفوظ کی باتیں دکھاتا ہے۔

(ستاروں کے نام):

★ تفسیر صافی میں بروایت خصال جابر بن عبداللہ سے مروی ہے بستان یہودی نے حضور اکرمؐ سے حضرت یوسفؑ کے سامنے سجدہ کرنے والے ستاروں کے نام پوچھے۔ آپؐ خاموش ہو گئے تو جبرئیلؑ نے نازل ہو کر وہ نام بتا دیے۔ آپؐ نے دوسرے دن بستان یہودی کو بلا کر وہ نام بتا دیے تو وہ یہودی مسلمان ہو گیا وہ نام یہ تھے۔ حربان، طارق، ذوالکتفین، قابس، وثاب، عمودان، فیلق، مصبح، صروح، ذیال، ذوالفروغ، ضیا (سورج)، نور (چاند)۔ ★ (تفسیر انوار النجف)

برادرانِ حضرت یوسفؑ کے نام

علّامہ فیض کاشانی فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے نام ہم نے کسی معصوم کی روایت میں نہیں دیکھے البتہ جو بیان کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبالون (۶) یشجر۔ اِن چھ کی ماں کا نام لیّا تھا یہ حضرت یوسفؑ کی خالہ تھیں۔ اِس کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اُن کی بہن راحیل سے شادی کی تھی اور راحیل سے (۷) بنیامین اور (۸) حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کی دو کنیزیں تھیں زلفہ اور بلبھر اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ (۹) دان (۱۰) نفتالی (۱۱) حاد (۱۲) آشر۔

(تفسیر انوار النجف)

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں سے درسِ عبرت ملتا ہے

حضرت یوسفؑ اور اُن کے بھائیوں کے عجیب و غریب واقعات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو جہاں عبرت حاصل ہوتی ہے وہاں کئی سبق بھی ملتے ہیں۔

(۱) بھائیوں کی ایذا رسانی۔ (۲) اُن کے قتل کی تجویز۔ (۳) ازراہِ حسد حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنا۔ (۴) بحیثیت غلام کے فروخت ہونا (اور کچھ تعارض نہ کرنا)۔

(۵) متمکن ہونے کے بعد حضرت یوسفؑ کا اُن کو معاف کر دینا۔ (۶) زُلیخا کی گرفت سے نجات پانا۔ (۷) قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا۔ (۸) دُکھ کے بعد سُکھ، اور غلامی کے بعد تختِ حکومت پر متمکن ہونا۔ (۹) خواب کی عملی تصدیق۔ (۱۰) حضرت رسولِ خداؐ کا تفصیل سے اِس قصّے کو پیش کرنا۔ حالانکہ ظاہری طور پر کسی سے پڑھا نہ تھا وغیرہ زیرک طبائع کے لیے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں نیز دنیا و دین کی فلاح و بہبودی کے لیے اس میں ناقابلِ فراموش قیمتی سبق بھی ہیں۔

(تفسیر انوار النجف)

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۵)

باپ نے کہا: "اے بیٹا! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرو۔ وہ کہیں تمھیں نقصان پہنچانے کے لیے کوئی سازش نہ کریں۔ حقیقتاً شیطان انسان کا کُھلا ہوا دشمن ہے۔"

سچے خواب کی اہمیت

محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرت یوسفؑ جس اہمیت اور سنجیدگی سے خواب بیان فرمارہے ہیں اور (اُن کے والد) حضرت یعقوبؑ جس طرح اُس کی تعبیر کا (مطلب) بیان فرمارہے ہیں اُس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر اور ناقابلِ التفات چیز نہیں جیسا کہ آج کے روشن خیال لوگ سمجھتے ہیں۔

★ . . . (ماجدی)

نتیجہ، تقیہ کا جواز

حضرت یعقوبؑ کا حضرت یوسفؑ کو اپنا خواب دوسروں سے بیان کرنے سے روکنے پر فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ، جس کسی سے حسد کرنے یا نقصان پہنچانے کا خطرہ ہو اُس سے اللہ کی نعمتوں کا چھپانا جائز ہے۔ ★ . . . (جصاص)

★ کیونکہ دین و ایمان سے بڑی کوئی نعمت نہیں، اِس لیے اگر اُس کو خطرہ ہو تو اس کا بھی دشمنوں سے چھپانا زیادہ ضروری ہوگا اور زیادہ جائز ہوگا۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ ★ (مؤلف)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اَلتَّقِيَّةُ دِيْنِيْ وَدِيْنُ اٰبَآئِيْ"

یعنی: "تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے آبائے طاہرینؑ کا دین ہے۔"

★ . . . . (بحارالانوار)

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ (۶)

ہوگا ایسا ہی (جیسا کہ تم نے خواب میں دیکھا ہے) کہ تیرا پالنے والا مالک تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا اور تجھے خواب کی تعبیر اور باتوں کی تہ تک پہنچنے کا علم عطا کرے گا۔ اور تجھ پر اور یعقوبؑ کی اولاد پر اپنی نعمت کو اُسی طرح مکمل کریگا جس طرح اِس سے پہلے وہ تیرے باپ دادا میں سے ابراہیمؑ و اسحاقؑ پر مکمل کرچکا ہے (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک سب کچھ جاننے والا اور بڑی گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

"تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ" کا مطلب

"تاویلِ الاحادیث" کے معنی خوابوں کی تعبیر کا علم ہے۔
★ . . . . (ابنِ جریر)

★ لیکن احادیث میں اِس کو بڑی وسعت دی گئی ہے۔ احادیث میں تاویل الاحادیث کے معنی میں خوابوں کی تعبیر کے علاوہ علم و حکمت، فہم و فراست بھی شامل ہے۔
★ . . . . (بحر۔ کشاف)

★ "تاویل الاحادیث" میں معاملہ فہمی، حقیقتوں کو سمجھنے اور سلجھانے کا علم بھی شامل ہے۔ یعنی ایسی بصیرت اور ایسی صلاحیت کہ جس کی وجہ سے انسان ہر بات کی حقیقت اور تہ کو پہنچ جائے۔
★ . . . . (ماجدی)

★ اقبالؔ نے اِسی صلاحیت کو خداوندِ کریم سے

اس طرح طلب کیا ہے :

؎ اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را ⁂ نگاہم دہ چوں شمشیرِ علیؓ تیز

یعنی : "اے خدائے کریم ! اگرچہ میں حضرت علیؓ کی تلوار حاصل کرنے کا اہل نہیں ہوں ، تو مجھے حضرت علیؓ کی تلوار جیسی تیز نگاہی عطا فرما۔"

* اصل میں حضرت یوسفؑ نے اپنے والد ماجد کے سامنے صرف اپنا خواب بیان کیا تھا ' اپنی کوئی تمنا یا خواہش تو نہیں بیان کی تھی۔ حضرت یعقوبؑ نے بھی جو اُس کی تعبیر بتائی وہ خواب سمجھ ہی کر بتائی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت یوسفؑ کی تمنا سے نہیں ہوا ، بلکہ یہ تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ تھا کہ ایک دن یوسفؑ کو حکومت حاصل ہوگی۔

*.... (تفہیم القرآن)

* حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹے یوسفؑ سے یہ فرمانا کہ : " ہوگا ایسا ہی کہ تیرا پالنے والا مالک تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا۔" یعنی جیسے تمھیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے یہ خواب دکھایا ہے اُسی طرح عالمِ مشاہدہ میں بھی تمھیں امتیازی فضیلت عطا فرمائے گا۔

*.... (تفسیر تبیان)

"اِتمامِ نعمت" کے معنی

" اِتمامِ نعمت " کے معنی دنیوی و اُخروی نعمتیں ہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ : " اتمامِ نعمت " کے ذکر کے وقت حضرت یعقوبؑ نے اپنا ذکر تواضع اور انکساری کی وجہ سے نہیں فرمایا ۔ یہ ہوتی ہے انبیائے کرام کی تواضع اور خاکساری ۔ *... (مرشد تھانوی)

⁂ عزّت جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے

*... (میر انیسؒ)

لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖۤ (۷) حقیقت یہ ہے کہ یوسفؑ اور ان کے
اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ؁ بھائیوں کے واقعہ میں سوال کرنے والوں
کے لیے بڑی دلیلیں، حقیقتیں اور نشانیاں ہیں۔

سورۂ یوسفؑ رسولِ اکرمؐ کی صداقت کی دلیل ہے

حضرت یوسفؑ کے قصے میں خدا نے اپنی قدرت اور حکمت کی بے شمار دلیلیں بیان فرمائی ہیں اور ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ کی نبوّت کی علامتیں اور دلیلیں بھی بیان فرمائی ہیں۔
٭ ۔۔۔۔۔ (تفسیر صافی صـ۲۴۴)

اِسی لیے خدا نے اِس سورے کو "سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں" فرمایا ہے۔
نیز یہ کہ یہودی علماء نے مشرکوں کے سرداروں سے یہ کہا کہ تم رسولؐ سے یہ پوچھو کہ آلِ یعقوبؑ شام سے مصر کیوں چلے گئے تھے؟ یہودیوں کا مطلب یہ تھا کہ رسولؐ اس بات کا جواب دے سکیں گے اِس لیے (معاذ اللہ شرمائیں گے) لیکن حضور اکرمؐ نے خدا کی وحی سے حضرت یوسفؑ کا پورا قصہ سُنا کر بتا دیا آلِ یعقوبؑ اس طرح شام سے مصر منتقل ہوئے تھے۔ اِس طرح حضورؐ کا یہ سارا قصہ بیان کرنا سوال کرنے والوں کے لیے حضورؐ کی حقانیّت کی زبردست دلیل بن گیا۔
٭ ۔۔۔۔۔ (الجوامع، موضح القرآن، فصل الخطاب)

آنحضرتؐ کی فضیلت

بے شک حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو معاف کر دینا اُن کے غیر معمولی کردار اور عظمت کی دلیل ہے۔ اِسی طرح ہمارے رسولؐ کو قریش نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں، مگر اس کے باوجود حضور اکرمؐ نے فتحِ مکہ کے موقع پر اُن پر قابو پا کر اُن سب کو معاف کر دیا۔ یہ آپؐ کی عظمتِ کردار کی دلیل ہے۔ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا جبکہ حضورؐ نے اپنے خون کے پیاسوں اور دشمنوں کو معاف فرمایا۔ ٭ ۔۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ۝ۙ (۸) ۸ جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں کہا: "یہ یوسفؑ اور اُس کا (سگا) بھائی (بن یمین) دونوں ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں۔ حالانکہ ہم ایک (پوری کی پوری طاقتور) جماعت ہیں۔ حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ابا جان تو (یوسفؑ کی محبت میں) بالکل گم ہو چکے ہیں۔

ضَلٰل سے مراد

یہاں "ضلال" یعنی گمراہی کا لفظ ہدایت کی ضد کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہاں "ضلال" سے "محبت میں بالکل گم سُم ہو جانا" مراد ہے۔
* .... (القرآن المبین ؟)

* حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے اسقدر محبت اِس لیے تھی کہ اُن کی ساری اولاد میں صرف حضرت یوسفؑ ہی ایسے تھے کہ جن کے اندر آثارِ رُشد و سعادت نظر آتے تھے۔ پھر حضرت یوسفؑ کا خواب سُن کر وہ اور جان گئے کہ یہ بچہ ایک نہ ایک دن مہِ تاباں بننے والا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ بائیبل میں برادرانِ یوسفؑ کے حسد کی ایسی وجہ بتائی گئی ہے۔ جو خود حضرت یوسفؑ کو موردِ الزام بنا دیتی ہے۔ بائیبل کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ (معاذاللہ) اپنے بھائیوں کی چغلیاں باپ سے کھایا کرتے تھے، اس کی وجہ سے اُن کے بھائی اُن سے ناراض تھے۔ (معاذاللہ)
* ..... (ماجدی)

* اب بھائیوں کا یہ کہنا کہ "حالانکہ ہم ایک (پوری کی پوری طاقتور) جماعت ہیں، جبکہ ہمارے باپ کو یوسفؑ اور اُس کا (سگا) بھائی زیادہ محبوب ہیں۔" اِس جملے کو سمجھنے کے لیے بدو قبیلے کے اندازِ فکر کو سمجھنا ہوگا۔ جہاں کوئی حکومت نہ ہو، پولیس نہ ہو، آزاد قبائل ایکدوسرے کے پہلو میں آباد

ہوں، وہاں کسی شخص کی قوت اور تحفظ کا دار و مدار اُس کے جوان بیٹوں، پوتوں، بھائیوں، بھتیجوں کی تعداد پر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ سب ملکر اُس کی جان، مال، عزت، آبرو کی حفاظت کر سکیں۔ ایسی صورت میں ہر باپ کو اُس کے جوان بیٹے زیادہ عزیز ہوتے ہیں جو دشمنوں کے مقابلے پر کام آسکیں۔ اسی لیے حضرت یعقوبؑ کے جوان بیٹے یہ کہہ رہے ہیں کہ "ہمارے والد بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گئے ہیں (معاذاللہ) ہم جوان بیٹے جو اُن کے کام آسکتے ہیں، اُن کو زیادہ عزیز نہیں، لیکن چھوٹے بیٹے جو اُن کے کسی کام نہیں آسکتے وہ انھیں ہم سے زیادہ پیارے ہیں، جبکہ وہ صرف دو ہیں اور ہم زیادہ ہیں، اور وہ تو خود اپنی حفاظت تک کے محتاج ہیں۔ ★ ..... (تفہیم القرآن)

برادرانِ یوسفؑ کی گفتگو سے اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بغض و حسد تو رکھتے ہی تھے مگر ساتھ ساتھ اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کی نبوّت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے علماء میں شدید اختلاف ہے کہ برادرانِ یوسفؑ اپنے باپ یا بھائی کی نبوّت کے قائل تھے یا قائل نہ تھے۔

★ ..... (تفسیر تبیان)

توبہ کا غلط تصوّر

پھر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ کہنا کہ "یہ سب کچھ کر لو پھر نیک ہو جانا" مطلب یہ ہے کہ یوسفؑ کو قتل کر دو بعد میں توبہ کر لینا۔ (؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی)

★ .... (تفسیر جلالین)

مگر یہ توبہ کا تصوّر غلط تصوّر ہے۔ توبہ کرنے کے اسی غلط تصوّر کی وجہ سے بہت سے لوگ بڑے بڑے جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ توبہ کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ توبہ کے معنی احساسِ گناہ کے ہیں۔ گناہ پر شرمندہ ہونے کے ہیں۔ اگر یہ احساس شروع سے پیدا ہو تو آدمی گناہ ہی کیوں کرے گا؟ ★ ..... (فصل الخطاب)

نتیجہ: مرشد تھانوی نے حضرت یعقوبؑ کے حضرت یوسفؑ پر خصوصی التفات سے یہ نتیجہ نکالا کہ شیخ کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی مرید کے ساتھ دوسروں سے زیادہ شفقت اور اختصاص برتے جبکہ اُس میں اوروں سے زیادہ آثارِ رُشد پائے جاتے ہوں۔

★ ..... (مرشد تھانوی)

اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ۝

(۹) (چلو) یوسفؑ کو تو قتل کر ڈالو یا اُسے کسی اور زمین میں پھینک آؤ تاکہ تمھارے باپ کی توجہ صرف تمھاری طرف ہو جائے اور تم اِس کے بعد پھر نیک لوگ ہو جانا۔"

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسفؑ حُسن میں یکتائے روزگار تھے اور حضرت یعقوبؑ اُن سے بہت محبت کرتے تھے، نیز حضرت یوسفؑ اور اُن کا بھائی چونکہ دوسرے بھائیوں سے سن میں چھوٹے تھے۔ اس لیے بھی حضرت یعقوبؑ ان دونوں کی ناز برداری زیادہ کرتے تھے پس باقی بھائیوں کے دل میں اُن کے متعلق حسد پیدا ہوا اور جب حضرت یوسفؑ کے خواب کی خبر اور بھائیوں تک پہونچی تو اُن کے حسد کی آگ کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی پس اُنھوں نے باپ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضرت یوسفؑ کو راستے سے ہٹانے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔ ...... (مجمع البیان)

ابو حمزہ ثمالی نے حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے حضرت یعقوبؑ کا دستور تھا کہ ہر روز ایک دُنبہ ذبح کر کے اُس کا گوشت صدقہ کرتے تھے اور خود مع اہل وعیال بھی اُسی میں سے تناول فرماتے تھے۔ اتفاق سے شبِ جمعہ اُن کے دروازے پر ایک مومن سائل پہنچا جو مسافر اور روزہ دار بھی تھا اُس نے بھی دروازے پر دستک دی اور سوال کیا لیکن کسی نے اُس کی بات پر باور نہ کیا کہ وہ روزہ دار مومن ہے چنانچہ اُس کو کچھ نہ دیا گیا اور وہ مایوس ہو کر خالی پیٹ واپس ہوا۔ اُس نے دوسرے دن پھر روزہ رکھا۔ اُدھر حضرت یعقوبؑ اور اُن کے اہلِ خانہ نے شکم پُری سے رات بسر کی جبکہ اُن کے ہاں کھانا بچا ہوا بھی تھا لیکن اُس مومن روزہ دار نے خالی شکم دوسرا روزہ رکھا۔ خدا کی جانب سے حضرت یعقوبؑ کو وحی ہوئی کہ امتحان کے لیے تیار ہو جاؤ اور میری قضا پر راضی ہو کر مصائب کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اُسی رات حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا تھا۔

(تفسیر انوار النجف)

حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کا یہ کہنا کہ "چلو یوسف ؑ کو قتل کر دو تاکہ تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے اور اس کے بعد پھر تم نیک لوگ ہو جانا۔"

یہ آخری فقرہ ان لوگوں کی نفسیات کی بہترین ترجمانی کر رہا ہے جو اپنی خواہشات کے دھارے میں بہنے کے ساتھ ساتھ خدا اور نیکی سے بھی کوئی تعلّق جوڑے رکھنا چاہتے ہیں۔ (یعنی: رِند کے رِند رہنا چاہتے ہیں اور ہاتھ سے جنّت بھی کھونا نہیں چاہتے۔) ایسے تمام دوغلے قسم کے لوگوں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جب نفس بُری خواہش کا تقاضا کرتا ہے تو پہلے نفس کا تقاضا پورا کرنے پر تُل جاتے ہیں، پھر جب ضمیر اندر سے چٹکیاں لیتا ہے تو ضمیر کو یہ کہہ کر تسلّی دے دیتے ہیں کہ ذرا صبر تو کر، پہلے گناہ تو کر لینے دے، پھر جب ہماری خواہش پوری ہو جائے گی تو توبہ تلّا کر کے نیک بن جائیں گے۔

(تفسیر کبیر۔ روح المعانی، تفہیم القرآن)

اصل میں یہ خود کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔ خدا کو اس طرح دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

اِسی لیے قرآن میں خدا نے فرمایا ہے کہ: "خدا صرف برائی سے بچنے والوں کی نیکیوں کو قبول کرتا ہے۔" (اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ")

ایک بہت بڑے بزرگ کو حضرت امام جعفر صادق ؑ نے وعظ دیتے سُنا، پھر وہ بزرگ بازار کی طرف چلے۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ بھی اُسی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اُن بزرگوار نے ایک کھجور فروش کی دکان سے کچھ کھجوریں چرائیں اور ایک نان بائی کی دکان سے کچھ نان چرائے اور آگے ایک چوراہے پر فقرا میں بانٹ دیے۔ اتفاقاً یہ سب کچھ کارروائی امام ؑ نے دیکھی تو اُن بزرگوار سے دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ بزرگوار نے کہا کہ میں نے کھجور اور نان چرا کر دو گناہ کیے، لیکن فقرا میں بانٹ کر بیس نیکیاں کما لیں، دو گناہ اور بیس نیکیوں میں سے کم کر دینے پر میرے حصّے میں اٹھارہ نیکیاں پھر بھی باقی رہتی ہیں کیونکہ خدا فرماتا کہ "جو ایک نیکی کریگا اُس کو دس گنا ثواب ملے گا اور جو ایک برائی کریگا اُسے ایک گناہ شمار کریگا۔" یہ سُن کر امام جعفر صادق ؑ نے یہی آیت پڑھی اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی: "خدا صرف متقین کی نیکیوں کو قبول کرتا ہے۔" (اور جو متقی نہیں ہوتا نیکی برباد گناہ لازم ہو گیا۔)

(بحار الانوار)

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ ۱۰

(۱۰) اس پر اُن ہی میں سے ایک نے کہا: "یوسفؑ کو قتل مت کرو۔ اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اُسے اندھیرے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو۔ مسافروں کے قافلے میں سے کوئی اِسے اُٹھا کر لے جائے گا۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کے ذریعے سے روایت بیان فرمائی ہے کہ "حضرت یوسفؑ کو قتل سے بچانے والا حضرت یوسفؑ کا بھائی لاوی تھا جس نے یہ جملہ کہکر اُن کو بچایا (جو آیت میں بیان ہوا)"

...... (تفسیر صافی ص ۲۴۴ بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت یوسفؑ کنویں میں بھی بڑے مطمئن تھے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالا تو جبریلؑ نے آکر حضرت یوسفؑ سے پوچھا "تمہیں کس نے یہاں پھینکا ہے؟ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا: "باپ کی محبت اور بھائیوں کے حسد نے۔" حضرت جبریلؑ نے پوچھا: "کیا تم کنویں سے نکلنا چاہتے ہو"؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "یہ بات حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ کے پالنے والے مالک کی مرضی کے تابع ہے۔"

اس پر حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا: "حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ کے پالنے والے نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم سبھی دعا کے ذریعے سے پکارو۔"

...... (تفسیر مجمع البیان)

کنویں کے اندر حضرت یوسفؑ کی دُعاء

پھر خدا نے حضرت یوسفؑ کو یہ دعاء تعلیم فرمائی :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَجْعَلَ لِیْ فِیْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّتَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَآ اَحْتَسِبُ

ترجمہ : اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے ، کوئی معبود تیرے سوا نہیں ہے ، تو ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے ، اے بزرگی واکرام کے مالک ! حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر خاص الخاص رحمتیں نازل فرما اور میرے لیے تنگی سے کشادگی اور خوشی اور رہائی عطا فرما ، اور مجھے وہاں سے روزی دے جہاں سے مجھے توقع ہو ، اور وہاں سے بھی روزی دے جہاں سے مجھے کوئی توقع ہی نہیں ۔

(تفسیر انوار النجف) ...

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ : "پس حضرت یوسفؑ کی دعاء قبول ہوئی ۔ انھیں کنویں کی تنگی اور قید سے فوراً نجات ملی ۔ اور اسی دعاء کی وجہ سے وہ زلیخا کی مکاری سے بچے ، اور اسی دعاء کی بدولت خدا نے انھیں مصر کی بادشاہی عطا فرمائی جس کی ان کو توقع ہی نہ تھی ۔"

حضرت یوسفؑ کنویں میں یہ دعاء بھی مانگا کرتے تھے : "اے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے پالنے والے مالک ! میری کمزوری ، بے چارگی اور کم سنی پر رحم فرما ۔"

(تفسیر برہان - تفسیر انوار النجف)

محققین نے لکھا کہ خدا نے بچپنے ہی میں حضرت یوسفؑ کی طرف وحی کی جس طرح حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی فرمائی تھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت خدا کی عطا ہوتی ہے کیونکہ بچپنے میں کسب کا سوال پیدا نہیں ہوتا آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے ۔

(تفسیر صافی) ....

قَالُوْا يَآ اَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا (۱۱) (پھر) اُنھوں نے (اپنے باپ سے) کہا: بابا! عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ " آخر یہ کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہم پر بھروسہ ہی نہیں کرتے حالانکہ ہم تو اُس کی بھلائی چاہنے والے ہیں؟

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ (۱۲) " کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے يَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ " مزے سے باغوں میں کچھ کھائے پیے گا، کھیلے کودے گا، اور ہم سب اُس کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔"

(آیت ۱۲) حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرت یعقوبؑ سے یہ کہنا کہ "کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ مزے سے باغوں میں کچھ کھائے پیے گا، کھیلے کودے گا۔" اِس پر حضرت یعقوبؑ کے اجازت دینے سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا کہ سیر و تفریح، کھیل کود جائز ہے۔

* ..... (تفسیر کبیر)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ: "اپنے اوقات کو چار حصّوں میں تقسیم کرو (۱) ایک حصّہ کسبِ حلال کے لیے رکھو۔ (۲) دوسرا حصّہ عبادت اور مطالعہ کے لیے رکھو (۳) تیسرا حصّہ آرام اور ضروریات کے لیے رکھو۔ (۴) اور ایک حصّہ میں اپنے آپ کو جائز تفریحات میں چھوڑ دو تاکہ باقی تینوں کاموں کے لیے تقویّت حاصل کرسکو۔

* ..... (تحف العقول)

حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام نے فرمایا: "مزاح کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ دوسروں کی ناراضگی اور دل دُکھانے کا موجب نہ ہو۔"

* ..... (تفسیر روح البیان)

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۞ ۱۳

(۱۳) باپ نے کہا: "تمھارے اُس کو لیجانے سے مجھے صدمہ ہوگا۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اُسے بھیڑیا نہ کھاجائے جبکہ تم اُس کی طرف سے غفلت میں ہو۔

★ حضرت یعقوبؑ نے بھیڑیے کے کھانے کا ذکر اس لیے کیا کہ اُس سرزمین پر بھیڑیے بہت تھے۔

★.... (تفسیر صافی ص۲۴۴، تفسیر جلالین، تفسیر تبیان)

★ سوال یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ کیوں کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یوسفؑ کو بھیڑیا نہ کھاجائے۔

بعضوں نے کہا کہ (۱) یہ حضرت یعقوبؑ کا کشف تھا کہ جسے "دل کو خبر ہوجانا" کہتے ہیں

★... (ماجدی)

★ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: کیونکہ برادرانِ یوسفؑ آئندہ بھیڑیے کے کھانے کا بہانہ کرنے والے تھے اس لیے حضرت یعقوبؑ کو خوف آیا۔"

★... (موضح القرآن)

★ (۲) مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے پیش بندی کے طور پر ایسا فرمایا ہو تاکہ اتمامِ حجت ہوجائے اور برادرانِ یوسفؑ اس قسم کا کوئی جھوٹا بہانہ نہ بنا سکیں۔ مگر اُنھوں نے اس کے باوجود یہی بہانہ بنایا۔ حالانکہ پہلے یہ بھی کہہ چکے تھے کہ ہم تو پورا ایک جتھہ ہیں ہماری اتنی تعداد ہے۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسفؑ کو بھیڑیا کھائے جائے۔ پھر بھی اُنھوں نے ایسی ہی بات تراشی جسے وہ خود ناممکن کہہ چکے تھے۔ ★.... (فصل الخطاب)

★ فطری اثرات نبیؑ و امامؑ سب پر مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء اور اولیاء فرشتے یا جن نہیں ہوتے بلکہ انسانِ کامل ہوتے ہیں اس لیے انسان کی فطری خصوصیات سے مبرّا نہیں ہوتے۔ یہ اُن کا نقص نہیں بلکہ اصلِ کمال ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی طرح غم سے متاثر ہوتے ہیں مگر صبر فرماتے ہیں۔ ★.... (مؤلف)

قَالُوْا لَئِنْ اَکَلَهُ الذِّئْبُ (۱۴) وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ انھوں نے جواب دیا: "اگر ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا اُسے کھالے، جبکہ ہم ایک مضبوط جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں، تب تو ہم بڑے ہی نکمے، بڑا نقصان اُٹھانے والے ثابت ہوں گے۔"

مشیّتِ خداوندی میں چون وچرا کا گذر نہیں ہوتا

"اسرائیلیات" کی روایات میں آتا ہے کہ برادرانِ یوسفؑ بڑے تنومند، قوی ہیکل لمبے چوڑے مرد تھے۔ اسی لیے اُن کو اپنی تعداد اور طاقت دونوں پر ناز تھا۔

*۔۔۔۔ (اسرائیلیات)

یہاں پر مفسرین نے ایک سوال اُٹھایا ہے کہ جب انبیاءِ کرامؑ اور خاصکر حضرت یعقوبؑ خواب کی تعبیر بتانے کے بعد جانتے تھے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی حضرت یوسفؑ کو نقصان پہنچائیں گے تو پھر کیوں حضرت یوسفؑ کو اُن کے ساتھ جانے دیا؟

اِس کا جواب یہ دیا گیا کہ: انبیاءِ کرامؑ مشیّتِ الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کردیتے ہیں۔

*۔۔۔۔ (تفسیر روح البیان)

اسی طرح حضورِ اکرمؐ کو جبریلؑ نے بتایا تھا کہ "اِنَّ اللّٰهَ شَآءَ اَنْ یَّرَاهُ قَتِیْلًا بِالْعِرَاقِ" یعنی: "اللہ یہ چاہتا کہ حسینؑ کو عراق میں قتل ہوتا ہوا دیکھے۔"

یہ سُن کر بھی حضورِ اکرمؐ نے خدا سے اپنے نواسے کو بچانے کی درخواست نہیں کی۔

اِس لیے کہ جبریلؑ نے بتادیا تھا کہ یہی خدا کی مشیّت ہے۔ اِسی وجہ سے آپؐ نے اور آپؐ کی والدہ ماجدہؑ اور حضرت علیؑ نے صبر فرمایا اور خدا کی مشیّت کے سامنے سرِتسلیم خم کردیا۔ یہی کمالِ بندگی واطاعت ہے۔

*۔۔۔۔ (مؤلف)

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْآ اَنْ (۱۵) غرض جب وہ یوسفؑ کو لے گئے
يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ انھیں
اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ اندھیرے کنویں میں ڈال دیں، تو ہم نے
بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یوسفؑ پر وحی کی کہ " ایک وقت ایسا
يَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۵ آئے گا جب تم ان لوگوں کو ان کی اس
حرکت کو جتاؤ گے۔ مگر اس وقت یہ لوگ (اپنی حرکتوں کے نتائج کا) شعور نہیں رکھتے۔

حضرت یعقوبؑ کا کشف اور حضرت یوسفؑ سے محبت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ:

"جب حضرت یوسفؑ کے بھائی انھیں گھر سے لے کر چلے تو حضرت یعقوبؑ ان کے پیچھے پیچھے تیز تیز آئے، اور حضرت یوسفؑ کو ان سے لے کر گلے لگا لیا، اور خوب پیار کیا۔ پھر بھائیوں کو دے دیا۔ جیسے ہی حضرت یعقوبؑ پلٹے، حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کو لیکر خوب زور سے بھاگنے لگے کہ کہیں حضرت یعقوبؑ انھیں ان کے ساتھ بھیجنے سے بالکل انکار ہی نہ کر دیں۔"

* ..... (تفسیر صافی صفحہ ۲۲۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

"جُبّ" اُس کنویں کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف کوئی مضبوط منڈیر تعمیر نہ کی گئی ہو۔

* ..... (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینک کر ان کی قمیص پر ایک بکری کا بچہ ذبح کیا۔"

* ..... (تفسیر صافی صفحہ ۲۲۵ بحوالہ تفسیر قمی)

اسی لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ " جب وہ لوگ وہ کُرتا (قمیص)

حضرت یعقوبؑ کے پاس لیکر آئے اور حضرت یعقوبؑ نے وہ کُرتا اچھی طرح دیکھا تو فرمایا: "یا اللہ! وہ بھیڑیا یوسفؑ پر کتنا مہربان تھا کہ اُس نے یوسفؑ کا خون تو پیا مگر کُرتا نہیں پھاڑا!"

* ...... (تفسیر عیاشی و تفسیر قمی)

قرآن اور بائیبل میں فرق

بائیبل اور تلمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو اُن کے بھائیوں نے کنویں میں پھینکا تو وہ بے حد بلبلائے اور چیخ چیخ کر بھائیوں سے فریاد کرتے رہے جبکہ قرآن میں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے جوان کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو آگے بڑھ کر تاریخِ انسانی کی ایک عظیم شخصیت بننے والا ہے۔ جبکہ بائیبل اور تلمود پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحرا کے چند بدو ایک لڑکے کو کنویں میں پھینک رہے ہیں اور وہ لڑکا وہی کچھ کر رہا ہے جو ہر عام سا لڑکا ایسے موقع پر کرتا ہے۔

* ...... (تفہیم القرآن)

حضرت یوسفؑ کو خدا کی تسلی

جب برادرانِ یوسفؑ نے اُن کو کنویں میں پھینکدیا تو خدا نے فرمایا کہ: "ہم نے یوسفؑ کو تسلی دی اور دل میں ڈال دیا کہ گھبرانا نہیں، اس کا انجام تمہارے حق میں اچھا ہوگا، اور تمہارے بھائیوں کو آخر میں ناکامی ہوگی جس کا اُنھیں اِس وقت احساس نہیں ہے۔"

* ...... (تفسیر جلالین)

آخر کار یہی ہوا کہ حضرت یوسفؑ جب حاکمِ مصر ہو گئے اور اُن کے بھائی اُن کے پاس غلّہ (اناج) لینے آئے تو حضرت یوسفؑ نے اُن سے پوچھا کہ تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اور پھر یہ بھی بتلایا کہ میں ہی یوسفؑ ہوں۔

* .... (تفسیر علی بن ابراہیم بقول حضرت امام محمد باقرؑ بروایت ابی الجارود)

* توراۃ میں ہے کہ: "اور یوں ہوا کہ یوسفؑ جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو اُنھوں نے اُس کی قبا کو جو وہ پہنے تھا اُتار کے ننگا کیا اور اُسے کنویں میں ڈالدیا۔ وہ کنواں اندھا تھا۔ اُس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔"

* ...... (پیدائش ۳۷: ۲۳ - ۲۴)

* لیکن اُس اندھیرے کنویں میں خدا کی رحمت نے حضرت یوسفؑ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ خدا نے اُن کو وہاں تسلی دی۔

* ..... (ابن جریر بقول مجاہد)

★ مروی ہے کہ حضرت یوسفؑ کو جب کنویں میں پھینکا گیا تو موذی سانپوں نے اپنے بلوں سے نکلنا بند کردیا کہ کہیں حضرت یوسفؑ کو خوف لاحق نہ ہو۔

موذی سانپوں کو بھی نبیؑ کا ادب ہے مگر وہ تو سانپوں سے بھی بدترین تھے جو امام الانبیاءؐ کے ادب سے محروم رہے۔ (اور اُن سے زیادہ وہ لوگ بدترین تھے جنھوں نے نواسۂ رسولؐ کی کربلا میں بےحرمتی کی)

★....(تفسیر روح البیان)

حضرت یوسفؑ کی دُعا

حضرت یوسفؑ جب کنویں میں تھے تو اُنھوں نے یہ دُعا پڑھی:

"اَللّٰھُمَّ یَا کَاشِفَ کُلِّ کُرْبَةٍ وَّیَا مُجِیْبَ کُلِّ دَعْوَةٍ وَّیَا جَابِرَ کُلِّ کَبِیْرٍ وَّیَا مُتَیَسِّرَ کُلِّ عَسِیْرٍ وَّیَا صَاحِبَ کُلِّ غَرِیْبٍ وَّیَا مُوْنِسَ کُلِّ وَحِیْدٍ وَّاَنْ تَقْذِفَ حُبَّكَ فِیْ قَلْبِیْ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ لِیْ ھَمٌّ وَّلَا اَذْکُرُ غَیْرَكَ وَاَنْ تَحْفَظَنِیْ وَتَرْحَمْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔"

یعنی: "اے ہر درد کو ٹالنے والے! اے ہر دُعا کو قبول کرنے والے! اے جو ہر بڑی سے بڑی طاقت پر غالب! اور اے ہر مشکل کو آسان کرنے والے! اور ہر مسافر کے مددگار! اور ہر اکیلے کے ساتھی! اور یہ کہ تو میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے تاکہ پھر میرے دل میں کسی قسم کا کوئی غم باقی نہ رہے اور میں تیرے سوا کسی کو یاد تک نہ کروں، اور یہ کہ میری حفاظت فرما اور مجھ پر رحم فرما، اے سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے!" ★ (تفسیر روح البیان)

"یہ دعا سُن کر ملائکہ نے خدا سے عرض کی کہ کنویں سے کیسی پیاری آواز آرہی ہے۔ اے اللہ! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا فرما تاکہ ہم کنویں کے قریب جاکر یہ آواز سُنیں۔" (اس سے معلوم ہوا کہ انسان مصائب میں ذکرِ الٰہی اِس طرح کرتا ہے کہ ملائکہ بھی ویسا ذکر نہیں کرسکتے کیونکہ وہ ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہی نہیں ہوتے۔) (نفائس المجالس)

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً (۱۶) يَّبْكُوْنَ ۝ — پھر وہ شام کو اپنے باپ کے پاس روتے پیٹتے ہوئے آئے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ (۱۷) وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ — اور کہنے لگے: "بابا! ہم تو آپس میں دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے کہ اتنی سی دیر میں بھیڑیا آیا اور اُسے کھا گیا۔ اب چاہے ہم سچے بھی ہوں مگر آپ تو ہماری بات کا یقین ہی نہیں کریں گے۔

★ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی شاید جان بوجھ کر اندھیرا ہو جانے کے بعد اپنے باپ کے پاس آئے تاکہ دن کی روشنی میں باپ کو منھ دکھانا نہ پڑے اور رات کی سیاہ چادر بے حیائی اور جھوٹی آہ و بکا کی پردہ پوشی کر سکتی ہے۔

★ ..... (عثمانی)

★ اعمش نے خوب فرمایا کہ: "برادرانِ حضرت یوسفؑ کا رونا پیٹنا سُننے کے بعد اب ہم ہر رونے پیٹنے والے اور آنسو بہانے والے کو حتمی طور پر سچا نہیں سمجھ سکتے۔ جھوٹ موٹ کا رونا بھی ہو سکتا ہے (یعنی "مگرمچھ کے آنسو" مشہور ضرب المثل ہے)

★ ...... (اعمش)

★ یزید جب آلِ رسولؐ کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا اور اُس نے دیکھا کہ اب دمشق والے بغاوت کرنے والے ہیں تو اُس نے بھی برادرانِ حضرت یوسفؑ جیسا جھوٹا رونا رویا اور ابنِ زیاد کو گالیاں دیں۔ (کہ اُس نے یہ سب کچھ کیا ہے میں نے خود کچھ نہیں کیا۔)

★ ...... (جلاء العیون)

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ ۱۸

(۱۸) اور وہ یوسفؑ کے کُرتے پر جھوٹ مُوٹ کا خون بھی لگا لائے۔ اُن کے باپ نے کہا: "بلکہ تم نے خود اپنے لیے ایک بات بنائی ہے۔ خیر میں اچھا صبر کرتا ہوں اور یہی اچھی بات بھی ہے۔ اور اب جو بات تم بنا رہے ہو اُس پر تو بس اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۹

(۱۹) اُدھر ایک قافلہ آیا تو اُن لوگوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا۔ جب اُس نے (کنویں میں) اپنا ڈول ڈالا تو بولا: "خوشخبری ہو، مبارک ہو، یہ تو ایک لڑکا ہے۔" اُن لوگوں نے اُسے قیمتی مالِ تجارت سمجھ کر چھپا لیا۔ حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے اُسے خدا خوب جان رہا تھا۔

(آیت ۱۸) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "صَبْرٌ جَمِیْلٌ" (اچھے صبر) سے مراد وہ صبر ہے جس میں مصیبت برداشت کرتے ہوئے لوگوں سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ کی جائے۔"

★ . . . . (تفسیر صافی صفحہ ۲۴۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرتِ یعقوبؑ کا گریہ و غم کرنا

بائیبل اور تلمود کا بیان یہ ہے کہ جب یوسفؑ نہ آیا

تب یعقوبؑ نے اپنا پیراہن چاک کیا، اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کیلئے ماتم کرتا رہا..... یعقوبؑ بیٹے کی قمیص پہچانتے ہی اوندھے منھ زمین پر گر پڑا اور دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اُٹھ کر بڑے زور سے چیخا کہ ہاں یہ میرے بیٹے ہی کی قمیص ہے... وہ سالہا سال تک یوسفؑ کا ماتم کرتا رہا۔"

بے صبری کے معنی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: بے صبری یہ ہے کہ (۱) انسان خدا پر جملے فقرے کسنے لگے۔ (۲) لوگوں سے اپنے غم کی شکایتیں کرتا پھرے۔ (۳) اور یہ سمجھے اور کہے کہ جیسی مصیبت مجھ پر پڑی ہے، کسی پر نہیں پڑی۔

صبرِ جمیل کے حصول کا طریقہ

(۱) محققین نے "صبرِ جمیل" سے نتیجہ نکالا کہ: اگر بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی دل و دماغ میں یہ بات تازہ رہے کہ خدا کی طرف سے جو مصیبت آتی ہے وہ ہمارے حق میں کسی نہ کسی فائدے کو لیکر آتی ہے، کیونکہ خدا حکیم بھی ہے اور رحیم بھی۔ تو انتہائی رنج طبعی کے عالم میں بھی تسکینِ عقلی ضرور شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اِسی کا نام صبرِ جمیل ہے۔ *.... (بیضاوی۔ روح)

(۲) صبرِ جمیل کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے قلب کو خدا کی طرف متوجّہ کرے۔ اُس کا ذکر و فکر کرے۔ یہ سمجھے کہ اُس کے پاس سب کو جانا ہے۔ اِس لیے کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ قلب کو زندہ رکھا جائے اور قلب کی زندگی خدا کی یاد پر منحصر ہے۔

(۳) شیخ اکبر عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے فرمایا کہ: "انسان پر تعجب ہے کہ بڑے بڑے جنگلوں اور سخت قسم کے راستوں سے گذر کر اپنے گھر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر آخر وہ یہ کیوں نہیں کرتا کہ خواہشاتِ نفسانی کو برائی سے روک کر اللہ سے قلبی تعلق پیدا کرے اور اس طرح اللہ سے وصال کرے۔ اِس لیے کہ دل ہی اللہ کے وصال کا مرکز ہے۔ (۴) شیخ اکبر نے یہ بھی فرمایا کہ جب خدا کسی بندے پر اپنے امر سے

کوئی مصیبت کا حکم جاری فرماتا ہے تو اوّل تو اپنے پیارے بندوں کا امتحان لیتا ہے' اور اس طرح انہیں کئی گنا درجاتِ بلند سے نوازتا ہے۔

* ..... (تفسیر روح البیان)

صابرین کا اجر و ثواب

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے صابرین کے لیے تین وعدے فرمائے ہیں:۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (۱) یعنی اُن پر خدا کی طرف سے خاص الخاص دُرود و سلام نازل ہوتے ہیں۔ (۲) وَرَحْمَةٌ اور اُن پر خدا کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ (۳) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

پھر حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ: "یہ تینوں نعمتیں اتنی عظیم ہیں کہ اگر اِن میں سے ایک بھی عرش کے ملائکہ کو مل جائے تو وہ مطمئن ہو جائیں۔"

* .... (الحدیث از تفسیر نور الثقلین)

خدا نے قرآن میں ہر عمل کا اجر بیان کیا ہے لیکن صبر کرنے والوں کے لیے فرمایا ہے کہ: "اللہ اُن کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔" اور فرمایا کہ: "بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

* حدیثِ قدسی میں ہے کہ: خدا فرماتا ہے "اے ابنِ آدمؑ! تیرا بھی ارادہ ہے اور میرا بھی ارادہ ہے۔ لیکن ہوگا وہی جو میرا ارادہ ہے۔ اگر تو سرِ تسلیم خم کرے گا تو پھر تُو جو چاہے گا میں تجھے وہی عطا کروں گا' اور اگر تُو میرے ساتھ جھگڑا کرے گا تو پھر تجھے اور مشقت میں ڈال دوں گا پھر بھی وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

* ..... (تفسیر روح البیان)

* حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ: "مومن پر چالیس روز نہیں گذرتے کہ کوئی نہ کوئی بلا اُس کو ضرور ستاتی ہے بلکہ وہ مومن ہی نہیں جو کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوا ہو۔"

* ..... (روح الحیات۔ ترجمہ عین الحیات)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝۲۰

(۲۰) پھر برادرانِ یوسفؑ نے اُنھیں تھوڑی سی قیمت کے چاندی کے سکّوں کے عوض بیچ ڈالا (کیونکہ) وہ یوسفؑ کے بارے میں بے پرواہ تھے۔

حضرت یوسفؑ کی ناقدری

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اُن کو صرف بیس[۲۰] درہموں پر بیچا تھا۔"

★ ...... (تفسیر صافی ص۲۲۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "جب صبح ہوئی تو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ چلو یوسفؑ کا حال معلوم کریں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا؟ جب اُس کنویں پر پہنچے تو وہاں ایک قافلے کو دیکھا۔ جب قافلے کے سقّے نے کنویں میں ڈول ڈالا اور کھینچا تو اُس کے ساتھ حضرت یوسفؑ نکلے۔ اُس نے خوش ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ تو ایک لڑکا ہے۔ ابھی لڑکے کو نکالا ہی تھا کہ برادرانِ یوسفؑ آپہنچے اور کہنے لگے "یہ تو ہمارا غلام ہے، یہ کل بھاگا تھا اور (شاید) اِس کنویں میں گر گیا تھا۔ آج ہم اسے لینے آئے ہیں"۔ اِس طرح اُنھوں نے حضرت یوسفؑ کو اُن سے چھین لیا۔ اور علٰحدہ لیجا کر اُن سے کہا کہ تم ہماری غلامی کا اقرار کرو، ورنہ ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: "تم مجھے قتل نہ کرو اور جو چاہے کرو"۔ اِس پر وہ اُن کو قافلے والوں کے پاس لائے اور کہا: ہم اِسے بیچتے ہیں، جس کا جی چاہے خرید لے۔ ایک شخص نے اُنھیں بیس[۲۰] درہم دے کر خرید لیا۔"

(علل الشرائع ۔ تفسیر عیاشی)

★ اِس لیے: "بِثَمَنٍ بَخْسٍ" گنتی کے چند درہموں سے مراد بیس[۲۰] درہم ہوئے۔

★ ...... (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ ص۲۲)

★ حضرت یوسف ؑ کو اُن کے بھائیوں نے بیچا تھا۔

★ ..... (تفسیر تبیان)

★ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: " بھائی وہاں گئے، پھر دعویٰ کیا (کہ یہ ہمارا غلام ہے)، جب ثابت ہوا تو اٹھارہ درہم کو بیچ ڈالا۔ پھر آگے قافلے والوں نے مصر میں جاکر بیچا۔"

★ ..... (موضح القرآن)

★ تفسیر جلالین میں ہے کہ: " یوسف ؑ کے بھائیوں کو قافلے کے آنے کا حال معلوم ہوگیا تو وہ قافلے والوں کے پاس آئے ...... اور کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے۔ یوسف ؑ خاموش رہے، اِس ڈر سے کہ وہ اُنھیں قتل نہ کر ڈالیں۔ اِس طرح یوسف ؑ کے بھائیوں نے یوسف ؑ کو حصولِ مال کا ذریعہ بنایا۔

★ ..... (تفسیر جلالین۔ تفسیر تبیان)

★ اِسی لیے خدا نے یوسف ؑ کے بھائیوں کے بارے میں فرمایا کہ: " وہ یوسف ؑ کی ناقدری کرنے والے تھے۔"

★ ..... (تفسیر جلالین)

نتیجہ ــ تقیّہ کا جواز

علما نے لکھا کہ " جب برادرانِ یوسف ؑ نے حضرت یوسف ؑ کو اپنا غلام بتایا تو حضرت یوسف ؑ خاموش رہے، حالانکہ ایک آزاد آدمی کو غلام بنانا شریعت میں جائز نہیں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ خوفِ ضرر سے امرِ منکر سے انکار نہ کرنا، اور اُس پر سکوت اختیار کرنا منافیِ کمال نہیں۔

★ ..... (ماجدی)

★ اِسی کو تقیّہ کہتے ہیں۔

★ کیونکہ یوسف ؑ کے بھائیوں کو تجارت کرنا تو مقصود نہ تھا اِس لیے تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا۔ کیونکہ اُن کا اصل مقصد تو حضرت یوسف ؑ کو حضرت یعقوب ؑ سے دور کرنا تھا، یا حضرت یوسف ؑ سے اپنی جان چھڑانا تھا۔ اب جو دام بھی مل جائیں وہ لے لیے۔

★ ... (مؤلف)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ٢١

(٢١) مصر کے جس آدمی نے اُنھیں (یوسفؑ کو) خریدا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا: "اس کو اچھی طرح عزت کے ساتھ رکھنا، ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے۔ یا پھر ہم اُسے اپنا بیٹا بنالیں"۔ اور اِس طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے اقتدار ملنے کا سامان کیا، تاکہ اُسے معاملات کی حقیقت کو سمجھنے اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کریں۔ اللہ تو اپنا کام کر کے ہی رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

حضرت یوسفؑ کا بِکنا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت یعقوبؑ کے گھر سے مصر کا ١٢ یا ١٨ دن کا راستہ تھا، لیکن حضرت یعقوبؑ کو جب حضرت یوسفؑ نے بلایا تو حضرت یعقوبؑ نے یہ مسافت صرف نو ۹ دن میں طے فرمائی۔

* . . . . . (علل الشرائع)

مصر پہنچتے ہی حضرت یوسفؑ کے حُسن کا چرچا ہوگیا۔ بازار میں خریداروں کا ہجوم تھا لوگ حضرت یوسفؑ کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت لگانے لگے۔ قیمت بڑھتے بڑھتے طے پایا کہ حضرت یوسفؑ کی قیمت اُن کے وزن کی برابر سونا اور مُسک ہوگا۔ عزیزِ مصر کے ہاتھ میں کیونکہ شاہی خزانے کی چابیاں تھیں پس اُس نے حضرت یوسفؑ کو

خرید لیا۔ اور اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا کہ اِس کے طعام و قیام کا خاص خیال رکھنا، شاید وہ حضرت یوسفؑ کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اُلٹی اُسی کی بیوی حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کے حُسن کا یہ عالم تھا کہ جو آپؑ کو ایک دفعہ دیکھ لیتا تھا، اُس کے دل میں آپؑ کی محبت گھر کر لیتی تھی۔

٭.... (تفسیر انوار النجف)

تربیتِ حضرت یوسفؑ کا بندوبست

حضرت یوسفؑ کی تربیت صحرا کے نیم خانہ بدوش اور گلّے بانی کے ماحول میں ہوئی تھی، جہاں آزاد قبائل رہتے تھے۔ اُن کی تربیت میں بدویانہ زندگی کے محاسن اور خاندانِ ابراہیمی کی خدا پرستی اور زمینداری تو تھی، مگر متمدن ترقی یافتہ مصری معاشرے سے واقفیت اور تجربہ نہ تھا۔ اِس لیے شاید خدا نے یہ انتظام فرمایا کہ سلطنتِ مصر کے ایک بہت بڑے عہدیدار کے ہاں پہنچا دیا، جس نے اُن کو اپنی پوری جاگیر کا مختارِ کل بنا دیا۔ اِس طرح اُن میں وہ تمام صلاحیتیں، قابلیتیں اور تجربہ پیدا ہو گیا جو ایک بڑی سلطنت کے نظم و نسق چلانے کے لیے ضروری ہوتا۔

٭..... (تفہیم القرآن)

(لیکن خدا کا نبیؑ وقت اور ماحول کے لحاظ سے اللہ کی طرف سے عالم، ہدایت یافتہ، ہادی اور تربیت یافتہ نیز محاسن کمال کا حامل ہوتا ہے اُس کو کسی مدرسے یا تربیت گاہ و تجربہ گاہ میں سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔)

خدا کی برکتوں کا نزول

توراۃ میں ہے کہ "اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اُس (عزیزِ مصر) نے یوسفؑ کو اپنی سب چیزوں پر مختار کیا تو خداوند نے اُس مصری کے گھر میں یوسفؑ کے سبب سے برکت بخشی اور اُس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی (اِس لیے) اُس نے اپنا سب کچھ یوسفؑ کے قبضے میں کر دیا۔ اور اُس نے روٹی کے سوا جسے وہ کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا۔ اور یوسفؑ خوبصورت اور نوجوان تھا۔

٭..... (پیدائش ۳۹: ۳-۶)

٭ معلوم ہوا کہ خدا کے نیک بندوں کا گھر میں آنا یا رہنا باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کی آمد عزیزِ مصر کے گھر

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ (٢٢) حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ٢٢

اور جب یوسفؑ پورے طور پر جوان ہو گئے تو ہم نے اُنھیں حکمت (یعنی: گہری مصلحتوں کی بنیاد پر قوّتِ فیصلہ) اور (ابدی حقیقتوں کا خاص) علم عطا کیا۔ اِس طرح ہم اچھے کام کرنے والے لوگوں کو جزا دیتے ہیں۔

حکمت اور علم کا اصل مطلب

قرآن کی زبان میں "حُكْمًا وَّعِلْمًا" یعنی: "حکمت اور خاص علم" سے مراد نبوّت کا عطا کرنا ہوتا ہے۔ لُغت کے اعتبار سے "حکم" کے معنی قوّتِ فیصلہ اور اقتدار بھی ہوتا ہے۔ اِس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ خدا نے اُس شخص کو انسانی زندگی کے سارے معاملات سلجھانے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ اور "علم" سے مراد خاص علمِ حقیقت ہے، جو انبیاءؑ کو وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

*..... (تفہیم القرآن)

اور قرآن کا لفظ "بَلَغَ اَشُدَّهٗ" یعنی (وہ پورے طور پر جوان ہوگئے۔) یہ عرب کا محاورہ ہے۔ اب یہ کہ پورے طور پر جوان ہونا کس عمر سے شروع ہوتا ہے، اِس میں اختلاف ہے۔ مگر ساری بحثوں کا نتیجہ بہرحال صرف ایک ہی ہے۔ یعنی پورے طور پر جوان ہونا۔

*..... (تفسیر تبیان)

خدا کا فرمانا کہ: "اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا" (ہم نے یوسفؑ کو حکمت اور خاص علم عطا کیا۔") اِس سلسلے میں قشیریؒ نے فرمایا کہ خدا نے حضرت یوسفؑ کو اپنے نفس پر قابو پانے کا علم عطا فرمایا، اِسی لیے وہ زلیخا پر غالب رہے اور قاعدہ یہی ہے کہ جو اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے وہ دوسروں پر حکمرانی کر سکتا ہے۔

*..... (تفسیر روح البیان)

* مفسرین نے لکھا کہ "حُکمًا" سے مراد حکمتِ عملیہ اور "عِلمًا" سے مراد حکمتِ نظریّہ ہے۔

* ..... (تفسیر روح البیان)

عِلم کی فضیلت

حضرت آدم علیہ السّلام مسجودِ ملائکہ اِس لیے ہوئے کہ اُنھیں اسماء کے علم سے نوازا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو ملک اُن کے علم کی وجہ سے ملا کہ وہ پرندوں کی بات سمجھ سکتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کو علمِ تعبیر کی وجہ سے عزّت اور حکومت ملی۔ جب اِن ادنیٰ علوم کے اتنے فائدے ہیں تو جو شخص علمِ توحید رکھتا ہوگا جو خدا کی معرفت رکھتا ہوگا جو سب سے اعلیٰ علم ہے تو اُس کو جہنّم سے نجات اور جنّت میں دخول اور رضائے الٰہی کیوں نہ ملے گی۔

* .... (تفسیر روح البیان)

علم عطا کرنے کے بعد آخر میں خدا کا فرمانا: " کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ "

" اِس طرح ہم اچھے کام کرنے والے لوگوں کو جزا دیتے ہیں" یہ بتاتا ہے کہ: اچھے کام علم ہی کے نتیجے میں انجام پاتے ہیں۔ قرآن میں خدا نے فرمایا: " اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا "

یعنی: ...... (جو علماء ہیں وہی خدا سے ڈرتے ہیں۔) (قرآن)

* ..... (مؤلف)

تفسیرِ عارفانہ

خدا کا فرمانا: " وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ " یعنی: (جب یوسفؑ پوری طرح جوان ہوگئے) یعنی جب قلبِ یوسفؑ فیضِ الوہیّت کے قبول کرنے کی استعداد حاصل کر سکا " اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا " ہم نے اُن پر حکمت اور علم کے ڈول بھر بھر کے اُنڈیلے

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ (اِس طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)

یعنی: جو لوگ شریعت اور طریقت کے مطابق عمل کرتے ہیں ہم اُن کو مقامِ حقیقت و معرفت تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔

* ...... (روح البیان)

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (۲۳) عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ ۲۳

اور جس عورت کے گھر میں یوسفؑ تھے وہ اُن پر ڈورے ڈالنے لگی اور اُس نے تو دروازوں تک کو بند کر دیا، اور کہا: "لو آؤ جلدی کرو"۔ یوسفؑ نے کہا: "اللہ کی پناہ" میرے مالک نے تو مجھے اچھی طرح اپنے مکان میں رکھا، (اور میں اب یہ کام کروں) یقیناً ایسے ظالم لوگ کبھی حقیقی کامیابی یا بہتری نہیں پاسکتے۔

کمالِ یوسفیؑ

حضرت یوسفؑ، زلیخا کے گھر میں بظاہر اُس کے زیرِ فرمان تھے، پھر دونوں کی جوانی زور شور پر تھی۔ زلیخا کا حُسن و جمال اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور اُس کا شوہر بھی نامرد تھا، اِس لیے اُس کی جنسی خواہشات ہیجانی حد تک پہنچ چکی تھیں۔ پھر دونوں گھر میں اکیلے تھے۔ پھر زلیخا نے صرف اشارے کنائے پر اکتفا نہ کی تھی بلکہ واضح طور پر، عوتِ گناہ دی تھی۔ مگر قربان جائیے حضرت یوسفؑ کی عفّت، عصمت اور کمالِ پاکیزگی پر، کہ اُن کی عصمت پر ذرا حرف نہ آسکا، ارادہ تو کجا گناہ کا تصوّر بھی نہ فرمایا۔ ٭ ..... (روح البیان)

حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا مکالمہ

زلیخا : یوسفؑ! تیری آنکھیں کیسی دلربا ہیں ؟

حضرت یوسفؑ : یہ آنکھیں قبر میں مٹّی میں مٹّی ہو جائیں گی۔

زلیخا : یوسفؑ! تمھارا چہرہ کتنا حسین و جمیل ہے ؟

حضرت یوسفؑ : یہ بھی مٹّی کی خوراک ہے۔

زلیخا : ریشمی بستر بچھا ہوا ہے، چلیے کام کیجیے۔

حضرت یوسفؑ : اگر میں یہ کام کروں گا تو بہشت (جو خدا کی خوشنودی کی جگہ ہے اُس) سے محروم رہوں گا.

زلیخا : تیرے عشق میں پگھلتی جارہی ہوں، مجھے ذرا دیکھ تو لے تاکہ تجھے میرے حُسن وجمال کی قیمت معلوم ہو جائے۔

حضرت یوسفؑ : تیرے حُسن وجمال کو دیکھنے کا حقدار صرف تیرا شوہر ہے۔ مجھے تو تیری طرف دیکھنا بھی فعلِ حرام ہے۔

زلیخا : میرے پاس آجا۔

حضرت یوسفؑ : معاذاللہ۔ اللہ بچائے۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں، میرے سردار نے مجھے خریدا۔ میری اچھی پرورش کی۔ میرے ساتھ نیک سلوک کیا۔ مروّت کے خلاف ہے کہ میں اُس کے ساتھ خیانت کروں ایسے ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

(تفسیر روح البیان) ....*

حضرت یوسفؑ نے "رب" کس کو کہا ؟

عام مفسّرین اور مترجمین نے یہ سمجھا ہے کہ :

حضرت یوسفؑ نے اپنا مالک اُس شخص کو کہا جس کے وہ ملازم تھے۔ لیکن حقیقتاً انھوں نے یہ لفظ خداوندِ عالم کے لیے استعمال کیا تھا۔ کیونکہ اُس شخص کو "رب" کہنا حضرت یوسفؑ کی شان کے خلاف تھا۔ کیونکہ اگر انھوں نے مالک کا لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کیا تھا جس کے وہ ملازم تھے تو جملے کا مطلب ہوا کہ حضرت یوسفؑ گناہ سے رُکنے کے لیے اللہ کے بجائے ایک بندے کا لحاظ کررہے تھے۔ قرآن میں اِس قسم کی کوئی اور مثال موجود نہیں کہ کسی نبیؑ نے خدا کے سوا کسی کو اپنا "رب" (مالک) کہا ہو۔ جبکہ اگلی آیات سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ بندوں کو اپنا رب (مالک) بنانے کے سخت خلاف تھے۔ پھر آیت کے الفاظ میں واضح طور پر یہ گنجائش موجود ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خدا کو اپنا رب اور مالک کہا ہو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسے معنی اختیار کریں جو نبیؑ کی شان کے خلاف ہوں ؟

(تفہیم القرآن) ....*

★ لیکن کیا کیا جائے کہ زیادہ تر مفسرین کے اقوال یہی ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کے شوہر ہی کو اپنا مالک (رب) کہا۔

★ ۔۔۔۔ (تفسیر جلالین)

★ اِس کا جواز یہ بیان کیا کہ جو لفظ عام لوگ بولتے ہیں وہی لفظ بولا۔ اِس سے حقیقت کا کوئی تعلق نہیں۔

★ ۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

★ زلیخا کا شوہر یوسفؑ پر ڈورے ڈالنے کا مطلب و مراد یہ ہے کہ زلیخا نے اُنھیں اُس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

★ ۔۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

★ توریت میں ہے کہ: "اور اِس کے بعد یوں ہوا کہ اُس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسفؑ پر لگی اور بولی کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔"

★ ۔۔۔۔ (پیدائش ۳۹ : ۷)

★ " اور وہ ہر چند یوسفؑ کو روز روز کہتی رہی، پر یوسفؑ نے ایک نہ سُنی کہ اُس کے ساتھ سووے یا اُس کے ساتھ رہے۔"

★ ۔۔۔۔ (پیدائش ۳۹ : ۱۰)

دعوتِ گناہ پر حضرت یوسفؑ کا پہلا دفاع

زلیخا کی دعوتِ گناہ پر سب سے پہلے

حضرت یوسفؑ نے خدا کی پناہ مانگی ، حرامکاری کی فرمائش پر پہلا اور اصلی جواب یہی تھا کہ گناہ پر سب سے پہلے خدا سے پناہ مانگی جائے ، وہ بھی ایسا حسین ، دلکش اور پُر لطف گناہ ! خدا کی پناہ نہ مانگتے تو اور کیا کرتے؟

علماء نے نتیجہ نکالا کہ گناہ کی دعوت یا قدرت پر خدا سے پناہ طلب کرنی چاہیئے کہ اُس کی توفیقات اور امداد کے بغیر دلکش گناہوں سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

★ ۔۔۔۔۔ (روح المعانی)

★ "رَبِّیْ" سے مراد مُربّی ہے ۔ رب یہاں خالق اور پروردگار کے معنی میں نہیں ہے۔ دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی میں ہے۔ ★ ۔۔۔ (امام راغب ۔ ابو البقاء)

★ مرشد تھانوی نے نتیجہ نکالا کہ محسن اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو، جب بھی اُس کا لحاظ کرنا چاہیئے اہلِ طریقت اِس بات میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں
..... ★ (مرشد تھانوی)

حرامکاری سے رُکنے کا دوسرا طریقہ

حضرت یوسفؑ کا دوسرا جواب تھا۔ پہلے خدا سے پناہ مانگی، پھر فرمایا کہ حرامکاری اور زناکاری تو بجائے خود عظیم گناہ ہے۔ پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے آقا کی بیوی کے ساتھ۔ بہت سی جاہلی مذہبوں اور تہذیبوں میں زناکاری بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ البتہ شوہر دار عورت سے زناکاری خیانت سمجھی جاتی ہے۔ جیسے آج کی مغربی تہذیب میں بھی free sex کا یہی قانون ہے۔ عجب نہیں کہ یہ مغربی تہذیب کا free sex کا قانون مصری تہذیب کا ورثہ ہو۔

حضرت یوسفؑ نے یہ جملہ زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگانے کے لیے فرمایا تھا ★ (ماجدی)

★ حضرت یوسفؑ کا مطالبہ یہ تھا کہ ایسے محسن کے ساتھ یہ خیانت کہ اُس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کروں، یہ تو کفرانِ نعمت کی حد ہو گئی۔ اُس نے مجھے اتنی اچھی طرح رکھا، پالا پوسا، پھر وہ میرا مربّی ہے۔ اس لیے میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا۔
..... ★ (ماجدی)

توریت میں ہے: "لیکن اُس نے (یوسفؑ نے) نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا.... دیکھ اُس نے سب کچھ اپنا، میرے ہاتھ میں کر دیا۔ اُس کے گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں۔ اور اُس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی۔ اور یہ اِس لیے ہے کہ تو اُس کی جورو ہے۔ پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گناہگار بنوں۔" ★..... (پیدائش ۳۹ : ۹)

★ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "جنّت ناپسندیدہ چیزوں (پر صبر کرنے) سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اور جہنّم دلکش خواہشات کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔" (الحدیث)
..... ★ (تفسیر روح البیان)

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا (٢٤) لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۲۴

(غرض) وہ عورت یوسفؑ کی طرف بڑھی۔ یوسفؑ بھی اُس کی طرف بڑھتے اگر وہ اپنے پالنے والے مالک کی طرف کی واضح دلیل نہ دیکھ لیتے۔ (یعنی اگر وہ خدا کی دی ہوئی بصیرت سے کام نہ لیتے) یہ ایسا اِس لیے ہوا تاکہ ہم اُس سے بُرائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ حقیقتاً یوسفؑ ہمارے خالص (چُنے ہوئے) بندوں میں سے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے کیا ارادہ فرمایا

عباسی خلیفہ مامون الرّشید نے فرزندِ رسولؐ حضرت امام علی الرِّضا علیہ السّلام سے عصمتِ انبیاءؑ کے بارے میں پوچھا اور اِس آیت کی تفسیر چاہی۔

حضرت امام علی الرِّضا علیہ السّلام نے فرمایا: "اگر حضرت یوسفؑ نے اپنے پالنے والے مالک کی "بُرہان" (دلیل) نہ دیکھی ہوتی تو وہ بھی زلیخا کا بُرا ارادہ کرتے جس طرح زلیخا نے کیا تھا۔ لیکن حضرت یوسفؑ معصوم تھے اور معصوم کبھی گناہ نہیں کرتا، اور نہ وہ گناہ کے قریب جاتا ہے۔ مجھ سے میرے والد ماجد (حضرت امام موسیٰ کاظمؑ) نے فرمایا اور اُن سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ: زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے بُرائی کا ارادہ کر لیا، مگر حضرت یوسفؑ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ ایسا کام ہرگز نہ کریں گے۔"

دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ:

"زلیخا نے تو گناہ کا ارادہ کیا لیکن حضرت یوسفؑ نے زلیخا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر زلیخا

اُن کو گناہ کرنے پر مجبور کرتی۔ مگر خدا نے حضرت یوسفؑ سے قتل اور گناہ دونوں پھیر دیئے۔
...... (تفسیر صافی ص ۲۴۶ بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ)

عصمتِ حضرتِ یوسفؑ کی دلیل

صاحبِ تفسیرِ صافی نے حضرتِ یوسفؑ کی عصمت پر ایک مفصّل بیان لکھا ہے جس میں لکھا کہ "حضرت یوسفؑ کے واقعے سے جس جس کا تعلق تھا سب نے بعد میں حضرتِ یوسفؑ کی بے گناہی کی گواہی دی۔ مثلاً حضرت زلیخا، شوہرِ زلیخا، مصر کی عورتیں، وہ گواہ جنھوں نے گواہی دی، اللہ تعالیٰ اور ابلیس، اِن سب نے حضرتِ یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ ....(تفسیرِ صافی)۔

انبیاءِ کرام کی عصمت کی نوعیت

خدا کا فرمانا کہ: "یوسفؑ بھی زلیخا کی طرف بڑھتے اگر وہ اپنے مالک کی طرف سے "برہان" واضح دلیل نہ دیکھ لیتے" تو "رب" کے بُرہان سے مراد خدا کی سجھائی ہوئی دلیل ہے جس کی بنا پر حضرت یوسفؑ نے اپنے جذبات پر قابو پایا۔

حضرتِ یوسفؑ نے زلیخا کے دعوتِ گناہ پر فرمایا تھا: "اللہ کی پناہ! میرے مالک نے تو مجھے اچھی طرح مکان میں رکھا (اور میں اب اُس کی بیوی سے یہ بُرا کام کروں) یقیناً ایسے ظالم لوگ کبھی حقیقی کامیابی یا بہتری نہیں پاتے"۔ یہی وہ برہان (پہلی واضح دلیل) تھی جسنے حضرت کو ایسے نازک موقع پر عین جوانی کے عالم میں گناہ سے روک دیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انبیاءِ کرامؑ کی عصمت جبری یا قہری نہیں ہوتی بلکہ عقلی اور اختیاری ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا نے فرمایا کہ: "یوسفؑ بھی اُس کی طرف بڑھتے اگر وہ اپنے مالک کی طرف سے واضح دلیل نہ دیکھ لیتے۔" اِس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاءِ کرامؑ کی عصمت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے، یا اُن میں گناہ کی خواہش ہی سرے سے موجود نہیں ہوتی یا وہ گناہ کا تصوّر ہی نہیں کرسکتے۔ انبیاءؑ بھی تمام انسانی جذبات، احساسات اور خواہشات کی شدّت اپنے اندر پوری طرح محسوس کرتے ہیں مگر اِس کے باوجود وہ اپنے اندر خدا کی توفیقات تعلیمات اور امداد سے اپنے اندر وہ ملکہ پیدا کرلیتے ہیں کہ سب کچھ ہوتے ہوئے وہ گناہ کا قصد تک نہیں کرتے۔

کیونکہ وہ اپنے ضمیر اور نفس کے اندر خدا کی ایسی عظیم معرفت رکھتے ہیں کہ خواہشاتِ نفس اُن کو کبھی گنہ پر آمادہ نہیں کرسکتیں۔"

★.... (تفہیم القرآن)

★ ہاں اگر کبھی اُن سے کوئی ایسا عمل ہو جاتا ہے جو اُن کی شایانِ شان نہیں ہوتا جسے ترکِ اَولیٰ کہا جاتا ہے، تو وہ فوراً اپنی اصلاح کر لیتے ہیں، کیونکہ اگر وہ ترکِ اَولیٰ بھی مسلسل کرتے رہیں تو بھی اُس سے پوری اُمّت کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے کیونکہ اگر خدا کا مقرر کیا ہوا ہادی بال برابر بھی سیدھے راستے سے ہٹ جائے، تو دنیا گمراہی میں میلوں دور نکل جائے گی۔

★.... (مؤلّف)

★ اِن تمام باتوں کے باوجود شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا:

"ہر آئینہ قصد کرد آں زن بسوئ یوسفؑ و قصد کرد بسوی وے یوسفؑ"

یعنی: "جب اُس عورت نے یوسفؑ کا بُرا ارادہ کیا تو یوسفؑ نے بھی اُس کا بُرا ارادہ کیا۔"

پھر لکھا: "اگر آں بسوے کہ دیدے یوسفؑ دلیلِ پروردگارِ خود رامی شد آں چہ می شد۔"

یعنی: "اگر ایسا نہ ہوتا کہ دیکھتے یوسفؑ اپنے پروردگار کی دلیل، تو جو ہونا تھا ہو جاتا۔"

★...... (شاہ ولی اللہ)

یعنی (معاذ اللہ) حضرت یوسفؑ نے جس بُرے کام کا ارادہ کیا تھا وہ عملاً ہو جاتا۔

★ اب رہا خدا کا یہ فرمانا کہ: "یوسفؑ بھی اُس کی طرف بڑھتے اگر...." تو حضرت یوسفؑ کا زلیخا کی طرف خیال جانا کوئی عیب نہیں، بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح اور تندرست مرد ہونے کی۔ عورت کا خیال آنا گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کسی گناہ کا خیال آنا گناہ نہیں، ہاں بدکاری گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خیال آنا امرِ طبعی ہے اور غیر اختیاری ہے! البتہ ناجائز جنسی عمل اختیاری چیز ہے اس لیے گناہ ہے۔

★.... (بیضاوی۔ مدارک)

★ زلیخا کا بڑھنا بدکاری کیلئے تھا جبکہ حضرت یوسفؑ کا بڑھنا زلیخا کو بُرائی سے روکنے کی حد تک تھا۔

★.... (مؤلّف)

وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۲۵

(۲۵) اب وہ دونوں ایک دوسرے سے پہلے دروازے کی طرف پہنچنے کے لیے دوڑے اور اُس عورت نے پیچھے سے یوسفؑ کے کُرتے کو لمبان میں (کھینچ کر) پھاڑ دیا۔ اور اُن دونوں نے عورت کے شوہر کو دروازے پر (کھڑا ہوا) پایا۔ (اُسے دیکھتے ہی) وہ عورت کہنے لگی "کیا سزا ہے اُس شخص کی جو آپ کی گھر والی پر بدکاری کا ارادہ کرے؟ سوا اِس کے کہ اُسے قید کیا جائے یا اُسے کوئی اور سخت سزا دی جائے۔"

فعلِ حرام سے گریز

جب زلیخا نہ مانی تو حضرت یوسفؑ دروازے کی طرف لپکے۔ پیچھے پیچھے زلیخا نے دوڑ کر حضرت یوسفؑ کی قمیص پکڑ لی۔ مگر حضرت یوسفؑ دروازے کی طرف دوڑتے رہے۔ پیچھے سے قمیص پھٹ گئی، لیکن کسی نہ کسی طرح حضرت یوسفؑ نے (گناہ سے) جان بچا ہی لی۔

نتیجہ (۱) صوفیاء عارفین نے نتیجہ نکالا کہ جو دنیا کے حرام سے بھاگتا ہے اُس کے لیے نجات کی راہیں غیب سے کُھل جاتی ہیں۔ مولانا رومی نے کہا:

؎ نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید ہمچو یوسفؑ خیرہ مر باید دوید
(مثنوی روم)

یعنی: گناہ سے حضرت یوسفؑ کی طرح پوری طاقت سے بھاگنا چاہیئے۔

نتیجہ (۲) عرفاء نے کہا: "شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے، تاہم نیک باہمت بندے

کبھی اُس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔

*.... (ماجدی)

ماہرینِ نفسیات نے زلیخا کے حضرت یوسفؑ پر تہمت لگانے سے یہ نتیجہ نکالا کہ:

زلیخا کی اُن سے محبت شہوانی اور وقتی محبت تھی، حقیقی اور سچی محبت نہ تھی۔ اِسی لیے اُس نے (اپنی جان بچانے کے لیے حضرت یوسفؑ پر تہمت لگائی اور) اُن کے لیے قیدخانہ تجویز کیا۔ اگر اُس کی محبت سچی ہوتی تو اپنے محبوب کو ہر تکلیف سے بچاتی۔

*.... (تفسیر انوار النجف)

عصمتِ انبیاءؑ پر خدائی اہتمام

نتیجہ (۳): حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر سے کہا کہ جھولے میں جو بچہ ہے وہ بھی میری صداقت کی گواہی دے گا۔ جب عزیزِ مصر بچے کی طرف متوجہ ہوا تو بچہ وہی بولا جو آیت کے الفاظ ہیں۔ یعنی بچے نے گواہی بھی دی اور دلیل بھی۔"

*..... (تفسیر صافی)

حضرت یوسف کی عصمت کا واقعاتی ثبوت

اگر حضرت یوسفؑ نے (معاذاللہ) زلیخا پر دست درازی کی ہوتی اور زلیخا راضی نہ تھی تو وہ حضرت یوسفؑ کے سامنے سے دفاع کرتی۔ اِس طرح حضرت یوسفؑ کی قمیص سامنے سے پھٹتی لیکن قمیص کا پیچھے سے پھٹنا صاف بتاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ تو جان چھڑا کر بھاگے تھے، لیکن زلیخا نے اُن کو پیچھے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا اِسی وجہ سے حضرت یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پھٹی، آگے سے نہیں پھٹی۔

اِس سے ثابت ہو گیا کہ غلطی زلیخا کی تھی اور حضرت یوسفؑ معصوم تھے۔

*.... (تفسیر صافی)

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ۲۶

(۲۶) یوسفؑ نے کہا: "اِسی نے تو مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھے پھانسنے کی کوشش کی۔" پھر اُس کے ہی گھر والوں میں سے ایک (شیرخوار) گواہ نے گواہی دی کہ: "اگر یوسفؑ کا کُرتا آگے سے پھٹا ہو تو وہ عورت سچّی ہے" اور وہ (یوسفؑ) جھوٹوں میں سے ہیں۔"

★ زُلیخا نے جب دیکھا کہ راز فاش ہوا ہی چاہتا ہے تو جھٹ اپنی جھوٹی مظلومیت کی داستان اپنے شوہر کو سُنانے لگی۔ تورات میں ہے: "اُس نے ایسی باتیں اُس سے (اپنے شوہر سے) کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو نے ہم پاس لا رکھا، گھُس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلاّ اُٹھی تو وہ اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا۔"

★ .... (پیدائش ۳۹ : ۱۵ - ۱۸)

★ زُلیخا کے بیان اور فردِ جرم سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس مُلک کے قانون میں اقدامِ زنا کوئی جرم نہ تھا بلکہ ناموسِ شوہری میں خیانت اصل جُرم تھا۔

★ .... (ماجدی)

نتیجہ:

★ حضرت یوسفؑ کے جواب دینے پر مرشد تھانوی نے نتیجہ نکالا کہ "مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفار (چھپانے) میں ضرر کا احتمال ہو مکارمِ اخلاق کے منافی نہیں۔"

★ .... (مرشد تھانوی)

★ بہت سے مفسّرین نے لکھا ہے کہ: "یہ گواہ زُلیخا کا چچا زاد بھائی تھا، جو بہت عقلمند

انسان تھا، بادشاہ اُن سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

* .... (بحر؛ بقول قتادہ، تفسیر کبیر، بقول حسن، ابن جریر، بقول عکرمہ واز ابن عباس، ابن کثیر)

* لیکن اکثر مفسرین نے کہا کہ: "وہ شیر خوار بچہ تھا جو بول اُٹھا۔ اور اُس نے حضرت یوسفؑ کی پاکیزگیٔ کردار کی گواہی دی۔

* .... (تفسیر جلالین، تفسیر علی بن ابراہیم)

اور صاحبِ تفسیر انوار النجف لکھتے ہیں کہ: میں نے کسی موعظہ کی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت یوسفؑ تختِ مصر پر جلوہ گر تھے۔ حضرت جبرئیلؑ پاس موجود تھے۔ ایک پھٹے پرانے لباس میں ملبوس نوجوان گلی میں گذرا۔ جبریل نے بتایا' یہ وہی ہے جس نے گہوارے میں آپ کی عصمت کی گواہی دی تھی۔ پس حضرت یوسفؑ نے اُس کو بُلوایا، اُس کو فاخرہ لباس بھی عطا کیا اور نقدی بھی عطا کی اور معذرت کے ساتھ اُس کو رُخصت کیا۔ تو حضرت جبرئیلؑ مُسکرائے۔ حضرت یوسفؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا: "جس شخص نے بچپنے میں غیر ارادی طور پر آپؑ کی گواہی دی تو آپ مخلوق ہو کر کافی انعام دینے کے بعد بھی معذرت کر رہے ہیں، اگر کوئی شخص اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے اللہ کی کبریائی اور اُس کی توحید کی گواہی دے تو دنیا و محشر میں خدا جس قدر انعام و اکرام سے اُس کو نوازے گا اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

* .... (از تفسیر انوار النجف صفحہ ۹۳)

* لیکن بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ گواہی دینے والا ایک چھوٹا بچہ تھا جو جھولے میں لیٹا ہوا تھا۔ وہ بول اُٹھا۔

* .... (تفہیم القرآن)

* فقہاء نے اِس آیت سے (۱) قیاسِ شرعی (اجتہاد) کے جواز، اور (۲) عرف و عاداتِ قوم سے استدلال کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

* .... (قرطبی - جصاص)

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ ٢٧

(٢٧) اور اگر یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ عورت جھوٹ بول رہی ہے اور یوسفؑ سچوں میں سے ہیں۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ ٢٨

(٢٨) جب شوہر نے یوسفؑ کے کرتے کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہنے لگا "یقیناً یہ تم عورتوں ہی کی چالاکی ہے۔ یقیناً تم عورتوں کی چالاکی بڑے غضب کی ہوتی ہے۔

عورت کا مکر بڑے غضب کا ہوتا ہے

عورت کے اسی کید کو ماہرین عورت کا ایک ایسا حربہ اور ایسی صلاحیت بتاتے ہیں جس کی وجہ سے ہر مرد اس کے دام میں اسیر ہو جاتا ہے۔ قدرت نے عورت کو بلا کی طبعی کشش عطا فرمائی ہے۔ جس کو یہاں عزیز مصر نے عورت کا کید عظیم کہا ہے۔ علماء نے یہاں سوال اٹھایا ہے کہ خدا نے دوسرے مقام پر شیطان کے کید (مکر) کو توضیعف (کمزور) بتایا ہے۔ (اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا) اور یہاں عورتوں کے کید و مکر کو عظیم فرمایا ہے۔ تو کیا عورت کا کید شیطان کے کید و مکر سے بھی عظیم ہے ؟ پھر علماء نے خود ہی اس کا جواب بھی دیا ہے کہ خدا نے شیطان کے کید کو اپنی تدبیر کے مقابلے میں کمزور بتایا ہے اور عورت کے کید کو مردوں کے مقابلے میں عظیم فرمایا ہے۔ ★.... (روح المعانی)

★ قَدَّ کے معنی طول میں پھاڑنا اور قَطَّ کے معنی عرض (چوڑائی) میں پھاڑنا تعبیر کیا جاتا ہے۔ مروی ہے کہ: "كَانَتْ ضَرَبَاتُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ اَبْكَارًا كَانَ اِذَا اعْتَلٰى قَدَّ وَاِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ" یعنی حضرت علیؑ کی ضربیں تو نرالی ہوا کرتی تھیں جب اوپر سے وار کرتے تو سر سے قدموں تک چیر دیتے اور جب جانب سے وار کرتے تو حریف کو چوڑائی میں دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ ★... (تفسیر انوار النجف)

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ (۲۹) اے یوسفؑ! اِس معاملے کو چھوڑ

وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ دو۔ اور اے عورت! تُو اپنے جرم سے

إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۞ توبہ کر حقیقتاً تُو ہی خطا کار تھی۔

قرآن کا پرانی آسمانی کتابوں سے تعلق

"تلمود میں ہے کہ نوطیفار (عزیزِ مصر) نے جب اپنی بیوی سے یہ شکایت سُنی تو اُس نے یوسفؑ کو خوب پٹوایا۔ پھر اُس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ اور عدالت نے یوسفؑ کی قمیص دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ قصور یوسفؑ کا نہیں، زلیخا کا ہے۔

مگر قرآن کی روایت زیادہ معقول ہے۔ اِس لیے کہ: کیا اِتنا بڑا سردار اتنی چھوٹی سی بات خود نہیں سمجھ سکتا تھا؟ اور اپنی بے عزّتی کرانے کے لیے وہ اپنی بیوی کو عدالت میں کیوں لے گیا؟ (علاوہ ازیں حضرت یوسفؑ کو مارنے پیٹنے والا خود مجرم قرار پاتا ہے جبکہ یہ حق عدالت کے حکم کے مطابق سزا دینے والے کو ہے۔ لیکن عدالت نے حضرت یوسفؑ کو مجرم قرار نہیں دیا۔ لہٰذا بے خطا کو پیٹنے والا خود مجرم قرار پاتا ہے۔ اِس لیے تلمود کی یہ روایت بے بنیاد ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں)

★ قرآن اور تلمود کے اِس فرق سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ مغربی مفکرین کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ محمدؐ نے بنی اسرائیل کے قصّے بائبل اور تلمود سے نقل کر لیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ: قرآن نے بائبل اور تمام پچھلی کتابوں کی اصلاح کی ہے اور صحیح سچے واقعات دنیا کو بتاتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

★ غرض اِس آیت میں عزیزِ مصر کا جملہ نقل کیا گیا ہے۔ عزیزِ مصر حضرت یوسفؑ سے نیم معذرت کے انداز میں کہہ رہا ہے کہ: "یوسفؑ! جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب اِس پر خاک ڈالو۔ رات گئی بات گئی"۔ پھر وہ زلیخا سے کہتا ہے کہ اوّل تو تُو نے اتنی بڑی جرأت کی، پھر خواہ مخواہ ایک بے گناہ کو پھنسانا چاہا۔ اب تُو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔

★..... (ماجدی)

وَقَالَ نِسْوَۃٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ (۳۰) (اب کیا تھا) شہر کی عورتیں کہنے لگیں:
امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىھَا "عزیز مصر کی اپنے نوجوان غلام پر اُس
عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا کی مرضی کے خلاف ڈورے ڈال رہی ہے۔
اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ ۳۰ اُس کی محبت نے اُس کے دل پر بہت
ہی گہرا اثر ڈالا ہے۔ ہماری نگاہ میں تو وہ بڑی فاش کھلی ہوئی غلطی کر رہی ہے۔

عشق اور عشق میں بدنامی

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کی محبت نے زلیخا کے دل کا شغاف پھاڑ ڈالا تھا۔ "شغاف" دل کے پردے کو کہتے ہیں۔

* .... (تفسیر صافی صـ ۲۴۷)

★ مصر کی عورتوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ زلیخا ملکہ ہو کر گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی غلام پر۔ وہ بھی اپنے ہم وطن ہم نسب پر نہیں، بلکہ ایک پردیسی کنعانی غلام پر۔ گویا امیر عورتوں نے زلیخا پر طعنے کسنے شروع کر دیے۔ اسی کو عشق کی بدنامی کہتے ہیں۔ قرآن نے "نِسْوَۃٌ" جمع تکسیر لا کر بتا دیا کہ ان عورتوں کی 'جو فقرے کس رہی تھیں' تعداد زیادہ نہ تھی۔ اور دل میں شغف 'دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ * ..... (بحر)

★ مصر کے معاشرے میں اُس وقت امیروں کو اونچی اونچی مسندوں پر بٹھانے کا رواج عام تھا۔ خاصکر مہمانوں کو۔ * .... (ماجدی)

عشق کا استعمال اللہ کیلئے جائز نہیں

عشق، محبت سے خاص ہے۔ اس لیے کہ شدید محبت جو حد سے زیادہ ہو، اُس کو عشق کہتے ہیں۔ اس لیے یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں کہ اللہ کی صفات میں افراط نہیں۔

* .... (تفسیر روح البیان بقول قاشانی)

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ ۳۱

(۳۱) اُس عورت (زلیخا) نے جو اُن عورتوں کی مکّارانہ چال بازی کی باتیں سُنیں، تو اُن عورتوں کو بُلوا بھیجا۔ اور اُن کے لیے تکیہ دار مسند بچھوادی۔ اور اُن میں سے ہر ایک کے آگے ایک چُھری رکھ دی (پھر خاص اُس وقت جب وہ اپنی چُھریوں سے پھل کاٹ رہی تھیں) اُس نے یوسفؑ سے کہا: "اِن کے سامنے سے نِکلو۔" تو جب اُن سب نے یوسفؑ کو دیکھا تو وہ دنگ رہ گئیں، اور اُنھوں نے (پھلوں کے ساتھ) اپنے ہاتھ بھی کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں: سبحان اللہ، یہ آدمی نہیں، یہ نہیں ہے مگر کوئی بزرگ محترم فرشتہ۔

"مَلَكٌ كَرِيْمٌ" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کا حُسن، حُسنِ بشری سے بہت بلند ہے۔ اور اُن کے کمالات انسانی کمالات سے بلند ہیں، اور اُن کی عصمت و پاکدامنی کا کمال فرشتوں کے کمال کی خصوصیت ہے۔

*.... (تفسیر صافی ص۲۴۷)

غرض اُن کی عصمت واقعاً اُس پائے کی تھی کہ بقولِ شاعر:

؎ "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"

حُسنِ یوسفؑ زلیخا کا عورتوں کو بلانے کا مقصد حضرت یوسفؑ کے حُسن و جمال کو دکھانا تھا تاکہ تمام عورتیں قائل ہو جائیں کہ زلیخا مجبوراً یوسفؑ پر عاشق ہو گئی کیونکہ یوسفؑ میں ہی اس قابل کہ اُن سے عشق کیا جائے۔

*.... (تفسیر تبیان)

★ عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ (۱) چُھری کانٹوں کا رواج مصری تمدن میں داخل ہو چکا تھا (۲) دوسرے یہ کہ حضرت یوسفؑ جو حُسن و جمال کا پیکر تھے اور بھرپور نوجوان تھے، ایسی زُہد شکن فضا میں بھی کسی حَسین سے حَسین عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ جبکہ اُس وقت عورتوں کے ہاتھوں میں چُھریاں تھیں اور دَور پھلوں کے کھانے کا چل رہا تھا گپ شپ ہو رہی تھی، یک بہ یک ایک ڈرامائی انداز میں ایک نور پیکر حَسین، بھرپور جوان نظریں نیچی کیے ہوئے داخل ہوا، جس کی آنکھوں پر حیا کے پردے اور چہرے پر عصمت کے سہرے پڑے تھے، تمام عورتیں حُسنِ یوسفؑ کو دیکھنے میں ایسی کھو گئیں کہ اُن کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہی۔ حُسنِ یوسفؑ کے دیکھنے میں ایسی محو ہوئیں کہ ٹکٹکی لگ گئی، پلک تک جھپکانا گوارا نہ رہا۔ ایسے بے خیالی (و محویت) کے عالم میں چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی انگلیوں پر چل گئیں۔

★ .... (ماجدی)

★ حُسن پر مزید حضرت یوسفؑ کا کسی عورت کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا، جاہلیت کے معاشرے میں ایسی پاکدامنی کا تصور بھی ممکن نہ ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ عورتیں دنگ رہ گئیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، بے ساختہ بول اُٹھیں کہ یہ نوجوان انسان نہیں، یہ تو کوئی فرشتہ یا دیوتا ہے۔ یعنی شرافت، عفت اور حُسن کا پتلا ہے۔

★ .... (روح المعانی، تفسیر ماجدی)

★ عربی محاورہ میں انتہائی تعجب کے وقت "حَاشَ لِلّٰہِ" کہتے ہیں، جو مصر کی حَسین عورتیں، حُسنِ یوسفؑ کے ساتھ اُن کی پاکدامنی کو دیکھ کر سخت حیران ہونے پر بول اُٹھتی ہیں۔

★ .... (بحر)

★ تعجب کی انتہا اِس لیے اور بھی ہوئی کہ حُسن کے ساتھ ساتھ پاکدامنی کی بھی انتہا تھی۔ اِس طرح حُسن دوبالا ہو گیا۔ جب حُسنِ ظاہر اور حُسنِ معنوی دونوں یکجا ہو جائیں تو حُسن دوبالا

ہوجاتا ہے، پھر حیرت کے سوا اور کیا رہ جائے گا؟ دوگنے حُسن کی ایک مثال غالب کا یہ شعر ہے

ع ذکر اُس پری وَش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا
.....(غالب) ★

★ قاشانی نے فرمایا کہ چوں کہ حضرت یوسفؑ اچانک عورتوں کے سامنے جلوہ گر ہوئے اس لیے عورتوں کے ہاتھ (چھریوں سے) کٹ گئے کیوں کہ وہ حُسنِ یوسفؑ پر اس قدر حیران ہوئیں کہ مدہوش ہوگئیں۔ ع غابت صفات القاطعات اکفہا
فی شاھد ھو فی البریۃ ابداع

یعنی: ہاتھ کاٹنے والی عورتیں اپنے آپ سے بے خبر ہوگئیں، کیونکہ محبوب نرالی شان سے اچانک ظاہر ہوا۔

مگر زلیخا کیونکہ عشق کی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، اِس لیے وہ اپنے ہوش و ہواش پر قائم رہی کیونکہ معشوق کا تصوّر اُس کے دل پر پہلے ہی قبضہ کرچکا تھا۔

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ جب حُسنِ مجازی کا اثر اس قدر ہوتا ہے کہ دنیا کی مصیبتوں کی خبر نہیں رہتی، تو حُسنِ حقیقی کی محبت میں انسان دنیا کے مصائب کو کہاں سے خاطر میں لاسکتا ہے۔
★...(تفسیر روح البیان، حقائقِ سلمی)

★ یہی سبب تھا کہ جب حضرت علیؑ کے ٹخنے میں تیر پیوست ہوگیا اور جو طبیب اُس کو نکالنا چاہتا تھا تو حضرتؑ تڑپ تڑپ جاتے تھے تب حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو چھوڑ دو، جب وہ نماز پڑھیں تب تیر نکال لینا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حالتِ نماز میں جب تیر نکالا گیا تو آپؑ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ عالمِ نماز میں آپ حسنِ حقیقی کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔
★ (مؤلف)

★ حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں یہ شعر بار بار پڑھا: لَوْ کَانَ دِیْنُ مُحَمَّدٍ لَمْ یَسْتَقِمْ۔ اِلَّا بِقَتْلِیْ یَاسُیُوْفُ خُذِیْنِیْ

یعنی: اگر دینِ محمدؐ میرے قتل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، تو اے تلوارو! مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ۳۲

(۳۲) زلیخا نے کہا: "بس یہی تو ہے جس کے بارے میں تم لوگ مجھے بُرا بھلا کہتی ہو۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خود میں نے ہی اُس پر ڈورے ڈالے تھے۔ مگر اُس نے اپنے کو بچائے ہی رکھا۔ اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو یہ ضرور قید کیا جائے گا اور یہ ضرور ذلیل بھی ہوگا۔"

دلیلِ عصمتِ یوسفؑ اور معیارِ فضیلت

زلیخا کا یہ کہنا کہ: "لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ" (یعنی)، "حالانکہ میں نے خود اُسے اُس کی مرضی کے خلاف خوب خوب پھسلانا چاہا مگر وہ معصوم ثابت ہوا"۔ حقیقت میں زلیخا کا یہ قول حضرت یوسفؑ کی عصمت پر لاجواب مُنہ بولتی گواہی ہے کہ خود زلیخا اعتراف کر رہی ہے کہ یوسفؑ معصوم تھے جبکہ میں اُن کو گناہ کی دعوت دے رہی تھی۔

*.... (تفسیر صافی ص۲۴۸)

* کمال کی انتہا یہ ہے کہ خود دشمن پاکیزگیٔ کردار کی گواہی دے۔ دشمن کی گواہی سب سے بڑی فضیلت ہے۔ حضرت زینبؑ جب اپنے بیٹوں حضرت عونؑ و محمدؑ کو میدانِ جنگ میں بھیج رہی تھیں: بقول میر انیسؒ: ؎

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں (میرانیسؒ)

حضرت علیؑ کی فضیلت میں عمرو بن عاص نے کہا تھا: "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" لیعنی: فضیلت تو وہ ہوتی ہے کہ دشمن بھی اُس کی گواہی دے" اور آلِ محمدؐ کا یہی شرف رہا ہے کہ دشمنوں نے تعریف کی ہے

*.......(مولف)

★ زلیخا کے اِس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس وقت مصر کے اونچے طبقے کی اخلاقی حالت کسقدر گری ہوئی تھی کہ ایک شوہر دار عورت اپنی برابر کی عورتوں کو جمع کر کے اپنے محبوب نوجوان کو پیش کر رہی ہے اور اُس کی خوبصورت جوانی دکھا کر اُنھیں قائل کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے کہ میں ایسے نوجوان پر مر نہ مٹتی تو کیا کرتی ؟ ایسا کہتے ہوئے اُس کو کوئی شرم بھی نہیں آرہی ہے بلکہ فخریہ خوبصورت یوسفؑ کو دکھا کر سب کے سامنے حضرت یوسفؑ کو دھمکی بھی دے رہی ہے کہ اگر تم میری خواہش کا کھلونہ نہ بنے تو میں تمہیں جیل بھجوا دوں گی۔ اِس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آج مغرب کا free sex کا نظام اور مرد عورتوں کی بیحیائی کوئی انسانی ترقی کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ بہت پرانی جاہلیت ہے، دقیانوس سے بھی سیکڑوں سال پہلے مصر میں بھی free sex کا نظام پایا جاتا تھا اور آج جیسی روشن خیالی بھی بڑے عروج پر پائی جاتی تھی۔

★..... (تفہیم القرآن)

★ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے سامنے عورتوں سے کہا: "اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو یہ ضرور قید کیا جائے گا اور یہ ضرور ذلیل بھی ہوگا۔" زلیخا نے بظاہر عورتوں سے خطاب کیا تھا، لیکن حقیقتاً حضرت یوسفؑ کو دھمکی دی تھی تاکہ وہ عورتیں بھی حضرت یوسفؑ کو سمجھاویں کہ وہ زلیخا کی بات مان لیں ورنہ حشر اچھا نہ ہوگا۔

★..... (موضح القرآن)

؎ ہر کہ او در عشقِ صادق آمدہ بر سرش معشوق عاشق آمدہ

یعنی: جو بھی عشق میں سچا ہوتا ہے تو خود معشوق عاشق کے ہاں حاضر ہوتا ہے ★ (فرید الدین عطار)

نتیجہ: محققین نے اِس بات سے کہ جن عورتوں نے زلیخا پر طعنے کسے تھے وہ بالآخر سب کی سب یوسفؑ کی محبت میں گرفتار ہوئیں، نتیجہ نکالا کہ کسی کی مجبوری کو دیکھے بغیر اُس پر طعن کسنے والے خود اُسی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں جس بلا پر دوسروں پر طعنے کستے ہیں۔ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ عشق کی کامیابی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ ملامت کرنے والوں کے طعن کا نشانہ بن جائے۔ (تفسیر روح البیان) ؎ "یا لائمی فی الھویٰ العذریٰ معذرۃ
منی الیک ولو انصفت لم تلم

★... (قصیدہ بردہ)

یعنی: اے مجھے عشقِ عذری پر بُرا بھلا کہنے والے! اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۳۳

(۳۳) (یہ سُن کر) یوسفؑ نے کہا: "اے میرے پالنے والے مالک! قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے اِس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بُلا رہی ہیں۔ اور اگر تو نے مجھ سے اُن کی چالاکی کو دور نہ کیا تو میں اُن کی طرف جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔

عظمت و کردارِ نبوّت

نیز یہ کہ اِس آیت کے آئینے میں حضرت یوسفؑ کے کردار کی پختگی کو ملاحظہ فرمائیں جس سے نبوّت کی عظمت سمجھ میں آتی ہے کہ ایک نوجوان اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ موجود ہے اور دوسری طرف حسین ترین عورتیں اُس کو پھنسانے کے لیے جال پر جال پھینک رہی ہیں۔ جدھر دیکھتا ہے گناہ اپنی ساری خوشنمائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ دروازے کھولے اُس کے منتظر ہیں۔ حُسن خود دعوتِ گناہ دے رہا ہے۔ رات دن چوبیس گھنٹے وہ اِس خطرے میں بسر کر رہا ہے اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے ارادے میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا ہو جائے، تو گناہ کے بے شمار دروازے اُس پر کُھل جائیں۔ امیر حسین اور جوان عورتیں اُس کے پیچھے پڑی ہوتی ہیں، مگر اُس کے قدم ذرا نہیں پھسلتے۔ پھر اِس پر بھی اُس میں کوئی غرور یا تکبّر کا شائبہ نہیں پیدا ہوتا، اِس قدر مستحکم کردار کے ہوتے ہوتے بھی وہ بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ کانپ اُٹھتا ہے۔ اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے توفیقات کا سوال کرتا ہے کہ میں ایک کمزور انسان ہوں، مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں خود اپنے بل بوتے پر اِن بے پناہ گناہوں کی دعوتوں کا مقابلہ کر سکوں۔ اے خدا! تو مجھے سہارا دے، مجھے گناہوں سے بچائے رکھ، کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں۔ غرض حضرت یوسفؑ جس نازک ترین دور سے

گذرے اُس میں گذرنے کی وجہ سے اُن کی غیر معمولی صفات جو اَب تک دبی ہوئی تھیں، وہ سب اُبھر آئیں، اور پورے زور کے ساتھ کام کرنے لگیں۔

*۔۔۔۔۔ (تفہیم القرآن)

حضرت یوسفؑ کے امتحان کے مقاصد

خدا کا مقصد بھی یہی تھا کہ (۱) حضرت یوسفؑ کو خود اپنی صلاحیتوں کا اندازہ ہوجائے (۲) اُن کی صلاحیتیں بیدار ہوں۔ (۳) عالمِ انسانیت کے سامنے ایک پاک نمونۂ زندگی پیش کیا جاسکے۔ (۴) خدا کی معرفت، شکر اور خوفِ الٰہی کے عملی معنی معلوم ہوسکیں۔ (۵) نبوّت کی عظمت کا احساس اُجاگر ہوجائے۔ (۶) امتحانات اور نازک حالات سے گذارنے کا طریقہ، مقصد اور فلسفہ دنیا کو معلوم ہوجائے۔

*۔۔۔۔۔ (مؤلف)

مصیبت کو گناہ پر ترجیح دینا اور صدّیقین کے صفات

(۱) خوب خیال رہے کہ حضرت یوسفؑ جیل خانے کی دعا میں صرف یہ عرض کررہے ہیں کہ:

"زناکاری یا گناہ کرنا مجھے جیل کی سختیوں سے بھی زیادہ ناگوار ہے۔" اِس جملے پر عرفا نے لکھا کہ مصیبت کو گناہ پر ترجیح دینا یا اختیار کرنا صدّیقین کا شیوہ ہوتا ہے۔

(۲) نیز حضرت یوسفؑ کا خدا سے دُعا کرنا بتاتا ہے کہ صدّیقین اپنے تقوٰی پر بھروسہ نہیں کرتے، وہ خدا سے مدد مانگتے ہیں کہ خدا کی توفیقات ہمارے شاملِ حال ہوں تو وہ خود کو گناہ سے بچالیں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ گناہ کے اسباب اور ذرائع سے بھی بھاگتے رہنا سعادتمندوں کی نشانی ہے۔

*۔۔۔۔۔ (ماجدی)

اعتراض اور اُس کا جواب

مرشد تھانوی نے لکھا کہ: حضرت یوسفؑ کی یہ دُعا کسی بھی طرح اُن کی عصمت کے منافی نہیں، اِس لیے کہ انبیاءؑ کی عصمت خدا کی حفاظت ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ انبیاءِ کرام

کی نظر ہمیشہ اصل مؤثر پر ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ کبھی اپنی عصمت پر اعتماد، ناز یا فخر نہیں فرمایا کرتے۔
*.... (تھانوی)

عزت جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے
*.... (میر انیس مرحوم)

نتائج (۱) آخر میں حضرت یوسفؑ کا فرمانا: "اگر تو نے مجھ سے اِن (عورتوں) کی چالاکی کو دور نہ کیا تو میں اُن کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔"

اِس آخری فقرے نے بتا دیا کہ تقویٰ اور خدا کی اطاعت کی ضد کو جاہلیت کہتے ہیں۔

(۲) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت کا تعلق سراسر کردار سے ہے کتابوں کے رٹ لینے سے تو عالم نہیں بنتا۔ (۳) خدا کی توفیق کے بغیر تقویٰ یا اطاعت ممکن نہیں)
*.... (ماجدی)

عارفوں نے نتیجہ نکالا کہ (۱) اپنے نفس کو خاطی اور عاجز جاننا۔ (۲) اور ہر خیر کی توفیق کو خدا کی طرف منسوب کرنا، اور اللہ کی عطا سمجھنا۔ (۳) ہر برائی کو اپنی جانب منسوب کرتے رہنا، صدیقین، مخلصین اور متقین کی روش ہوتی ہے۔ محققین نے لکھا کہ حضرت یوسفؑ کا کردار مقامِ صدیقیت ہے۔ یعنی کردار کی سچائی۔ ایک حسین امیر زادی دعوتِ گناہ دے رہی ہے مگر یوسفؑ پر خوفِ خدا غالب ہے، وہ بھی اس قدر کہ حضرت یوسفؑ جیل جانے کو تیار ہیں، مگر حسین آغوش میں جانے کو تیار نہیں۔ (سبحان اللہ) *.... (ابنِ کثیر)

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے ٭ جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا
*.... (اقبال)

بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا ٭ نہنگ واژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (۳۴)

(غرض) یوسفؑ کے پالنے والے مالک نے اُن کی دعا قبول کر لی، اور اُن سے اُن عورتوں کی چالوں کو ناکام بنا کر ہٹا دیا۔ حقیقتاً وہ خدا ہی ہے جو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۴

کردار کی مضبوطی

خدا کا فرمانا کہ: "ہم نے اُن عورتوں کی چالیں یوسفؑ سے دفع کر دیں"۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کے کردار اور سیرت کو ایسی مضبوطی بخشی کہ اُن کے مقابلے میں اُن حسین اور چالاک عورتوں کی مکّاریاں ناکام ہو گئیں۔

نیز اِس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا نے حضرت یوسفؑ کو جیل بھجوا کر اُن عورتوں کے چنگل سے چھڑوا لیا۔

٭ ...... (تفہیم القرآن)

بلا بھی نعمت ہو جاتی ہے

اِس سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ جس بلا کو ہم بلا سمجھتے ہیں وہی بلا ہمارے چھٹکارے کا سبب بن جاتی ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ "مومن پر بلائیں اِس لیے بھی آتی ہیں تاکہ اس کے گناہوں کی سزا بن جائیں، تاکہ دنیا کی چھوٹی سزا کے ذریعے اُس کو آخرت کی دائمی اور سخت ترین سزاؤں سے نجات مل جائے۔" (الحدیث)

حضرت یوسفؑ کو قید کیوں کیا؟

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "اگرچہ نشان سب دیکھ چکے کہ گناہ عورت کا ہے، پھر بھی یوسفؑ کو قید کیا تاکہ بدنامی لوگوں میں عورت کی نہ ہو۔ یا اِس واسطے قید کیا کہ یوسفؑ زلیخا کی نظروں سے دور رہیں۔"

٭ ...... (موضح القرآن)

٭ ممکن ہے اِس لیے قید کیا ہو تاکہ لوگوں میں جو یوسفؑ زلیخا کے قصے چرچے ہو رہے ہوں وہ

کسی طرح بند ہوں۔
..... (جلالین)

★ خدا کا فرمانا کہ: "یوسفؑ کے پالنے والے مالک نے یوسفؑ کی دعا قبول کرلی"۔
یعنی: خدا نے حضرت یوسفؑ کو عصمت کے مقام بلند سے ذرّہ برابر بھی مٹنے نہ دیا۔ یہ دعا کی قبولیت کی بھی انتہا ہے اور عصمتِ یوسفؑ کا بھی کمال ہے۔ ★.... (مولف)

اصل بڑائی خدا کے لیے ہے

آخر میں خدا کا فرمانا کہ "وہ خدا ہی ہے جو سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے"۔ اِس طرح قرآن اصل بڑائی کو خدا کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔
★..... (ماجدی)

★ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "میری اُمت کی افضل عبادت یہ ہے کہ خوشی کشادگی کا انتظار کریں"
★..... (الحدیث) ★.... (تفسیر روح البیان، تحف العقول)

انبیاء کا طریقہ

جب حضرت یوسفؑ پر مصیبت پڑی تو اُنھوں نے خدا سے رُجوع فرمایا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ پریشانیوں میں خدا سے فریاد کرتے ہیں۔ اُسی سے ہر شر سے بچنے کی دعا کرتے ہیں کیونکہ اُن کو معلوم ہے کہ ہر خیر و شر خدا ہی کے قبضے میں ہے۔
★.... (تفسیر روح البیان)

★ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ سے روایت کی ہے کہ:
جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: جب حضرت یوسفؑ قید خانے میں تھے تو جبرئیل امین آئے اور فرمایا

کشادگی کیلئے دعاءِ یوسفؑ

کہ: "اے یوسفؑ! آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھ لیا کریں":
"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّ ارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ ★" یعنی: "اے اللہ! میرے لیے خوشی اور اِس بلاء سے نکلنے کا راستہ بتا دے اور مجھے وہاں سے بھی رزق دے جہاں سے مجھے توقع ہے، اور وہاں سے بھی عطا فرمایا جہاں سے مجھے کوئی توقع ہی نہیں"۔
★..... (تفسیر صافی ص۲۴۷ بحوالہ کافی)

★ اور آخر میں حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا : " اے خدا ! اگر تو نے مجھ سے اِن عورتوں کی چالاکی کو دور نہ کیا تو میں اُن کی طرف جھک کر جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا ۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو وہ جاہل کے برابر ہوتے ہیں ۔ اِس لیے کہ عقلمند اور عالم بُرے اعمال کا ارتکاب نہیں کرتا ۔ گناہ کا ارتکاب خود سب سے بڑی جہالت ہے ۔

★ ..... (تفسیر روح البیان)

؎ پھرتی ہیں جہالتیں نہ معلوم کتنی
کاندھوں پہ عُبائے علم و حکمت ڈالے

★ عرفا نے نتیجہ نکالا کہ : نفس کی شرارتوں سے بچنا سخت مشکل ہے ۔ ہاں اللہ کی توفیق اور مدد ہی سے یہ ممکن ہے کہ انسان نفس کی شرارتوں سے خود کو بچا سکے ۔ اِسی لیے حضرت یوسفؑ نے خدا سے مدد مانگی ۔ اِس لیے خدا کو تلاش کرتے ہوئے بھی خدا ہی سے مدد مانگنی چاہیئے کیونکہ یہ کام نفس کی شرارتوں سے بچنے سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے ۔

★ ..... (بقول ابو ترابی نجشی رہ)

بقول حافظ ؎ دام سخت است مگر لُطفِ خدا یار شود
ورنہ آدمؑ نبُرد صرفہ ز شیطانِ رجیم

یعنی : شیطان کے مکر و فریب کا پھندہ بہت سخت ہوتا ہے ۔ اللہ ہی کی مہربانی درکار ہے ۔ ورنہ شیطانِ مردود سے تو حضرت آدمؑ تک اپنا سامان نہ بچا سکے ۔

★ مروی ہے کہ شام ہوئی تو تمام مدعوہ عورتوں کی جانب سے حضرت یوسفؑ کو پیغامات پہنچے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر عورت نے زلیخا کی سفارش کی ۔ بہرکیف حضرت یوسفؑ نے عصمت کا وقار اسی میں سمجھا اور اپنے لیے قید کی دعا مانگی جو مقبول ہوئی ۔ ★ ... (تفسیر انوار النجف)

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ (۳۵) پھر خدا کی قدرت کی نشانیاں
مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ دیکھ لینے کے بعد بھی اُن (لوگوں) کو
حَتّٰى حِيْنٍ ۝ ۳۵ یہ سوجھی کہ ایک مدّت کیلئے لازمی
طور پر یوسفؑ کو قید میں رکھیں

حضرتِ یوسفؑ کی اخلاقی فتح

(۱) حضرت یوسفؑ کا قید میں ڈالا جانا حقیقت میں حضرت یوسفؑ کی اخلاقی فتح تھی۔ اور مصر کے تمام امراء اور حکّام کی شکست تھی۔ سب سمجھ گئے کہ حاکمِ مصر نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ یوسفؑ کو قید کر دیا جائے، تاکہ اس کی بیوی کو بدنامی سے بچا لیا جائے۔

(۲) قید میں جانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مصر کا ہر بڑا گھر حضرت یوسفؑ کی شان اور عظمت کو پہچان گیا۔ لوگ جان گئے کہ یہ نوجوان کتنے عظمتِ کردار اور پاکیزہ اخلاق کا مالک ہے۔ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ حضرت یوسفؑ کسی جرم کی وجہ سے قید میں نہیں بھیجے گئے بلکہ اس لیے قید کیے گئے ہیں تاکہ مصر کے اُمراء اپنی عورتوں کو قابو میں رکھ سکیں۔ (کیونکہ حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر زلیخا کی طرح وہ بھی بے قابو اور آپے سے باہر ہو چکی تھیں۔)

جابر بادشاہوں کی بدمعاشیاں

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انصاف کے مطابق کسی کو عدالت میں مجرم ثابت کرنے سے پہلے اپنے دشمن کو یونہی جیل میں ڈلوا دینا، یا عدالت کے باہر پولیس مقابلے میں اس کو قتل کرا دینا، بے ایمان حکمرانوں کی پرانی عادت ہے۔ جمہوریت کا نام لے کر وہ آمریت کا کھیل آج بھی کھیلتے ہیں۔ ٭.... (تفہیم القرآن) : بقول اقبالؒ۔

؎ دیوِ استبدادِ جمہوری قبا میں پائے کوب :. تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری
٭...... (اقبالؒ)

★ ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں مصری امیر زادی کی اسقدر بدنامی ہوچکی تھی، اِس لیے انتظاماً حکامِ جور نے ضروری سمجھا کہ ایک مدت تک کے لیے یوسفؑ کو جو غلام تھے، عام نگاہوں سے دور رکھا جائے تاکہ یوسفؑ زلیخا کا قصّہ لوگ بھول جائیں۔ یہ بات یا تو خود عزیزِ مصر کو سوجھی یا عورتوں کو سوجھی یا عزیزِ مصر کے مشیروں نے ایسا سوچا ہوگا۔

★ ۔ ۔ ۔ (معالم، روح المعانی)

★ لیکن حضرت یوسفؑ کو قید کرانے کی دھمکی تو خود زلیخا نے دی تھی جیسا کہ گذشتہ آیت میں ہے کہ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ ۔ ۔ ۔ (اور اگر میری خواہش کے لیے میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا ۔ ۔ ۔)

★ توریت میں ہے: "اور یوسفؑ کے آقا نے یوسفؑ کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے، قید میں ڈالا۔"

(پیدائش ۳۹ : ۲۰)

ائمۂ برحق کو کیوں قید میں رکھا گیا؟ یاد رہے کہ ائمۂ اہلِ بیتِ رسولؐ کو جابر و ظالم خلفاء نے اپنی قید میں اس لیے رکھا تاکہ (۱) اُن کی عظمتِ علم و کردار لوگوں میں نمایاں نہ ہوسکے۔ اور (۲) لوگ اُن بزرگوں کے سایہ تلے دین کی حقیقی تربیت میں پروان نہ چڑھ سکیں ورنہ اُن ظاہری خلفاء کی پول بھی ظاہر ہوجائے گی۔

(۳) دین کی روح عام نہ ہوسکے۔ (۴) ظلم کے خلاف تحریک نہ چل سکے۔

(۵) علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نشر نہ ہوسکیں۔ (یزید نے اسی بنیاد پر اہلِ بیتِ رسولؐ کو دمشق کے قید خانے سے آزاد کرنے کا حکم دیا، کیونکہ دمشق کے عوام میں اُس کے اِس ظلم کے خلاف ابتری پیدا ہوچکی تھی، اور احتجاج کا عَلَم بلند ہوچکا تھا۔) ★ ۔ ۔ ۔ (مؤلف)

؎ انسان اِس طرح اُتر آئے عناد پر ∴ لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۳۶

(۳۶) قید خانے میں اُن کے ساتھ دو جوان بھی داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ "(میں نے خواب) دیکھا کہ میں انگور کا رس نچوڑ رہا ہوں"۔ اور دوسرے نے کہا: "میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں۔ جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اِس کی تعبیر بتائیے۔ (کیونکہ) ہم آپ کو نیک آدمی دیکھتے ہیں"۔

خدا نے حضرت یوسفؑ کو علمِ تعبیرِ خواب عطا فرمایا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"جب بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو قید کرنے کا حکم دیا تو خدا نے اُنھیں خوابوں کی تعبیر کا علم بذریعہ وحی سکھا دیا۔ اِسی لیے حضرت یوسفؑ قیدیوں سے خوابوں کی تعبیر بیان کیا کرتے تھے۔

جس دن حضرت یوسفؑ قید خانے میں ڈالے گئے اُسی دن دو نوجوان بھی قید خانے میں ڈالے گئے اُن ہی دونوں نے خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر حضرت یوسفؑ سے پوچھی۔

.... (تفسیر صافی صفحہ ۲۴۸ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت یوسفؑ قیدیوں کی نظر میں

اِس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ قید خانے میں کس نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قیدیوں کا کہنا کہ: "ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں"۔ بتاتا ہے کہ معمولی قیدی تک جانتے تھے کہ یہ شخص مجرم نہیں ہے۔ اِس سے زیادہ

انسان پورے ملک میں نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ بائیبل میں ہے کہ:

" قید خانے کے داروغہ نے سب قیدیوں کو یوسفؑ کو سونپا۔ سب لوگ یوسفؑ کے حکم سے سب کچھ کرتے تھے۔ اور قید خانے کا داروغہ سب کاموں کی طرف جو اُس کے ہاتھ میں تھے، بے فکر تھا۔"

*..... (پیدائش ۳۹، ۲۲، ۲۳) *..... (تفہیم القرآن)

قرآن مجید کا اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ اکثر درمیان کی کڑیاں سُننے والوں کی عقل (وفہم) پر چھوڑ دیا کرتا ہے۔ اِسی طرح اِس جگہ درمیان کی کڑی یہ ہے کہ عزیزِ مصر نے حضرت یوسفؑ کو قید کر دیا۔

*..... (تفسیر تبیان)

" مُحْسِنِیْنَ " یعنی نیک آدمی۔ لیکن اِس کے یہاں پر ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ خواب کی تعبیر بتانے کے ماہر ہیں۔

*..... (تفسیر تبیان بقول حضرت علیؑ)

نوٹ..... ان دو قیدیوں میں سے جو قید خانے میں آئے، ایک بادشاہ کا ساقی تھا، دوسرا بادشاہ کی روٹیاں پکاتا تھا۔ دونوں پر یہ الزام تھا کہ اُنھوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔

محسن کی تین نشانیاں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: " محسن کی تین نشانیاں ہوتی ہیں۔ (۱) اگر ساتھی کے لیے جگہ تنگ ہو تو اُس کے لیے جگہ کشادہ کر دے اور اُسے محفل میں بیٹھنے کی جگہ دے۔ (۲) اگر ساتھی محتاج ہو تو اُس کی مدد کرے۔ (۳) اگر بیمار ہو تو اُس کی تیمارداری کرے۔"

*..... (تفسیر مجمع البیان)

★ کچھ لوگوں نے کہا کہ: مظلوموں کی مدد کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا بھی محسن کی نشانیاں ہیں۔

*..... (تفسیر انوار النجف)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۷

(۳۷) یوسفؑ نے کہا "تم دونوں تک تمہارا وہ کھانا جو تمہیں دیا جاتا ہے، نہیں آئیگا کہ میں تمہیں اِس کا انجام یا اِن خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ علم اُن علوم میں سے ہے جو میرے پالنے والے مالک نے مجھے عطا کیے ہیں۔ (اصل بات یہ ہے کہ) میں نے اُن لوگوں کا طریقہ زندگی چھوڑ دیا جو خدا کو نہیں مانتے اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔

قید میں پیغامِ توحید سنانا اور وقت کا بہترین استعمال

حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ قیدیوں کو اُن کے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید کے پیغام کی طرف دعوت دیں۔ جیسا کہ انبیاءؑ کا طریقہ ہوتا ہے، کہ وہ ہدایت اور نیکی کی طرف پہلے دعوت دیتے ہیں۔ یعنی وہ سب سے پہلے خدا کا کام کرتے ہیں پھر بندوں کا کام کرتے ہیں۔

*.... (تفسیر صافی ص ۲۴۸)

* کیونکہ حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا ہوگا کہ اِس وقت یہ لوگ مجھ سے خواب کی تعبیر جاننا چاہتے ہیں اِس لیے اِس وقت میں جو کچھ کہوں گا اُسے یہ غور سے سُنیں گے۔ اِس لیے حضرت یوسفؑ نے اُس وقت کا بہترین استعمال یہی سمجھا کہ اُن کو ابدی حقائق کی تعلیم دی جائے۔

*.... (مؤلف)

* حضرت یوسفؑ کے اپنے علم کی تعریف کا مطلب (معاذ اللہ) خود اپنی تعریف کرنا نہ تھا، بلکہ آپ نے موعظہ کی تاثیر کو بڑھانا مقصود تھا تاکہ آئندہ جو وہ بات کہنے والے ہیں وہ دلوں پر خوب اثر کر سکے

*.... (فصل الخطاب)

حضرت یوسفؑ نے قیدیوں کا خواب سن کر فرمایا: "ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائیگا کہ میں تمہیں تمہارے خواب کے معنی بتا دوں گا۔ پس ذرا دم لو۔ اسی درمیان آپ کو تبلیغِ دین کا موقع ہاتھ آگیا۔ پھر حضرت یوسفؑ نے یہ فرما کر کہ: میرا علم اُن علوم میں سے ہے جو میرے پالنے والے مالک نے مجھے عطا کیے ہیں۔" یہ بتلا دیا کہ میرا علم نجومیوں، جادوگروں، جوتشیوں جیسا نہیں جو اٹکل پچّو ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ "ذٰلِكَ" یعنی: "یہ" کا لفظ اپنے علم کی منزلت کی طرف اشارہ تھا۔

*..... (بیضاوی، روح المعانی)

نتائج

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ (۱) اگر کوئی عالمِ دین اپنے کمالات اور خصوصیات اِس نیت سے بیان کرے تاکہ لوگ اُس کے علم سے فائدہ اُٹھائیں تو یہ جائز ہے۔

*..... (جصّاص)

عربی ادب میں ترک کرنے کے معنیٰ

(۲) آیت کے آخری الفاظ سے محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصری لوگ توحید اور آخرت دونوں کے منکر تھے۔ اور حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ "تَرَكْتُ" یعنی میں نے ان لوگوں کا طریقۂ زندگی چھوڑ کر، جو خدا کو نہیں مانتے، اپنے باپ دادا ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے طریقۂ زندگی کی پیروی اختیار کر لی ہے" تو اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت یوسفؑ پہلے دینِ شرک پر تھے۔ "تَرَكَ" کے معنیٰ "عدمِ اختیار" کے بھی ہیں۔ اِس لفظ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ انسان پہلے شرک میں پڑ چکا ہو۔

*..... (تفسیر کبیر۔ روح المعانی)

حضرت یوسفؑ کا مطلب یہ تھا کہ اب تک تم لوگ مجھ کو اپنا ہم مذہب، ہم مشرب سمجھ رہے تھے کیونکہ اِس سے پہلے حضرت یوسفؑ نے کبھی کھُل کر اپنے عقائد کا اظہار نہیں فرمایا تھا، آج پہلی مرتبہ علانیہ توحید کی تبلیغ فرمائی تھی اِس لیے اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے سابق دین سے نکل رہے تھے۔ *..... (ماجدی)

نوٹ (۱) "ھُمْ" کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۲) اور یاد رہے کہ عقیدۂ آخرت کے اہلِ مصر خاص طور پر منکر تھے۔

*۔۔۔۔ (تفسیر کبیر)

(۳) تورات کا بیان ان تمام مطالبِ عالیہ سے خالی ہے۔

*۔۔۔۔ (مؤلف)

تیسرا نتیجہ حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ "میں نے اُن لوگوں کا طریقۂ زندگی چھوڑ کر' جو خدا کو نہیں مانتے ۔۔۔۔۔۔۔ "اپنے باپ دادا ۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ کے طریقۂ زندگی کی پیروی اختیار کرلی ہے"۔ اِس سے عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ:

"جب قلب اور نفس ہوا و ہوس کو ترک کردیتا ہے کیونکہ نفس بھی ربوبیّت کا دعویدار ہے۔ اور خدا نے خود فرمایا ہے: "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جسے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے' (اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ) تو جب انسان نفس کی خواہشات کو زیر کرلیتا ہے تب خدا اُسے خاص علم سے نوازتا ہے۔

*۔۔۔۔ ("تاویلاتِ نجمیّہ)

چوتھا نتیجہ جاہلوں میں اپنا علم اِس لئے ظاہر کرنا تاکہ لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں، جائز ہی نہیں بلکہ انبیاءؑ کی سنّت بھی ہے۔ ہاں دوسروں پر بڑائی جتانے یا دنیوی برتری حاصل کرنے کے لیے اپنے علم کو ظاہر کرنا ناجائز ہے۔

*۔۔۔۔ (روح المعانی)

★ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "خدا اہلِ علم سے علم کے متعلق اِسی طرح سوال اور حساب کریگا جس طرح مال سے متعلق سوال کرے گا"۔

*۔۔۔۔ (الحدیث)

وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

(۳۸) اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیمؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ کے طریقۂ زندگی کی پیروی اختیار کرلی ہے (کیونکہ) ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کا فضل وکرم ہے (کہ اُس نے ہمیں ہدایت فرمائی) مگر زیادہ تر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

حضرت یوسفؑ کی انوکھی عظیم شرافت

حضرت یوسفؑ نے پہلے تو خواب کی تعبیر پوچھنے والے قیدیوں کو اطمینان دلادیا کہ وہ اتنا علم رکھتے ہیں کہ اُن کے خوابوں کی تعبیر بتاسکتے ہیں۔ پھر دین کی تبلیغ فرمائی تاکہ وہ لوگ ذوق وشوق سے اُن کی علمی باتوں کو سنیں اور اُس پر کھلے دل سے غور کرسکیں۔ لیکن بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ خواب کی تعبیر کو ٹال دیں اور اپنی تبلیغ میں اُن کو لگادیں۔ اُن کا خیال ہے کہ حضرت یوسفؑ ٹالنے کے لیے یہ سب کچھ تقریر فرمارہے تھے اور خواب کی تعبیر بتانا نہیں چاہتے تھے (اِس لیے کہ اس میں ایک آدمی کی زندگی کے جانے کی خبر دینی تھی) مگر بعد میں وہ قیدی ہاتھ دھوکر حضرت یوسفؑ کے پیچھے پڑگئے تو مجبوراً انھوں نے خواب کی تعبیر بتادی۔

٭.... (تفسیر تبیان بقول ابن جریح، فضل الخطاب)

٭ اصل میں حضرت یوسفؑ نے خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے اپنے باپ 'دادا' پردادا 'جو توحید کے عظیم اور مشہور داعی تھے' کے حوالے سے سامعین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے اپنا تعارف کرایا، تاکہ اُن کی تبلیغ کا خاطر خواہ اثر ہوسکے۔

٭.... (ماجدی)

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ (۳۹) اے دونوں قیدیو! کیا بہت سے
مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الگ الگ خدا اچھے ہیں یا ایک اکیلا
الۡقَہَّارُ ؕ ۳۹ اللہ جو سب پر غالب ہے۔ ؟

حضرت یوسفؑ کا خوبصورت استدلال

حضرت یوسفؑ کا خطاب اُن مشرکوں سے تھا جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنے لیے الگ الگ دیوی، دیوتا بنا رکھے تھے حضرت یوسفؑ اُن سے فرما رہے ہیں کہ "کیا تم نے کبھی غور کیا کہ ایک زبردست عظیم خدا کی اطاعت اور بندگی کرنا بہتر ہے یا اتنے کچھ دیوی دیوتاؤں کی بندگی کرنا بہتر ہے ؟

*..... (ماجدی)

؎ یہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

*..... (اقبال)

"قہّار" کے معنی جو سب پر غالب ہو اور کوئی اُس پر غالب نہ ہو سکے ۔

*..... (روح المعانی)

وحدۃ الوجود

ساری کائنات میں اصل حقیقت صرف خدا کی ذات ہے، باقی تمام کائنات ظِل (سایہ) ہے جو جلد زائل ہو جانے والا ہے۔ عاقل وہ ہے جو سائے کو چھوڑ کر خالق (اصل حقیقت) کا متلاشی ہو اور اُس کی تلاش کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے دین کے احکام کی پابندی کریں اور سب سے بڑی پابندی یہ ہے کہ شرکِ جلی اور شرکِ خفی سے بچیں یعنی خالص اللہ کی اطاعت کو زندگی کا مقصد اور حاصل بنا لیں۔ یہی اخلاص ہے اور یہی غلام کو مولیٰ بنا دیتا ہے ۔

ایک کامل عورت نے اکابرین سے پوچھا کہ "سخاوت کیا ہے؟" فرمایا: "خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا"۔ پوچھا: "خواص کی سخاوت کیا ہے؟" فرمایا: "تمام طاقت اور صلاحیتوں کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا۔ وہ بھی ایسی اطاعت جس کا مقصد صرف خدا کو راضی کرنا ہو ایسی عبادت سے بندہ کو خدا کا قرب و وصال نصیب ہوتا ہے اسی لئے وہ ہر تصرف کا مالک ہوتا ہے اور غیب کی خبر باذن خدا دیتا ہے جیسے حضرت یوسفؑ نے غیب کی خبریں سنائیں۔ یہی مقام ولایت ہے ۔ (روح البیان)

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ ۴۰

(۴۰) اُس (اللہ) کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ تو صرف کچھ ایسے (بے حقیقت) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (از خود) رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے تو اُن کے لیے کوئی سند یا کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ نہیں ہے کوئی حکومت کا مالک مگر اللہ۔ اُسی کا یہ حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی بالکل سیدھا طریقۂ زندگی ہے۔ مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

انبیاءؑ کا طریقۂ زندگی

یہ پہلا موقع ہے کہ حضرت یوسفؑ دین کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ہر نبیؑ پہلے اپنے کردار کو منواتا ہے پھر دین کی تبلیغ فرماتا ہے۔ یعنی پہلے اپنے کردار کا کلمہ پڑھواتا ہے، پھر اپنی نبوّت کا کلمہ پڑھواتا ہے۔

* ..... (مؤلّف)

انبیاءِ کرام کی شرافت اور حکمت

حضرت یوسفؑ کی عظمت ملاحظہ فرمائیں کہ اُنھوں نے کسی موقع پر اپنے باپ دادا کا نام لے کر اپنے کو بُرے حالات سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو کام اُن سے لینا چاہتا ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُن حالات سے گذریں۔ اب موقع پاتے ہی حضرت یوسفؑ نے سب سے پہلی بات تو یہ بتائی کہ میں کوئی نرالا نیا دین نہیں پیش کر رہا ہوں۔ میرا تعلق دعوتِ توحید کی اُس عالمگیر تحریک سے ہے جس کے امام ابراہیمؑ اور اسحاقؑ جیسی عظیم شخصیتیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ ہر نبیؑ سب سے پہلے یہ بات بتاتا ہے کہ میرا پیغام کوئی نیا، انوکھا، نرالا پیغام

نہیں۔ میں اُسی حقیقت کی طرف بلا رہا ہوں جس کی طرف تمام داعیانِ حق بلاتے آئے ہیں۔

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؓ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی (اقبال)

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دین کے پیغام پہنچانے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

حضرت یوسفؑ چھوٹتے ہی دین کا فلسفہ پیش کرنا شروع نہیں کر دیتے، بلکہ پہلے دین کے اُس نقطہ آغاز کو پیش کرتے ہیں جہاں سے اہلِ حق کا راستہ اہلِ باطل سے الگ ہوتا ہے۔ یعنی توحید اور شرک کا فرق۔ پھر اِس فرق کو اتنے واضح الفاظ اور انداز میں پیش کرتے ہیں کہ نوکر پیشہ غلام تک کے دل و دماغ میں وہ بات اتر جاتی ہے۔ وہ غلام بھی سمجھ جاتے ہیں کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہت سے آقاؤں کے غلام ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ (اِس کو کلام کی فصاحت اور بلاغت کہتے ہیں۔)

پھر حضرت یوسفؑ یہ بھی نہیں کہتے کہ اپنا دین چھوڑو اور میرے دین میں آجاؤ، بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ "دیکھو خدا کا یہ کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ اُس نے ہم کو اپنے سوا کسی کا غلام نہیں بنایا۔ مگر لوگ اِس بات کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔" لوگ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے رب بناتے ہیں پھر اُن ہی کی بندگی کرتے ہیں۔ تم جن کو داتا اور اَن داتا کہہ رہے ہو یہ صرف خالی خولی کے نام ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی حقیقی ذات یا خدا موجود نہیں۔ اصل مالک صرف اللہ ہے جسے تم کائنات کا خالق سمجھتے ہو۔ ساری فرماں روائی صرف اُسی خدا کے لیے ہے۔

* ...... (تفہیم القرآن)

انبیاءِ کرام کی معرفت

نیز حضرت یوسفؑ کے اس واقعے سے نبوّت کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے قید خانے کے وہ آٹھ دس سال کس طرح گزارے ہوں گے جو شخص صرف خواب کی تعبیر پوچھنے پر اپنے جوشِ تبلیغ سے کام لے کر دین کے پیغام کو پہنچا دیتا ہے

کیا وہ آٹھ دس سال ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا ہوگا؟ نبی یا ولی ہر حال میں دین کی تبلیغ کا کام انجام دیتا ہے۔" (تفہیم) (ائمۂ اہلِ بیتؑ میں سے بہت سوں کی عمریں قید خانوں میں گذریں مگر انھوں نے وہاں بھی دین کی ایسی تبلیغ کی کہ بار بار قید خانوں کے داروغہ تک اُن کے ہاتھ پر ایمان لے آتے، اور اُن کے کردار کا کلمہ پڑھنے لگے۔ خاص کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، امام زین العابدینؑ، حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ کی مثالیں موجود ہیں۔)

شکر کا انوکھا اور اعلیٰ ترین طریقہ

شکر کی حقیقت سمجھنی ہو تو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کا وہ جملہ کتنا عجیب ہے کہ جب آپؑ ایک بہت طویل عرصے کے لیے مدینہ سے گرفتار کرکے بغداد کے قید خانے میں لائے گئے تو آپؑ نے قید خانے میں داخل ہوتے ہوئے پہلا جملہ خدا سے یہ عرض کیا: "خداوندا! تیرا شکر ہے کہ میں عرصۂ دراز سے دعا کرتا تھا کہ مجھے گوشۂ عافیت عطا فرما تاکہ میں یکسوئی سے تیرا ذکر و فکر اور عبادت کرسکوں۔ یہ تیری بڑی مہربانی ہے کہ تو نے مجھے قیدِ تنہائی کا یہ گوشہ اپنی یاد کے لیے عطا فرما دیا۔"

کیا اِس سے بہتر کوئی شکرِ خدا کی مثال مل سکتی ہے؟ طویل قیدِ تنہائی جیسی مصیبت پر یہ مظلوم و معصوم انسان خدا کا شکر ادا کر رہا ہے، اِس سے بڑھ کر بندگی کی معراج اور کیا ہوسکتی ہے؟

مولیٰ پہ انتہائے اسیری گذر گئی ؎
زندان میں جوانی و پیری گذر گئی
..... (مؤلف)

آیت کا پیغام

آیت کا پیغام یہ ہے کہ تمھارے اِن گھڑے ہوئے خداؤں کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اِن کا تو کوئی خارجی وجود تک نہیں۔ یہ تو صرف چند گھڑے ہوئے نام ہیں اور بس۔ اِن کی کوئی حقیقت نہیں۔ نام جتنے چاہو گھڑ لو، اِن کی خدائی کا کوئی ادنیٰ سا بھی ثبوت ہو تو لا کر دکھاؤ۔

تم تو صرف اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کر رہے ہو۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: شرک پر کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں ہو سکتی۔

آیت کا آخری مطالبہ یہ ہے کہ تم جو توحید پر دلیل مانگتے ہو'... تو ہم بہت سی دلیلیں دے چکے۔ اب تم شرک پر ایک ادنیٰ سی دلیل لاکر دکھاؤ۔

*..... (جلالین)

خدا کا فرمانا کہ: " اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ " یعنی حکومت صرف اللہ ہی کا حق ہے۔"

یعنی پوری کائنات پر حکمِ تکوینی صرف خدا کا چل رہا ہے۔ ہوا، پانی، آگ، بادل، موت، حیات، رزق، بیماری، صحت، دولت، عزت، قوت، آخر کون سی چیز ہے جو تمہارے دیوی دیوتا کے حکم یا اختیار سے چل رہے ہیں؟ اس کا کوئی ادنیٰ سا ثبوت ہی پیش کرو۔ اس لیے حکمِ تکوینی کے ساتھ ساتھ حکمِ تشریعی بھی صرف خدا کا حق ہے۔ حکمِ تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔

اِس تفسیر کو سمجھا جائے تو خارجیوں کا استدلال بالکل باطل قرار پاتا ہے۔

دینِ توحید سب سے قدیم دین ہے

اور خدا کا فرمانا کہ: " ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ " " یہی دینِ مستقیم ہے"

یعنی ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ یعنی شرک کی ملاوٹ بعد میں ہوئی۔ جدید مفکرین کی یہ رائے غلط ہے کہ انسان رفتہ رفتہ ترقی کر کے شرک سے توحید کی طرف پہنچا ہے۔

بیسویں صدی کے اہلِ سائنس کی کھدائی کے ذریعے جو معلومات مل رہی ہیں اُن کی وجہ سے وہ قائل ہو چکے ہیں کہ انسانیت کا قدیم ترین مذہب دینِ توحید ہے

*..... (ماجدی)

دین توحید اللہ کا دین ہے، یہ ڈاروین کی تھیوری نہیں ہے کہ انسان ابتداء میں بندر تھا ترقی کر کے دُم غائب ہو گئی اور آہستہ آہستہ (رفتہ رفتہ) بندر سے آدمی بن گیا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسۡقِىۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا‌ ۚ وَاَمَّا الۡاٰخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ‌ ؕ قُضِىَ الۡاَمۡرُ الَّذِىۡ فِيۡهِ تَسۡتَفۡتِيٰنِ ؕ‏ ۴۱

(۴۱) اے دونوں قیدیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے مالک (شاہِ مصر) کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو پھانسی دی جائے گی، اور پرندے اُس کے سر میں سے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔ یہ بات طے ہو چکی ہے جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے پہلے شخص سے فرمایا کہ "تو عنقریب قید خانے سے نکلے گا، اور جس عہدے پر (پہلے مامور) تھا، یعنی پانی یا شراب پلانے کا داروغہ، اُسی عہدے پر چلا جائے گا۔ اور بادشاہ کی نظروں میں تیری عزت بڑھ جائے گی۔

جھوٹ بولنے اور نبیؑ سے مذاق کرنے کا انجام

لیکن دوسرے قیدی نے خواب ہی نہیں دیکھا تھا، صرف (نبیِ خدا کا مذاق اُڑانے کے لیے) جھوٹ بولا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "بادشاہ تیرے قتل کا حکم دے گا۔ تجھے صلیب پر چڑھایا جائے گا اور پرندے تیرا مغز (نوچ نوچ کر) کھائیں گے" یہ تعبیر سُن کر اُس نے کہا کہ میں نے تو کوئی خواب دیکھا ہی نہیں (میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا) اِس پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "اب خواہ تو نے سچ کہا ہو یا جھوٹ۔ میں نے جو کچھ کہدیا وہ تو ٹلنے والا نہیں۔"

*... (تفسیر صافی صفحہ ۲۴۸ بحوالہ تفسیر قمی)

اور ایسا ہی ہوا جو حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا۔ یہ انجام ہوتا ہے جھوٹ بولنے اور اولیاءِ خدا سے مذاق کرنے کا۔ *..... (مؤلف)

؎ کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
* ...... (اقبال)

انبیاء و اولیاء کے اختیارات

حضرت یوسف ؑ نے یہ جملہ کہ "یہ بات طے ہو چکی ہے" اُس وقت فرمایا جب تعبیر سُن کر قیدیوں نے کہا کہ ہم نے ایسے کوئی خواب دیکھے ہی نہ تھے۔ ہم تو بس تمہارا امتحان لے رہے تھے۔ * .... (جلالین)

اِس پر حضرت یوسف ؑ نے کہا: "اب چاہے خواب دیکھے ہوں یا نہ دیکھے ہوں، میں نے جو کہدیا ہے وہ ہو کر رہے گا"۔ مگر یہ بات دل کو نہیں لگتی۔ اِس لیے کہ اگر اُن قیدیوں نے واقعاً خواب نہیں دیکھے تھے تو وہ صبر و سکون کے ساتھ حضرت یوسف ؑ کا طویل خطاب کیوں سنتے رہے؟ وہ پہلے ہی مذاق اُڑا کر چلتے بنتے۔ پھر یہ بات حضرت یوسف ؑ کی شان کے خلاف بھی ہے کہ وہ اُن مسخروں کے مسخرے پن کو سمجھ ہی نہ سکے اور اتنی سنجیدگی کے ساتھ اتنی طولانی تقریر فرمادی۔ البتہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں قیدیوں نے خواب تو ضرور دیکھے تھے مگر تعبیر اُن کو پسند نہ آئی، اِس لیے حضرت یوسف ؑ کو تپانے کے لیے کہہ بیٹھے کہ ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ * .... (فصل الخطاب)

* بعض روایات میں ہے کہ جس کو پھانسی کی سزا ملنے کی تعبیر دی گئی تھی اُس نے کہا کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ * ... (تفسیر تبیان)

* غرض یہ آیت قیدیوں کے خواب کی تعبیر ہے۔ پہلے توحید کا وعظ تھا اب خواب کی تعبیر شروع ہوتی ہے۔ توراۃ میں ایسے بلیغ توحید کے پیغام کا کوئی ذکر نہیں۔

؎ پر وہی گر گیا کبوتر کا ∴ جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

* توراۃ میں ہے: "تب یوسف ؑ بولا اِس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ڈالیاں تین دن ہیں، اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا، اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا"۔ (پیدائش: ۴۰، ۱۲)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ٘ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ٤٢ؕ

(۴۲) پھر یوسفؑ نے اُس سے، جس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ وہ نجات پانے والا ہے، کہا کہ: "اپنے مالک کے سامنے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔" مگر شیطان نے اُسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے مالک (شاہِ مصر) سے اُن کا ذکر کرنا ہی بھول گیا اور یوسفؑ کئی سال تک قید خانے ہی میں پڑے رہے

حضرت یوسفؑ کا ترکِ اَولیٰ

حضرت یوسفؑ کے آزاد ہونے والے قیدی سے اپنی حاجت بیان کرنے کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "جبرئیل حضرت یوسفؑ کے پاس آئے اور اُن سے پوچھا: تمھیں حُسن کس نے دیا؟ حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "خدا نے"۔ پوچھا: "تمام بھائیوں کے مقابلے میں تم کو تمھارے باپ کا محبوب کس نے بنایا؟ فرمایا: "خدا نے" پوچھا: "تمھاری جان بچانے کے لیے قافلہ کس نے بھیجا؟" فرمایا: "خدا نے"۔ پھر پوچھا: "عورتوں کے مکر و فریب سے تم کو کس نے بچایا؟" فرمایا: "خدا نے"۔ پھر کہنے لگے کہ اب تم سے تمھارا پالنے والا مالک پوچھتا ہے کہ کس بنا پر تم نے مجھے بھلا کر جیل سے رہائی کی درخواست میری مخلوق سے کی؟ اب اس کے بدلے میں کئی سال تک زندان میں رہنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس پر حضرت یوسفؑ بہت روئے۔ * (مجمع البیان)

* ظاہر ہے یہ عمل اگر کوئی اور کرتا تو اُس کے لیے جائز ہوتا۔ مگر نبی اللہ کے لیے مخلوق سے رہائی کی درخواست کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے اِس عمل کو حضرت یوسفؑ کا (معاذ اللہ) گناہ نہیں کہہ سکتے۔ اس کو ترکِ اَولیٰ کہتے ہیں یعنی حضرت یوسفؑ جیسے انسان کیلئے شایانِ شان نہ تھا کہ مخلوق سے رہائی کی درخواست کریں۔

*۔۔۔۔ (مؤلف)

★ اسی لیے روایت سے یہ ثابت کرنا قطعی غلط ہے کہ مخلوق سے مدد مانگنا حرام ہے۔
★ ..... (تفسیر انوار النجف)

سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں (۱) حضرت آدمؑ فراقِ حواؑ میں روئے۔
(۲) حضرت یعقوبؑ فراقِ یوسفؑ میں روئے کہ اُن کی آنکھیں سفید ہوگئیں (بینائی جاتی رہی)۔
(۳) حضرت یوسفؑ قید خانے میں (اپنے ترکِ اَولیٰ پر) اتنا روئے کہ قیدی بھی تنگ آگئے۔
(۴) حضرت فاطمہؑ اپنے والد ماجد رسول اللہؐ کی وفات پر اور لوگوں کے مظالم پر اتنا روتیں کہ اہلِ مدینہ تنگ آگئے۔
(۵) حضرت امام زین العابدینؑ ۳۵ سال تک اپنے والد ماجد حضرت امام حسینؑ پر متواتر روتے رہے۔
★ ..... (تفسیر صافی، تفسیر برہان)

ایک غلط روایت

بعض مفسرین نے لکھ دیا کہ "شیطان نے حضرت یوسفؑ کو اپنی یاد سے غافل کر دیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر اور روایت بالکل غلط ہے۔ فَاَنْسٰىهُ کی ضمیر اُس شخص کی طرف پلٹتی ہے کہ جس کے بارے میں حضرت یوسفؑ کو یہ گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے۔
آیت کے معنی یہ ہیں کہ: "شیطان نے اُسے آقا سے حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بھلا دیا۔"
اِس سلسلے میں ایک حدیث بھی لکھی گئی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اگر حضرت یوسفؑ نے قیدی سے وہ بات نہ کہی ہوتی جو کہی تھی تو وہ قید خانے میں کئی سال نہ پڑے رہتے۔"
بعض طریقوں سے یہ حدیث مرفوعًا روایت کی گئی ہے اور بعض طریقوں سے مرسلًا روایت کی گئی ہے۔
بہرحال اگر کوئی عام مظلوم شخص جائز طریقوں سے اپنی رہائی کی کوشش کرتا ہے تو یہ جرم نہیں ہو سکتا۔
★ ..... (تفسیر ابنِ کثیر۔ تفہیم القرآن)

(نوٹ) اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شیطان نے حضرت یوسفؑ کے دل سے ذکرِ الٰہی کو تھوڑی دیر کے لیے بُھلا دیا اور اُنھوں نے غیر اللہ سے مدد مانگی تو بھی یہ منافیٔ عصمت نہیں (اس لیے کہ کوئی حرام کام نہ تھا۔ وسائل اور اسباب سے کام لینا شرعًا ہر فقہ کے مطابق جائز ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات نبی کی شان کے مطابق نہ تھی) اس لیے زیادہ سے زیادہ اس کو ترکِ اُولیٰ کہا جاسکتا ہے جو عصمت کے منافی نہیں۔

*..... (تفسیر روح البیان)

حضرت یوسفؑ کی دُعاء

پھر حضرت یوسفؑ زمین پر اپنا رُخسار رکھ کر خدا سے یہ دُعاء مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِيْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْهِيْ عِنْدَكَ فَاِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِوُجُوْهِ اٰبَآئِيَ الصَّالِحِيْنَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ)۔ (یعنی) "اے اللہ! اگر میرے گناہوں نے میرا چہرہ تیرے سامنے جھکا دیا ہے۔ تو میں تیری طرف توجّہ کرتا ہوں اپنے صالحین والدین ذوات کے واسطوں سے جو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ ہیں۔

یہاں پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا تم اس طرح دعاء کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِيْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْهِيْ عِنْدَكَ فَاِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِوَجْهِ نَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْاَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ • یعنی: "اے اللہ! اگرچہ میرے گناہوں نے میرے چہرے کو تیرے سامنے جھکا اور بگاڑ دیا ہے (میں تیری جناب میں شرمندہ ہوں) پس میں تیری ہی طرف توجّہ کرتا ہوں تیرے نبیٔ رحمت اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور تمام ائمۂ (معصومین) علیہم السّلام کے ذریعے سے (کہ تو میرے گناہ بخش دے) پھر اپنی حاجات طلب کرو۔

..... (تفسیر برہان۔ تفسیر انوار النجف)

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُھُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰٓاَیُّھَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ○ ۴۳

(۴۳) (ایک دن) بادشاہ نے کہا: "میں نے خواب میں سات موٹی تازی گائیں دیکھی ہیں جنھیں سات دُبلی پتلی گائیں کھائے جارہی ہیں۔ اور سات ہری بالیاں ہیں اور سات سوکھی ہوئی۔ تو اے محترم عزت والے درباریو! مجھے میرے خواب کے بارے میں بتاؤ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔"

خوابوں کی قسمیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا، "خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) مومن کے لیے خدا کی طرف سے خوشخبری۔ (۲) شیطان کی طرف سے ڈراوا۔

(۳) پریشان خیالی۔

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی ص۲۴۹ بحوالہ کافی)

آج اگر کوئی بادشاہ خواب دیکھے تو کوئی پرواہ نہ کرے گا لیکن اُس وقت مصر میں جادو، ٹوٹکے، نجوم، کہانت اور خوابوں کی بڑی اہمیت تھی۔ توراۃ میں ہے کہ:

"فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب میں تھا۔ اور یوں ہوا کہ صبح کو اُس کا جی گھبرایا۔ تب اُس نے مصر کے سارے جادوگروں اور سب دانش مندوں کو بُلا بھیجا۔ اور فرعون نے اپنا خواب اُن سے کہا۔ "پر اُن میں سے کوئی فرعون (یعنی عزیزِ مصر) کے خواب کی تعبیر (مطلب) نہ بتا سکا۔ * (پیدائش ۴۱: ۸)

وہ سب فرعون کے خواب کو پریشان خیالی سمجھے اِس لئے درباریوں نے کہا یہ خواب باقاعدہ مربوط خواب نہیں ہے

*۔۔۔۔ (ماجدی)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ○ ۴۴

(۴۴) لوگوں نے کہا: "یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم اِس طرح کے (لایعنی) خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔"

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ○ ۴۵

(۴۵) اُن دونوں قیدیوں میں سے جو بچ گیا تھا تو اُس کو اتنے لمبے عرصے کے بعد یاد آیا" تو اُس نے کہا: "آپ لوگوں کو میں اِس کا مطلب بتاؤں گا۔ مجھے (قیدخانے) جانے دیجیے۔"

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ ۴۶

(۴۶) (پھر اُس نے یوسفؑ سے کہا کہ) یوسفؑ! اے سرتاپا سچے (انسان)! مجھے اِس خواب کا مطلب تو بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھائے جا رہی ہیں۔ اور سات ہی ہری بالیاں ہیں اور سات ہی سوکھی ہوئی خشک بالیاں ہیں۔ شاید کہ میں اُن لوگوں کے پاس جاؤں اور شاید کہ وہ (اِس خواب کا مطلب) جان لیں۔

انبیاءِ کرام کی عظمت و کردار

(آیت ۴۶) قرآن میں "صِدّیق" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی " سرتاپا سچے انسان" کے ہیں۔ یعنی جو انتہائی سچّا انسان ہو۔ اِس سے

اندازہ ہوتا ہے کہ ساتھی قیدی حضرت یوسفؑ کی پاکیزگیٔ کردار سے کتنے متاثر تھے کہ اتنے عرصے کے بعد بھی وہ قیدی حضرت یوسفؑ کو صِدّیق کہکر پکار رہا ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفہیم القرآن)

قیدی کا حضرت یوسفؑ سے یہ کہنا: "شاید کہ وہ جان لیں" اِس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں

(۱) شاید کہ وہ "خواب کی تعبیر یا خواب کا مطلب" جان لیں۔

*۔۔۔ (تفسیر تبیان۔ جلالین)

(۲) شاید کہ بادشاہ اور اُس کے درباری آپؑ کا مرتبہ جان لیں۔

*۔۔۔۔ (تفسیر تبیان۔ موضح القرآن)

شاید کا لفظ اِس لیے قیدی نے کہا کہ "شاید بادشاہ کے درباریوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ یہی تعبیر جو آپؑ نے بتائی ہے وہی خواب کا صحیح مطلب ہے"۔

*۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

نکتہ حضرت یوسفؑ کے مصائب و تکالیف میں مبتلا رہنے میں کئی حکمتیں تھیں:

(۱) غلام بنے تاکہ غلاموں کے آقا بن کر اُن پر رحم کریں۔

(۲) قیدی بنے تاکہ بادشاہ بن کر قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

(۳) حسد اور درد و الم جھیلا تاکہ ہر قریب و بعید، امیر و غریب سب پر مہربانی کریں۔

*۔۔۔ (روح البیان)

(۴) عزیزِ مصر کی بڑی جائیداد کا انتظام سنبھالا تاکہ ملک کا انتظام سنبھال سکیں۔

نتائج حضراتِ انبیاءِ کرامؑ اور اولیاءِ کرامؒ کی تکالیف کو سمجھنا آسان نہیں۔ یہ تکالیف خدا کی طرف سے اُن کے لیے تحائف و ہدایا ہوتے ہیں۔ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "جب خدا اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے مصائب میں مبتلا کرتا ہے"۔

پھر جب وہ بندہ صبر کرتا ہے تو خدا اُسے منتخب کر لیتا ہے اور اُس سے راضی ہو جاتا ہے

*۔۔۔۔ (روح البیان)

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ۴۷

(۴۷) یوسفؑ نے کہا: "تم لوگ سات سال تک متواتر اپنی کھیتی کاٹو، اُس کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دو۔ سوائے تھوڑی سی مقدار کے جسے تم کھاؤ۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ۴۸

(۴۸) پھر اُس کے بعد سات سال بہت ہی سخت آئیں گے، جو کھا جائیں گے اُس (سارے کے سارے غلّے) کو جو تم جمع کرو گے، سوائے بہت ہی کم غلّے کے جو تم نے محفوظ کر رکھا ہوگا۔

انبیاءِ کرام کا حلم، ہمدردی اور کمالِ صبر

جناب یوسفؑ کی بلندیٔ اخلاق

ملاحظہ فرمائیں کہ ساقی سے اُس کی مجرمانہ غفلت پر کوئی شکایت نہ فرمائی۔ پھر پوری خوشدلی کے ساتھ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا دی۔ پھر ساتھ ساتھ بغیر درخواست کے قحط کے زمانے میں لوگوں کو بھوک سے بچانے ترکیب بھی بتا دی۔ ٭...... (ماجدی)

قیامت خیز قحط اور اُس سے بچاؤ

اِس قحط کا دنیا کی تاریخ میں خاص مقام ہے

یہ قحط صرف مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز، فلسطین، بلکہ پوری دنیا میں پھیل گیا تھا۔

توراۃ میں ہے کہ: "ساری دنیا اِس قحط کی بلا سے بلبلا اُٹھی تھی۔ سارے ملک (والے) مصر میں یوسفؑ کے پاس کنے (غلّہ) مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔

٭... (پیدائش ۴۱: ۵۷)

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝ (۴۹) اِس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لیے بارش ہوگی اور اُس میں تو وہ پھلوں کا رس نچوڑیں گے۔

" یَعْصِرُوْنَ " کے معنی " نچوڑنے " کے ہیں۔ مقصد شادابی اور سرسبزی کی کیفیت بیان کرنا ہے۔ جو قحط کے بعد رونما ہونے والی تھی۔ جب زمین شاداب ہوتی ہے تو تیل دینے والے بیج اور رس دینے والے پھل خوب خوب پیدا ہوتے ہیں۔ اور مویشی بھی چارہ اچھا ملنے کی وجہ سے خوب دودھ دیتے ہیں

قرآن اور بائیبل کا مقابلہ

قرآن میں حضرت یوسفؑ کا کردار بڑا اچھا تلا بیان ہوا ہے۔ جبکہ بائیبل کا بیان ہے کہ: "بادشاہ کے طلب کرنے پر حضرت یوسفؑ فوراً چلنے کو تیار ہوگئے۔ حجامت بنوائی، کپڑے بدلے اور دربار میں جا حاضر ہوئے۔" تلمود نے تو اس سے بھی گھٹیا صورتِ واقعہ پیش کی ہے کہ:

" یوسفؑ جب دربار میں آیا تو وہاں کے زر و جواہر کی چمک دمک دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اُس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ یوسفؑ قاعدے کے مطابق تخت کے نیچے کھڑا ہوا، اور زمین بوس ہو کر اُس نے بادشاہ کو سلامتی دی۔ اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اُتر کر اُس سے گفتگو کی۔"

اس کے مقابلے میں قرآن نے حضرت یوسفؑ کے قید سے نکلنے کے واقعے کو کس شان بان سے بیان کیا ہے۔ آپ خود بتائیں کہ کون سی تصویر پیغمبری کی شان کے مطابق ہے؟

تلمود کی غلط بیانی

تلمود کا بیان اِس لیے بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت یوسفؑ

کی شخصیت بادشاہ کی نگاہ میں اتنی کم تھی تو پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ یوسفؑ سے خواب کی تعبیر سنتے ہی وہ یوسفؑ کو ساری حکومت کے اختیارات دینے پر فوراً تیار ہوگیا۔ ایک مہذب متمدن ملک میں اتنا بڑا عہدہ جسے آج وزیرِ خزانہ کہتے ہیں، صرف اُسی وقت مل سکتا ہے جب وہ انسان اپنی اخلاقی، علمی اور ذہنی برتری کا سکّہ لوگوں پر بیٹھا چکا ہو۔

لہٰذا عقل کی رو سے بھی قرآن کا بیان زیادہ حقیقت کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفہیم القرآن)

یُغَاثُ کے معنی: یُغَاثُ کا مصدر غَیْثٌ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں۔

*۔۔۔۔ (بقول ابنِ عبّاس و مجاہد)

* دوسرا قول یہ ہے کہ یُغَاثُ مصدرِ غَوث کا صیغہ ہے جس کے معنی کشائش، خوشی اور فریاد رسی کے ہیں۔

*۔۔۔ (بحر۔ مدارک)

* مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے لیے فریاد رسی یا بارش ہوگی۔ لوگ پھلوں کے رس خوب نچوڑیں گے۔ لوگ کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ قحط صرف مصر ہی سے نہیں، بلکہ ساری دنیا سے ختم ہوجائے گا۔ سب علاقوں میں بارشیں ہوں گی۔

قرآن مجید ضمناً کتنی بڑی بڑی باتیں بتا جاتا ہے یہ بھی قرآن مجید کا اعجازِ بیان ہے

*۔۔۔۔۔ (ماجدی)

"عَامٌ" کے لفظ کے معنی "سِنَۃٌ" کی طرح "سال" ہی کے ہیں۔ مگر دونوں کے استعمال میں فرق ہے۔ خشکی اور تنگی کے موقع پر "سِنَۃٌ" (سال) بولا جاتا ہے۔ اور شادابی اور خوشحالی کے موقع پر "عَامٌ" (سال) بولا جاتا ہے۔

*۔۔۔۔ (امام راغب)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ○ ۵۰

(۵۰) بادشاہ نے (جب یہ مطلب سُنا تو) کہا: "یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ۔" مگر جب بادشاہ کا بھیجا ہوا قاصد آیا تو یوسفؑ نے کہا: "اپنے مالک کے پاس واپس جا، اور اُن سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا قصّہ کیا ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ تک کاٹ ڈالے تھے۔ حقیقتاً میرا پالنے والا مالک (خدا) اُنکی چالاکی اور مکّاری کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی حکمتِ عملی، عالی ظرفی اور شرافت

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ بادشاہ کے بُلانے پر فوراً نہ آئے اور مطالبہ کیا کہ پہلے اُن کے الزام کی تحقیق کی جائے اور اِس طرح بادشاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ شہر کی عورتوں سے سوال کرے اور اُن کے کردار کی تحقیق کرے تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ وہ (حضرت یوسفؑ) پاکدامن انسان ہیں۔ اور ناحق قید کیے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کی بیوی کا نام نہ لیا۔ یہ اُنکی انتہائی شرافت تھی کہ اپنے محسن کی بدنامی کا سبب نہ بنیں۔

...... (تفسیر صافی ص ۲۴۹)

★ حضرت یوسفؑ کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تک میرے مالک (اللہ) کا تعلق ہے، اُسے تو میری بے گناہی کا حال خوب معلوم ہے۔ مگر تمہارے رب (بادشاہ) کو بھی میری رہائی سے پہلے

اِس معاملے کی پوری تحقیق کرلینی چاہیے جس کی وجہ سے مجھے جیل بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ میں کسی بدنامی کا داغ لیے دنیا کے سامنے آنا نہیں چاہتا۔ مجھے قید سے نکالنا ہے تو پہلے سرِعام میری بے گناہی اور بے قصور ہونا ثابت ہونا ضروری ہے۔

پھر اِس مطالبے میں بھی حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کی بیوی کا ذکر نہیں فرمایا، صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کے ذکر پر اکتفاء کی۔ یہ حضرت یوسفؑ کی انتہائی شرافت تھی کہ اُس عورت نے خواہ کتنی ہی بُرائی کیوں نہ کی ہو، مگر پھر بھی اُس کا شوہر حضرت یوسفؑ کا محسن تھا، اِس لیے آپؑ نے یہ نہ چاہا کہ اپنے محسن کے ناموس پر خود کوئی حرف لائیں۔

★..... (تفہیم القرآن)

★ حضرت یوسفؑ کا قیدی سے یہ فرمانا کہ: "اپنے مالک کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا قصہ کیا ہے؟" آپؑ کا مطلب یہ تھا کہ تو جاکر بادشاہ کو اُس قصے کی طرف متوجہ کر جو میرے ساتھ اُن عورتوں نے کیا تھا تاکہ بادشاہ اُس قصے کی خود تحقیق کرے تاکہ میری بے گناہی ثابت ہو جائے۔

★..... (جلالین)

★ جب ساقی نے آکر حضرت یوسفؑ کی بتائی ہوئی تعبیر بادشاہ کو بتائی تو بادشاہ خواب کی معقول تعبیر سُنکر حضرت یوسفؑ کا غائبانہ معتقد بھی ہوگیا اور اُن سے ملنے کا مشتاق بھی ہوگیا۔ یہاں "رب" کا لفظ آقائے مجازی کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تو میری بے گناہی کو جانتا ہی ہے، مگر میں چاہتا ہوں کہ مخلوق بھی جیل کے باہر آنے سے پہلے میری بے گناہی کو جان لے۔ ★..... (ماجدی)

★ مرشد تھانوی نے لکھا کہ حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا یا ہادی کو یہی مناسب ہے تاکہ اُس کی تبلیغ اور دعوتِ اِلَی الحق کامیاب ہو سکے۔

★..... (مرشد تھانوی)

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْــٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(۵۱) (اِس پر بادشاہ نے اُن عورتوں سے) پوچھا "تمھارا کیا قصّہ تھا جب تم نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے تھے؟" تمام عورتوں نے کہا: "پاک ہے خدا۔ ہم نے تو یوسفؑ میں کوئی بُرائی نہیں پائی"۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا: "اب تو حقیقت ظاہر ہو ہی چکی ہے (اصل میں) میں نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے تھے۔ اور وہ تو واقعاً بالکل سچّے لوگوں میں سے ہیں۔

مصر کی عورتوں اور زلیخا کی گواہی حضرت یوسفؑ کی صداقت

جب حضرت یوسفؑ کی فرمائش پر قیدی نے بادشاہ اور اُس کے درباریوں کے سامنے حضرت یوسفؑ کا مطالبہ رکھا تو بادشاہ نے عورتوں کو بلایا اور حضرت یوسفؑ کا واقعہ پوچھا۔ ۔۔۔ (تفسیر تبیان)

اندازہ کیجیے کہ اِن گواہیوں نے کس طرح آٹھ نو سال پہلے کے واقعات کو تازہ کر دیا ہوگا، اور کس طرح حضرت یوسفؑ کی پاکیزگیٔ کردار کا سکّہ عام و خاص پر بیٹھ گیا ہوگا۔ پھر جب سارے علماء و حکماء خواب کی تعبیر نہ بتا سکے تھے اور اب حضرت یوسفؑ نے بادشاہ کے خواب کی معقول تعبیر بتائی ہوگی تو حضرت یوسفؑ کے علم اور دیانت کا سب نے کلمہ پڑھا ہوگا۔ پھر جب حضرت یوسفؑ نے قید سے نکلنے سے اُس وقت تک کے لیے انکار کیا ہوگا جب تک اُن پر لگائی ہوئی تہمت صاف نہ ہو جائے، تو بادشاہ اور اُس کے مصاحب کس قدر حیران ہوئے ہوں گے! کہ یہ کتنا بلند حوصلہ انسان ہے کہ بے گناہ آٹھ دس سال قید خانے میں رہ کر بھی وہ قید سے چھوٹنے کے لئے بے تاب نہیں اور بادشاہ کے بلانے پر آنے سے انکار کر رہا ہے! بادشاہ

سے ملاقات کے لیے اپنی شرطیں لگا رہا ہے! اور پھر جب اُس شرط کے پورے ہونے پر حضرت یوسفؑ کا کردار نمایاں ہوا ہوگا تو سارے ملک نے حضرت یوسفؑ کی کتنی تعریف کی ہوگی۔ اِسی رُعب داب اور بھاری بھر کم کردار کی وجہ سے حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے ملاقات پر خزانوں کی سپردگی کا مطالبہ بے دھڑک پیش کر دیا اور بادشاہ نے اُسے فوراً قبول کر لیا گویا بادشاہ اور سارے دربار نے اُن کی ذہنی اور اخلاقی بلندی کو تسلیم کر لیا تھا اِسی لیے اُن کا مطالبہ فوراً مان لیا گیا۔

اگر بات صرف خواب کی تعبیر بتانے کی ہوتی تو زیادہ سے زیادہ حضرت یوسفؑ کو کچھ انعام دے دیا جاتا۔ تمام خزائنِ ارض اِن کے حوالے نہ کیے جاتے۔

٭ ...... (تفہیم القرآن)

★ غرض عزیز مصر نے عورتوں کو دربار میں بلوایا اور پوچھا: "کیا تم نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل پایا تھا؟

٭ ...... (کشاف)

اُن عورتوں کا واضح جواب آیت کے اندر موجود ہے کہ:

"قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ"

یعنی: اُن ساری کی ساری عورتوں نے کہا: "پاک ہے خدا۔ ہم نے تو یوسفؑ میں کوئی بُرائی نہیں پائی۔"

اِس گواہی کے علاوہ اِس قصّہ کی جو اصل مجرم تھی یعنی زلیخا' نے اپنے جرم کا اقرار بھی کیا اور حضرت یوسفؑ کی پاکیزگی' بے گناہی اور صداقت کی گواہی بھی دی کہ:

"اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝" یعنی: "میں نے ہی اُس (یوسفؑ) پر ڈورے ڈالے تھے اور وہ تو واقعاً بالکل کھرے اور سچے لوگوں میں سے ہیں۔" (القرآن)

٭ ...... (مؤلف)

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ (۵۲) (یہ سُن کر یوسفؑ نے کہا:) "اِس بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ (سوال کے کرنے) کا سبب یہ تھا کہ وہ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ ۵۲ (بادشاہِ مصر) یہ جان لے کہ میں نے

اُس کی پیٹھ پیچھے چُھپ چُھپا کر کوئی خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں خدا اُن کی چالوں کو کامیاب نہیں کرتا۔

یہ جملہ کس کا ہے ؟ اِس آیت میں حضرت یوسفؑ کا قول بیان کیا گیا ہے۔ * (تفسیر صافی ص۲۴۹)

* بعض مفسّرین جیسے ابنِ تیمیہ اور ابنِ کثیر نے یہ سمجھا کہ یہ جملہ حضرت یوسفؑ کا نہیں ہے بلکہ عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا) کا جملہ ہے۔ کیونکہ اسی کے قول سے متّصل ہے۔

لیکن تعجّب ہے کہ ابنِ تیمیہ اور ابنِ کثیر جیسے دقیق رس آدمیوں کی نگاہ سے یہ بات چوک گئی کہ کلام کی شان خود ایک بہت بڑا قرینہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور قرینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ زلیخا کی شان سے بہت بلند ہے۔ یہاں شانِ کلام خود کہہ رہی ہے کہ اِس جملے کے کہنے والے حضرت یوسفؑ ہی ہو سکتے ہیں، زلیخا نہیں ہو سکتی۔ اِس جملے میں جو نیک نفسی، عالی ظرفی، خدا ترسی اور فروتنی بول رہی ہے، وہ خود بتا رہی ہے کہ یہ جملہ حضرت یوسفؑ ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے، زلیخا کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔

* ..... (تفہیم القرآن)

* لیکن اکثر مفسّرین نے اِس جملے کو زلیخا کا جملہ قرار دیا ہے۔ (جلالین، شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین)

* بہر حال اگر یہ جملہ زلیخا کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے جو اِس وقت اپنے گناہ کا

اعتراف کیا ہے، وہ اس لیے کیا ہے تاکہ یوسفؑ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے یوسفؑ کے پیچھے چغلوئی سے کام لیا ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر علی بن ابراہیم)

مگر بہت سے مفسرین کا یہی خیال ہے کہ یہ جملہ حضرت یوسفؑ کا قول ہے۔

*۔۔۔۔۔ (جلالین۔ شاہ ولی اللہ۔ شاہ رفیع الدین)

* اگر یہ جملہ حضرت یوسفؑ کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: "میں نے جو بادشاہ سے اپنے کیس کی تحقیقات کرائی ہیں وہ اس لیے تاکہ عزیزِ مصر کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ میں نے اُس کی بیوی کے ساتھ اُس کے پیٹھ پیچھے کوئی خیانت نہیں کی تھی۔ شیخ الطائفہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

* مگر اس تفسیر میں ایک بڑا خلل ہے۔ اس لیے کہ عزیزِ مصر کو حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے قصے کے فوراً بعد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یوسفؑ بے گناہ ہے۔ اور خطا زلیخا کی ہے۔ پھر حضرت یوسفؑ نے یہ کیوں فرمایا کہ عزیزِ مصر جان لے کہ میں نے اُس کے پیٹھ پیچھے اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی۔

* اس لیے زیادہ قوی بات یہی ہے کہ یہ قول زلیخا کا ہوگا۔ تفسیر اہلِ بیتؑ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق اگلی آیت بھی حضرت یوسفؑ کا قول نہ ہوگا، بلکہ زلیخا ہی کا قول ہوگا جس میں وہ اپنے گناہ کا برملا اعتراف کر رہی ہے کہ: "میں اپنے نفس کو بھی بُری نہیں کرتی ہوں۔ بلاشبہ نفس بُرائی پر آمادہ کیا ہی کرتا ہے۔ مگر یہ کہ میرے پالنے والے مالک کا رحم و کرم شاملِ حال ہو حقیقتاً میرا پالنے والا مالک بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

*۔۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

★ لیکن عام مفسّرین کے نزدیک یہ سارے کا سارا قول حضرت یوسفؑ کا ہے۔ اِس طرح حضرت یوسفؑ کا مقصد یہ تھا کہ عزیزِ مصر کو میری بے گناہی کا علم تو پہلے سے تھا اب اور اُسے یقین آجائے کہ میں بے گناہ ہوں۔

★۔۔۔۔ (کشّاف ۔ بیضاوی)

★ اِن مفسّرین نے یہاں "رَب" سے مراد عزیزِ مصر ہی کو لیا ہے۔ اور آخری الفاظ کہ: "خدا خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا۔" شاید اِس لیے فرمائے کہ مصری تہذیب میں زنا کرنا بجائے خود کوئی بڑا جرم نہ تھا۔ لیکن ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر سے خیانت کرنا بڑا جرم تھا۔ (اِس لیے خیانت کا حوالہ دیا۔)

★۔۔۔۔ (ماجدی)

★ جنابِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور یومِ آخرت کو دل سے مانتا ہے اُس پر لازم ہے کہ تہمت کے مواقع سے بچے۔"

★ ایک دفعہ حضورِ اکرمؐ اعتکاف میں تھے کہ آپؐ کی ایک زوجہ محترمہ آپؐ کے پاس تشریف لائیں۔ وہیں سے دو صحابی گذرے تو حضورؐ نے اپنی زوجہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "یہ میری زوجہ ہیں"، یہ آپؐ نے اِس لیے فرمایا تاکہ اِن کو کوئی غلط خیال نہ گذرے۔

★ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "مجھے حضرت یوسفؑ کے صبر پر تعجّب ہے کہ جب بادشاہ کا قاصد اُن کے پاس آیا اور عرض کی، کہ بادشاہ آپ کو بلاتا ہے۔ تو آپ نے قید خانے سے نکلنے میں جلدی نہ کی، بلکہ فرمایا: "اپنے مالک کی طرف لوٹ جا۔" (پہلے میرے اوپر جو الزام ہے اُس کی بادشاہ تحقیق کرے۔)

دوسرے یہ کہ جب آپ سے خواب کی تعبیر کا سوال ہوا تو آپ نے اُس کو فوراً حل فرمایا۔" (یعنی: اُس کو اپنی رہائی سے مشروط نہ فرمایا۔ اور یہ نہ فرمایا کہ مجھے پہلے جیل سے نکالو تب بتاؤں گا۔)

★۔۔۔۔ (تفسیر تبیان)

نتائج اور پیغام

حضرت یوسف ؑ نے آخر میں اپنی امانت اور دیانت کا اظہار فرمایا (۱) اِس سے معلوم ہوا کہ امانت اور دیانت بہت بڑی نیکی ہے۔ (۲) آپؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اگر (معاذاللہ) میں خائن ہوتا تو میرا انجام بخیر نہ ہوتا۔ (۳) اِس سے معلوم ہوا کہ خدا نیک لوگوں کو غم کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ (۴) معلوم ہوا کہ بہت بُری صفات میں سے ایک صفت خیانت بھی ہے۔ مال و دولت' اولاد' صلاحیتیں' عہدے' یہ سب ہمارے پاس خدا کی عطا کی ہوئی امانتیں ہیں' اِسی طرح ہمارے تمام اعضاء بھی خدا کی امانتیں ہیں' اِن سب چیزوں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، ورنہ خیانت ہوگی۔ (۵) دل خدا کی سب سے بڑی امانت ہے اِس کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے، ورنہ یہ سب سے بڑی خیانت ہوگی۔

* ...... (تفسیر روح البیان)

امام غزالی نے لکھا کہ: اکابرین کا قول ہے کہ "حلال مال و دولت آنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس کی جگہ "جیب" ہونی چاہیئے' دل میں مال و دولت کی محبت کو نہ آنے دینا چاہیئے۔ اس لیئے کہ دل کو صرف خدا کی یاد اور محبت کے لیے وقف کر دینا چاہیئے۔ * .... (احیاء العلوم)

بارھواں پارہ ختم ہوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٭

(دعائے بصیرت و بصارت و رزق)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَیْكَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلِ النُّوْرَ فِیْ بَصَرِیْ وَالْبَصِیْرَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَالْیَقِیْنَ فِیْ قَلْبِیْ وَالْاِخْلَاصَ فِیْ عَمَلِیْ وَ السَّلَامَةَ فِیْ نَفْسِیْ وَالسَّعَةَ فِیْ رِزْقِیْ وَالشُّكْرَ لَكَ اَبَدًا مَّآ اَبْقَیْتَنِیْ

پارۂ وَمَآ اُبَرِّئُ تیرہ (١٣)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ٥٣

(٥٣) اور میں اپنے آپ کو بری نہیں کرتا ہوں۔ (کیونکہ) حقیقتاً نفس تو بُرائی پر بہت آمادہ کرنے والا ہے۔ سوا اُس کے کہ جس پر میرے پالنے والے مالک نے رحم و کرم کیا ہو۔ بے شک میرا پالنے والا مالک بڑا ہی معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

انسان کی کوشش پر خدا کا رحم و کرم

حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ: "میرا مالک بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

اِس کا مطلب یہ ہے کہ: جب انسان کا "نفسِ امّارہ" توبہ کرکے "نفسِ لوّامہ" یعنی بُرائی پر روک ٹوک کرنے والا نفس 'بن جاتا ہے' تو خدا اُس کے پچھلے گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ پھر اُس کے بعد' رفتہ رفتہ مہربانی فرماکر اُسے نفسِ مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ جس کے بعد وہ خدا کی اطاعت اطمینان سے خوشی خوشی بلا تکلیف اور بغیر کسی دقّت کے انجام دیتا ہے، کیونکہ اُس کی نیکیوں کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے اور بُرائیوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔

(عثمانی)

★ کیونکہ پچھلی آیت میں حضرت یوسفؑ نے اپنی بے گناہی ثابت فرمائی تھی، یہ بات کہہ کر نبیٔ خدا کو یہ خیال ضرور ہوا ہوگا کہ کہیں اِس بات کے کہنے میں تکبّر، غرور اور اثباتِ خودی کا شائبہ نہ پیدا

ہوگیا ہو، اِس لیے فوراً فرمایا کہ "گناہ سے بچ جانا فقط میرے نفس کا کارنامہ نہیں تھا کیونکہ نفس تو خود بُرائی کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ تو میرے مالک کا رحم و کرم تھا کہ اُس نے مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائی۔

★ .... (تفسیر تبیان، فصل الخطاب)

غرض حضرت یوسفؑ نے یہ بات خدا کے سامنے انکساری کے سبب سے فرمائی تھی۔ خلاصۂ مطلب یہ تھا کہ: "میرا دعوتِ گناہ سے بچنا۔"

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اِسی لیے ہر مسلمان دن میں کم از کم دس مرتبہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ درخواست ضرور کرتا ہے کہ: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (اے خدا) "ہمیں سیدھا راستہ دکھا تا رہ۔ یا: "ہمیں سیدھے راستے پر قائم (یا ثابت قدم) رکھ"

★ ...... (مؤلف)

حاصلِ مطلب

★ غرض حضرت یوسفؑ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ نفسِ انسانی تو بُرائیوں کی طرف مَیلان رکھتا ہے، لیکن خدا جس کو چاہے اُسے نفسِ بشری کے ساتھ ایک نفس المعانی بھی دے دیتا ہے جس کا تعلق خدا سے ہر وقت جُڑا رہتا ہے، اور پھر یہی ہر وقتی تعلق اُسے ہر گناہ سے روکے رکھتا ہے۔ اِس لیے میری عصمت بھی اللہ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔

★ .... (جصاص)

حضرتِ یوسفؑ کی انکساری

حضراتِ انبیاء کرامؑ کی انکساری دیکھیے کہ اپنے حصّے کی خوبی کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ اس کو بھی فضلِ خداوندی قرار دیتے ہیں۔

★ .... (ماجدی)

خدا کی توفیق کے معنی

خدا کی شانِ مغفرت (معاف کرنے) کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نفسِ اَمّارہ کو یہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا احساس کرے اور اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر توبہ کرے اور اس طرح خدا کی (طرف سے) معافیوں کا مستحق بن جائے۔ اور خدا کی شانِ رحیمی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی خاص مہربانیوں کے سبب سے انبیاء ؑ، اولیاء ؒ اور کوشش کرنے والے مومنین کے نفسِ لوّامہ کو نفسِ مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ یعنی ایسا نفس بنا دیتا ہے جو خدا کی اطاعت پر مطمئن اور خوش ہوتا ہے اور گناہوں کی طرف متوجّہ ہی نہیں ہوتا۔ ؎ "مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند"

* . . . . . (تفسیر کبیر)

حاصلِ مطلب

یہ کہ: (۱) حضرت یوسف علیہ السّلام یہ فرما رہے ہیں کہ: میری عصمت و طہارت، پاکیزگیٔ کردار میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں ہے۔ گناہوں سے میرا بچنا رحمت اور عنایتِ الٰھیہ کا اثر ہے۔

(۲) اس سے یہ معلوم ہوا کہ نفس دو قسموں کا ہوتا ہے:

(۱) نفسِ اَمّارہ: جو ہمیں بُرائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔ ایسا آدمی جب توبہ کرتا ہے تو اُس کو معاف کیا جاتا ہے۔ اور وہ نفس جو توبہ کرتا ہے اُس کو "نفسِ لوّامہ" کہتے ہیں

(۲) نفسِ لوّامہ: یعنی (گناہوں پر) ملامت کرنے والا نفس۔ پھر وہ آخر میں نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔ (یعنی اطاعتِ خدا پر مطمئن ہو کر بُرائیوں کو چھوڑ دیتا ہے) نفس کا ایسا ہو جانا خدا کی مہربانی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ پس اَمّارہ کے لوّامہ ہونے پر خدا کے عفو کا ظہور ہوتا ہے اور نفس کے مطمئنہ ہونے پر خدا کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ * . . . . (تھانوی)

★ حافظ ابنِ تیمیہ اور ابنِ کثیر نے اِس آیت کو زلیخا کا قول قرار دیا ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس کو قبول نہیں کیا۔
* . . . . . (عثمانی)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾

اور بادشاہِ (مصر) نے کہا: "انھیں (یوسفؑ کو قید خانے سے) میرے پاس لاؤ تاکہ میں انھیں اپنا خاص مقرب (درباری) بنالوں۔ اور جب بادشاہ نے یوسفؑ سے بات چیت کی تو کہا: "حقیقتاً آپ ہمارے پاس بڑی قدر و منزلت رکھتے ہیں اور ہمیں آپ کی امانتداری پر پورا بھروسہ ہے۔

حضرت یوسفؑ کی قدر و منزلت

بادشاہِ مصر نے حضرت یوسفؑ کی وہ باتیں سُنیں جو پچھلی آیت میں بیان ہوئی ہیں تو اُس کو حضرت یوسفؑ کی عظمت کا اندازہ ہوگیا۔ اِسی لیے اُس نے کہا کہ یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ۔ پھر جب حضرت یوسفؑ سے ملاقات کی اور اُن کی باتیں سُنیں تو اُس پر حضرت یوسفؑ کا فضل و کمال پوری طرح ظاہر ہوگیا۔ اِس پر بادشاہ نے کہا کہ "آپ ہمارے نزدیک بڑے معتبر اور معزز ہیں۔" پھر بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور جب اُسے قحط آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے کہا: اتنے بڑے قحط سے بچنا بہت بھاری کام ہے یہ کام کس کے سپرد کیا جائے؟" حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "ملکی خزانوں پر مجھ کو مقرر کر دیجیے۔" اِس پر بادشاہ نے پورے کے پورے اختیارات حضرت یوسفؑ کو دے دیے۔ پھر رفتہ رفتہ حضرت یوسفؑ ہی بادشاہ ہوگئے اور عزیزِ مصر برائے نام بادشاہ رہا۔

(تھانوی، تفسیر تبیان) .... *

دوسری روایت یہ ہے کہ عزیزِ مصر اُسی زمانے میں مرگیا، اور بعد میں حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے نکاح بھی کرلیا۔ * ..... (دُرِّ منثور)

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○ (۵۵) ۵۵ (اس پر) یوسفؑ نے کہا: "مجھے اس سرزمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے۔ (کیونکہ حقیقتاً میں بڑا حفاظت کرنے والا اور (ان تمام معاملات کا) خوب علم رکھنے والا ہوں۔

حضرت یوسفؑ کا مقصد

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت یوسفؑ نے حکومت اس لیے طلب کی تھی کہ اللہ کے احکام کو نافذ فرمائیں اور حق کو پھیلائیں۔"

*..... (تفسیر عیاشی)

حضرت یوسفؑ کا ترکِ اَولیٰ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "خدا میرے بھائی یوسفؑ پر رحم کرے، اگر وہ یہ نہ کہتے کہ "مجھے خزانوں پر مقرر کیا جائے" تو انھیں اُسی وقت حکومت سپرد کر دی جاتی۔ لیکن یہ کہنے کی وجہ سے دو سال تاخیر سے وزارت ملی۔"

*..... (تفسیر مجمع البیان)

★ حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ: "میں حفاظت کرنے والا ہوں"۔ یعنی "بے محل خرچ کر کے برباد کرنے والا نہیں ہوں" اور اُن کا یہ فرمانا: "میں خوب جاننے والا ہوں"۔ یعنی مال کو صحیح جگہ اور صحیح طرح استعمال کرنا خوب جانتا ہوں۔

*.... (فصل الخطاب)

نتائج

(۱) فقہاء نے اِس آیت سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ اگر مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہو تو خود کو کسی عہدے یا منصب کے لیے پیش کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اگر غیر مسلم نظامِ حکومت ہو اور انسان عدل قائم کرنے کے لیے کسی عہدے کے لیے خود کو پیش کرے، تو یہ بھی جائز ہے۔

*.... (قرطبی۔ تھانوی۔ انوار النجف)

(۲) علماءِ اخلاق نے یہ نتیجہ نکالا کہ "ناواقف کے سامنے حسبِ ضرورت اپنی فضیلت اور کمال کو بیان کرنا بھی جائز ہے۔

*..... (جصاص)

(۳) آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ملکی معاملات کا بندوبست کرنا اور لوگوں کی صلاح و فلاح کے لیے کام کرنا عبادت ہے۔ اور یہ ایسی عبادت ہے جو کمالِ نبوّت کے منافی نہیں (بشرطیکہ اُس کا مقصد خدا کی رضامندی کا حصول ہو، اور خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا ہو)

*..... (ماجدی)

۴۔ علم کی فضیلت

حضرت آدم ؑ مسجودِ ملائکہ اس لیے ہوئے کہ اُنھیں اسماء کا علم دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان ؑ اتنے بڑے ملک کے مالک بنے اِس لیے کہ اُنھیں "منطق الطیر" یعنی (پرندوں تک کی زبان کو سمجھنے) کا علم دیا گیا، حضرت یوسف ؑ کو مصر کی سلطنت اِس لیے ملی کہ آپ ؑ کو خوابوں کی تعبیر، حقائق کو جاننے اور خزانے کے اُمور چلانے کا علم آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ جب عام علوم کے اِس قدر فضائل ہیں تو علمِ توحید اور خدا کی صفات اور خدا کی کتاب کا علم کتنا مفید ہوگا؟ اِس علم سے نجاتِ حقیقی اور دارِ نعیم اور قربِ الٰہی تک رسائی یقیناً ممکن ہوگی، جو سب سے بڑی نعمتیں ہیں۔

*.... (روح البیان)

۵۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انبیاءِ کرام ؑ دنیا کے معاملات کی بھی عقلِ کامل رکھتے ہیں۔

*.... (عثمانی)

۶۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا: "جو شخص از خود حکومت طلب کرتا ہے تو اُس کا بار اُسی کے کاندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔" (یعنی اُسے غیبی امداد حاصل نہیں ہوتی) بشرطیکہ یہ طلب نفس پروری اور جاہ پسندی کے سبب سے ہو۔"

*.... (عثمانی)

دوسری بڑی مثال

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے جب مامون کے مجبور کرنے پر

ولیعہدی قبول فرمائی اور لوگوں نے اعتراضات کیے تو آپ نے سورۂ یوسف کی اِسی آیت کو پیش فرمایا اور فرمایا کہ "بوقت ضرورت عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اور مظلوموں کو ظلم سے بچانے کے لیے یا جب مال اور جان کے نقصان کا خطرہ ہو، تو حکومت قبول کی جا سکتی ہے۔"

کیونکہ مامون نے ولیعہدی قبول کرنے یا قتل ہونے کا اختیار دیا تھا۔

* ..... (تفسیر انوار النجف)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ " نیک مقصد اور عدل و انصاف کی خاطر حکومتِ جور میں بھی عہدہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے کیا "

* .... (تفسیر انوار النجف)

۷۔ اپنی فضیلت بیان کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " ضرورت کے وقت اپنی پاکیزگی، صفائی اور فضیلت کا بیان کرنا جائز ہے۔ کیا تم نے حضرت یوسفؑ کا یہ قول نہیں سُنا (جو اُنھوں نے بادشاہِ مصر سے کہا تھا کہ) " تم مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو حقیقت یہ ہے کہ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور بہت علم رکھنے والا بھی۔"

اِسی طرح حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: "وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ " پ ۸ ۔ ع ۔ ۶۸

" اور میں تمھارا معتبر بھلائی چاہنے والا خیر خواہ ہوں۔"

* ...... (تفسیر صافی ص ۲۵۰ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حکومتِ جور کا عہدہ

* حکومتِ جور سے بھی اگر اِس لیے عہدہ قبول کیا جائے کہ حتی الامکان انصاف کروں گا، خدا کے احکام نافذ کروں گا، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کروں گا، قوم کی خدمت کروں گا تو اِس صورت میں عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ شکم پرستی اور عیش کرنا مقصود نہ ہو۔ اگر قومی بقا بھی اس پر منحصر ہو تو حکومت میں حصہ لینا ضروری ہے مگر کسی حال میں مذہب کے تقاضوں کو بھلایا نہ جائے۔

* .... (تفسیر انوار النجف)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ ۵۶

(۵۶) غرض اِس طرح ہم نے یوسفؑ کو اُس زمینِ (مصر) پر اقتدار کا مالک بنا دیا۔ کہ وہ اُس میں جہاں چاہتے رہتے۔ (یعنی مصر میں ہر جگہ اُن کی حکومت تھی) ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہم نیک لوگوں کا اجر ہرگز برباد نہیں کرتے۔

زمانۂ قحط میں حضرت یوسفؑ کا طریقہ (حاکم کے فرائض)

حضرت یوسف علیہ السلام (مصر کے بادشاہ ہو جانے کے بعد) قحط کے زمانے میں پیٹ بھر کے کھانا نہ کھاتے تھے۔ آپؑ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پیٹ بھر کے کھانا کھا کر بھوکوں کی خبر گیری سے غافل ہو جاؤں"۔

*..... (تفسیر انوار النجف)

★ اسی طرح جب حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی خلافت کے زمانے میں کسی نے آپؑ کو حلوہ کھانے کے لیے پیش کیا تو آپؑ نے قبول نہ فرمایا۔ اور اس کو فقراء ہی میں تقسیم کرا دیا۔ اور فرمایا: "مجھے شرم آتی ہے کہ میں وہ چیز کھاؤں جو میری رعایا کو عام طور پر میسّر نہیں"۔

*..... (منتہی الآمال ، بحار الانوار)

★ "حضرت یوسف علیہ السلام جہاں چاہتے اُترتے" یعنی جو چاہتے تصرف کرتے کیونکہ فرعونِ مصر ریّان بن ولید برائے نام بادشاہ رہ گیا تھا، حقیقتاً حضرت یوسفؑ ہی

بادشاہی کر رہے تھے۔

بعض مفسّرین نے لکھا کہ فرعونِ مصر حضرت یوسف علیہ السّلام کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر اپنی حکومت سے دستبردار ہو گیا تھا۔

اور بعضوں نے لکھا کہ اسی زمانے میں عزیزِ مصر کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے حضرت یوسفؑ اُسی عہدے پر فائز ہو گئے اور زلیخا سے اُن کی شادی ہو گئی۔ مگر اکثر محدّثین اِس بات پر اعتماد نہیں کرتے
* ...... (عثمانی)

شبابِ زلیخا

حضرت امام علی نقی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "جب عزیزِ مصر مر گیا اور حضرت یوسفؑ حاکم تھے، اور یہ قحط کا زمانہ تھا، تو زلیخا سخت نادار ہو گئی ایک دن مجبوراً حضرت یوسفؑ کے راستے میں بیٹھ گئی۔ جب حضرت یوسفؑ کو شان و شوکت کے ساتھ آتا دیکھا تو کہا: سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيْدًا وَّجَعَلَ الْعَبِيْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی سزا میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا۔)

حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے دریافت کیا: کیا تجھے میری ضرورت ہے؟ وہ بولی: "اس بات کو رہنے دیجیے۔" جب آپؑ نے دوبارہ پوچھا تو کہا: "ہاں مجھے آپؑ کی ضرورت ہے۔" حضرت یوسفؑ نے اپنے محل بھجوا دیا۔ پھر اُس نے حضرتؑ کو بتایا کہ "میری طرح شاید ہی کوئی گرفتارِ مصیبت ہوا ہوگا۔ اوّل تو یہ کہ میں آپؑ کی محبت میں گرفتار ہوئی۔ دوسرے مصر میں مجھ سے زیادہ کوئی خوبصورت حسین نہیں، مگر میرا شوہر نامرد تھا۔" حضرت یوسفؑ نے پوچھا: تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟" اُس نے کہا: "ہاں، خدا سے دعا کریں کہ میری جوانی پلٹا دے۔" حضرت یوسفؑ نے دعا فرمائی، تو زلیخا کی جوانی پلٹی۔ حضرت یوسفؑ نے اُس سے شادی کی جس سے آپؑ کے دو فرزند افرائیم اور ملیشا ہوئے۔"

* .... (تفسیر مجمع البیان بحوالہ تفسیر علی ابن ابراہیم)

وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ (۵۷) اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ۵۷

اور آخرت کا اجر تو اُن لوگوں کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور فرائضِ الٰھیہ کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بُرائیوں سے بھی بچتے رہتے ہیں۔

آخرت کے انعام کی عظمت

مطلب یہ ہے کہ: مومنینِ متّقین کے لیے آخرت میں جو انعام ہے وہ دنیا کی ہر دولت اور ہر نعمت سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ دنیا کی کوئی نعمت، کوئی اقتدار نیک لوگوں کے ادنیٰ سے صلے کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

. . . (ماجدی)

بھلائی کا راستہ اختیار کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام

مطلب یہ ہے کہ: "جو شخص بھلائی کا راستہ اختیار کرتا ہے خداوندِ عالم اُس کو دنیا میں بھی میٹھا پھل دیتا ہے خواہ وہ حکومت، ثروت، دولت، عزّت کی شکل میں ہو، یا اولادِ صالح، حیاتِ طیّبہ اور غنائے قلبی کی شکل میں ہو۔ اب رہا آخرت کا اجر، تو وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

* . . . . . (عثمانی)

حضورِ اکرمؐ سے مماثلت

شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ جواب ہوا یہودیوں کے سوال کا کہ اولادِ ابراہیمؑ اِس طرح شام سے مصر آئی۔ اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے چاہا کہ حضرت یوسفؑ ذلیل ہوں، مگر اللہ نے اُن کو عزّت دی۔ اور یہی ہوا حضورِ اکرمؐ کے ساتھ۔

(شاہ ولی اللہ)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا (۵۸) عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ۵۸

اور جب یوسفؑ کے بھائی (مصر) آئے اور یوسفؑ کے پاس (دربار میں) داخل ہوئے تو یوسفؑ نے انھیں پہچان لیا، مگر وہ لوگ یوسفؑ کو نہیں پہچان رہے تھے۔ (نہ پہچان سکے)

حضرت یوسفؑ کے بھائی اُن کو نہ ــــ پہچان ــــ سکے

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اُنھیں شاہانہ شان وشوکت اور ہیبت کی وجہ سے نہ پہچانا۔"

*..... (تفسیرِ صافی صٓ۲۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

★ حضرت یوسفؑ کے بھائی اِس لیے حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکے کہ اُن کو یہ گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یوسفؑ مصر کے بادشاہ بن جائیں گے۔

پھر یہ کہ حضرت یوسفؑ شاہی لباس میں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خدا نے یہ بندوبست خود کیا ہو کہ وہ لوگ حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکیں۔

*..... (تفسیر تبیان)

حضرت یوسفؑ کی خدمات

جب حضرت یوسفؑ مصر پر حکمران ہوئے تو سات سال تک ملک کو خوب آباد کیا اور اناج خوب جمع کیا۔ پھر ساتؐ سال تک سستے داموں غلّہ بیچا۔ سب لوگوں کو برابر دیا۔ اِس طرح خلقتِ خدا کو قحط سے بچایا اور ملک کے خزانے کو مال سے بھر دیا۔ اِسی لیے اُن کے بھائی اناج خریدنے مصر اُن کے پاس آئے۔

*..... (موضح القرآن)

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ (۵۹) قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ ۵۹

پھر جب یوسفؑ نے اُن کا سامانِ سفر روانگی کے لیے تیار کروایا تو کہا: "اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں (ہر شخص کو) پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں، اور بہترین طریقے سے مہمان نوازی بھی کرتا ہوں۔"

حضرت یوسفؑ کا راشننگ کا طریقہ

حضرت یوسفؑ کا طریقہ یہ تھا کہ ہر شخص کے ہاتھ صرف ایک اونٹ غلّہ فروخت فرماتے تھے۔ اِسی لیے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا کہ ہمارا ایک اور بھائی بھی ہے جو ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اُس کے حصّے کا غلّہ بھی دیدیجیے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "یہ قانون کے خلاف ہے، اگر اُس کو حصّہ لینا ہے تو خود آئے" پھر اُس کے حصّے کا غلّہ بھی دلوادیا، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہدیا کہ اب کے آنا تو اپنے ساتھ اُس بھائی کو بھی ضرور لیکر آنا، تاکہ اُس کو بھی پورا حصّہ دیا جائے۔ اگر آئندہ اُس کو ساتھ نہ لاؤگے تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ پھر میں تم کو کچھ بھی نہ دوں گا۔"

*۔۔۔۔۔۔ (تھانوی)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ باپ کی طرف سے تمھارے دو بھائی ہیں؟" انھوں نے کہا کہ: "اُن دونوں میں سے بڑے کو تو بھیڑیا کھا گیا اور چھوٹا ہمارے والد کے پاس ہے۔ ہمارے والد اُس سے بہت زیادہ مانوس ہیں۔" حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "میری خواہش یہ ہے کہ اب کی مرتبہ جب تم غلّہ لینے کے لیے آؤگے تو اپنے اُس بھائی کو ساتھ لیتے آنا۔"

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی ص ۱۵۱ بحوالہ تفسیر عیاشی)

فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِیۡ بِہٖ فَلَا (۶۰) اب اگر تم اُسے میرے سامنے نہ لاؤ گے تو میرے
کَیۡلَ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ۞ ۶۰ پاس تمہارے لیے تولنے کے لیے کچھ نہ ہوگا۔
اور تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔"

قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡہُ اَبَاہُ وَ (۶۱) اُنھوں نے کہا: "ہم کوشش کریں گے کہ
اِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ۞ ۶۱ ہمارے والد صاحب اُسے بھیجنے پر راضی ہو
جائیں۔ اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔"

وَقَالَ لِفِتۡیٰنِہِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَہُمۡ (۶۲) پھر یوسفؑ نے اپنے جوانوں سے
فِیۡ رِحَالِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَعۡرِفُوۡنَہَاۤ کہا کہ: "اِن لوگوں کی پونجی (جو انھوں نے
اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ لَعَلَّہُمۡ غلّہ کے بدلہ دی ہے) اُنہی کے سامان میں
یَرۡجِعُوۡنَ ۞ ۶۲ (چپکے سے) رکھ دو۔ ممکن ہے یہ اُسے اُس
وقت پہچانیں جب وہ اپنے گھر لوٹیں اور (اِس احسان مندی سے) شاید پھر واپس آئیں۔"

بھائی کی محبت

حضرت یوسفؑ کا حکم یہ تھا کہ اُن کی پونجی (جو وہ غلّہ خریدنے کے لیے لائے تھے) اُن کے غلّہ ہی میں رکھ دو، تاکہ وہ دوبارہ آئیں، ممکن ہے کہ غلّہ خریدنے کی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ نہ آسکیں۔ اِس لیے قیمت واپس کر دو۔ تاکہ کسی طرح بھی ہو وہ دوبارہ ضرور آئیں اور اپنے ساتھ بن یامین (برادرِ خورد) کو بھی لے آئیں۔ (بن یامین حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی تھے)

★ ۱ بعضوں نے لکھا کہ بھائیوں سے غلّہ کی قیمت وصول کرنا شاید اپنی شان کے خلاف سمجھا، اِس لیے رقم واپس کر دی۔ (عثمانی)

★ ۔۔۔۔

(حضرت یوسفؑ نبیٔ خدا تھے جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ سب مصلحت کی بنا پر صحیح کیا۔)

فَلَمَّا رَجَعُوٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ۶۳

(۶۳) جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہا: "بابا! آئندہ ہم کو غلّہ ناپ کر دیے جانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اِس لیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیے"، تاکہ ہم غلّہ نپوا کر لے آئیں اور یقیناً ہم اُس کی حفاظت کریں گے

★ بروایت ابوبصیر حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو سال میں دو دو دفعہ مصر سے غلّہ منگوانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس جب پہلی دفعہ قافلے کے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھیجا تو حضرت یوسفؑ نے اُن کو فوراً پہچان لیا۔ اور باقی تمام قافلوں سے پہلے اُن کو غلّہ دے کر فارغ کیا اور نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے حتیٰ کہ اُن کا اپنا سامان (قیمت وغیرہ) بھی واپس کر دیا۔

پس حضرت یوسفؑ کے بھائی غلّہ لیکر مصر سے روانہ ہوئے اور بعافیت اپنے وطن کنعان پہنچے۔ دھیمے لہجہ میں شرماتے ہوئے باپ کو سلام کیا تو اُنھوں نے دریافت فرمایا: اے میرے فرزندو! کیوں دھیمی آواز سے سلام کر رہے ہو اور تم میں شمعون کی آواز نہیں ہے وہ کہاں گیا؟ کہنے لگے اے پدرِ نامدار! ہم ایک بہت بڑے شہنشاہ کی جانب سے آئے ہیں کہ حکمت و علم، خشوع و فروتنی اور ہیبت و وقار میں کوئی اُس کا ہم پلّہ ہم نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کے ساتھ کسی کو تشبیہ دی جا سکتی تو وہ بلا کم و کاست آپ کی نظیر ہے۔ اور ہاں ہم ہمارا خاندان تو مصائب و آلام کا نشانہ بن چکا ہے۔ بادشاہ موصوف کو ہمارے اوپر اعتماد نہیں اور وہ ہماری بیان کردہ سرگذشت باور نہیں کرتا۔ آپ ازراہِ کرم ایک خط لکھ کر بن یامین کو ہمارے ہمراہ بھیجیں جس میں اپنی مصیبت کی روداد، بڑھاپے کی حالت اور بینائی کے کھو جانے کا سبب درج فرمائیں، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو بادشاہ ہم سے بائیکاٹ کر لیگا۔ اور دوبارہ ہمارے ساتھ لین دین نہ کرے گا۔ ★ . . . . (تفسیر انوار النجف)

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ ۶۴

(۶۴) باپ نے کہا: "کیا میں اُس کے بارے میں تم پر اُسی طرح بھروسہ کروں جس طرح کہ اِس سے پہلے اُس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں کرچکا ہوں ؟ بس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اللہ بہترین محافظ ہے

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جب حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمایا کہ "بس اللہ تمھارا بہترین محافظ ہے" تو اِس پر خدا نے ارشاد فرمایا: "جب تم نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے تو میں تمھارے دونوں چہیتے بیٹوں کو تمھارے پاس لوٹا دوں گا۔"

*.... (تفسیر صافی صـ ۲۵۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

★ کیونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے بڑے زور دے کر کہا تھا کہ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔ (اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ) اِس کے جواب میں کہا گیا کہ "تم بھلا کیا حفاظت کروگے، تم نے اِس سے پہلے یوسفؑ کی کون سی حفاظت کی تھی ؟ اُس ذمّہ داری کو کب پورا کیا تھا جو اِس بھائی کی حفاظت کی ذمّہ داری لے رہے ہو ؟ اصل حفاظت کرنے والا تو بس خدا ہے، تم کیا حفاظت کروگے۔؟"

*..... (تفسیر تبیان)

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا (۶۵) بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ ۶۵

پھر جب اُنھوں نے اپنا سامان کھولا تو (اُس میں) اپنی پونجی کو پایا کہ وہ بھی اُنھیں واپس کردی گئی ہے، تو وہ پکار اُٹھے: "بابا! ہمیں بھلا اور کیا چاہیئے؟ ہماری تو پونجی تک ہمیں واپس کردی گئی ہے، اور اب تو ہم اپنے گھر والوں کے لیے پھر (جاکر) غلّہ لائیں گے، اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے، اور (اِس طرح) ایک اونٹ (غلّہ) زیادہ لائیں گے۔ یہ تو بہت تھوڑا سا غلّہ ہے جو ہمیں بڑی آسانی سے ناپ کر ملا ہے۔"

★ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ غلّہ جو اب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تلک چلے گا؟ تھوڑے ہی دنوں بعد اور غلّے کی ضرورت پھر پڑے گی ★ ..... (کشاف)

★ "آسانی والا غلّہ" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلّہ ہے اگر بن یامین، ہمارا چھوٹا بھائی ہمارے ساتھ ہوتا تو ایک اونٹ غلّہ اور مل جاتا۔ یہ سودا تو بڑے مزے کا ہے۔ اِس لیے آپ ہمیں بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دیجیے۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فی آدمی ایک اونٹ بھر غلّہ مل رہا تھا۔ ★..... (ماجدی)

★ دوسرا مطلب ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ۔ "یہ آسان بھرتی ہے" اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ جو غلّہ ہم لائے ہیں بہت کم ہے، زمانۂ قحط میں کیسے پورا ہوگا؟ اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو، ہم دوبارہ جائیں اور مزید غلّہ لائیں۔ ★..... (عثمانی)

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۝ ۶۶

(۶۶) اُن کے باپ نے کہا "میں تو اُس کو ہرگز بھی تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جبتک کہ تم لوگ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد و پیمان نہ کرو کہ تم اُسے میرے پاس ضرور واپس لے آؤ گے، سوا اِس کے کہ تم سب گھیر لیے جاؤ۔" جب اُنھوں نے اُن سے پکّا عہد و پیمان کر لیا تو اُنھوں نے کہا: (دیکھو) "اللہ ہماری اِن باتوں پر گواہ ہے۔"

ظاہری اسباب پختہ رکھنے کی اہمیّت

تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ بن یامین کو ہم بخیریت لائیں گے۔ تب کہیں حضرت یعقوبؑ نے بن یامین کو لے جانے کی اجازت دی۔

*..... (مجمع البیان، تبیان، کاشفی، روح البیان)

★ حضرت یعقوبؑ نے پہلے ظاہری اسباب پختہ فرمائے۔ پھر اللہ پر بھروسہ رکھا یہی خدا کا حکم ہے۔

*.... (شاہ ولی اللہ)

★ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس ایک صحرائی عرب مسجد میں ملنے حاضر ہوا۔ آپؐ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ "تم نے اپنے اونٹ کو کیا کیا؟"

اُس نے عرض کی: "مسجد کے باہر خدا پر توکّل کر کے چھوڑ آیا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "یہ توکّل نہیں ہے۔ پہلے اونٹ کے پیر رسّی سے مضبوط باندھو پھر خدا پر بھروسہ کرو۔"

*.... (سیرت النبیؐ)

وَ قَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (٦٧)

پھر اُنھوں نے کہا: "اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے (شہرِ مصر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔ خیر میں تم کو اللہ کی طرف سے (آئی ہوئی) کسی بلا سے تو بچا نہیں سکتا (کیونکہ) حکم تو خدا کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا، میں نے بھی اُسی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

نظرِ بد ایک حقیقت ہے

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اِنَّ الْعَیْنَ حَقٌّ" یعنی: "نظرِ بد کا اثر ہونا یقیناً برحق ہے۔" نظرِ بد پہاڑ کی چوٹی کو بھی گرا دیتی ہے۔

جنابِ رسالت مآبؐ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو نظرِ بد کے اثر سے محفوظ رہنے کے لیے یہ تعویذ لکھ کر عنایت فرمایا تھا:

"اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَآمَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّآمَّۃٍ" یعنی: "میں اللہ کے مکمل کلمات سے تم دونوں کے لیے ہر بدمعاش شیطان اور نظرِ بد سے پناہ طلب کرتا ہوں۔"

* حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی تعویذ دیا تھا۔

حضرت جبرئیلؑ رسولِ خداؐ کے لیے ایک تعویذ لائے تھے جس میں لکھا تھا:

"بسم اللہ ارقیك من كل عين حاسد الله يشفيك"۔ (روح البیان)

نظرِ بد کا فلسفہ

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ خدا نعمتوں کو سلب فرماتا ہے تاکہ انسان تکبر سے بچتا رہے، آخرت کو نہ بھول جائے۔ پھر ایک نعمت سلب کرنے کے بعد دوسری عطا فرماتا ہے تاکہ انسان خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائے۔ پس اِس طرح خوف اور اُمید کے درمیان زندہ رہے۔ لوگوں کی نگاہ میں جو چیز بہت بڑی ہو جاتی ہے، خدا اُس کو پست فرماتا رہتا ہے کیونکہ خدا نے ہر چیز کی بلندی کی ایک حد معیّن کردی ہے جس کے آگے وہ نہیں بڑھ سکتی۔ اسی لیے کہاوت ہے کہ "ہر کمالِ را زوال"

*...... (تفسیر مجمع البیان)

حضرت یوسفؑ کے سب بھائی بہت خوبصورت، بہت شاندار ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ اسی لیے سارے ملکِ مصر میں مشہور ہو گیا تھا کہ بادشاہ اُن کے ساتھ خاص سلوک کرتا ہے اور انھیں بادشاہ کا قُرب حاصل ہے۔ اسی لیے حضرت یعقوبؑ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں اُن کو نظرِ بد نہ لگ جائے۔

*...... (تفسیر صافی ص۲۵۱)

"حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے"

حضرت یعقوبؑ کا یہ فرمانا کہ: "حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے"۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر خدا ہی تمھیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہے گا تو میری بتائی ہوئی کوئی تدبیر و ترکیب کوئی فائدہ نہ دے گی، پھر تو تمھارا الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا بھی خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو نہ ٹال سکے گا۔ کیونکہ تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی۔"

*..... (تفسیر صافی ص۲۵۱)

؎ تدبیر کُند بندہ، تقدیر زند خندہ

یعنی: انسان تدبیر کرتا ہے، اور تقدیر اُس پر قہقہے اُڑاتی ہے۔

ـــہ چوں قضا آید حکیم ابلہ شود

یعنی: (جب خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت آتی ہے تو عقلمند آدمی بھی احمق ہوتا ہے۔)

مگر اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ انسان کوشش ہی نہ کرے۔ اگر کوشش کرنا بند کر دے گا تو اُس کی یہی سُستی مصیبتوں کے آنے کا سبب بن جائے گی۔ البتہ جو مصیبتیں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں وہ تدبیروں سے نہیں ٹلتیں۔ البتہ دعائیں، صدقات، خیرات اور نیک اعمال دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا، خدا پر اعتماد کرنا، تقدیروں کو بھی ٹال دیا کرتا ہے۔ بقول اقبال

ـــہ غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں (یقین سے مراد خدا پر ایمان ہے)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "اَلدُّعَآءُ یَرُدُّ الْقَضَآءَ" یعنی: "دُعا، تقدیر کو ٹال دیتی ہے۔" "صدقات کے ذریعے سے روزی کو طلب کرو" (الحدیث)

"اَلصَّدَقَۃُ یَرُدُّ الْبَلَآءَ" "صدقہ مصیبت و ابتلاء کو ٹال دیتا ہے۔" (الحدیث)

"عَجِّلُوْا بِالصَّدَقَۃِ قَبْلَ الْبَلَآءِ" (صدقہ دینے میں جلدی کرو مصیبت وارد ہونے سے پہلے) (الحدیث)

اس لیے انسانی کوششیں جاری رہنی چاہئیں کیونکہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے

حضرت یعقوبؑ اسی طرزِ عمل کی تعلیم دے رہے ہیں کہ نقصانات سے بچنے کی امکانی کوششیں جاری رکھو مگر بھروسہ اپنی کوششوں پر نہ کرو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھو۔ "وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ" (اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہ اُس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔) ـــہ مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
... (اقبال)

دوسرے مطالب

حضرت یعقوبؑ کا فرمانا کہ "تم سب ایک دروازے سے نہ جانا" تاکہ کہیں تم لوگوں کو دیکھنے والوں کی نظر نہ لگ جائے۔

لیکن بعض جدید مفسرین نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ: "کہیں تمھارا ڈیل ڈول دیکھ کر مال و دولت دیکھ کر لوگ تمھارے پیچھے نہ لگ جائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرعاً نظرِ بد کا اثر ثابت ہے۔ اِس لیے پہلا خیال صحیح ہے، اور دوسرا غلط۔ اکثر مفسرین نظرِ بد کے اثر ہی کو معتبر سمجھتے ہیں۔

* ۔ ۔ ۔ ۔ (فتح الرحمان، تفسیر تبیان، فصل الخطاب)

★ حضرت یعقوبؑ کے فرمانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: اے بیٹو! اب مصر کے لوگ تمھیں جان پہچان گئے ہیں، اُن کو معلوم ہے کہ عزیزِ مصر تم پر مہربان ہے اِس لیے اب تم سب شہر کے ایک دروازے سے داخل مت ہونا۔ کیونکہ تم ٹھہرے پردیسی، تمھاری وجاہت، عزت اور شان و شوکت مصر والوں کو کھٹکے گی، اُن میں حسد کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، تاکہ لوگوں کی نگاہ تم پر نہ جمے اور اِس طرح تم حسد اور نفرت سے بچ جاؤ۔" * ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

نتائج

(۱) مفسرین نے نتیجہ نکالا کہ عقل سے کام لے کر تدبیر کرنا توکُّل کے منافی نہیں ہوتا جبکہ انسان کا اعتماد صرف اللہ پر ہو۔ اور مؤثرِ حقیقی خدا ہی کو سمجھتا ہو۔

* ۔ ۔ ۔ ۔ (ماجدی)

(۲) بعض مفسرین نے نتیجہ نکالا کہ: نظرِ بد کا ہونا صحیح ہے کیونکہ جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: "نظرِ بد کا ہونا درست ہے اور بُری نظر پہاڑ کی چوٹی تک کو گرا دیتی ہے!"

* ۔ ۔ ۔ (مجمع البیان)

★ مومن اس لیے بھی تدبیر کرتا ہے کہ خدا نے اُس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، اِس طرح وہ تدبیر کر کے اجر و ثواب کا مستحق بھی ہو جاتا ہے۔ * ۔ ۔ ۔ ۔ (ماجدی)

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضٰهَا ؕ وَإِنَّهٗ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۟ (٦٨)

اور جب وہ لوگ (شہر مصر میں اُسی طرح) داخل ہوئے جس طرح اُن کے باپ نے اُنھیں حکم دیا تھا، تو اُنھیں اللہ کی تقدیر سے (اُن کی یہ احتیاطی تدبیر) بچا تو نہ سکتی تھی، مگر یعقوبؑ کے دل کی ایک حسرت تھی جسے اُنھوں نے پورا کرلیا، اور یقیناً وہ علم رکھنے والے تھے اُس چیز کا کہ جس کا علم ہم نے اُنھیں عطا کیا تھا۔ مگر اکثر لوگ اِس حقیقت کو نہیں جانتے

تدبیر کی اہمیت اور قضا و قدر الٰہی

حضرت یعقوبؑ جانتے تھے کہ یہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ایک کمزور بچاؤ کی تدبیر ہے ورنہ ہوگا وہی جو منظور خدا ہوگا۔ (فصل الخطاب)

★ خدا کا یہ فرمانا کہ حضرت یعقوبؑ بڑے عالم تھے "یعنی ہم نے اُن کو علم دیا تھا۔ اِسی علم کی وجہ سے وہ اپنی تدبیر کو مؤثرِ حقیقی نہیں سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے نقصان سے بچنے کی تدبیر اِس لیے فرمائی کہ ایسی تدبیر کرنا جائز بھی ہے اور قابلِ تعریف بھی ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے یعنی جہالت کی وجہ سے اپنی تدبیروں کو مؤثرِ حقیقی سمجھتے ہیں۔ ★ ... (تھانوی)

★ سوال: حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو پہلی دفعہ جانے پر توحسد سے بچنے کی کوئی ترکیب کیوں نہ بتائی دوسری مرتبہ کیوں بتائی؟ جواب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب اُن کے بیٹے مصر گئے تھے تو کوئی اُنھیں جانتا ہی نہ تھا لیکن جب دوسری مرتبہ جارہے تھے تو مصر کے لوگ اُن کو پہچان گئے تھے حضرت یوسفؑ کی نظرِ خاص کی وجہ سے۔ ★ ...... (روح البیان)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۹

(۶۹) اور جب وہ لوگ یوسفؑ کے پاس (اُنکے دربار میں) داخل ہوئے تو یوسفؑ نے اپنے (سگے) بھائی کو اپنے پاس بُلایا اور اُس سے کہا: "میں تمہارا (سگا) بھائی ہوں۔ اب تم پریشان یا غمگین نہ ہونا اُن تمام حرکتوں سے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔"

بھائی سے ملاقات

جب سارے بھائی بن یامین کو ساتھ لیکر حضرت یوسفؑ کے پاس چلے تو بن یامین جو حضرت یوسفؑ کا سگا بھائی تھا، اپنے سوتیلے بھائیوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ نہ اُن کے ساتھ کھاتا پیتا تھا اور نہ اُٹھتا بیٹھتا تھا، اور نہ اُن سے کلام کرتا تھا۔ (کیونکہ وہ اُن کو اپنے بھائی حضرت یوسفؑ کا قاتل سمجھتا تھا۔)

جب وہ سب مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی بن یامین کو پہچان لیا۔ کیونکہ وہ اپنے تمام بھائیوں سے الگ دور جا کر بیٹھا۔ حضرت یوسفؑ نے اُس سے پوچھا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ بیٹھے؟ بن یامین نے کہا کہ: "یہ لوگ ایسے ہیں کہ میرے بھائی (یوسفؑ) کو میرے باپ سے جُدا کر کے لے گئے تھے اور پھر اُسے واپس نہ لائے اور کہدیا کہ اُسے بھیڑیا کھا گیا۔ پس اُسی وقت سے میں نے یہ عہد کر لیا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا اُن سے الگ تھلگ رہوں گا۔"

حضرت یوسفؑ نے پوچھا: کیا تم نے شادی کی ہے؟" اُس نے کہا: "ہاں"۔ پوچھا کتنے بیٹے ہیں؟ اُس نے کہا: تین بیٹے ہیں"۔ پوچھا: اُن کے نام کیا کیا ہیں؟ کہا: ایک کا نام "بھیڑیا"۔ دوسرے کا نام "کُرتہ"۔ تیسرے کا نام "خون" ہے۔ پوچھا: "تم نے یہ نام کیوں رکھے ہیں؟ کہا: اپنے بھائی یوسفؑ کی محبت کی وجہ سے تاکہ جب اپنے

کسی بیٹے کو پکاروں تو مجھے میرے بھائی یوسفؑ کی مصیبت یاد آجائے۔

اِس پر حضرت یوسفؑ نے حکم دیا: "سب درباری باہر چلے جائیں"۔ (صرف بن یامین کو روک لیا۔) جب سب درباری باہر چلے گئے تو حضرت یوسفؑ نے بن یامین سے کہا: "اِنِّیٓ اَنَا اَخُوْكَ" "(میں ہی تیرا بھائی یوسفؑ ہوں) "میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو"۔

بن یامین نے کہا کہ: "میرے بھائی مجھے یہاں نہیں چھوڑیں گے، کیونکہ میرے والد نے اِن سے سخت عہد لیا ہوا ہے"۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: "میں ایک ترکیب کروں گا، تم انکار نہ کرنا، اور میری یہ باتیں اُن کو نہ بتانا"۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۵۰ بحوالہ تفسیر قمی)

نتائج

(۱) معلوم ہوا کسی پر ظلم کی داستان کو یاد رکھنا اور اُس کی یادگار قائم کرنا، سچی محبت کی علامت ہے اور پسندیدہ ہے۔ (جیسے بن یامین نے اپنے مظلوم بھائی حضرت یوسفؑ کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اپنے بیٹوں کے نام "بھیڑیا، کُرتہ، خون" رکھ لیے تھے تاکہ بھائی کی یاد باقی رہے۔)

(۲) جائز ترکیب اور بامصلحت اور بامقصد جھوٹ بولنا جو کسی شر و فساد کا باعث نہ ہو، بلکہ خیر پر مُنتج ہو، جائز ہے۔

(۳) کسی مصلحت کے پیشِ نظر حقائق کو چھپانا بھی جائز ہے۔

(مؤلف)

"لَمَّا دَخَلُوْا" جب وہ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے اور انھوں نے ہر دو مادری بھائیوں کو الگ الگ کھانا پیش کیا تو بن یامین کو اپنے ساتھ بٹھا لیا کہ اگر اِن میں سے تیرا مادری بھائی کوئی نہیں ہے تو چلو میں تیرا بھائی ہوں اور ایسے انداز سے فرمایا کہ وہ اِس فقرہ کو حقیقی تعارف پر محمول نہ کر سکے بلکہ دعوئ برادری کو دلجوئی پر ہی محمول کریں اور راز فاش نہ ہو۔

(تفسیر انوار النجف)

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ (۷۰) جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ ۷۰

پھر جب اُن کا سامان تیار کرا یا، تو پانی پینے کا اپنا پیالہ اپنے (سگے بھائی (بن یامین) کے سامان میں رکھ دیا۔ پھر ایک پُکارنے والے نے پُکار کر کہا: "اے قافلہ والو! یقیناً تم لوگ چور ہو۔"

چور کہنے کی اصل وجہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "نہ تو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے چوری کی تھی، اور نہ حضرت یوسفؑ نے غلط کہا تھا۔ حضرت یوسفؑ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگوں نے یوسفؑ کو اُن کے باپ سے چرا لیا۔"

* ..... (تفسیر صافی صہ ۲۵۲ بحوالہ تفسیر قمی)

★ شاہی کٹورا ضرور جواہرات سے جڑا ہوا قیمتی ہوگا۔ (جلالین)

★ حضرت یوسفؑ کی طرف سے یہ اعلان کہ "اے قافلہ والو! ضرور تم چور ہو" اس آیت سے فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ "ظنِ غالب کی بنا پر اگر کسی کو چور یا مجرم کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوتا۔" (جصاص)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "خداوندِ عالم ۲ دو چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور ۲ دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اِن ۲ دو باتوں کو پسند کرتا ہے کہ: (۱) میدانِ جہاد میں انسان جرأت اور ناز کے ساتھ چلے (۲) صرف صلح کرانے کیلئے جھوٹ بول لے یا اصلاح کیخاطر ایسا کرے۔ جن کو ناپسند کرتا ہے وہ (۱) جھوٹ بولنا اور (۲) راستوں پر فخر و ناز کے ساتھ چلنا ہے" (تفسیر برہان)

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّا ذَا تَفْقِدُوْنَ ○ ٧١

(٧١) (اُنھوں نے شاہی نوکروں کی طرف متوجہ ہو کر) پوچھا: (آخر) "تمھاری کیا چیز کھو گئی۔" (ہے) ؟

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ ٧٢

(٧٢) اُنھوں نے کہا: "بادشاہ کے پینے کا پیالہ[1] ہمیں نہیں مل رہا ہے۔ اور جو اُسے لاکر دے گا اُس کو ایک اونٹ کے بار کے برابر اناج انعام میں دیا جائیگا اور میں (خود اُس کے) دینے کا ذمّہ دار ہوں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ○ ٧٣

(٧٣) اُنھوں نے کہا: "خدا کی قسم، تم خوب جانتے ہو کہ ہم اِس ملک میں خرابی کرنے نہیں آتے، اور ہم لوگ چور نہیں ہیں۔"[2]

(آیت ٧٢) [1] "صُوَاعَ" یا "صَاعَ" ایک ایسا برتن تھا جس سے پیا بھی جاتا تھا اور ناپا بھی جاتا تھا۔ یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔
★ ۔۔۔ (امام راغب ۔ لغات القرآن نعمانی جلد ۴ صـ٤٧)

(آیت ٧٣) [2] حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مصر میں ہمارا چال چلن معلوم کیا جاسکتا ہے، ہم نے یہاں کوئی جرم نہیں کیا، نہ ہم یہاں شرارتوں کے لیے آتے ہیں۔ اور نہ ہم چوروں کے خاندان سے ہیں۔
★ ۔۔۔ (عثمانی)

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ ۷۴ (۷۴) سرکاری نوکروں نے کہا: "اگر تم جھوٹے نکلے تو چور کی کیا سزا ہوگی"؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۷۵ (۷۵) اُنھوں نے کہا: "سزا اُس کی یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ (پیالہ) مل جائے، وہی آدمی اُس کا معاوضہ ہوگا۔ ہم تو اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں"۔

(آیت ۷۴)

محافظین نے کہا کہ تم فضول بحثیں کر رہے ہو، اگر چوری کا مال تمھارے پاس سے (سامان میں سے) نکل آیا تو پھر تم کیا کروگے۔؟

*۔۔۔۔۔ (عثمانی)

شریعتِ ابراہیمیؑ میں چور کی سزا

"شریعتِ ابراھیمیؑ میں چور کی سزا وہی آدمی معاوضہ ہے" یعنی چوری کرنے والے کو غلام بنا کر اپنے پاس روک لیا جاتا۔

*۔۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

★ یاد رہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی بہرحال نبیؑ زادے، خاندانِ ابراہیمیؑ سے تھے۔ اِس لیے اُنھوں نے وہی قانون بیان کیا جو شریعتِ ابراہیمیؑ کا قانون تھا۔ (تفہیم)

★ برادرانِ یوسفؑ نے بلا تکلف اپنے دین کے مطابق چور کی سزا اِس لیے بتادی کہ اُنھیں پورا یقین تھا کہ ہم چور نہیں ہیں۔ اس طرح وہ اپنی ہی بتائی ہوئی سزا کے مطابق خود پھنس گئے۔

*۔۔۔۔۔ (عثمانی)

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ○ (۷۶)

تب یوسفؑ نے اپنے (سگے) بھائی کے برتن سے پہلے اُن لوگوں کے برتنوں سے تلاشی کی ابتدار کی پھر اُس (پیالہ) کو اپنے (سگے) بھائی کے برتن سے نکال لیا۔ اِس طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے ترکیب کی۔ (کیونکہ) وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے۔ سوا اِس کے کہ اللہ ہی یہ چاہے۔ (غرض) ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک اور علم والا ہوا کرتا ہے۔

مخلوق بہرحال خدا کی محتاج ہے

خدا کا آخر میں فرمانا: "تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک علم والا ہے"۔ یعنی، اگرچہ حضرت یوسفؑ بڑے عالم اور عاقل تھے مگر پھر بھی ہمارے القاءِ تدبیر کے محتاج تھے۔ کیونکہ خدا کے علم کے سوا کسی کا علم ذاتی اور ہر چیز پر محیط نہیں۔ ہر شخص کا علم خدا کا عطا کیا ہوا ہے اور محدود ہے۔ ہاں اللہ کا علم ذاتی بھی ہے اور غیر محدود بھی۔ اِسی لیے مخلوق اپنے علم و تدبیر میں خدا کی تعلیم اور امداد کی محتاج ہے۔

* ...... (تھانوی)

★ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی زبان سے شریعتِ ابراھیمیؑ کا قانون نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے ایک سال کے لیے اُس کو غلام بنالو۔ ورنہ مصر کی حکومت کا قانون یہ نہ تھا۔

* ...... (عثمانی)

★ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے جواب دینے کا مقصد یہ تھا کہ ہماری شریعتِ اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے کہ صاحبِ مال چور کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔

★ ..... (تفسیر کبیر)

★ یہاں "دین" سے مراد قانون ہے جو اُس ملک میں رائج تھا۔

★ ..... (تفسیر صافی ص ۲۵۲)

★ مصر کے بادشاہ کے قانون کے مطابق چور کو جسمانی سزا دی جاتی تھی یا چوری کا مال وصول کیا جاتا تھا۔ مگر خدا نے خود حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی زبانی یہ کہلوا دیا کہ چور کو ہمارے ہاں غلام بنالیا جاتا ہے۔ اِس طرح خدا نے خود یہ بندوبست کر دیا کہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیں، ورنہ مصر کے قانون کے مطابق وہ روک نہ سکتے تھے۔

★ ..... (تفسیر جلالین)

★ غرض اِس جواب سے ثابت ہوگیا کہ حضرت یوسفؑ نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ خدا کی ہدایتِ خاص کا نتیجہ تھا۔

★ ..... (تفسیر تبیان)

نتیجہ ملاحظہ فرمائیں کہ خدا اپنے چہیتے بندوں کی خاطر کس کس طرح تدبیریں فرماتا ہے۔ سبحان اللہ

★ ..... (مؤلف)

سوال رہا یہ سوال کہ حضرت یوسفؑ کے پورے واقعے میں خدا کی وہ کونسی تدبیر اور تائید تھی جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے؟ پیالہ تو خود حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کے سامان میں رکھوایا تھا سرکاری ملازمین نے اُن کو چوری کے الزام میں روکا تھا۔ اِس لیے یہ سب تو سرکاری اہلکاروں کا کام تھا۔؟

خدا کی تائید یہ ہوئی کہ ملازمین نے خلافِ معمول چور کی سزا خود حضرت یوسفؑ کے بھائیوں ہی سے پوچھ لی۔ ورنہ سرکاری ملازمین کبھی ملزموں سے سزا پوچھا نہیں کرتے۔ اب جو اُنھوں نے سزا پوچھ لی تو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے شریعتِ ابراہیمیؑ کے مطابق سزا بتائی۔ اِس سے تین کام از خود ہوگئے۔ ایک تو حضرت یوسفؑ کو شریعت ابراہیمیؑ پر عمل کرنے کا موقع مل گیا۔ دوسرے وہ اپنے سگے

بھائی کو حوالات بھیجنے کے بجائے خود اپنے ساتھ رکھ سکے۔ اور تیسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا کم سے کم اپنے ذاتی معاملات میں مصر کے قانون کے بجائے حضرت ابراہیمؑ کے لائے ہوئے خدائی قانون پر عمل کرنا ثابت ہو گیا۔ اسی سے اکابر مفسرین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اختیارات اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے حاصل کیے تھے۔ یہی خدا کی وہ تائید تھی جو حضرت یوسفؑ کو حاصل تھی۔

(تفہیم القرآن) ۔۔۔*

* حضرت امام علی رضاؑ نے بھی یہی فرمایا تھا۔

(موتف) ۔۔۔۔*

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا کہ (۱) جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد دین کے اجزا رہیں، بالکل اسی طرح وہ قانون بھی عینِ دین ہے جس پر سوسائٹی اور ملک کا انتظام چلایا جاتا ہے لہٰذا خدا کا یہ فرمانا کہ: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام" (اللہ کے نزدیک قانون صرف اسلام کا قابلِ قبول ہے۔") اس قسم کی تمام آیات میں دین سے مراد صرف نماز، روزہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسلام کا اجتماعی نظام بھی مراد ہے، دوسرے کسی نظام کی پیروی خدا کے ہاں ہرگز قبول نہیں۔

(تفہیم) ۔۔۔*

(۲) اسلامی قوانین کا نفاذ بتدریج ہوتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت یوسفؑ بادشاہِ مصر کا قانون نافذ کر رہے تھے یا اسلام کا قانون؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ خدا کا قانون نافذ کر رہے تھے، مگر عملاً قانون ایک دن میں بدلا نہیں جا سکتا نظامِ تمدن و نظامِ معیشت نظامِ سیاست، نظامِ عدالت کو بدلتے بدلتے کئی سال لگ سکتے ہیں۔ اسی لیے اس درمیانی مدت تک سابقہ قوانین پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح جناب رسولِ خداؐ کے زمانے میں بھی ابتدائی سالوں میں چند سال تک شراب نوشی، سود خوری اور جاہلیت کے قوانین کے مطابق میراث بٹتی رہی، نکاح و طلاق ہوتے رہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے ابتدائی آٹھ سال کے دورِ حکومت میں مصری بادشاہت کے

بھی کچھ قوانین چلتے رہے اور اسلامی قوانین کا نفاذ بھی ہوتا چلا گیا۔ غرض عملی مجبوریوں کی وجہ سے احکامِ اسلامی کے اجراء میں تدریج سے کام لینا پڑتا ہے۔ البتہ ذاتی معاملات میں حضرت یوسفؑ نے اسلامی قوانین پر ہی عمل فرمایا۔ جس طرح حضورِ اکرمؐ نے خود اُس دور میں بھی جب مسلمان شراب پیتے تھے، سود کھاتے تھے، نہ شراب پی اور نہ سود کھایا۔

(تفہیم القرآن) ------*

مصری قانون پر حضرت یوسفؑ کا عمل

مصری قانون کے لحاظ سے حضرت یوسفؑ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے سگے بھائی بن یامین کو اپنے پاس روک لیں۔

(تفسیر کبیر بقول الضحاک) ------*

اور حضرت یوسفؑ کے بھائی اگرچہ باہر سے آئے تھے مگر مصر میں وہ مصری قانون ہی کے پابند تھے آج بھی بین الاقوامی قانون یہی ہے۔ مگر حضرت یوسفؑ کو نورِ نبوت سے یہ معلوم تھا کہ کچھ عرصے کے بعد نظامِ حکومت اُنہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے اس لیے اُس وقت وہ عارضی طور پر مصری قانون سے تعرّض نہ فرماتے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کا تقیہ ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی قوانین کو تدریجاً نافذ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ فوری نافذ کرنا ممکن نہ ہو، یا، فوری نفاذ سے بدامنی یا بدنظمی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

(مؤلف) ------*

اسباق و تعلیمات

آیت کے آخری الفاظ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کو اپنے علم پر اکڑنے کا حق نہیں۔ جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے وہاں سے عالم الغیب ہستی کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ اُسی اللہ نے اپنے علم سے مصری حکومت کے عہدے داروں کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں سے یہ پوچھ لیں کہ اسرائیلیوں میں چور کی کیا سزا ہے؟ اس طرح اللہ اپنے علم اور قدرت سے جس کا مرتبہ چاہتا ہے بلند فرماتا ہے۔

(ماجدی) ------*

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ (۷۷)	اُن بھائیوں نے کہا: "اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اِس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی"۔ یوسفؑ نے اُن کی اِس بات کو دل میں چھپائے رکھا اور حقیقت اُن پر نہ کھولی۔ بس اتنا کہا

کہ: "بڑے ہی بُرے ہو تم لوگ منزلت کے لحاظ سے۔ اور جو الزام تم لگا رہے ہو اُس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے۔"

حضرتِ یوسفؑ پر ایک جھوٹا الزام

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ کہنا کہ:

"اِس کے ایک بھائی نے بھی اِس سے پہلے چوری کی تھی۔" مفسّرین نے لکھا کہ: "حضرت یوسفؑ نے سونے کی ایک مورتی اپنی نانی کے پاس سے چھپالی تھی، تاکہ وہ بُت پرستی نہ کرسکیں۔"

(فتح الرحمٰن، جلالین، تفسیرِ کبیر بقول سعید بن جُبَیر) .... *

* شیخ طوسیؒ نے لکھا: "حضرت یوسفؑ دسترخوان سے کچھ کھانا فقیروں کے لیے بچا کر رکھ لیتے تھے"۔

(تفسیر تبیان) .... *

(جس کو حضرتِ یوسفؑ کے بھائیوں نے چوری کہا)

* اِسی لیے حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی یہ باتیں سن کر دل میں فرمایا کہ: "تم لوگ منزلت کے لحاظ سے بدترین لوگ ہو۔"

(جلالین ۔ شاہ ولی اللہ) .... *

* غرض حضرت یوسفؑ کو اپنے بھائیوں کی اِس بدتمیزی اور الزام تراشی پر غصّہ تو آیا مگر آپ نے اُس کو ظاہر نہ فرمایا اور اپنے عمل کی تشریح نہ فرمائی۔ بس اتنا فرمایا کہ: "تم جو چوری کا الزام لگا رہے ہو اُس

کی حقیقت خدا کو خوب معلوم ہے۔" اور یہ بات بھی انھوں نے اپنے دل میں کہی۔ اور یہ بھی دل میں کہا کہ "چور تو تم ہو کہ تم نے اپنے باپ سے اُن کے محبوب ترین بیٹے کو چُرا لیا تھا۔

(تفسیر کبیر بقول ابن عباسؓ) ..... ★

★ کچھ تفاسیر میں حضرت یوسفؑ کی چوری کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ: "حضرت یوسفؑ کو اُن کی پھوپھی نے پالا تھا اور اُن کو حضرت یوسفؑ سے سخت محبت ہوگئی تھی۔ جب وہ بڑے ہوئے اور حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو اپنی بہن سے واپس لینا چاہا تو انھوں نے حضرت اسحاقؑ کا متبرک کمر بند کو حضرت یوسفؑ کی کمر میں چپکے سے باندھ دیا۔ اور حضرت یعقوبؑ کے پاس بھیج دیا۔ پھر وہ کچھ دیر بعد حضرت یعقوبؑ کے پاس آئیں اور فرمایا: "حضرت اسحاقؑ کا کمر بند چوری ہوگیا ہے"۔ پھر حضرت یوسفؑ کی کمر سے کھول کر نکال لیا۔ اس طرح حضرت یوسفؑ کو پھر اُن کی پھوپھی کے حوالے کر دیا گیا۔

(تفسیر انوار النجف، مرشد تھانوی) ..... ★

★ حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں سے 'چوری کے الزام پر یہ فرمانا کہ: "اِس بات میں تم اور بھی زیادہ بُرے ہو"۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ: ہم سے تو حقیقتاً کوئی چوری واقع نہیں ہوئی، لیکن تم لوگوں نے تو اتنا بُرا کام کیا کہ مال کے بجائے تم نے باپ سے اُس کا بیٹا ہی غائب کر دیا۔ یعنی مجھ کو باپ سے چُرا لیا۔ اور جو کچھ تم میرے بارے میں بیان کر رہے ہو اُس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے۔ (کہ میں چور نہ تھا)

(تھانوی) .... ★

★ "مجاہدؒ نے کہا کہ: "عزیزِ مصر مسلمان ہوگیا تھا۔ ★... (دُرِّ منثور)

★ لیکن پھر سوال یہ ہے کہ وہ خدا کے قانون کے بجائے اپنا قانون کیوں چلاتا تھا؟

اِس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عام رعایا سے مغلوب تھا اس لیے خدا کا قانون جاری نہ کر سکا تھا۔

(تھانوی) ... ★

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ۷۸

(۷۸) اُن کے بھائیوں نے کہا: "اے عزیزِ مصر! (بادشاہِ مصر) یقین مانیے کہ اس کا باپ ایک بہت ہی بوڑھا شخص ہے، آپ اِس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجیے۔ ہم تو آپ کو بڑا ہی نیک اور احسان کرنے والا انسان دیکھتے ہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ○ ۷۹

(۷۹) یوسفؑ نے کہا: "اللہ کی پناہ۔ دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں؟ جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے اُس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اگر ہم رکھ لیں تو اُس صورت میں تو ہم ظالم قرار پائیں گے۔"

(آیت ۷۸) محققین نے نتیجہ نکالا کہ "عزیزِ مصر" کا خطاب مصر کے ہی بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، نیز یہ لفظ بڑے بڑے لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے ہاں "سرکار" "عالی جناب"، "عالی مرتبت" جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ (ماجدی) ..... *

* "فرعون" بھی مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ ورنہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون کا نام "ولید" تھا۔

(آیت ۷۹) حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ: "تب یقیناً ہم ظالم ہوں گے۔" اِس کا مطلب

یہ ہے کہ اگر میں کسی دوسرے آدمی کو چور کی جگہ پکڑ کر رکھوں تو یہ ظلم ہوگا۔

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب خدا نے ہمیں صرف بن یامین کے روکنے کی اجازت دی ہے تو اُس کے بجائے کسی اور کو روکنا ظلم ہوگا۔

*۔۔۔۔۔ (تفسیر صافی صہ ۲۵۲)

حضرتِ یوسفؑ کی احتیاط اور ـــــ توریہ

حضرت یوسفؑ نے یوں فرمایا کہ:

"جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی"

آپؑ نے یہ نہ فرمایا کہ: "جس نے ہماری چیز چرائی"۔ اِس لیے کہ اگر یوں فرماتے تو غلط اور جھوٹ ہوتا۔

*۔۔۔۔ (جلالین)

اِسی کو اصلاح میں "توریہ" کہتے ہیں۔ یعنی "حقیقت پر پردہ ڈالنا" یا امرِ واقعہ کو چھپانا۔ جب کسی مظلوم کو ظالم سے بچانے یا کسی ظلم کو دفع کرنے کی کوئی اور صورت اِس کے سِوا نہ ہو کر کچھ خلافِ واقعہ بات کہی جائے یا کوئی خلافِ حقیقت حیلہ کیا جائے تو ایسی صورت میں ایک پرہیزگار آدمی صریح جھوٹ بولنے کے بجائے ایسی بات کہنے یا ایسی تدبیر کرنے کی کوشش کریگا کہ جس سے حقیقت کو چھپا کر اور بدل کر ظالم کو دفع کیا جاسکے۔ ایسا کرنا شرع و اخلاق میں جائز ہے، بشرطیکہ محض کام نکالنے کے لیے ایسا نہ کیا جائے بلکہ مقصد کسی بڑی بُرائی کو دور کرنا ہو۔

*۔۔۔۔ (تفہیم)

بقول سعدی: دروغِ مصلحت آمیز بہ زراستیٔ فتنہ انگیز

یعنی: ایسا جھوٹ جو مصلحت یا بھلائی کے لیے بولا جائے، ایسے سچ سے بہتر ہے جو فتنے کا سبب ہو۔

(سعدیؒ)

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ (۸۰) قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ۸۰

تو جب وہ لوگ یوسفؑ سے مایوس ہو گئے تو اکیلے میں جا کر آپس میں چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ اُن میں جو سب سے بڑا تھا' وہ بولا: "کیا تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم دے دے کر پکا عہد لے لیا تھا' اور اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملہ میں بھی تم زیادتی کر چکے ہو، لٰہذا میں تو اِس سرزمین سے ہٹوں گا ہی نہیں' جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دے دیں' یا پھر اللہ میرے لیے اپنا کوئی فیصلہ فرما دے' کہ وہ تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

"کَبِیْرُھُمْ": حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"حضرت یوسفؑ کے سب سے بڑے بھائی کا نام "یہودا'' تھا۔

* ---- (تفسیر صافی ص ۲۵۲ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اُس کا دوسرا نام " لاوی " بھی تھا۔ * ---- (تفسیر قمی)

لاوی یا یہودا کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ "واضح رہے کہ بندہ تو یہاں سے ٹلنے والا نہیں ہے، سوا اس کے کہ یا تو میرے والدِ ماجد مجھے آنے کا حکم دیں یا خدا مجھے یہاں موت دے دے، یا پھر میں کسی تدبیر سے بن یامین کو چھڑا لوں (اُس کے بغیر اپنے والد کو منھ نہ دکھاؤں گا)

* ---- (عثمانی)

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝ ۸۱

(۸۱) تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور اُن سے کہو: باباجان! حقیقتاً آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا، مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے، ہم وہی بیان کر رہے ہیں۔ اور غیب کی بات کا تو ہمیں علم نہیں ہے۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۸۲

(۸۲) آپ (آکر) اُس بستی کے لوگوں سے (خود) پوچھ لیجیے جس میں ہم تھے۔ اور اُس قافلے والوں سے بھی پوچھ لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، کہ حقیقتاً ہم بالکل سچے ہیں۔

یہودا کے کہنے کا مطلب

(آیت ۸۱) بڑے بھائی یہودا کے کہنے کا مطلب یہ بھی تھا کہ مجھے تو تم لوگ مصر میں ہی چھوڑ دو، اور تم جاکر والد صاحب کو بتا دو کہ آپ کے چھوٹے بیٹے بن یامین نے چوری کی ہے اور بادشاہ نے اُسے اپنے پاس روک لیا ہے۔

★ حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یوں لکھا کہ: "جاکر باپ سے یہ کہو کہ ہم نے ضرور قول دیا تھا، مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ بن یامین چوری کرکے پکڑا جائے گا۔ ہم نے اپنے دین کے مطابق چور کی سزا بتائی تھی۔ یہ معلوم نہ تھا کہ خود ہمارا اپنا بھائی ہی چور نکلے گا۔

★ ..... (شاہ ولی اللہ)

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ (۸۳) یعقوبؑ نے کہا: "(ایسا نہیں ہے) اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى بلکہ تم نے تو خود اپنے آپ یہ ایک بات اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ بنا لی ہے۔ تو بہرحال میں صبر کرتا ہوں اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ ۸۳ اور اچھی طرح سے صبر کروں گا، ممکن ہے کہ عنقریب خدا اُن سب کو میرے پاس لے آئے۔ یقیناً وہ سب کچھ جانتا ہے اور اُس کے سب کام حکمت۔ پر مبنی' بالکل ٹھیک گہری مصلحتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔"

ایک اعتراض کا جواب

رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ کیوں فرمایا کہ: "یہ بات تم نے اپنے دل سے بنالی ہے"؟ حالانکہ اُنھوں نے تو یہ بات دل سے نہ بنائی تھی؟ جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا ارشاد مطابقِ واقعہ ہے کیونکہ بن یامین نے واقعاً چوری نہ کی تھی۔ یہ چوری والا واقعہ تو حضرت یوسفؑ نے خود اپنے دل سے بنایا تھا۔ "لکم" (تم نے) سے مراد حضرت یوسفؑ اور بن یامین ہیں جن دونوں نے یہ پروگرام بنایا تھا' اور وہ دونوں بھی تو حضرت یعقوبؑ کے بیٹے ہی تھے۔ * .... (تھانوی)

* "صبرِ جمیل" کا مطلب ایسا صبر جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔ * (ماجدی)

رونا صبر کے منافی نہیں

حالانکہ حضرت یعقوبؑ دن رات فراقِ حضرت یوسفؑ میں روتے تھے (یہاں تک چشم بصارت جاتی رہی)، مگر کیونکہ کسی سے اُس کی شکایت نہ کرتے تھے۔ اِس لیے خدا نے اُن کے صبر کو "صبرِ جمیل" فرمایا۔ مفسّرین نے نتیجہ نکالا کہ رونا اور غمزدہ ہونا عینِ فطرت ہے، اور صبر یا شریعت کے منافی نہیں۔ (تفسیر انوار النجف) * خاصکر امام حسینؑ کے غم میں رونا تو رسولِ خداؐ اور آلِ رسولؑ سے محبت کا نتیجہ ہے اِس لیے بہترین عبادت ہے اور ذریعۂ نجات، بلکہ عینِ شریعت اور حکمِ الٰہی کے مطابق ہے۔

(مؤلف)

وَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰاَسَفٰی (۸۴) پھر یعقوبؑ نے اُن کی طرف سے منھ عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ پھر لیا اور کہا: "ہائے افسوس یوسفؑ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ ۝ ۸۴ پر۔" اُن کی دونوں آنکھیں رنج وغم سے (روتے روتے) سفید ہوگئیں، اور وہ خاموشی سے غم کو پیے چلے جارہے تھے۔[۱]

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ (۸۵) (آخرکار) اُن بیٹوں نے کہا: "خدا کی قسم یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا آپ تو برابر یوسفؑ ہی کو یاد کیے جاتے اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھٰلِکِیْنَ ۝ ۸۵ رہیں گے۔ یہاں تک کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے۔ یا پھر ہلاک ہی ہو جائیں گے۔"

---

[۱] **جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے** نیا زخم کھا کر حضرت یعقوبؑ کا پُرانا زخم ہرا ہوگیا۔ اِس لیے بے اختیار پکار اُٹھے: "یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ" "ہائے افسوس یوسفؑ پر۔"

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا ہے: "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" یعنی: "ہم انبیاءؑ کا خدا کی طرف سے سخت امتحان ہوتا ہے پھر اُن کا ہوتا ہے جو انبیاءؑ جیسے لوگ ہوتے ہیں۔" مثلاً[۱]: حضرت یعقوبؑ کے دل میں حضرت یوسفؑ کی محبت بے پناہ ڈال دی گئی۔[۲] پھر دردناک طریقے سے اُن کو باپ سے جُدا کیا گیا۔ اِس پر وہ کسی کے سامنے حرفِ شکایت نہ لائے، نہ انتقام لیا، نہ غصہ کیا۔ بس دل کا غبار آنکھوں کی راہ سے ٹپکتا رہا، چشمِ گریاں اور سینۂ بریاں برسوں لیے رہے مگر فراقِ الٰہی

کی ادائیگی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ دل پکڑ کر رہ جاتے مگر صبر کرتے۔
★..... (عثمانی)

★ حضرت یعقوبؑ کا بن یامین کے بجائے حضرت یوسفؑ کو یاد کرنا بتاتا ہے کہ اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی حضرت یوسفؑ کا غم تازہ تھا۔
★..... (تفسیر صافی ص ۲۵۳)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کا غم اور ان کی محبت حضرت یوسفؑ سے کتنی تھی؟ آپؑ نے فرمایا: "حضرت یعقوبؑ کا غم اُن ستّر عورتوں (کے غم) کی برابر تھا جو اپنی مُردہ اولاد کو روئیں۔"
★..... (تفسیر عیاشی)

میت پر رونے کا جواز

جنگِ اُحد میں جب حضور اکرمؐ مدینہ تشریف لائے تو ہر گھر سے نوحے اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: "کاش (میرے چچا) حمزہؑ پر رونے والا بھی کوئی ہوتا۔" یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ پہلے حضرت حمزہؑ کا ماتم کرو، پھر اپنے عزیزوں پر رونا۔
★..... (تاریخ طبری)

★ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "حضرت یعقوبؑ کو کلمہ استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) نہیں عطا کیا گیا تھا۔ اسی لیے جب حضرت یعقوبؑ پر مصیبت پڑی تو انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے بجائے "یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ" یعنی: ہائے افسوس یوسفؑ پر" کہا: "یٰٓاَسَفٰی" انتہائی رنج اور حسرت کے وقت کہتے ہیں۔ اس میں الف مقصورہ یائے متکلم کا بدل ہے۔

★ ہمارے رسول اکرمؐ بھی اپنے فرزند ابراہیمؑ کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے۔ حالانکہ وہ ابھی شیرخوار تھے۔ جبکہ حضرت یوسفؑ جوان تھے۔ ★..... (ماجدی)

نتیجہ طبعی محبت، حق کی محبت کے منافی نہیں۔ یہ دونوں محبتیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں
★..... (مرشد تھانوی)

قَالَ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

(۸۶) یعقوبؑ نے کہا: "میں تو اپنے رنج وغم اور بیقراری کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

رنج وغم کی شکایت اللہ ہی سے کرنی چاہیئے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"ایک مرتبہ حضرت یعقوبؑ اپنے کسی کام سے بادشاہ کے پاس گئے تو بادشاہ نے مرعوب ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپؑ ابراہیمؑ ہیں؟ فرمایا: "نہیں۔" پوچھا: کیا آپؑ اسحاقؑ ہیں؟ فرمایا: "نہیں۔" پوچھا: پھر کون ہیں؟ فرمایا: "میں یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ہوں۔" بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ آپؑ جوان ہیں مگر بڑھاپے کے آثار کیوں ظاہر ہیں؟

اِس پر بس اتنا فرمایا کہ: "بیٹے کے فراق کی وجہ سے ایسا ہے۔" واپس گھر پہونچے ہی تھے جبریلؑ آئے اور فرمایا: "خدا نے آپؑ کو سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ تم نے میرے بندوں کے سامنے میرا شکوہ کیا۔" حضرت یعقوبؑ نے وہیں سجدے میں سر رکھ کر عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ معافی مانگی۔ جبریلؑ نے خوشخبری سنائی کہ: "خدا نے معاف کیا۔ آئندہ میری شکایت میری مخلوق کے سامنے نہ کیجیئے۔" اس کے بعد حضرت یعقوبؑ یہی فرمایا کرتے تھے کہ: "اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ٥" میں اپنے غم کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

*------ (تفسیر برہان)

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ (۸۷) يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۸۷	اے میرے بیٹو! جاؤ یوسفؑ اور اُس کے سگے بھائی کی کچھ خبر تو لاؤ۔ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ حقیقتاً اللہ کی رحمت سے صرف خدا کے منکر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: "مومن خوف اور اُمید کے درمیان زندگی گذارتا ہے"۔ اِس لیے محض عذاب کا خوف ہی خوف ، یا کفر کی نشانی ہے اور محض اُمیدِ نجات رکھنا بھی ایمان سے دوری کی علامت ہے (اور ایک قسم کا تکبر اور غفلت ہے) مومن وہ ہے جو خدا کے عذاب سے ڈرنے والا بھی ہو اور اُس کی رحمت سے بخشش کا اُمیدوار بھی ہو۔ اُس کے خوف اور اُمید کو اگر وزن کیا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہو۔ (تفسیر مجمع البیان)

نتیجہ اور تعلیم

"تاویلاتِ نجمیہ" میں ہے کہ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ اللہ نے مومنین کے دلوں کو اپنی تجلّیات کا مرکز بنایا ہے اور اپنے ماننے اور چاہنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ :

مَنْ طَلَبَنِيْ وَجَدَنِيْ وَمَنْ وَجَدَنِيْ خَدَمَنِيْ وَمَنْ خَدَمَنِيْ ذَكَرَنِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ ذَكَرْتُهٗ بِرَحْمَتِيْ (جو مجھے تلاش کرتا ہے بالآخر مجھے پالیتا ہے اور جو مجھے پالیتا ہے وہ میری خدمت کرتا ہے اور جو میری خدمت کرتا ہے وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جو میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اُسے اپنی رحمت سے یاد کرتا ہوں۔)

(روح البیان ، تاویلات نجمیہ)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ۝ ۸۸

(۸۸) پھر جب وہ لوگ (دربار یوسفؑ میں) داخل ہوتے تو کہنے لگے: "اے عزیزِ مصر! ہم اور ہمارے تمام گھر والے بڑی سخت مصیبت میں گرفتار ہیں اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں، تو آپ ہمیں بھر بھر کے غلّہ عنایت فرمادیں۔ اور ہم پر احسان بھی کریں۔ یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو بہت ہی اچّھا بدلہ دیتا ہے۔

اولادِ انبیاء پر صدقہ حرام ہے

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کے دربار میں یہ کہنا کہ " تَصَدَّقْ عَلَیْنَا " یعنی ہم پر صدقہ اور احسان فرمائیں۔ یعنی ہمیں صدقہ، خیرات، بخشش عطا فرمائیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کم اور ناقص پونجی لیکر پوری ناپ کا غلّہ عطا فرمائیں۔ کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں صدقہ خیرات مراد ہی نہیں، بلکہ صرف احسان کرنا مراد ہے کیونکہ اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ انبیاء کی اولاد پر صدقہ خیرات لینا حرام ہوتا ہے، کیونکہ صدقہ خیرات ہاتھوں کا میل کچیل ہے۔ اس لیے یہاں صدقہ مراد نہیں ہو سکتا، احسان اور ضیافت مراد ہے۔ یعنی ہمارے حق سے زیادہ عطا فرمائیں۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۵۳، لغات القرآن نعمانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

غرض یہ اعتراض ہی غلط ہے کہ نبیؑ کے بیٹوں نے صدقہ کیوں مانگا جبکہ اولادِ انبیاءؑ پر صدقہ حرام ہے۔ صدقہ لینے والے نبیؑ کے بیٹے تھے خود اُن کو بھی یہ علم ہوگا کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ وہ ہم سے بہتر جانتے تھے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ ۸۹

(۸۹) یوسفؑ نے کہا: "کچھ تمھیں یہ بھی خبر ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اُس کے (سگے) بھائی کے ساتھ کیا (سلوک) کیا تھا؟ جبکہ تم جہالت میں مبتلا تھے"

گناہ کرتے وقت ہر شخص جاہل ہوجاتا ہے

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو جاہل نادان اِس لیے کہا کہ بقول حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے": جب کوئی انسان کوئی بھی گناہ کرتا ہے تو اُس وقت عالم ہونے کے باوجود جاہل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ اُس وقت یہ بات پوری طرح نہیں جانتا ہوتا کہ خدا کی نافرمانی کرکے وہ اپنے آپ کو کتنے عظیم خطرے اور مصیبت میں ڈال رہا ہے"۔

*..... - - (تفسیر صافی صفحہ ۲۵۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

غصّے کے وقت انسان مجنون ہوجاتا ہے

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا:

" غصّہ ایک قسم کی دیوانگی ہے کیونکہ غصّہ کرنے والا بعد میں پشیمان ضرور ہوتا ہے، اور اگر پشیمان نہیں ہوتا تو اُس کی دیوانگی پختہ و مستحکم ہے"۔

*. . . (نہج البلاغہ صفحہ ۸۹۴)

حضرت یوسفؑ کی عظمت و کردار

حضرت یوسفؑ کی عظمت و کردار کی یہ انتہا ہے کہ اتنی سخت تکالیف اُٹھا کر بھی بھائیوں سے شکایت نہ کی۔ پھر سوال بھی کیا تو اتنی نرمی کے ساتھ جس میں اُن کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے۔ *..... (عثمانی)

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۹۰

(۹۰) وہ چونک کر بولے: "ہائیں! کیا سچ مچ تم یوسفؑ ہو؟" یوسفؑ نے کہا: "ہاں، میں ہی یوسفؑ ہوں، اور یہ میرا (سگا) بھائی ہے۔ حقیقتاً اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی بھی تقویٰ اختیار کرتے ہوئے صبر بھی کرتا ہے تو یقیناً اللہ نیک کام کرنے والوں کے اجر و ثواب کو کبھی برباد نہیں کیا کرتا۔"

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ۹۱

(۹۱) اُن لوگوں نے کہا: "خدا کی قسم! تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی ہے اور واقعی ہم لوگ بڑے خطاکار تھے۔"

خداوالوں کی فضیلت کا اعتراف گناہوں کی معافی کا سبب ہوتا ہے

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے کہنے کا مطلب تھا کہ آج آپ ہمیں ذلیل بھی نہ کیجیے اور نہ کوئی سزا دیجیے، بلکہ ہمیں معاف کر دیجیے۔" (کیونکہ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے)۔ (تفسیر صافی صفحہ ۲۵۴ — بحوالہ تفسیر عیاشی)

نتیجہ معلوم ہوا کہ جن کو خدا نے علم و عمل کی بنا پر فضیلت عطا فرمائی ہے اُن کی فضیلت کو مان لینا گناہوں کی بخشش کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسا اعتراف خدا کی بہترین اطاعت ہے جو اچھائی ہے اور اچھائی برائیوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اِسی طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فضائل و کمالات کا اعتراف گناہوں کی معافی کا سبب ہونا ضروری امر ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا: "علیؑ کی محبت گناہوں کو اسطرح کھا جاتی ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔" بحوالہ

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ (۹۲) (یہ اعتراف سنتے ہی) یوسفؑ نے کہا:
الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَ "بس اب آج (سے) تم پر کوئی الزام
هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ۹۲ نہیں ہے۔ اللہ تمھیں معاف کرے۔
وہ تو تمام رحم کرنے والوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حضورِ اکرمؐ کی وسعتِ قلب اور عفو و درگذر

حضرت یوسفؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ "میں نے تمھارا قصور معاف کر دیا۔ میرا دل تمھاری طرف سے صاف ہوگیا۔" یہی آیت رسولِ اکرمؐ نے فتح مکّہ کے وقت اپنے خون کے پیاسوں کے سامنے پڑھی تھی۔ جبکہ حضرت یوسفؑ نے یہ جملہ اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ اس طرح حضورِ اکرمؐ نے کہیں زیادہ رحم اور فراخدلی کا اظہار فرمایا۔

* ۔۔۔ (ماجدی)

مسائلِ سُلوک

شاہ کرمانی کا قول ہے کہ: "جو شخص مخلوق کو خدا کی نظر سے دیکھے گا وہ اُن کو معاف کر دے گا اور اُن کی مخالفت کی پرواہ بھی نہ کرے گا، لیکن جو شخص اُن کو اپنی نظر سے دیکھے گا، وہ اپنی ساری عمر بحث مباحثہ ہی میں ضائع کر دے گا۔

* ۔۔۔ (روح المعانی)

کیونکہ حضرت یوسفؑ کو خدا کی قضا و قدر کا علم تھا اِسی لیے اُنھوں نے اپنے بھائیوں کا عذر قبول فرمایا اور اُن کو معاف کر دیا۔ * ۔۔۔ (تھانوی)

چنانچہ حضرت امام زین العابدینؑ کو جب ایک شخص نے ناسزا الفاظ کہے تو آپؑ اُس کے گھر پہونچے۔ وہ شرمسار ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جن الفاظ سے تو نے مجھے خطاب کیا تھا اگر واقعی میں اُن کا مستحق ہوں تو اپنے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں، اور اگر تجھے غلط فہمی ہوئی تھی تو تیرے لیے اللہ سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ پس وہ شخص متاثر ہو کر تائب ہوا۔

* ۔۔۔ (تفسیر انوار النجف)

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۟ ۹۳

(۹۳) ”لے جاؤ میرے اس کرتے کو اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو۔ اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی پھر میرے پاس اپنے تمام گھر والوں کو لیکر آجاؤ۔“

نسبت کی اہمیت

کیونکہ حضرت یوسفؑ کو اپنے بھائیوں سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی بینائی روتے روتے ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے اپنی قمیص دے کر فرمایا کہ اس کو اُن کی آنکھوں سے لگا دینا۔ آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

*..... (عثمانی)

★ ہر مرض کی دوا ہوتی ہے۔ یہ حضرت یوسفؑ کی کرامت تھی۔ اور کرامت نہ بھی کہیں تو مشاہدات سے ثابت ہے کہ غیر معمولی خوشی سے بینائی واپس آجاتی ہے۔

*..... (شاہ ولی اللہ)

حضرت یوسفؑ اور امام مھدیؑ میں مشابہت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ” امام مھدیؑ کو حضرت یوسفؑ کے واقعات سے مشابہت حاصل ہوگی۔

(۱) حضرت یوسفؑ اور امام مھدیؑ دونوں اولادِ انبیاءؑ سے ہیں (۲) حضرت یوسفؑ کے بھائی حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکے (اسی طرح مومنین اپنے درمیان امام مھدیؑ کو نہ پہچان سکیں گے) (۳) حضرت یوسفؑ نے خدا کے حکم پر ظاہری اسباب صرف اُس وقت استعمال کیے جب خدا نے چاہا۔ اگر شروع ہی سے ظاہری اسباب استعمال کرتے تو مصیبتیں نہ برداشت کرتے۔ اسی طرح امام مھدیؑ بھی خدا کی مرضی کے ماتحت ایک طویل عرصے غیبت کے پردے میں رہیں گے (اور ظاہری اسباب کو خدا کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں گے

*.... (تفسیر برہان بروایت علی بن ابراہیم)

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ (۹۴) پھر جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ
اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ ہوا تو اُن کے باپ نے (اپنے شہر کنعان
يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ ۹۴ میں) کہا: "میں تو واقعاً یوسفؑ کی
خوشبو محسوس کر رہا ہوں کہیں تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھ لینا۔

نبیؑ کی ذکاوتِ شامّہ

حضرت یعقوبؑ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں، کیونکہ یہ بات تمھاری سمجھ میں نہ آئے گی، پھر تم یہی کہو گے کہ: "بوڑھا ہو کر سٹھیا گیا ہے، یہ یوسفؑ کی محبت کے پرانے خیالات ہیں جو یوسفؑ کی خوشبو بن کر تمھارے دماغ میں آتے رہتے ہیں۔

*.... (عثمانی)

★ حضرت یعقوبؑ کے اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کرامؑ اگرچہ بشر ہوتے ہیں مگر اُن کی صلاحیتیں غیر معمولی ہوتی ہیں۔ اِدھر حضرت یوسفؑ کی قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا ہے اُدھر سیکڑوں میل دور حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے کرتے کی مہک سونگھ لیتے ہیں۔ مگر انبیاء کرامؑ اپنی اِن غیر معمولی صلاحیتوں کو صرف اُس وقت استعمال فرماتے ہیں جب خدا ایسا چاہتا ہے۔ کیونکہ اِس سے پہلے حضرت یوسفؑ برسوں مصر میں موجود رہے مگر کبھی حضرت یعقوبؑ کو اُنکی خوشبو نہ آئی۔ (معلوم ہوا، اللہ کے خاص بندے صرف اللہ کی اجازت ہی سے اپنی غیر معمولی معجزانہ صلاحیتوں کو استعمال فرماتے ہیں۔)

*.... (تفہیم القرآن، مولانا مودودی)

بائیبل میں انبیاءؑ کا مقام

اِدھر تو قرآن ہے کہ انبیاء کرام کی شان یہ بیان فرما رہا ہے اور

دوسری طرف بائیبل کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں کہ "جب بیٹوں نے آکر حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے بادشاہ ہونے کی خبر دی کہ "یوسفؑ اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملکِ مصر کا حاکم ہے" تو یعقوبؑ کا دل دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ اُس نے اُن کا یقین نہ کیا ...... مگر جب اُن کے باپ یعقوبؑ نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسفؑ نے اُن کے لانے کے لیے بھیجی تھیں، تب اُس کی جان میں جان آئی"۔

★ ---- (پیدائش ٤٥ : ٢٦ - ٢٧)

نتیجہ

کتنی عجیب بات ہے کہ مصر سے کنعان کئی سَو میل کے فاصلے پر ہے، مگر اِدھر قافلہ مصر سے کنعان کی طرف چلا، اُدھر حضرت یوسفؑ کی قمیص جو اُنھوں نے اپنے والد کی آنکھوں پر ڈالنے کے لیے دی تھی، اُس کی خوشبو حضرت یعقوبؑ نے محسوس کر لی۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاءِ کرامؑ کی خصوصی صلاحیتیں صرف اُس وقت کام کرتی ہیں جب خدا چاہتا ہے۔ یا یہ لوگ صرف اُسی وقت اُن اعلیٰ صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں جب خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ مگر کیونکہ یہ صلاحیتیں بہرحال غیر معمولی ہوتی ہیں اِس لیے اُن کو معجزہ یا کرامت بھی کہا جاسکتا ہے۔ حضرتِ یوسفؑ کے قصے میں اعجازی رنگ کافی پایا جاتا ہے۔

★ ---- (ماجدی)

★ مرشد تھانوی نے لکھا کہ "کیونکہ اب حضرت یوسفؑ اور اُن کے والد کی ملاقات کا وقت آگیا تھا اِس لیے حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو اتنی دور سے حضرت یعقوبؑ نے سونگھ لی۔ مگر جب حضرتِ یوسفؑ کنعان شہر کے بالکل باہر کنوئیں میں پڑے تھے، اُس وقت حضرتِ یعقوبؑ، حضرتِ یوسفؑ کی خوشبو نہ سونگھ سکے۔ یہی حال ہے اولیاءِ کرام کے مکاشفات کا۔

★ ---- (تھانوی)

★ حضرت یعقوبؑ نے خوشخبری دینے والے سے پوچھا کہ یوسفؑ کس حال میں تھے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: "بادشاہی کو میں کیا کروں گا؟ مجھے یہ بتا کہ وہ کس دین پر ہیں؟" اُس نے کہا: "وہ دینِ اسلام پر ہیں"۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: "اب اُن پر خدا کی نعمت مکمل ہو گئی"۔

★ ---- (روح المعانی)

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝ ۹۵

(۹۵) گھر والوں نے کہا: "خدا کی قسم آپ تو ابھی تک اپنے اُسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔"

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ ۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۹۶

(۹۶) پھر جب خوشخبری دینے والا آیا تو اُس نے یوسفؑ کا کُرتہ یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا تو یعقوبؑ کی بینائی پلٹ آئی۔ اُنھوں نے کہا: "میں نے تم سے تو کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔"

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ۝ ۹۷

(۹۷) وہ سب کے سب بولے: "بابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے دُعا فرمائیں۔ واقعی ہم خطا کار تھے۔"

(آیت ۹۵) یہاں معلوم ہوتا ہے کہ صرف بیٹے ہی نہیں بلکہ سارے گھر والے حضرت یعقوبؑ سے گستاخیاں کرتے تھے کیونکہ اُن کے بیٹے تو اُس وقت مصر میں تھے۔ یہ دوسرے گھر والے ہی تھے جو اُن پر طعنے کس رہے تھے۔
* .... (تفسیر تبیان)

(آیت ۹۶) اِس آیت میں "خوشخبری دینے والا" سے مراد یہودا ابنِ یعقوبؑ ہے۔ * (معالم بقول ابن عباس ابن مسعود)

(آیت ۹۷) حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں کی درخواست پر بیس۲۰ سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ہر شبِ جمعہ اپنی اولاد کی معافی اور بخشش کی دُعا مانگتے رہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کھڑے ہوتے تھے اور سارے بیٹے صف باندھ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے، آپ دُعا فرماتے اور وہ سب بیٹے آمین کہتے تھے۔ بیس۲۰ سال کے بعد خدا نے یہ توبہ قبول فرمائی۔
* .... (تفسیر مجمع البیان)

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ (۹۸) یعقوبؑ نے کہا: "میں عنقریب رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۹۸ اپنے پالنے والے مالک سے تمھارے لیے گناہوں کی معافی مانگوں گا۔ حقیقتاً وہ بڑا معاف کرنے والا اور بیحد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔"

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ (۹۹) پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ پاس (دربار میں) داخل ہوتے تو ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ یوسفؑ نے ماں باپ کو اپنے پاس اٰمِنِیْنَ ؕ ۝۹۹ جگہ دی اور (اپنے تمام گھر والوں کا استقبال کرتے ہوئے) کہا: "(شہرِ) مصر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو (یہاں) امن و اطمینان سے رہو گے۔"

(آیت ۹۸) آیت کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کنعان میں اپنے والد کے پاس آتے تب انھوں نے اپنے والد سے یہ بات کہی ہوگی۔
.... (تفسیر تبیان)

★ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: "قبولِ (دعا) کی گھڑی آنے دو اُس وقت خدا سے دُعا کروں گا۔" کہتے ہیں شبِ جمعہ یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔ .... (مثانی)

والدین کے حقوق کی اہمیت

(آیت ۹۹) روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ اپنے گھر والوں کے استقبال کے لیے قریب پہنچے تو سواری سے اترنے کا ارادہ کیا، لیکن شاہانہ آن بان برقرار رکھتے ہوئے نہ اُترے۔ جبکہ حضرت یعقوبؑ اپنی سواری سے اُتر پڑے، اور سلام کی ابتدا بھی حضرت یعقوبؑ نے فرمائی۔

باپ بیٹا گلے ملے۔ ابھی حضرت یوسفؑ الگ نہیں ہوئے تھے کہ جبریلؑ نے آکر حضرت یوسفؑ سے فرمایا: "تمھارے صدّیق والد تو اپنی سواری سے اُتر کر پیدل ہوئے اور تم اُن کی عزّت کی خاطر پیدل نہ ہوئے؟ اپنا ہاتھ باہر نکالو۔ جب اُنھوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ہتھیلی سے ایک نور چمکا آسمان کی طرف چلا گیا۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا: "یہ نور کیسا تھا"؟ فرمایا: "یہ نورِ نبوّت تھا جو تم سے لے لیا گیا۔ اب تمھاری نسل میں قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا۔ کیونکہ تم باپ کی تعظیم کے لیے سواری سے نہ اُترے۔"

مروی ہے کہ یہ نور لاوی کی پُشت میں چلا گیا، جس نے حضرت یوسفؑ کو قتل سے بچایا تھا۔ اِسی لیے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء لاوی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے پیدل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے یہ سوچا کہ باپ مجھے شاہی کرّوفر میں دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے

بہر حال حضرت یوسفؑ کا یہ عمل تکبّر کی وجہ سے تو ہرگز نہ تھا (کیونکہ نبیِ خدا میں تکبّر نہیں ہوتا) اِس لیے کارِ حرام نہ تھا۔ البتّہ اُن کے مرتبے کے مناسب نہ تھا، اِس لیے یہ عمل اُن کا ترکِ اَولیٰ تھا۔

*--- (تفسیرِ صافی، تفسیرِ برہان، تفسیرِ مجمع البیان، تفسیرِ انوار النجف، عِلل الشرائع)

★ اصل بات یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ اپنے گھر والوں کے استقبال کے لیے شہرِ مصر سے باہر تشریف لائے تھے۔ پہلے ایک خیمے میں اپنے گھر والوں سے ملے۔ وہیں اُنھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ: "مصر میں داخل ہو جائیے اور یہاں انشاء اللہ اطمینان اور امن سے رہیے گا۔"

*--- (فصل الخطاب، موضح القرآن)

سوال اور نتیجہ:

اِس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل (اولادِ یعقوبؑ)

جب مصر میں داخل ہوئے تو اُن کی تعداد صرف ۶۸ تھی لیکن جب پانچ سو سال کے بعد مصر سے نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے ؟ بائیبل میں اُن کی بعد ۶٬۰۳٬۵۵۰ (چھ لاکھ تین ہزار پانچو پچاس) لکھی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورتیں اور بچے ملا کر کم سے کم بیس لاکھ ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ پانچسو سال میں اتنی زیادہ تعداد کیسے ہوگئی ؟

اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرت یوسفؑ اور اُن کی اولاد نے مصر میں اسلام کی تبلیغ کی تھی، اس لیے بعض مسلمان مصریوں کے طور طریقے بھی بنی اسرائیل جیسے ہوگئے۔ مصریوں نے اُن سب کو اجنبی اور اسرائیلی ٹھہرایا۔ جس طرح ہندوستان جب تقسیم ہوا تو ایران و عرب سے آئے ہوئے مسلمانوں کی نسلیں اور ہندوؤں سے مسلمان ہو جانے والوں کی نسلیں سب کے سب مسلمان یا مُسلّے کہلائے، اور انگریزوں اور ہندوؤں نے سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا۔

*---- (تفہیم)

اس بات کی تائید بائیبل کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر بائیبل میں ہے کہ: "بنی اسرائیل کے ساتھ ایک مِلا جُلا گروہ بھی گیا۔"

--- (بائیبل ۱۲ : ۳۸)

پھر ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

"جو مِلی جُلی بھیڑ اُن لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حِرص کرنے لگے۔"

*----- (بائیبل گنتی ۱۱ : ۴)

مساواتِ اسلامی

نیز تورات میں حضرت موسیٰؑ کے احکامات میں ہے: "تمہارے لیے اور اُس پردیسی کے لیے جو تم میں رہتا ہے نسل در نسل سدا ایک ہی آئین ہے۔ خداوند کے آگے پردیسی بھی ویسے ہی ہیں جیسے تم ہو۔"

*... (گنتی ۱۵ : ۱۵ - ۱۶)

"جو شخص بیباک ہو کر گناہ کرے، خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی، وہ خداوند کی اہانت کرتا ہے۔"

*---- (گنتی ۱۵ : ۳۰)

"خواہ بھائی بھائی کا معاملہ ہو، یا پردیسی کا، تم اُن کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا۔"

*--- (استثناء ۱ : ۱۶)

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (۱۰۰) وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ۱۰۰

پھر انھوں نے اپنے والدین کو تختِ (شاہی) پر اونچا بٹھایا۔ اور (اُس وقت) وہ سب کے سب یوسفؑ کے آگے (بے اختیار تعظیماً) سجدے میں جھک گئے۔ اِس پر یوسفؑ نے کہا: "بابا جان! یہ مطلب (تعبیر) ہے میرے اُس خواب کا جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے پالنے والے مالک نے اُسے حقیقت بنا دیا (یا) سچ کر دکھایا۔ یہ اُس کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے قید خانے (کی مصیبت) سے نکالا، پھر آپ لوگوں کو صحرا سے یہاں لاکر مجھ سے مِلایا۔ اِس کے باوجود کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈال چکا تھا حقیقت یہ ہے کہ میرا پالنے والا مالک جس پر چاہتا ہے مہربانی فرماتا ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا اور گہری مصلحتوں کے مطابق دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

حضرت یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کا سجدہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "حضرت یعقوبؑ اور اُن کے بیٹوں نے مصائب کے ختم ہونے پر خدا کے لیے سجدہ شکر ادا کیا تھا۔۔۔۔۔۔ (مجمع البیان)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: "حضرت یعقوبؑ اور اُن کے بیٹوں نے نبیؑ اور اولادِ نبیؑ ہونے کے باوجود حضرت یوسفؑ کو کیوں سجدہ کیا؟

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: "اُنھوں نے حضرت یوسفؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا، اُنھوں نے سجدہ تو خدا کے لیے کیا تھا، مگر حضرت یوسفؑ کو تعظیم دینے کے لیے، اور خدا کی اطاعت ظاہر کرنے کے لیے۔ جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ فرشتوں کا اصل مقصد خدا کی اطاعت کرنا تھا، اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کرنا تھا۔ اِسی طرح حضرت یعقوبؑ اور اُن کے بیٹوں نے پریشانی دور ہونے (اور حضرت یوسفؑ کے ملنے پر خوشی میں) شکرِ خدا بجالانے کے لیے سجدہ کیا۔ (نیز حضرت یوسفؑ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اُن کو قبلہ بنایا گر سجدہ خدا ہی کے لیے تھا۔ صرف سمتِ سجدہ حضرت یوسفؑ تھے۔ جس طرح ہم سجدہ خدا کے لیے کرتے ہیں مگر سمت کعبہ کی ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کی سمت بھی حضرت آدمؑ تھے۔)

*۔۔۔۔ (تفسیر صافی صفحہ ۲۵۶ بحوالہ تفسیر قمی)

* مگر اِس سجدے کے بارے میں شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "پہلے وقت میں سجدۂ تعظیم (جائز تھا جس طرح) فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو (سجدہ) کیا تھا۔"

*۔۔۔۔۔ (موضح القرآن)

نتیجہ اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ سجدہ غیرِ خدا کے سامنے کرنا ذاتاً شرک نہیں۔ اِس لیے کہ اگر شرک ہوتا تو کسی دَور میں بھی جائز نہ ہوتا۔ اب کسی کو سجدہ کرنا ممنوع ضرور ہے لیکن شرک نہیں۔ اب یہ ایک شرعی حکم ہے، جو اِس کی مخالفت کرے گا وہ گنہگار ضرور ہوگا، مگر مشرک نہ ہوگا بشرطیکہ وہ تعظیماً سجدہ کرے۔ اگر عبادۃً سجدہ کرے گا تو ضرور مشرک ہوگا۔

*۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

* تفسیر جلالین نے لکھا کہ: "سجدہ سے یہاں مراد صرف جُھکنا اور آداب بجالانا ہے۔"

*۔۔۔۔ (تفسیر جلالین)

سجدہ تعظیمی پر عمیق بحث

لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مفسرین نے یہاں جس سجدے کا ذکر ہوا ہے، اُس کو موجودہ اسلامی اصطلاح کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ یعنی ہاتھ زمین پر رکھ کر پیشانی زمین پر ٹکانا۔ حالانکہ عربی میں سجدہ محض جھکنے کو بھی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ لفظ صرف جھکنے اور آداب بجالانے کے لیے آیا ہو۔ اِسی جھکاؤ کو عربی میں سجود اور انگریزی میں "Bow" کہتے ہیں۔ بائیبل میں اِس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قدیم زمانے میں جھک کر آداب بجالانا تہذیب میں شامل تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ: "جب اُنھوں نے اپنے خیمے کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ اُن کے استقبال کے لیے دوڑے اور زمین تک جھکے۔"

★ اِس موقع پر عربی بائیبل میں ہے: "مسجد الی الارض"

★ . . . (تکوین ۱۸-۳)

★ جبکہ انگریزی بائیبل میں ہے: "Bowed himself towords the ground."

★ . . . . (تکوین ۱۸-۳، تکوین ۲۳ : ۷)

★ اِس سے ثابت ہوا کہ عربی میں سجدہ کا لفظ جھکنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

★ یہ کہنا کہ پچھلی شریعتوں میں غیرُ اللہ کو سجدہ کرنا جائز تھا، غلط ہے۔ جس طرح اسلامی نماز میں سجدہ کیا جاتا ہے یہ کبھی غیرِ اللہ کے لیے جائز نہ تھا۔ خود بائیبل میں ہے کہ "جب بابل کے بادشاہ نے ہامان کو اپنا امیر الامراء بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ اُس کو سجدۂ تعظیمی بجالائیں، تو "مردکی" نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا۔" (آستر ۲ : ۱-۲)

★ خدا کے "لطیف" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا مخفی طور پر جسے ہم نہیں سمجھ سکتے ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے۔ اس سورۃ کے سارے واقعات خدا کے "لطیف" ہونے کی تفسیریں ہیں۔

★ . . . . (تفسیر کبیر)

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ ۱۰۱

(۱۰۱) اے میرے پالنے والے مالک! تُو نے مجھے ایک طرح کی حکومت بخشی ہے اور مجھے خوابوں اور حقیقتوں کی تہ تک پہنچنے کا علم بھی سکھایا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تُو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ مجھے دنیا سے (حقیقی) مسلمان (یعنی خدا کا اطاعت کرنے والا) اُٹھانا اور مجھے (آخرت میں) نیک کام کرنے والوں کے ساتھ ملا دینا۔"

چند سوالات کے جواب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ:

" حضرت یعقوبؑ مصر پہنچ کر کتنے دن زندہ رہے"؟ حضرت امامؑ نے فرمایا: "دو سال"۔ پوچھا گیا: " اُس وقت حجّتِ خدا کون تھے"؟ فرمایا: حضرت یعقوبؑ حجّتِ خدا تھے۔ جب حضرت یعقوبؑ کا انتقال ہوگیا تو حضرت یوسفؑ نے اُن کا تابوت ملکِ شام بھجوادیا۔ وہ بیت المقدس میں دفن ہوئے اُن کی وفات کے بعد حضرت یوسفؑ خدا کی حجّت مقرر ہوئے۔"

کسی نے پوچھا: "کیا حضرت یوسفؑ نبی تھے"؟ حضرت امام نے فرمایا: "کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سُنا کہ: "یقیناً یوسفؑ پہلے ہی تمھارے پاس کُھلی ہوئی نشانیاں اور احکامات لیکر آچکے ہیں" (القرآن) (یعنی وہ نبی تھے)

*..... (تفسیر صافی صہ ۲۵۶ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

حضرت یوسفؑ کا خدا کے احسانات پر شکر ادا کرنا

حضرت یوسفؑ کی زبان سے نکلے ہوئے

یہ جملے جو آیت نمبر ۱۰۰ ، ۱۰۱ میں بیان کیے گئے ہیں احساسِ شکر گذاری کی منھ بولتی تصویر ہیں۔ صحرا میں رہنے والا ایک بچہ جس کو اُس کے بھائی قتل کرنا چاہتے ہوں، ترقی کرتے کرتے مصر جیسے عظیم مہذب ملک کا مالک بن جائے اور پھر اُس کے قاتل بھائی اُسی کے سامنے (قحط کے زمانے میں) غلّہ حاصل کرنے کی درخواست پیش کریں، تو ایسے موقع پر دنیا پرست لوگ فخر جتانے اور انتقام لینے کی فکر کرتے ہیں۔ طعن و تشنیع کے تیر چلاتے ہیں، مگر ایک سچا خدا پرست شریف انسان دوسرے طرزِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ وہ فخر، کبر اور طعن کسنے کے بجائے خدا کا شکر بجا لاتا ہے اور خدا کے احسانات کو یاد کر کے اپنے قاتلوں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر احسان کرتا ہے۔ اُن سے کسی قسم کا کوئی انتقام نہیں لیتا، بلکہ ذرا سی شرمندگی کے اظہار پر پوری طرح معاف کر دیتا ہے۔ اُن سے شکایت تک نہیں کرتا۔ یہ تک نہیں کہتا کہ تم نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ اُس وقت بھی وہ یہ کہتا ہے کہ "شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی"۔ یعنی بُرائی کے بُرے پہلو کو نظر انداز کر کے اچھے پہلو کو پیش کرتا ہے کہ خدا نے مجھے بلند مرتبے پر پہنچانے کے لیے یہ تدبیر فرمائی کہ مجھے امتحانات اور مشکلات سے گذرنا پڑا۔ پھر وہ خدا کے آگے جُھک جاتا ہے، خدا کا شکر ادا کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ: "مالک! یہ سب تیری عطا ہے کہ تو نے مجھے اعلیٰ صلاحیتیں بخشیں، میری ترقی کے راستے ہموار کیے، مجھے قید خانے سے نکالا، مجھے بادشاہ بنایا۔ اب میں جب تک زندہ رہوں گا، تیری غلامی پر ثابت قدم رہوں گا، اور جب میں دنیا سے جانے لگوں تو مالک! مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا"۔
* ۔۔۔۔ (ماجدی)

نکتے

(۱) حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ: "اے خدا! تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا کچھ علم بھی دیا"۔ مِنْ تبعیضیہ ہونے سے یہ نتیجہ نکلا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بہر حال محدود ہوتا ہے۔
* ۔۔۔۔ (تفسیر کبیر)

(۲) حضرت یوسفؑ کی دُعا کی روح یہ ہے کہ: "خدایا! جس طرح تو نے میری دنیا کے سارے کام بنا دیے

اِسی طرح میری آخرت کے بھی سارے کام بنا دے اور اِس طرح مجھے اپنی قدرت، رحمت اور کرامت کی جلوہ سازیاں دکھا دے، اور اُس کی معراج (climax) اِس طرح ہو کہ "جب میری موت آئے تو دینِ اسلام پر آئے۔"
(تفسیر کبیر بقول ابنِ عباسؓ)......*

نتائج

(۱) انسان کو دنیا کی کامیابیوں کے ملنے پر آخرت کی سرفرازیوں کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔ (۲) حضرت یوسفؑ کی اِس دُعا سے کہ "مجھے فرمانبرداری کے عالم میں موت دے۔"
(مؤلف)......*

یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "انبیاءِ کرام باوجود عصمت وطہارت کے، خوفِ خدا بھی رکھتے ہیں۔ اور اپنی کمالِ معرفت کی وجہ سے خدا سے ملاقات کا شوق بھی رکھتے ہیں۔"
(تھانوی)......*

(انبیاءِ کرامؑ کو اپنے عمل میں نقص کا خوف اپنی انکساری کی وجہ سے لاحق رہتا ہے) (مؤلف)

(۳) امام رازی نے لکھا کہ جب انسان دنیا کی زندگی کو اچھی طرح سمجھ اور برت لیتا ہے تو پھر دنیا کی لذتیں لاحاصل دکھائی دینے لگتی ہیں۔ پھر اُس کی دُعائیں اور آرزوئیں حضرت یوسفؑ کی یہی دُعا بن جاتی ہیں۔ اور یہی کمالِ انسانی کی ایک انتہا ہے۔ *..... (تفسیر کبیر)

(۴) حضرت یوسفؑ کا یہ دُعا فرمانا کہ: "مجھے صالحین سے ملا دے"۔ تو صالحین کا مفہوم اضافی ہے۔ اِس کا معیار ہر ایک کے درجے اور مرتبے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ جس مرتبہ صالحین کی تمنا کر رہے ہیں وہ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیمؑ (اور حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ) کے مرتبے کے صالحین ہیں۔ *..... (ماجدی)

(۵) حضرت یوسفؑ کا فرمانا کہ: "مجھے فرماں برداری کی موت دے"۔ (تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا)
یعنی حضرت یوسفؑ نے اِسلام پر خاتمے کی دُعا مانگی، اِس سے معلوم ہوا کہ نعمت کی تکمیل اچھے خاتمے پر ہے۔ اور اِس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ حضرت یوسفؑ نے موت کی تمنا کی۔ اور خدا کی اطاعت کے عالم میں موت کی درخواست کی۔
*..... (روح البیان)

اِسی لیے حضور اکرمؐ نے فرمایا: "موت مومن کے لیے تحفہ ہے' اِس لیے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔ کیونکہ مومن دنیا میں دُکھ درد میں مبتلا رہتا ہے۔ خاصکر شیطان کے بہکانے کی وجہ سے۔ اور موت کے ذریعے سے وہ تمام تکالیف سے نجات پاکر دائمی راحت کو پالیتا ہے۔
* - - - - (روح البیان)

(۶) حضرت یوسفؑ کی یہ دُعا کہ: "تَوَفَّنِي مُسْلِمًا" (مجھے اسلام پر موت دینا) اِس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ: "کسی نبی نے جلدی مرنے کی دُعا نہیں کی سوائے حضرت یوسفؑ کے کیونکہ خدا نے جب سارے خاندان کو ملا دیا اور اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور دُنیا کی لذّتوں سے لطف اندوز ہو چکے تو خیال آیا کہ یہ سب کچھ فانی ہے' اِس لیے خدا سے دائمی نعمتوں کے ملنے کی دُعا کی۔ موت کی تمنا ظاہر کی' اور فرمایا: "خدایا! مجھے اِسلام پر تابعداروں والی موت عطا فرما۔ پھر مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے یعنی جنّت کے رہنے والے انبیاءؑ اور صالحین کی صحبتیں عطا فرما۔"
* - - - - (تفسیر مجمع البیان)

مسائل سلوک

(۱) حضرت یوسفؑ کی اِس دُعا سے معلوم ہوا کہ خدا کی اطاعت کی حالت میں مرنا بڑی عظمت رکھتا ہے۔ (۲) باوجود عصمت و نبوّت کے حضرت یوسفؑ یہ دُعا فرما رہے ہیں' تو ہم گنہگاروں کو کس قدر اِس دُعا پر اصرار کرنا چاہیئے۔ (۳) خدا سے ملاقات کے لیے موت کی تمنّا کرنا خدا کی محبت کے غلبے کا اثر ہے۔ * - - - - (تھانوی)

سوال؟ سوال یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے صالحین کے ساتھ شامل ہونے کی دُعا کیوں فرمائی جبکہ وہ نبی تھے ؟

جواب یہ ہے (۱) صالحیت ایک ایسے بہت بڑے رتبے کا نام ہے جو تمام مراتب کا جامع ہے کیونکہ لفظ "صالح" شہید' صدیق نبی' امام سب پر بولا جاتا ہے۔ (۲) حضرات انبیاءؑ کسرِ نفسی سے کام لیتے ہیں۔ (۳) تاکہ اُمت کو دُعا مانگنے کا سلیقہ آجائے۔ * - - - (روح المعانی) * (روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء حضرات نے فرمایا کہ: "تَوَفَّنِي مُسْلِمًا" اشارہ ہے فنا فی اللہ کی طرف اور "اَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ" سے مراد مجھے "بقاء باللہ" عطا فرما۔ کیونکہ تیری بقاء ازلی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ۝ ۱۰۲

(۱۰۲) یہ غیب کی چھپی ہوئی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں (کیونکہ) آپؐ تو اُن کے پاس موجود نہ تھے جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے یہ (سب کچھ) کیا تھا اور جب وہ لوگ خُفیہ تدبیر کر رہے تھے۔

وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۰۳

(۱۰۳) اور آپؐ چاہے کتنا ہی چاہیں، اِن میں کے اکثر لوگ (حق کو) ماننے والے نہیں۔

(آیت ۱۰۲) یاد رہے کہ یہ اعلیٰ مفاہیم تورات یا کسی پُرانی آسمانی کتابوں میں مذکور نہیں۔ * (موضح القرآن)

* مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کا قصّہ جو بیان ہوا یہ غیب کی خبروں میں سے ہے کیونکہ وحی کے بغیر آپؐ اِس واقعہ کی تمام تفصیلات نہیں جان سکتے تھے، کیونکہ اُس وقت آپؐ وہاں پر موجود ہی نہ تھے۔ اِس لیے یہ قصّہ سنانا دلیل ہے آپؐ کی نبوّت کی اور صاحبِ وحی ہونے کی۔ مگر باوجود تمام عقلی و نقلی دلائل کے بہت سے لوگ حق بات کو نہیں مانا کرتے۔ * .... (تھانوی)

یہ سورۃ دلیل ہے نبوّتِ حضورؐ پر

یہودیوں نے حضورِ اکرمؐ کا اچانک امتحان اسطرح لیا تھا کہ انھوں نے ایک محفل میں یہ مطالبہ کر دیا کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو یہ بتائیں کہ بنی اسرائیل (اولادِ یعقوبؑ) کنعان سے مصر کس طرح آئی؟ اِس سوال کے جواب میں حضورِ اکرمؐ نے سورۂ یوسفؑ کی تلاوت فرمائی، اور اِس طرح ثابت فرما دیا کہ میرا معلّم صرف خدا ہے لیکن یہودیوں کی کٹ حجّتی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔

* .... (تفہیم)

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (۱۰۴) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۱۰۴ حالانکہ آپؐ اِس خدمت پر اُن سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو بس نصیحت (یعنی بھلائی چاہتا) ہے تمام جہانوں کے لیے۔

انبیاءؑ کرام ذاتی فائدے حاصل نہیں کرتے

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: "اے کافرو! ذرا غور تو کرو کہ تم لوگ کس قدر حق دشمنی پر اُتر آئے ہو کہ اگر پیغمبرؐ نے اپنے ذاتی فائدے کے لیے تم سے کچھ طلب کیا ہوتا تو تم یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم ایک مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں؟ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص کتنا مخلص اور بے غرض انسان ہے، تمھاری بھلائی چاہتا ہے، اپنا کوئی فائدہ نہیں چاہتا۔ پھر آخر تم کیوں ہٹ دھرمی سے اس کا انکار کر رہے ہو۔؟ کھُلے دل سے اِس کی بات سُنو اور دل لگتی باتوں کو دل سے مانو۔

(تفہیم) ----*

انبیاءؑ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے

خدا، حضورِ اکرمؐ کو دلاسہ بھی دے رہا ہے کہ اگرچہ آپؐ کی صداقت پر واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی یہ لوگ حق بات کو نہیں مانتے تو نہ مانیں، آپؐ کا کیا نقصان ہے؟ کچھ تبلیغ کی تنخواہ تو آپؐ اُن سے لیتے نہیں جو وہ بند کر دیں گے۔ رہی بات نصیحت کرنے کی، سو وہ آپؐ نے کر دی۔ (قصہ ختم)

(عثمانی) ----*

؎ طبل وعَلم ہی پاس ہے اپنے، نہ ملک و مال ❊ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا؟

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ (۱۰۵) آسمانوں اور زمین میں کتنی کچھ
وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے
هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ ۱۰۵ ہی رہتے ہیں اور اُن پر ذرا بھی توجہ
نہیں کرتے۔

اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کرنا بہترین عبادت ہے

مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ منکرینِ حق آیاتِ قرآنی سُن کر بھی آپؐ پر ایمان نہیں لاتے، اُسی طرح آیاتِ تکوینیہ کو دیکھ کر بھی توحید کا سبق نہیں سیکھتے۔ یہ اِس لیے کہ اُن کا سُننا دیکھنا سب سرسری ہوتا ہے۔ آیاتِ الٰہی پر کچھ غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ ہوتا۔ جب دھیان ہی نہیں دیتے تو ایمان کہاں سے ہوگا؟
* ---- (عثمانی)

★ مقصد یہ ہے کہ یہ کافر منکرینِ حق خدا کی نشانیوں کیطرف نہ تو توجہ کرتے ہیں اور نہ اُن سے سبق ہی حاصل کرتے ہیں۔ اور نشانیوں سے مراد توحید اور قدرتِ خدا کیطرف دلالت کرنے والے واقعات و حوادث بھی ہیں۔
* ..... (کشاف)

★ آیت کا مقصد یہ ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز "صرف ایک چیز" ہی نہیں ہے، بلکہ کسی کی "نشانی" بھی ہے جو اپنے خالق و مالک پالنے والے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو لوگ کائنات کی چیزوں کو صرف ایک "چیز" سمجھ کر دیکھتے ہیں وہ جانوروں کا سا دیکھنا دیکھتے ہیں۔ درخت کو درخت، دریا کو دریا، پھول کو پھول تو جانور بھی دیکھتا ہے اور اپنے مصرف میں بھی لاتا ہے۔ مگر جس مقصد کے لیے انسان کو سوچتا سمجھتا دل و دماغ دیا گیا ہے، وہ صرف اِس لیے نہیں دیا گیا کہ وہ کائنات کے مظاہر کو صرف دیکھے اور اُن سے صرف مادّی فائدے حاصل کرے، بلکہ عقل و ہوش دینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اُن نشانیوں کو دیکھ کر اُن کی حقیقت کا سُراغ لگائے۔ مگر اکثر انسان اپنی عقل کو اس مقصد کیلئے استعمال ہی نہیں کرتے۔ *.... (تفہیم)

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ○ ۱۰۶ (۱۰۶) اور اُن میں زیادہ تر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اِس طرح کہ اُس کے ساتھ دوسرے خداؤں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔

اطاعت میں شرک

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ:

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہاں شرک سے مراد اطاعت میں شرک کرنا ہے، عبادت میں شرک کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو گویا اُس نے شیطان کی اطاعت کی۔ اِس طرح گناہ کرنے سے وہ شیطان کو خدا کی اطاعت میں شریک قرار دیتے ہیں، حالانکہ عبادت میں شیطان کو خدا کا شریک قرار نہیں دیتے۔ عبادت تو وہ صرف خدا ہی کی کرتے ہیں، لیکن گناہ کرکے اطاعت میں شیطان کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔"

--- (تفسیر صافی ص ۲۵۷ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی) ★

خدا کے اختیارات میں شرک کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ: "یہ آیت ایسے لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نہ ہوتا تو میں مرجاتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسا کہنے والا خدا کے اختیارات میں کس کو شریک قرار دے رہا ہے؟ کیونکہ رزق دینا یا بلاؤں کو دفع کرنا تو خاص خدا کا کام ہے۔"

اِس پر کسی نے عرض کیا کہ "اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کے باعث اگر خدا مجھ پر احسان نہ کرتا، تو میں ہلاک ہوجاتا۔"؟

حضرت امامؑ نے فرمایا: "ہاں اِس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں۔"

★ ---- (تفسیر عیاشی)

★ " یعنی منہ سے سب یہی کہتے ہیں کہ خالق، مالک سب کا وہی (خدا) ہے (لیکن وقت پڑے پر) اوروں کو پکڑتے ہیں۔" ★.... (موضح القرآن، شاہ عبدالقادر صاحب)

★ " اُن میں سے اکثر اللہ پر اس طرح ایمان لاتے ہیں کہ یہ تو اقرار کرتے ہیں کہ خلق کرنے والا اور روزی دینے والا خدا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ بت پرستی کرکے شرک بھی کرتے ہیں۔" ★..... (تفسیر جلالین)

اکثر لوگ شرک کرتے ہیں

اکثر لوگ جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ خدا کے وجود سے انکار نہیں کرتے بلکہ شرک کی گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ خدا نہیں ہے، بلکہ وہ دوسروں کو بھی کسی نہ کسی طرح خدا کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں شریک سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی ہرگز پیدا نہ ہوتی اگر وہ لوگ زمین اور آسمانوں کی تخلیقات کو عقل و فہم کے ساتھ دیکھتے جو ہر آن خدا کی (قدرت) وحدت اور یکتائی کا پتہ دے رہے ہیں۔

★...... (تفہیم)

★ مگر ایسے اقرار کو خدا ایمان نہیں مانتا۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ جب زیادہ تر لوگ ایمان لے آئیں گے۔ یعنی مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں گے، تب بھی وہ دل میں مشرک ہی ہوں گے یعنی منافق ہوں گے، حقیقی مومن نہ ہوں گے۔

یا اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعتقادی طور پر خدا کا اقرار کرتے ہیں مگر اس اقرار کے عملی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ اس طرح کہ خدا کے احکام کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ دوسروں سے توقعات باندھتے ہیں، دوسروں کے سامنے سر جھکاتے ہیں، دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس طرح عملاً مشرک ہیں اور اعتقاداً مسلمان ہیں۔

★.... (تفسیر علی ابن ابراہیم، فصل الخطاب)

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی ❊ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

★--- (اقبال)

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ۱۰۷

(۱۰۷) کیا وہ اِس خطرے سے مطمئن اور بیخوف ہو گئے ہیں کہ اُن پر کوئی چھا جانے والا اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا پھر بے خبری کے عالم میں قیامت کی گھڑی اچانک اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ؟

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ۱۰۸

(۱۰۸) آپؐ اُن سے صاف صاف فرمادیں کہ یہ ہے میرا راستہ کہ میں اللہ کیطرف بُلاتا ہوں[۱] پوری پوری طرح سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی اور وہ شخص بھی جو میرے پیچھے پیچھے چلے۔ اور اللہ کی ذات ہر بُرائی یا عیب سے پاک ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

بصیرت اور بصارت

[۱] بصیرت ایک ایسی قوّتِ قلبی اور عقلی کا نام ہے جس کے سبب سے انسان چیزوں کی باطنی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔ جس طرح بصارت یعنی آنکھ ظاہری چیزوں کی شکل صورت، ہیئت اور رنگ کو دیکھتی ہے، اِسی طرح بصیرت چیزوں کی باطنی حقیقت کو دیکھ اور سمجھ سکتی ہے۔ حکماء اور فلاسفہ اِس کو قوّتِ عاقلہ یا قوّتِ قدسیہ کہتے ہیں۔ اِسی بصیرت کی وجہ سے بلقیس حضرت سلیمانؑ پر اور جادوگر حضرت موسٰیؑ پر ایمان لائے تھے۔

انسانوں کے قلوب دراصل فطرتاً اِسی بصیرت کی طرف مائل ہیں لیکن خواہشاتِ نفسانی

کی وجہ سے بصیرت تاریک ہوجاتی ہے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ★.....

اور اتباعِ رسول ص کے معنی یہ ہیں کہ رسول ص کے اقوال، افعال اور احوال کی پیروی کی جائے
★ - - -- - (روح المعانی)

اسلام میں عقل و بصیرت اور جدید علوم کی اہمیت

رسول ص کا فرمانا: "عَلٰی بَصِیْرَۃٍ" یعنی رسول ص فرما رہے ہیں کہ "میں عقلی دلائل پر قائم ہوں"۔

اِس سے ثابت ہوا کہ دینِ اسلام اندھی تقلید کا نام نہیں، بلکہ اسلام عقلی طور پر ثابت شدہ مدلّل حقیقت کا نام ہے۔ اِس لیے علمِ کلام اور علمِ اصول سے کام لینا جائز ہے۔
★ - - - - (تفسیر کبیر امام رازی)

★ اِسی بنیاد پر علمِ سائنس اور جدید فلسفہ سے کام لینا بھی جائز ہے۔ یہ تمام علوم انسان کے تجربات کا نتیجہ ہیں۔ اِس لیے ان میں قدیم علوم اور جدید علوم کی تفریق جائز نہیں ہونی چاہیئے۔
★ - - - - - (مؤلف)

★ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: "لَا دِیْنَ مَنْ لَّا عَقْلَ لَہٗ" جس کے پاس عقل نہیں اُس کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ ★ - - - (تحف العقول)

★ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "قرآن میں جہاں جہاں قلب کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد عقل ہے"۔ ★. . . . (الکافی)

★ جنابِ رسولِ خدا ص نے فرمایا، اور روایت کی جنابِ امام محمّد باقر علیہ السّلام نے کہ "خدا نے جب عقل کو پیدا کیا تو اُس سے کہا: "آگے آ"۔ وہ آگے آئی۔ پھر اُس سے کہا: "پیچھے جا"۔ وہ پیچھے گئی اِس پر خدا نے فرمایا: "مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم ہے کہ میں نے تجھ سے بہتر کوئی مخلوق نہیں پیدا کی۔ میں تجھی سے حساب لوں گا، تجھی کو جزا دوں گا اور تجھی کو سزا دوں گا"۔ ★ . . . (اصول کافی کتاب العقل والجہل)

★ معلوم ہوا عقل وہ ہے جو خدا کے حکم پر آگے بڑھے، پیچھے ہٹے اور رک جائے۔ ★ (مؤلف)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "عقل وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے خدا کو پہچانا جائے اور جنّت کو کمایا جائے۔"

(اصولِ کافی) ----*

★ آپ کہہ دیجیئے کہ: یہی میرا راستہ ہے۔" تو "یہی" (ھٰذِہٖ) سے مراد توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے کا ماننے والا راستہ ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔

(بیضاوی، تفسیر کبیر) -----*

★ رسولؐ کا فرمانا: " عَلٰی بَصِیْرَۃٍ " کے معنی: میں "پوری طرح سمجھ کر اللہ کی طرف بُلاتا ہوں"۔ اندھی تقلید کے طور پر نہیں بُلاتا۔ میرا اصول یہ نہیں کہ باپ دادا کو ایک راستے پر چلتے دیکھا تو ہم بھی اُسی لکیر پر چل پڑے۔"

(فصل الخطاب) ---*

★ اور رسولؐ کا یہ فرمانا کہ: "جو میری پیروی کرنے والا ہے"۔ ظاہر ہے کہ جس کی پیروی سب سے زیادہ کامل ہوگی وہ اِن الفاظ کا اوّلین مقصود ہوگا۔ اِس لیے رسولؐ کی مکمل پیروی کرنے والے ائمۂ اہلِ بیتؑ ہی ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر علی بن ابراہیم) ---*

★ " سُبْحٰنَ اللّٰہِ " کے معنی ہیں کہ: "خدا ہر قسم کی آلائش نقص اور شرکت سے بلند و بالا پاک و پاکیزہ ہے، اور ہر اُس صفت سے بھی پاک اور بلند ہے جو مشرکوں نے اُس کی ذات اور صفات کے بارے میں گھڑ رکھی ہیں۔

(ماجدی) ....*

★" سُبْحٰنَ اللّٰہِ " اللہ کی تنزیہ کا کلمہ ہے یعنی مشرک لوگ توحید کے متعلق جو غلط سلط عقائد رکھتے ہیں، خدا اُن سے پاک و منزہ ہے۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ یہ تنزیہِ پروردگار کا کلمہ ہے پس جب انسان یہ کلمہ زبان پر جاری کرے تو خدا کے تمام فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

(تفسیر انوار النجف بحوالہ تفسیر برہان) ...*

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ (۱۵) عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

اور (اسی طرح) ہم نے داؤد اور سلیمانؑ کو (ایک خاص) علم عطا کیا۔ تو اُن دونوں نے کہا: "ساری تعریف (حمد) اور شکر ہے اُس اللہ کے لیے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ماننے والے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

☆ یعنی "حقیقت کا علم" اِس بات کا علم عطا فرمایا کہ درحقیقت اُن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا عطیہ ہے۔ اور اُس کے صرف کرنے کے جو بھی اختیارات اُن کو بخشے گئے ہیں، اُن کو بھی اللہ ہی کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جانا چاہیئے اور اِس اختیار کے صحیح اور غلط استعمال پر اُن کو مالکِ حقیقی کے حضور جواب دینا ہے۔

یہ علم اُس جہالت کی ضد ہے جس میں فرعون مبتلا تھا۔ اُس جہالت میں جو اُس نے اپنی سیرت تعمیر کی تھی اُس کا نمونہ اوپر بیان ہوا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یہ علم کیسی سیرت کا نمونہ تیار کرتا ہے بادشاہی دولت، طاقت، حشمت دونوں طرف یکساں ہیں۔ (تفہیم القرآن) (بلکہ حضرت داؤد و سلیمانؑ کی طاقت زیادہ ہے۔ فرعون کے پاس اگرچہ کم طاقت ہے لیکن جہالت زیادہ بڑھ گئی، حضرت داؤد و سلیمانؑ کے پاس زیادہ طاقت تھی، مگر جہالت اور علم کے فرق نے ان دونوں طاقتوں کے درمیان کتنا عظیم الشان فرق پیدا کر دیا۔ کہ فرعون متکبر بن گیا اور داؤد و سلیمانؑ خدا کے شکر گذار، کہ خدا نے اپنے بہت سے اپنے مومن بندوں میں اُن کو منتخب فرمایا، اور علم منطق الطیر اور فیصلہ کا علم عطا فرمایا۔) (مؤلف)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾	(۱۶) اور (جب) داؤد کے وارث سلیمانؑ ہوئے تو اُنھوں نے کہا: "اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھائی گئی ہیں، اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں۔ حقیقتاً یہ (ہم پر خدا کا) کھلا ہوا فضل و کرم ہے۔"

وراثۃ الانبیاءؑ کا مسئلہ

اِس آیت سے بالکل واضح ہوگیا کہ انبیاءِؑ کرام ورثہ لیتے بھی ہیں اور خود بھی وارث ہوتے ہیں۔ اب یہ کہنا کہ یہ علمی وراثت تھی، تو آیت میں صاف موجود ہے: "کیوں کہ ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں۔" اِس لیے علم کے ساتھ مالی اور مادّی وراثت بھی ثابت ہوگئی۔ اب ایسی ہر حدیث قرآن کی اِس آیت سے غلط ثابت ہوگئی جس میں یہ کہا جائے کہ: "ہم انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں، نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔"

★ یہی آیت جناب فاطمہؑ بنتِ رسول اللہؐ نے اِسی حدیثِ وضعی کے جواب میں پڑھی تھی، جب آپؑ نے اپنے پدرِ گرامی جناب رسولِ خداؐ کے دیے ہوئے باغِ فدک کا دعویٰ حکومتِ حضرت ابوبکر کے سامنے دائر کیا تھا۔

★ یاد رہے کہ ورثہ اور میراث ہمیشہ جائیداد کا ہوتا ہے۔ علم یا نبوّت قابلِ انتقال چیزیں نہیں ہوتیں، جو میراث بن سکیں۔ اِسی لیے محققین نے نتیجہ نکالا کہ پیغمبروں کے مال کا ورثہ اُن کے فطری

وارثوں کو پہنچتا ہے، جیسے کہ وہ اپنے باپ دادا کے وارث بنتے ہیں۔
*...... (تفسیر مجمع البیان)

* آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوتے۔ اِس سے صاف معلوم ہوا کہ نبیوںؑ کے مال کی اولاد وارث ہوتی ہے جس طرح دوسرے لوگوں کی وارث اُن کی اولاد ہوا کرتی ہے اور نبیؑ اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں۔ اور خانوادہ رسالت واہلِ بیتِ عصمت سے اسی طرح مروی ہے۔

حضرت داؤدؑ کی مالی جائیداد کے وارث اُن کے سب بیٹے اور بیٹیاں تھے اور حضرت سلیمانؑ اُن میں شریک تھے لیکن علم و نبوّت اور ملک کے وارث باقی برادری سے امتیازی صورت میں صرف حضرت سلیمانؑ تھے
*...... (تفسیر انوار النجف)

* مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دیا ہوا ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ اِس بات کو لفظی معنیٰ میں لینا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد اللہ کے بخشے ہوئے مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت ہے یہ بات حضرت سلیمانؑ نے فخریہ نہیں بیان فرمائی تھی، بلکہ اللہ کے فضل و کرم کا شکریہ ادا کرنا مقصود ہے۔
...... (تفہیم)

* تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خداوندِ کریم نے دیگر علوم کے علاوہ اُس زمانے کی مروجہ تمام زبانوں کی معرفت بھی عطا فرمائی تھی بلکہ وہ پرندوں، درندوں اور جملہ حیوانوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ علاوہ ازیں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے فارسی زبان استعمال کرتے تھے، جب حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں، کارکنوں سے خطاب کرتے تو رومی (انگریزی) زبان بولتے تھے۔ خانگی اور گھریلو معاملات میں سُریانی و نبطی زبان استعمال کرتے تھے اور جب بیرونِ ملک سے وفود آتے یا چیف جسٹس کی کرسی پر رونق افروز ہوتے تو عبرانی زبان استعمال کرتے، اُس وقت کی گویا یہی زبان تھی۔ اور جب آپؑ محرابِ عبادت میں مناجات کے لیے اپنے خالقِ بے نیاز کے سامنے جاتے تو عربی زبان استعمال کرتے تھے۔
*.... (تفسیر انوار النجف)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (۱۷) اور سلیمان کے لیے جنوں اور

مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ انسانوں اور پرندوں کے لشکر

وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ (کے لشکر) جمع کیے گئے تھے، اور وہ

قواعد وضوابط کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ (۱۸) یہاں تک (ایک دفعہ) جب وہ

النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ چیونٹیوں کے ایک میدان یا وادی

يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا:

مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ "اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں

سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور اُن کے لشکر بے خیالی میں تمھیں

کچل ڈالیں، اور انھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔"

★ معجزات کے منکر نیاز فتحپوری صاحب نے لکھا کہ وادیٔ نمل سے مراد ایسا مقام ہے جہاں بنی نمل کے مکانات تھے اور نملہ "اُس قبیلے کی عورت تھی۔" مگر کاش اُن بزرگوار کو عربی آتی ہوتی تو وہ جانتے ہاشمی قبیلے کی عورت کو ہاشمیہ، اور بنی اسد کی عورت کو اسدیہ کہتے ہیں۔ ہاشمہ یا اسدہ نہیں کہتے۔ اگر یہاں

بنی نمل کے قبیلے کی عورت مراد ہوتی تو قرآن نملۃ نہ کہتا، بلکہ نملیۃ فرماتا۔
* ..... (فصل الخطاب)

؎ "خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔"

* پھر یہ کہ ایسا کونسا لشکر ہوگا جو کسی قبیلے کے لوگوں کو روندتا ہوا اُن کے اوپر سے گذر جائے اور اُسے اِس بات کی خبر بھی نہ ہو؟ یہ تو چیونٹیوں ہی کے لیے ہو سکتا ہے جو بے خیالی میں پیروں کے نیچے آسکتی ہیں، اور لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

* پھر اگر یہ بات کسی عورت نے کہی ہوتی، تو حضرت سلیمانؑ خدا کا شکر کیوں ادا کرتے، کہ میری فوج اتنی حُسنِ کردار کی مالک ہے کہ وہ کسی چھوٹی سے چھوٹی مخلوقِ خدا کو بھی ضرر نہیں پہنچاتی، اور پھر اسی کردار کو قائم رکھنے کی دعا کیوں کرتے۔؟
* ..... (تفسیر مجمع البیان)

* اِسی سلسلے میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

" لیکن یہ بھی احمقانہ تاویل ہے جس کا ساتھ قرآن کے الفاظ نہیں دیتے۔ اگر بالفرض النمل کسی وادی کا نام مان لیا جائے کہ جہاں بنی نمل کا کوئی قبیلہ آباد تھا، تب بھی یہ بات عربی ادب کے خلاف ہے کہ قبیلۂ نمل کے ایک فرد کو نملہ کہا جائے، اگرچہ جانوروں کے نام پر عرب کے بہت سے قبائل کے نام ہیں۔ مثلاً بنی کلب، بنی اسد وغیرہ۔ لیکن کوئی کسی بنی کلب کے فرد کو قالُ کلب یا قال اسد نہیں کہتے۔ کہ ایک کتے نے کہا، یا ایک شیر نے کہا۔ وغیرہ۔

جدید معلومات کی روشنی میں یہ بات بعید از عقل نہیں ہے، کہ ایک چیونٹی اپنی ہم جنس چیونٹیوں کو لشکر سے بچنے کے لیے اپنے بلوں میں گھس جانے کو کہے۔ ماہرین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ چیونٹیاں اپنی ہم جنس کو اشارات کے ذریعے خطروں سے بچاتی ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ چیونٹی کی آواز کو حضرت سلیمانؑ نے کیسے سن لیا؟ تو جو شخص وحی جیسی لطیف ترین آواز کو سُن سکتا ہے، وہ چیونٹی کی آواز کو کیوں نہیں سن سکتا، جو وحی کے مقابلے میں کثیف Crude ہوتی ہے۔
* ...... (تفہیم القرآن)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا (۱۹) پس سلیمانؑ اُس کی اِس بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے، اور بولے وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ (دعاء مانگی) "اے میرے پالنے والے مالک! اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہمیشہ تیری وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ اُس نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ والدین کو عطا فرمائی ہے، شکر ادا بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ کرتا رہوں، اور (اپنا) ایسا اچھا الصّٰلِحِيْنَ (۱۹) کردار (قائم) رکھوں جو تجھے پسند آئے۔ اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

★ یہاں رحمت سے مراد خدا کی خاص رحمت ہے یعنی نبوت ہے، اور نیک بندوں سے مراد اعلیٰ درجے کے نیک بندے یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ ★ (فصل الخطاب)

★ حضرت سلیمانؑ کی اِس دعاء میں یہ حقیقت بتائی جارہی ہے کہ انسان کا صرف عمل اُس کو جنّت میں داخل نہیں کرسکتا، جنّت میں داخلہ صرف خدا کی رحمت اور فضل و کرم سے ممکن ہے۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "تم میں سے کسی کو بھی صرف اُس کا عمل جنّت میں داخل نہیں کرسکتا۔" کسی نے دریافت کیا: "کیا آپؐ بھی اِس میں شامل ہیں؟" فرمایا: "ہاں، میں بھی صرف اپنے اعمال کے بل پر جنّت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے نہ ڈھانک لے۔" (تفہیم القرآن)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ (۲۰) اور (جب) سلیمانؑ نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا: "کیا بات ہے، کہ میں

مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ ؎ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۞ فلاں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے"؟

لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا (۲۱) میں ضرور اُسے سخت سزا دے کر رہوں گا یا پھر اُسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا

أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۞ یا پھر اُسے میرے سامنے کوئی کھلا ہوا ثبوت یا واضح عذر (اپنے غائب ہونے کی) معقول وجہ پیش کرنی ہوگی"۔

★ ہُدہُد کو پنجابی زبان میں درکھان کہتے ہیں۔ تفاسیر میں ہُدہُد کے بارے میں دو وجوہ مذکور ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب حضرتؑ سلیمانؑ اپنے تخت پر جلوہ گر ہوتے تو پرندے آپؑ کے اوپر صف بستہ ہوتے۔ ایک دفعہ آپؑ کی گود میں دھوپ کا نشان پیدا ہوا تو فوراً سر اُٹھا کر دیکھا تو ہُدہُد غائب تھا۔

دوسری وجہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ جب حضرت سلیمانؑ کو دورانِ سفر پانی کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے لیے ہُدہُد کو حکم دینا تھا، کیوں کہ ہُدہُد زمین کے اندر پانی کو اسی طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح تم لوگ کسی شیشی میں تیل کو دیکھ سکتے ہو۔
(تفسیر انوار النجف)

★ مروی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ: "حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو

خدا کے اذن سے زندہ کرتے تھے، اور حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے، تو کیا حضورِ اکرمؐ بھی یہ کام کر سکتے تھے؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: "جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو غائب پایا تو آپؑ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں اُس کو اُس کی غیر حاضری کی سزا دوں گا۔" کیوں کہ وہ پانی کے متعلق صحیح خبر دیتا تھا۔ تو گویا اُس پرندے کو وہ چیز عطا کی گئی تھی، جو حضرت سلیمانؑ کو عطا نہ ہوئی۔ بیشک ہوا، چیونٹیاں، جنّ و انس اور شیاطین وغیرہ سب اُن کے اطاعت گذار تھے لیکن ہوا میں پرواز کرنے کے باوجود انھیں پانی کا علم نہ تھا (اور اس بات میں وہ ایک پرندے کے محتاج تھے) اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: "قرآن کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں، زمینوں کے فاصلے طے کیے جاسکتے ہیں، اور مردے زندہ کیے جاسکتے ہیں۔ اور ہم اُسی قرآن کے وارث ہیں جس میں پہاڑوں کا چلایا جانا، مسافتوں کا طے کرنا، اور مُردوں کا زندہ کیا جانا مذکور و موجود ہے۔ اور ہم ہوا کے نیچے پانی کے وجود کو جانتے ہیں۔ خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: "آسمانوں اور زمین میں کوئی غائب ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتابِ مبین میں نہ ہو۔" نیز فرمایا کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے منتخب بندوں کو کیا ہے۔" پس ہم ہی وہ اللہ کے منتخب بندے ہیں جن کو اُس نے چُن لیا۔ اور ہم کو ہی اُس نے کتاب کا وارث بنایا ہے، جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ (ملخصاً)
(تفسیر برہان بحوالہ کافی، تفسیر انوار النجف)

..... ٭

٭ بروایت کافی فرزندِ رسولؐ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں سخت قحط ہوا، لوگ حضرت سلیمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور بارش کے لیے دعا کی فرمائش کی۔ آپؑ نے فرمایا: کل صبح نماز کے بعد آنا۔ چنانچہ دوسرے روز نمازِ صبح کے بعد رعایا کے ہمراہ دعا کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؑ نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیر زمین پر جمائے ہوئے، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں مناجات کر رہی ہے کہ: "اے اللہ! ہم تیری مخلوق تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تو ہمیں بنی آدمؑ کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کرے۔" یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اب پلٹ جاؤ۔ دوسری مخلوق کے صدقے میں تمھیں بھی سیراب کیا جائے گا۔ چنانچہ اُس سال خوب بارش ہوئی۔

٭

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾

(۲۲) پس کچھ زیادہ نہیں نہ گزری تھی کہ ہُدہُد نے آکر عرض کی: "حضور! میں نے ایک ایسی بات معلوم کی ہے جو شاید آپؑ کے علم میں بھی نہیں ہے۔ اور (وہ یہ ہے کہ) میں (ملکِ) سبا کے متعلق یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

(۲۳) میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو اُس قوم پر حکومت کرتی ہے اور اُسے ہر ہر چیز کا سامان دیا گیا ہے۔ اور اُس کا ایک عظیم الشّان تختِ سلطنت ہے۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

(۲۴) میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو اللہ کی بجائے سورج کے سامنے سجدہ کرتے پایا اور شیطان نے اُن کے کاموں کو اُن کی نظروں میں خوب سجا بنا کر خوشنما کر دیا ہے

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾

پس (اس طرح) اُن کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ اسی لیے وہ ہدایت (سیدھا راستہ) نہیں پاتے۔

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾

(۲۵) کہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے، جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے، اور جو وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ السجدۃ

(۲۶) (وہی) اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرشِ عظیم (یعنی پوری کائنات کی حکومت) کا مالک ہے۔

آیت ۲۲ کی تشریح: ہُدہُد کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری غیر حاضری کسی نافرمانی کی بناء پر نہ تھی، بلکہ میں سرکاری کام پر گیا تھا۔ (تفسیر ماجدی)

★ اَحَطْتُ: "میں نے احاطہ کیا" جس کا آپؑ نے نہیں کیا۔ یعنی میں وہ معلومات حاصل کرکے لایا ہوں، جو آپؑ کو نہ جن فراہم کرسکے، اور نہ انسان، اور میں ایسے مقام پر پہنچا ہوں کہ آپؑ

بھی آج تک وہاں نہیں پہنچ پائے۔

یہ سُن کر حضرت سلیمانؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور پوری توجہ سے آپؑ نے ہُدہُد کی بات سُنی۔

اِس مقام پر حضرت سلیمانؑ کا یہ دعوےٰ کہ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ "یعنی ہم کو ہر شے میں سے عطا کیا گیا ہے۔" سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء نظامِ حکومت اور تدبیرِ سلطنت کے لیے، نیز جو علوم و معارف مقامِ نبوّت کے لیے ضروری ہیں، ہم کو وہ عطا کیے گئے ہیں، نہ کہ ہر چیز۔ ورنہ ہُدہُد کی لائی ہوئی خبر کے بارے میں اُن کو علم نہ تھا۔

* غرض ہُدہُد نے عرض کی: "حضور! میں ابھی ملکِ سبا سے آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت حکمراں ہے۔ بعض نحویوں نے سباء کو منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے اور بعض نحویوں نے منصرف اور غیر منصرف پڑھنا برابر قرار دیا ہے۔ جنھوں نے سباء ایک شخص کا نام قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یمنی لوگ سب اُس کی نسل سے ہیں، اور وہ سباء بن یشحب بن یعرب بن قحطان تھا۔

* بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک یمن میں واقع ہے اُس کا دوسرا نام مارب ہے۔ اور یہ صنعاء سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ * "تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ خداوندِ عالم نے سباء میں بارہ نبی بھیجے۔

* ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ سے سباء کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "سباء ایک آدمی کا نام تھا جس کے دس بیٹے تھے اُن میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام جا بسے۔ اُن کے نام لخم، جذام غسان اور عاملہ تھے اور یمنیوں کے نام کندہ، اشعرا، رونذ، حج، حمیر اور انمار ہیں۔ اور انمار کے دو قبیلے خثعم اور بجیلہ۔" * غرض وہاں ایک عورت حکمراں ہے جس کا نام بلقیس بنتِ شراحیل بن مالک بن ریان تھا۔ (تفسیر انوار النجف) * اس ملکہ کا نام بلقیس بنتِ شاحیل بن مالک بن ریان تھا۔ (تفسیر صافی ص ۲۷۱)

* عرشِ عظیم: یعنی اس کا تختِ مملکت بہت بڑا تھا۔ لمبائی چوڑائی میں تیس تیس ذراع تھا۔ جس کا سامنے کا حصّہ سونے کا ہے اور یاقوت و زمرّد جڑے ہوئے ہیں اور پچھلا حصّہ چاندی کا ہے جس میں بھی رنگ برنگ کے جواہر مرصّع ہیں۔ ملخص از (تفسیر انوار النجف)

قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ (۲۷) سلیمانؑ نے کہا: "ہم ابھی ابھی دیکھے
اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾ لیتے ہیں کہ تُو نے سچ کہا ہے یا تُو جھولوٹوں
میں سے ہے۔
اِذۡهَبْ بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا فَاَلۡقِهۡ (۲۸) (اچھا تو) میرا یہ خط لے جا کر اُن کے
اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ ہاں ڈال دے۔ پھر ذرا الگ ہٹ کر
فَانْظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ؟
قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ (۲۹) (خط دیکھ کر ملکہ نے کہا: "اے سردارو!
اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ میری طرف ایک بہت اہم اور محترم خط
ارسال کیا گیا ہے۔
اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ (۳۰) بلاشبہ وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ ﴿۳۰﴾ اُس کا مضمون یہ ہے (شروع کرتا ہوں)
اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے
جو سب کو (بیحد) فیض اور فائدے
پہنچانے والا اور مسلسل بیحد رحم کرنے والا ہے۔

اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ ع (۳۱) (دیکھو!) میرے مقابلے پر سرکشی اور تکبّر نہ کرو، اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ۔"

آیت ۲۷ تا ۳۱ کی تشریح: ہُدہُد کے قول کی تصدیق، مکتوبِ حضرت سلیمانؑ

★ جب ہُدہُد نے اپنے غائب ہونے اور سفر کی رپورٹ پیش کی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "تیری خبر کی تصدیق کا ہم ابھی امتحان لیتے ہیں۔" چنانچہ آپؑ نے ایک خط تحریر فرمایا، اور سربمہر کرکے ہُدہُد کے حوالے کیا، اور فرمایا: "میرا خط ملکہ بلقیس کے پاس لے جا اور اس کا جواب لے آ۔"

ہُدہُد تربیت یافتہ پرندہ تھا کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس سے فرما رہے ہیں کہ: خط پہنچا کر اُن کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا، اور حالات کا جائزہ لیتے رہنا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کیا تجاویز پیش کرتے ہیں۔

ہُدہُد نے خط لے کر ملکہ بلقیس کو کس طرح پہنچایا

چنانچہ جب ہُدہُد خط لے کر وہاں پہنچا تو رات کا پچھلا پہر تھا، اُس کے پہنچنے کے بعد سورج طلوع ہوا۔ اپنی چونچ میں خط لیکر موقع کی تلاش میں رہا۔ ملکہ اپنے محل کے کمرے کے اندر محوِ خواب تھی۔ اُس کمرے میں ایک روشندان تھا کہ چڑھتے سورج کی روشنی اُس سے گذر کر کمرے کے اندر پہنچ جاتی تھی اور ملکہ اُٹھ کر سورج کو سجدہ کر لیتی تھی۔ ہُدہُد نے جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے پر مار مار کر اُس روشندان کی کھڑکی کو بند کر دیا۔ کمرے میں اندھیرا ہو گیا اور سورج کے طلوع ہونے کا علم ملکہ کو نہ ہو سکا، جب وہ اُٹھی تو ہُدہُد نے اُس کے سامنے خط ڈال دیا۔ ملکہ نے سربمہر خط کو کھولا، مضمون پڑھا اور کمرے سے باہر آکر اپنے ارکینِ سلطنت، مشیران اور سرداروں کو

طلب کیا۔ وہ سب تعداد میں ۳۱۲ تھے۔ اُن کے سامنے خط کا مضمون پڑھ کر اُن سے مشورہ کیا۔
*...... (تفسیر انوار النجف)

"کِتَابٌ کَرِیْمٌ" ملکہ بلقیس نے خط کو "کریم" کہا: اِس کی کئی وجوہات ذکر کی گئی ہیں۔ (۱) خط بند تھا اور سر بمہر تھا، اِس لیے کریم کہا۔ حضورِ اکرمؐ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: "خط کا اکرام یہ ہے کہ اُس کو بند کر کے مہر کیا جائے۔" (۲) بسم اللہ سے خط کی ابتداء کی وجہ سے اُسے کریم کہا۔ (۳) حسنِ تحریر اور بیان کی عمدگی کی وجہ سے کریم کہا۔
*...... (تفسیر انوار النجف، تفسیر صافی ج۲، تفسیر قمی، الجوامع، بیضاوی، مدارک)

★ حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ" یعنی "بہترین کلام وہ ہوتا ہے جو مختصر ہو مگر نفسِ مطلب کی واضح کر دینے والا ہو۔"
(نہج البلاغۃ)

★ "مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ" کا مطلب یہ ہے کہ: اسلام قبول کر کے میرے پاس آؤ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ: "میرے مطیع ہو کر حاضر ہو جاؤ۔ مگر یہ مطلب نبی کے اندازِ کلام کے منافی ہے۔ پہلا مطلب ہی شانِ پیغمبری کے مطابق ہے کہ: "تم مسلمان ہو کر نظامِ اسلامی میں میرے برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔"
*...... (تفہیم القرآن)

ملکہ سباء کا اپنے مشیروں سے اہم مشورہ

ملکۂ سباء بلقیس نے جب اپنے ارکانِ دولت اور شجاعانِ لشکر کے سامنے حضرت سلیمانؑ کے خط کا مضمون پڑھا جس میں توحیدِ پروردگارِ عالم کا سب سے پہلے اعلان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تھا۔ اس کے بعد "اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ" "مجھ سے سرکشی نہ کرو۔" بصورتِ انکار جنگ کا اعلان اور تہدید کا پہلو بھی ظاہر تھا، اور آخر میں "وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" "اور آجاؤ مسلمان بن کر" اس سے صلح کی پیشکش بھی تھی۔

چنانچہ سب نے مل کر خط کے تینوں پہلوؤں پر غور و خوض کے بعد فوجی افسروں نے اپنی وفاشعاری کا یقین دلایا کہ ہم اپنے فریضے کو پوری ذمہ داری، قوت و طاقت سے ادا کریں گے دشمن سے بھرپور مقابلہ کریں گے۔ باقی رہا حکومتی فیصلہ۔ تو اُس کے بارے میں تیرے حکم کے سامنے ہمارے سر حاضر ہیں۔ *...... (تفسیر انوار النجف)

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا (۳۲) پھر ملکہ نے کہا: "اے سردارو!

اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ ۚ مَا كُنۡتُ میرے اِس معاملے میں تم مجھے اپنی

قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى رائے دو (کیوں کہ) میں کسی بھی

تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾ معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ اُس وقت

نہیں کیا کرتی جب تک تم لوگ موجود (نہ) ہو۔"

قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ (۳۳) اُنھوں نے عرض کی: "ہم طاقتور

وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ بھی ہیں اور سخت جنگ کرنے

وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ والے (جنگجو) بھی۔ آگے فیصلہ

مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ آپ کے ہاتھ میں ہے، اب آپ خود ہی

غور فرمالیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔"

آیت ۳۲ کی تشریح: محققین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ ملک سبا کا اُس وقت کا آئین جمہوری یا شورائی تھا۔ (تفسیر ماجدی)

* یا پھر اِس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سباء کی قوم میں بادشاہی نظام تو تھا، مگر وہ استبدادی جابرانہ نظام نہ تھا، بلکہ بادشاہ یا ملکہ سرداروں کے مشوروں کے مطابق احکام صادر کرتے تھے۔ (تفہیم القرآن) ..... * سرداروں سے مشوروں کے بعد فیصلہ آخر بادشاہ یا ملکہ کا ہوتا تھا۔ (مؤلف)

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾

(۳۴) ملکہ نے کہا: ”درحقیقت یہ بادشاہ جب کسی ملک یا بستی میں گھس آتے ہیں، تو اُسے تباہ و برباد بھی کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے عزّت والے لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور اسی طرح یہ لوگ بھی کریں گے۔

وَاِنِّىۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

(۳۵) اور (میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ) میں اُن کے پاس ایک (قیمتی) تحفہ ارسال کرتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے بھیجے ہوئے ایلچی کیا جواب لاتے ہیں“؟

حکومتوں کے لیے صائب مشورہ | آیت ۳۴ کی تشریح:

★ فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ: ”ہر وقت یہ مناسب نہیں ہوتا کہ انسان انقلاب کا خواہاں رہے انقلابی اقدامات سے پہلے دعا اور کوشش کرنی چاہیئے کہ موجودہ حکومت کس طرح اپنی اصلاح کرے۔ ظلم و ستم، جور و جبر بند کرے اور عدل و انصاف کے اصولوں کو اپنا لے۔

من مانے قوانین بنانے یا نافذ کرنے کی بجائے خدائی قوانین کی پابندی کرے۔ اِس لیے کہ انقلابات میں بڑی خوں ریزی ہوتی ہے۔ اکثر ناحق خون بہتا ہے۔
* .... (ابوبکر جصاص)

* فقہائے جعفریہ کے نزدیک دفاعی جنگ تو بغیر مجتہد کی اجازت کے لڑی جاسکتی ہے مگر کسی ملک پر اس لیے حملہ کرنا کہ وہاں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے، کسی معتبر مجتہد کے فتوے کے بغیر جائز نہیں۔
* ...... (توضیح المسائل وغیرہ)

ملکہ بلقیس کے تحفے، اور حضرت سلیمانؑ کے فیصلے

* ملکۂ سبا بلقیس نے اس لیے تحفے بھیجے تھے تاکہ یہ تحقیق ہوجائے کہ حضرت سلیمانؑ نبیِ خدا ہیں یا دنیاوی بادشاہ ہیں۔ اگر اُنھوں نے وہ ہدیے و تحفے قبول نہ کیے تو وہ لازماً نبیِ خدا ہیں، ورنہ دنیاوی بادشاہ۔

* "تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ ملکہ نے پانچ چیزیں ہدیے کے لیے تیار کیں:۔

(۱) نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ایک رنگ کا لباس پہنا دیا۔ تاکہ مذکر و مؤنث کی شناخت نہ ہو سکے۔
بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو سو لڑکوں کو لڑکیوں کے لباس اور زیورات پہنائے، اور لڑکیوں کو لڑکوں کے۔

(۲) اس میں بھی دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اطلس اور دیباج کے قیمتی کپڑوں میں سونے کی اینٹیں لپیٹ کر بھیجیں
دوسرا قول یہ کہ: سونے اور چاندی کی پانچ پانچ اینٹیں، اور ایک یاقوت و جواہرات سے مرصّع تاجِ شاہی بھیجا۔

(۳) ایک ڈبیہ میں ایک بغیر سوراخ کا موتی اور ایک مہرہ جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا۔
تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ موتی میں سوراخ نہ لوہے سے کیا جائے نہ آگ سے۔ اور ٹیڑھے سوراخ والے مہرے میں دھاگہ ڈالا جائے، دھاگہ ڈالنے والا نہ انسان ہو نہ جن۔

(۴) دوسری روایت میں ہے کہ ملکہ نے ایک ایسا عصا بھی بھیجا تھا جس کے دونوں سرے برابر تھے، یہ پتہ چلانے کے لیے کہ اس عصا کا سرا کونسا ہے؟ (یہ عصا بعد میں حمیری بادشاہوں میں منتقل ہوتا رہا تھا)

(۵) ایک خالی پیالہ بھیجا کہ اِس کو ایسے پانی سے بھرا جائے جو نہ آسمان کا پانی ہو، نہ زمین کا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ملکہ بلقیس نے یہ سب تحفے (آزمائشی چیزیں) اپنے ایک نامزد سفیر منذر بن عمرو کے سپرد کیں اور خط بھی ساتھ دیا۔ اور اُس کو یہ سمجھا دیا کہ جب پہلی بار حضرت سلیمانؑ سے ملاقات ہو تو یہ دیکھنا کہ اگر وہ غصّے سے بھرپور ہو کر تجھے رعب و جلال سے دیکھیں تو سمجھ لینا کہ وہ دنیاوی بادشاہ ہے۔ پس اُس وقت گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ ہماری طاقت اُس سے کم نہیں ہے لیکن اگر وہ تجھے پیار محبت اور لطف و کرم کی نگاہوں سے دیکھیں، تو سمجھ لینا وہ خدا کے فرستادہ نبیؑ ہیں۔

نوٹ: (حضرت سلیمانؑ کی آزمائش کے لیے بھیجے ہوئے تمام مندرجہ بالا سوالات ملکہ بلقیس کی غیر معمولی ذہانت اور علم کی نشان دہی کرتے ہیں۔ بظاہر یہ تمام سوالات ملکہ کے اپنے ذہن اور معلوماتِ عامّہ کی پیداوار ہیں، جو اُس کے اپنے مشیروں وغیرہ کے ذہنوں سے مافوق ہیں۔)

★ اِدھر ہُدہُد نے ملکہ کی اِس تیاری کو ملاحظہ کیا اور فوراً حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد سے اطلاع پا کر جنوں کو حکم دیا کہ یہاں سے چند فرسخ راستہ صاف کر کے سونے چاندی کی اینٹوں سے سڑک بنائی جائے، سڑک کے اطراف کو سونے چاندی کے کنگروں، گملوں وغیرہ سے بخوبی آراستہ کر دیا جائے اور ایک طرف جنوں اور شیاطین کو صف بستہ کر دیا گیا، دوسری طرف انسانوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اور دور تک وحشی جانوروں، درندوں، حشرات الارض اور پرندوں کو خوشنما انداز میں صف بستہ کیا گیا، جو ملکہ کے سفیر کے استقبال کے لیے ہر صورت سے چاق و چوبند منتظر تھے۔ جب ملکہ کے قاصد اُس کے سفیرِ خاص منذر کی سربراہی میں ہدیے تحفے لیکر یہاں وارد ہوئے تو یہ عجیب و غریب تزک و احتشام دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اور جو تحفے وہ لائے تھے اُن کو حقیر جان کر میدان کی چہاردیواری کے باہر پھینک دیے۔ اور شرمندگی کے عالم میں حضرت سلیمانؑ کے شاہی دربار میں پہنچ کر آدابِ شاہانہ سے سلام عرض کیا۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ رسمی خوش آمدید کے بعد فرمایا: سناؤ! کیا خبر لائے ہو۔؟ منذر بن عمرو نے آگے بڑھ کر ملکہ بلقیس کا تحریر کردہ خط پیش کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے منذر بن عمرو سے فرمایا: وہ ڈبیہ جو ملکہ بلقیس نے تم کو دی تھی، وہ کہاں ہے؟

منذر نے ڈبیہ پیش کی۔ آپؑ نے فرمایا: اس میں ایک بغیر سوراخ کا موتی ہے، اور ایک ٹیڑھے سوراخ والا مہرہ ہے؟ منذر نے عرض کی: جی ہاں۔ آپؑ نے دیمک کو بلا کر حکم دیا کہ اس میں سوراخ کرنا ہے۔

دیمک نے فوراً موتی میں سوراخ کر دیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: "اس مہرے میں دھاگہ کون ڈالے گا"؟

ایک سفید رنگ کے کیڑے نے عرض کی: "حضور! یہ کام میں ابھی انجام دیتا ہوں"۔

پس اس نے باریک دھاگہ منہ میں لیا اور مہرے کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پار ہو گیا۔

پھر منذر بن عمرو نے عرض کی: حضور! ملکہ نے کچھ لڑکوں اور لڑکیوں کو آپؑ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپؑ ان میں امتیاز پیدا کریں کہ ان میں لڑکے کون سے ہیں اور لڑکیاں کونسی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ان سب کو حاضر کرو۔

جب وہ سب آپؑ کے سامنے لائے گئے تو آپؑ نے ان میں سے ہر ایک کو ہاتھ، منہ دھونے کا حکم دیا۔ تو آپؑ نے دیکھا کہ لڑکیاں اپنی فطرت کے مطابق منہ دھونے کے لیے ایک ہاتھ میں پانی لے کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملاتی تھیں اور منہ پر پانی ڈالتی تھیں جبکہ لڑکے ایک ہاتھ میں پانی لے کر چلّو بنا کر منہ پر پانی ڈالتے تھے۔ ہاتھ دھوتے وقت لڑکیاں کہنیوں کے اندر پانی ڈالتی تھیں، اور لڑکے کہنیوں کے اوپر پانی ڈالتے تھے۔ اسی طرح پانی ڈالنے میں بھی فرق تھا کہ لڑکیاں کہنیوں کے باطن میں ایک بار پانی ڈال لیتیں پھر ہاتھ کو ملتی تھیں۔ جبکہ لڑکے پانی ہاتھ پر ڈالنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔

ان علامتوں کو آپؑ نے دیکھ کر لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ عصاء کا سرا اور نیچے کا حصہ دیکھنے کے لیے آپؑ نے فرمایا کہ عصا کو اوپر کی طرف پھینکا جائے اور جو کنارہ زمین پر واپس آئے، وہ اس کا سرا ہے۔ پھر آپؑ نے گھوڑوں کو دوڑا کر ان کے پسینے سے پیالے کو بھر دیا اور فرمایا کہ یہ نہ آسمان کا پانی ہے نہ زمین کا۔ ...... (تفسیر انوار النجف)

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

(۳۶) پھر جب (ملکہ کا سفیر) سلیمانؑ کے پاس (قیمتی تحفے لے کر) پہنچا تو انھوں نے کہا: "کیا تم مال و دولت سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے، وہ تو اُس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو تمھیں دیا ہے بلکہ تمھارا تحفہ تمھیں ہی مبارک ہو۔"

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(۳۷) (اے سفیر!) واپس ہو جا اُن ہی کے پاس۔ اب ہم اُن پر ایسے ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ ذرا بھی مقابلہ نہ کر سکیں گے، اور پھر ہم اُنھیں وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ

(۳۸) پھر سلیمانؑ نے فرمایا: "معزز حاضرین! تم میں سے ایسا کون شخص ہے

یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ جو اُس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لے آئے، اِس سے پہلے کہ وہ لوگ مسلمان مطیعِ فرمان ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟"

آیت ۳۶ کی تشریح: حضرت سلیمانؑ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تمھارے تحفے تمھیں ہی مبارک ہوں، تمھارے تحفوں سے وہی بادشاہ خوش ہو سکتا ہے جو مالِ دنیا جمع کر کے اپنے خزانے میں اضافہ کرنے کی فکر رکھتے ہیں مجھے تو خداوندِ عالم نے اِس خبط سے بے نیاز کر دیا ہے۔ لہٰذا تمھارے تحفے تمھیں مبارک ہوں۔
★ ...... (تفسیر مجمع البیان)

★ فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ: "کافروں کے تحفوں کو رد کر دینا اُس وقت جائز ہے، بلکہ مستحب ہے جب دینی مصلحت کا یہی تقاضا ہو۔" (تفسیر کبیر امام رازی)

★ آیت ۳۷ کی تشریح: پھر حضرت سلیمانؑ نے قاصد سے فرمایا کہ "ملکہ سے جا کر واضح الفاظ میں میرا پیغام پہنچا دینا کہ اسلام قبول کرو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لیکن تم میرے جنوں اور دیو پیکر فوجیوں سے ہرگز مقابلہ نہ کر سکو گی۔ لہٰذا ذلت و خواری سے بچو، اور اسلام کے دامن میں پناہ لو اور امن و امان میں داخل ہو جاؤ۔"
★ ...... (تفسیر انوار النجف)

★ پس جب ملکہ کا سفیر واپس پہنچا تو اُس نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت، نظامِ حکومت، شان و شوکت، فوج کے متعلق آنکھوں دیکھا حال سنایا، ہدیے بھی واپس لوٹا دیے، تمام سوالات کے صحیح جوابات بھی مل گئے، اور اُس کی رعایا اور افسروں کو یقین ہو گیا کہ وہ نبیؑ مرسل ہیں، تو اسلام قبول کرنے کے لیے ملکہ نے رختِ سفر باندھا۔ (تفسیر انوار النجف)

★ جب ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کی صداقت کو پوری طرح بھانپ لیا، اور مسلمان ہو کر حضرت سلیمانؑ سے ملنے کے لیے چلی
★ ...... (تفسیر مجمع البیان)

★ ادھر حضرت جبرئیلؑ نے حضرت سلیمانؑ کو ملکہ کی روانگی کی اطلاع دے دی۔ تو آپؑ نے اپنے درباریوں سے فرمایا: تم میں کون ایسا ہے جو ملکہ بلقیس کے آنے سے پہلے اُس کا تخت میرے لے آئے؟ (تفسیر انوار النجف، تفسیر مجمع البیان)

قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ‌ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ ﴿۳۹﴾

(۳۹) (اِس پر) جنوں میں سے ایک طاقتور دیو نے کہا: "میں اُسے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا اِس سے پہلے کہ آپ اپنے دربار سے اُٹھ کھڑے ہوں، اور میں اِس کام کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔"

قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ‌ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ لِيَبۡلُوَنِىۡٓ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ‌ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ۚ

(۴۰) (مگر) اُس شخص نے جس کے پاس کتاب (خدا) کا تھوڑا سا علم تھا، کہا: "میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے ہی اُسے لائے دیتا ہوں"۔ پس جوں ہی سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا دیکھا تو فرمایا: "یہ بھی میرے پالنے والے مالک کا فضل و کرم ہے، تاکہ وہ میرا امتحان لے، کہ میں اُس کا شکر بھی ادا کرتا ہوں یا میں کفرانِ نعمت کرتا ہوں، اور جو

وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾ کوئی بھی (خدا کا) شکر گذار ہوگا تو اُس کی شکر گذاری خود اُسی کو فائدہ پہنچائے گی، اور جو خدا کی نعمتوں کا انکاری ہوگا (یا) ناشکری کرے گا تو درحقیقت میرا پالنے والا مالک بے نیاز (بے پرواہ) بھی ہے، اور اپنی ذات میں بزرگ اور عزت والا بھی۔

آیت ۳۹ کی تشریح: حضرت سلیمانؑ نے تخت بلقیس لانے کا حکم دیا تو ایک دیو بولا:

★ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بہت رُعب دار اور صاحبِ جلال انسان تھے۔ خود پہلے کلام نہ کرتے تھے جب تک کوئی دوسرا سوال نہ کرے۔

پس ایک دن اپنے تختِ حکومت پر شاہانہ شان سے جلوہ فرما تھے کہ نزدیک ہی غبار اُڑتا ہوا دیکھا تو دریافت فرمایا: "یہ کیسا غبار ہے"؟

کسی درباری نے عرض کی: "حضور! ملکہ بلقیس آرہی ہے اور اب فلاں مقام پر قیام پذیر ہے۔ اُس وقت آپؑ کوفہ اور حیرہ کے درمیان موجود تھے، اور ملکہ کا قیام وہاں سے ایک فرسخ (تقریباً ۳ میل) کے فاصلے پر تھا۔

پس آپؑ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اُس کا تخت اُس کے مسلمان بن کر آپہنچنے سے پہلے میرے پاس لا حاضر کرے"؟

ایک دیو نے عرض کی: "حضور! مجلسِ دربار برخواست ہونے سے قبل میں آپؑ کی خدمت میں پیش کردوں گا"۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام دربارِ شاہی میں مقدمات سننے اور فیصلے صادر فرمانے کے لیے صبح سے دوپہر تک تشریف فرما ہوتے تھے ۔ جب دیو نے کہا کہ مجلسِ دربار برخواست ہونے سے پہلے لاکر حاضر کردوں گا، تو آپ نے فرمایا: بلکہ اس سے جلد آنا چاہیئے (کیوں کہ ملکہ بلقیس قریب ہی آچکی تھی / بس پہنچنے والی ہی تھی)۔
*...... (تفسیر انوار النجف)

★ اور امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ: "ملک یمن اور ملک فلسطین کا درمیانی فاصلہ سمندری سفر سے کئی مہینوں کا تھا اسی لیے اُس دیو نے اپنے کو "قوی" کہا کہ وہ تخت لاکھ وزنی اور بڑا کیوں نہ ہو میں اسے آپ کے دربار برخواست ہونے سے پہلے حاضر کردوں گا ۔ یاد رہے کہ حضرت سلیمانؑ صبح سے رات تک دربار فرمایا کرتے تھے۔
*...... (تفسیر کبیر امام رازی)

حضرت آصفؑ بن برخیا کی کرامت

آیت کی تشریح " اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ "

" جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا۔" اس سے مراد حضرت آصف بن برخیاء ہیں ۔ جو حضرت سلیمانؑ کے بھانجے بھی تھے اور اُن کے وزیر بھی تھے اُن کے پاس اسمِ اعظم تھا کہ اُس کے ذریعہ سے ہر دعا مستجاب ہوتی تھی۔ بعضوں نے اُن کا نام بلخیا ، اسطوم ، خضر بھی لکھا ہے ۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جبرئیلؑ تھے ، خدا نے اُن کو حضرت سلیمانؑ کا تابع کردیا تھا۔

غرض آصف بن برخیاؑ نے عرض کی ، کہ " اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ " یعنی : "میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لا حاضر کروں گا ۔" معاً حضرت سلیمانؑ نے آسمان کی طرف نظر کی پھر جب نیچے دیکھا تو تختِ بلقیس حاضر تھا ۔ * (تفسیر انوار النجف)

یہ علمِ اسمِ اعظم کا اعجاز تھا

تفسیر صافی میں بصائر الدرجات اور کافی سے منقول ہے کہ فرزندِ رسولؐ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: "اللہ کا اسمِ اعظم تہتّر حرفوں پر تقسیم ہے ، اور جناب آصفؑ بن برخیاء کے پاس اُن میں سے صرف ایک حرف تھا ، پس اُنھوں نے جیسے ہی وہ حرف زبان پر جاری کیا ، تختِ بلقیس کے نیچے سے زمین کھنچ گئی اور آصفؑ نے تخت کو پکڑ لیا ۔"

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ (۸۲) اور بہت سے ایسے جنات تھے

لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ جو سلیمانؑ کے لیے غوطے لگاتے،

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۙ﴿۸۲﴾ اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے

کام بھی کرتے، اور ہم اُن سب کی نگرانی کرنے والے اور سنبھالنے والے نگہبان تھے۔

★ خداوندِ کریم نے حضرت سلیمانؑ کے لیے شیطانوں کو مطیع و مسخّر کر دیا تھا تاکہ وہ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ زنی کر کے مختلف اقسام کے قیمتی و نایاب موتی و جواہر نکال لاتے تھے۔

وَيَعْمَلُوْنَ :۔ غوطہ زنی کے علاوہ کاریگر قسم کے افراد بھی تھے جو آپؑ کے حکم سے مختلف فن کاریوں کا مظاہرہ کرتے تھے، مکانات و محلات کی تعمیر اور محرابوں وغیرہ کی صنعت میں وہ مہارتِ تامّہ رکھتے تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ : یعنی: ہم ہی اُن کو حفظ کرنے والے تھے کہ سلیمانؑ کی ملازمت سے بھاگ نہ جائیں یا یہ کہ اِس بات کی ہم حفاظت کرتے تھے کہ کہیں تعمیر کی بجائے تخریبی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔

★ .... (تفسیر انوار النجف ۹ صفحہ ۲۴۳)

توحیدِ ذاتی

ایک تو جِنّ، وہ بھی سرکش۔ اِس لیے فرمایا: "اِن کو سنبھالنے والے، اُن کو قابو میں رکھنے والے ہم تھے۔" ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن توحید کی حفاظت کس کس طرح کن کن نازک مواقع پر کرتا چلا آتا ہے۔

★ .... (تفسیر ماجدی)

★ شیاطین سے یہاں مراد سرکش جِنّ ہیں، جن سے حضرت سلیمانؑ سمندروں میں غوطے لگواتے اور وہ اُس کی تہوں سے موتی جواہرات نکال لاتے۔ عمارات بناتے۔ حوض کی برابر بہت بڑی بڑی دیگیں ڈھلواتے، اور سخت سے سخت کام اُن سے لیتے۔ آج جو کام مادّی قوتوں سے لیے جا رہے ہیں، حضرت سلیمانؑ مخفی قوتوں سے کراتے تھے۔ ★ .... (شیخ الاسلام عثمانی)

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ (۸۳) (اسی طرح) جب ایوبؑ نے اپنے اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ پالنے والے مالک کو پکارا کہ "مجھے سخت اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ بیماری کی تکلیف لگ گئی ہے۔ اور آپ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے رحم فرمانے والے ہیں۔"

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا (۸۴) پس ہم نے ان کی دعا قبول کرلی، بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ اور انھیں جو تکلیف تھی اسے دور کردیا۔ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً اور (نہ) صرف انھیں ان کی اولاد ہی مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ (دوبارہ) عطا کی، (بلکہ) خود اپنی جانب سے اپنی رحمتِ خاص کے باعث اتنی ہی اولاد اور بھی دے دی، تاکہ یہ (عطا ہماری) بندگی اور اطاعت کرنے والوں کے لیے ایک یادگار سبق بن جائے۔

حضرت ایوبؑ کی دعا کا انداز کس قدر لطیف ہے۔ مختصر ترین الفاظ میں اپنی تکالیف کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ "اے اللہ! تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ آگے کوئی شکوہ شکایت نہیں کرتے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں کرتے۔ اس انداز کی دعا میں واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتہائی صابر، قانع، شریف اور خوددار آدمی ہے، جو بے حد پے در پے فاقوں سے بیتاب ہو کر کسی نہایت سخی اور کریم النفس ہستی کے سامنے بس اتنا کہہ کر رہ جائے کہ: "بھوکا ہوں اور آپ فیاض ہیں۔" آگے کچھ اس کی زبان سے نہ نکل سکے۔ *.... (تفہیم القرآن)

حضرت ایوبؑ کا قصہ فرزندِ رسولؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ : " حضرت ایوب علیہ السلام پر جو مصیبت آئی وہ کفرِ نعمت کی وجہ سے نہ تھی ، بلکہ شکرِ نعمت کی وجہ سے تھی ۔ کیونکہ ابلیس لعنؑ نے اُن سے اِس بات پر حسد کیا کہ وہ خدا کا شکر بہت کیا کرتے تھے ۔ شیطانؑ نے خدا سے کہا کہ ایوبؑ اِس لیے شکر کرتے ہیں کہ تو نے اُن کو بہت نعمتیں دے رکھی ہیں ۔ اگر تو نے اُن سے وہ نعمتیں چھین لیں تو ہرگز شکر نہ کریں گے ۔

★ چنانچہ خدا نے شیطانؑ کو اجازت دے دی تاکہ ایوبؑ کا قصّہ تمام خدا والوں کے لیے ایک سند بن جائے ۔ شیطانؑ نے حضرت ایوبؑ کے مال کو ختم کر دیا ، پھر اولاد کو ختم کر دیا لیکن آپؑ کے شکر میں کوئی کمی نہ آئی ۔ بلکہ جیسے جیسے مصائب بڑھتے گئے ، اُن کے شکر میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ حضرت ایوبؑ کو بیماری میں مبتلا کیا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے پر قادر نہ رہے ، مگر اُن کے دماغ پر کوئی اثر نہ ہوا ، اور نہ شکر ہی میں کمی واقع ہوئی ۔

★ ایک دن کچھ راہب اُنھیں دیکھنے (عیادت) کے لیے آئے اور اُنھوں نے پوچھا : " اے ایوبؑ ! آخر تم سے ایسا کونسا گناہ سرزد ہوا کہ ایسی سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ؟ "

★ یہ بات حضرت ایوبؑ پر گراں گذری ۔ فرمایا : " مجھے اپنے مالک کی عزّت کی قسم ہے میں نے اپنی غذا کا کوئی لقمہ نہیں کھایا جب تک کسی یتیم و غریب کو اپنے دسترخوان پر نہ بٹھایا ۔

★ پھر آپؑ نے خدا سے دعا کی ، وہ بھی انتہائی ادب سے ۔ لہجے میں کوئی شکایت نہ تھی ۔

★ پس خدا کی رحمت کے دروازے کھل گئے ۔ پہلے سے بھی کہیں زیادہ نعمتیں عطا ہوئیں ۔

★ ۔۔۔۔ (تفسیر المیزان بحوالہ تفسیر قمی ، نور الثقلین جلد ۳)

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ : " مردانِ حق بُرے حالات میں بھی اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدلتے ۔ "

★ ۔۔۔ (تفسیر نمونہ)

ع " مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند ※ تقدیر کے پابند نباتات و جمادات " ★ ۔۔۔ (اقبال)

★ وہ تمام روایات غیر معتبر ہیں کہ جن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کے جسم میں بیماری کی وجہ سے کیڑے جنم پا گئے تھے اور اُن کے جسم سے سخت بدبو آتی تھی ۔ ائمۂ اہلِ بیتؑ کی روایات میں ایسی تمام باتوں کی نفی وارد ہوئی ہے ۔ کیونکہ پیغمبروں کو ایسی بیماریاں نہیں ہوتیں کہ لوگ اُن سے نہ مل سکیں ۔ ★ ۔۔۔ (تفسیر نمونہ)

حضرت ذوالنون علیہ السلام کا قصہ

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ ۚ

(۸۷) اور ذَالنُّوْنَ (پیغمبر کو بھی ہم نے نوازا) جب وہ غصہ میں بھرے ہوئے خفا ہو کر چلے تو وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم اُن پر کوئی سختی نہ کریں گے۔ (مگر ہم نے انھیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا جس کے) اندھیروں میں انھوں نے دعاء مانگی کہ "نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ حقیقتاً میں ہی قصوروار ہوں۔

حضرت یونسؑ کا ذکر

" ذَاالنّون سے مراد حضرت یونس ہیں۔ جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ کیونکہ کافی عرصے تک تبلیغ فرماتے رہے لیکن اُن کی قوم والے اپنی ضد پر قائم رہے۔ آپؑ نے قوم کے لیے عذاب کی بددعاء کی۔ حکم ہوا ابھی صبر کرو۔ جب زیادہ مُصر ہوئے تو حکم ہوا ۱۵ شوال بدھ کے روز عذاب نازل ہوگا۔ قوم نے توبہ کرلی۔ عذاب ٹل گیا۔ لیکن حضرت یونسؑ وہاں سے جا چکے تھے۔ پہاڑ کے گوشہ میں جا چھپے تھے۔ جب عذاب نہ آیا تو اپنی قوم سے شرمندگی کے باعث اپنی قوم میں واپس نہ گئے، دریا پر چلے آئے کشتی پر سوار ہوئے۔ وہاں آپ کو مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی کے شکم میں پہنچنے کی وجہ سے آپؑ کو ذَاالنُّون کہہ کر پکارا ہے۔

(تفسیر انوار النجف ص۲۲ — ملخص از القرآن الحکیم ترجمہ فرمان علی حاشیہ ص۳۹۲) ...*

* مامون عباسی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر عصمتِ انبیاء کے متعلق سوالات کیے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خدا کی قدرت پر یقین نہ رکھے مومن نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ خدا کی عدمِ قدرت کا ظن رکھتا ہو اور نبی بھی ہو ؟

* آپؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "اس آیت میں قدر سے مراد تنگیٔ رزق ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر قرآن میں ارشاد ہوا: وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ (سُوْرَةُ الفجر آیت ۱۶ پ ۳۰)

یعنی: "اور جب وہ (خدا) اُس کو آزمائے اور اُس کا رزق تنگ کر دے۔"

پس مقصد یہ ہے کہ حضرت یونسؑ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور یہ ناراضگی اُن کی صرف رضائے خدا کی خاطر ہی تھی کیونکہ اُن کو قوم سے کوئی ذاتی رنجش نہیں تھی۔ پس اُن کو یقین تھا کہ میرا یہ فعل صحیح ہے اور اس کی بنا پر مجھے آزمائش میں لا کر خدا تنگیٔ رزق میں مبتلا نہ فرمائے گا۔ لیکن منشائے خداوندی اس کے خلاف تھی۔ پس ایک عرصے تک مچھلی کے شکم میں رہ کر خدا سے نجات کی درخواست کی۔ درخواست قبول ہوگئی۔ (انوار النجف ج ۹ ص ۲۴۶)

* (تفسیر صافی ص ۳۳۱ بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ)

"فِى الظُّلُمٰتِ" یعنی: تین پردوں کے اندر خدا کو پکارتے تھے۔ رات کا پردہ۔ پانی کا پردہ اور میرا مچھلی کے شکم کا پردہ۔ اور "نون" عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں۔ مچھلی کے شکم میں رہنے کی وجہ سے "ذَاالنُّوْن" کہلائے۔

* (تفسیر انوار النجف ج ۹ ص ۲۴۷)

* فرزند رسولؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ:

"مجھے اُس شخص پر تعجب ہے کہ جسے رنج و غم درپیش ہو اور وہ اللہ سے ان الفاظ میں فریاد نہ کرے"۔

پھر فرمایا: "جو شخص اپنی مصیبت میں اس آیت: "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" کے ساتھ دعا مانگے اُس کی دعا ضرور قبول ہوگی"۔

* (من لایحضرہ الفقیہ، الخصال)

* یاد رہے کہ یہاں پر "لَنْ نَّقْدِرَ" قدرت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ تنگی اور سختی کے معنی میں ہے یہ لفظ قدرت سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ لفظ تقدیر کے لفظ سے ماخوذ ہے۔

* (تفسیر کبیر امام رازی۔ تفسیر کشاف)

* اصل میں حضرت یونسؑ یہ سمجھے کہ اب جبکہ خدا کا عذاب ٹل چکا ہے۔ تو اب میرا اس بستی میں رہنا ضروری نہیں۔ اس لیے بغیر خدا کی وحی کا انتظار کیے بستی سے تشریف لے گئے۔ حالانکہ اس طرح سے چلا جانا نبوت کے مرتبے کے شایانِ شان نہ تھا۔ (اسی کو ترکِ اَولیٰ کہتے ہیں، ورنہ بستی سے چلا جانا حرام نہیں ہوتا)

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنَاهُ (۸۸) مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

پس ہم نے اُن کی دُعا قبول کرلی اور اُنھیں اُس رنج وغم سے چھٹکارا دے دیا۔ اور اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دے دیا کرتے ہیں۔

★ جب وقت حضرت یونسؑ کو دریا میں پھینکا گیا تو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ اب وہ خدا کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا۔ خدا نے اُن کے ترکِ اَولیٰ کو معاف کیا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دے دی۔

*.... (تفسیر کبیر امام رازی، تفسیر نور الثقلین)

★ اِدھر حضرت یونسؑ کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی والے سمجھے کہ ہم میں کوئی غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر بلا اجازت آگیا ہے۔ اُنھوں تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونسؑ ہی کا نام نکلا حضرت یونسؑ دریا میں کود پڑے۔ ایک مچھلی نے آکر نگل لیا۔ خدا نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو ہم نے تیری غذا نہیں، اپنا قیدی بنایا ہے۔ ان کی حفاظت کرنا۔ حضرت یونسؑ نے دعا کی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ: یعنی: نہیں ہے کوئی معبود سوا تیرے، تو ہر عیب سے پاک ہے، میں ہی گنہگار تھا۔"

اِس طرح اُنھوں نے غلطی (ترکِ اَولیٰ) کا اعتراف کیا۔ خدا نے معاف کر دیا۔ مچھلی نے اُن کو کنارے پر آکر اُگل دیا۔ اور آپؑ صحیح سالم اپنی بستی میں بڑی عزت کے ساتھ واپس تشریف لائے۔

★ محققین نے نتیجہ نکالا کہ یہ بات صرف حضرت یونسؑ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ جو ایماندار لوگ خدا کو پکاریں گے خدا اُن کو بلاؤں سے نجات دے گا۔ حدیثوں میں اس دعا کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

(شیخ الاسلام عثمانی)

اسباق اور نتائج

محققین نے نتیجے نکالے:

(۱) خدا کے سوا کوئی پناہ اور سہارا نہیں۔

(۲) خدا کو ہر نقص و عیب سے پاک اور ہر ظلم و غلطی سے منزّہ سمجھنا ضروری ہے۔ نہ خدا سے کسی قسم کی کوئی بدگمانی رکھنی چاہیئے۔

(۳) انسان کو ہمیشہ اپنے گناہ یا غلطی کا اعتراف کرتے رہنا چاہیے۔

(۴) حضرت یونسؑ کی دعاء مقبول دعاء ہے۔ اِسی لیے جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "خدا کے ناموں میں سے ایک ایسا نام ہے جس کے ساتھ جو بھی خدا کو پکارے گا خدا اُس کی دعاء قبول فرمائے گا۔ اور وہ حضرت یونسؑ کی دعاء میں ہے۔ (تفسیر درِ منثور)

* اِس بات کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے آخر میں فرمایا: "کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ" (اِسی طرح خدا مومنین کو نجات عطا فرماتا ہے۔") * (تفسیر المیزان)

نوٹ:۔ لیکن دعاء کا پڑھنا کبھی کافی نہیں ہوا کرتا جب تک دعاء کے الفاظ انسان کے وجود میں نقش نہ ہو جائیں۔ (اور انسان کے جسم اور پورے وجود میں زلزلہ آجانا چاہیے پھر آنکھ سے موتی بھی ٹپکے)

(۵) عذاب دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ (۱) عذابِ استیصال یعنی آخری عذاب، جو ناقابلِ اصلاح لوگوں کی تباہی کے لیے ہوا کرتا ہے۔ جیسے حضرت لوطؑ کی قوم پر عذاب آیا تھا۔

(۲) اور دوسرا عذابِ تنبیہ۔ جس کا مقصد صرف قوم کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔ اگر قوم یا فرد بیدار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے تو عذاب ٹل جاتا ہے۔ (جیسے حضرت یونسؑ کی قوم پر عذاب آیا اور ٹل گیا۔)

(۶) حضرت یونسؑ کا واقعہ رہبرانِ دین کے لیے عظیم تنبیہ ہے کہ وہ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ بس اب ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور وہ اپنی کوششوں کو ہمیشہ کم سمجھیں، اپنی ذمّہ داری کا ہر وقت خیال رکھیں۔ (تفسیر نمونہ)

- - - + - - -

• ؎ پس شفاعت نے میری بڑھ کے بلائیں کیا کیا :: عرقِ شرم سے ڈوبا جو گنہگار آیا۔ (اقبالؔ)

حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں

جنابِ لقمانؑ کا تعارف

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لقمانؑ پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ وہ اللہ کے ایسے بندے تھے جو بہت غور و فکر کیا کرتے تھے۔ اسی لیے اُن[۲] ایمان یقین کے اعلیٰ درجے پر تھا۔ (۳) اِسی لیے وہ خدا کو بہت دوست رکھتے تھے، اور اسی لیے خدا بھی اُن کو دوست رکھتا تھا۔ (۴) اسی لیے اللہ نے اُن کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا۔ اور اس شان بان سے اُن کا ذکر فرمایا۔"

*...... (تفسیر کبیر۔ تفسیر نمونہ، تفسیر نور الثقلین)

★ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب لقمانؑ مصر یا سوڈان کے رہنے والے سیاہ رنگ کے غلام تھے۔ چہرہ خوبصورت نہ تھا مگر روشن قلب و دماغ کے مالک تھے۔ شروع زندگی سچ بولنے والے، امانتدار، پاک و پاکیزہ انسان تھے، بے تعلق باتوں اور کاموں سے لاتعلق تھے۔

*...... (قصص القرآن۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

★ تفسیر مجمع البیان اور برہان میں فرزند رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ "حضرت لقمان کو اس لیے حکمت نہیں ملی کہ وہ کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے یا مالدار تھے، نہ اُن کو جسمانی قوت و حُسن کی بنا پر حکمت دی گئی، بلکہ وہ امرِ خداوندی کے بارے میں بہت مضبوط اور پرہیزگار انسان تھے خاموش، باوقار، گہری نظر کے مالک اور حقائقِ اشیاء میں دوررس نگاہ اور فکرِ عمیق کے دلدادہ تھے۔ زندگی بھر دن کو کبھی نہ سوئے، مجلس میں کبھی تکیہ لگا کر نہ بیٹھے، نہ مجلس میں کبھی تھوکا، نہ بلاوجہ اپنے اعضاء کو حرکت دی، حاجتِ ضروریہ کے لئے اُن کو کبھی بیٹھا ہوا نہ دیکھا، نہ نہاتے دیکھا کہ وہ سَتر کے پابند، اپنے جسم کی نگہبانی میں بہت محتاط تھے، نہ کبھی ہنسے، نہ مزاح کیا، نہ غصّہ کیا تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔ دنیاوی فائدے سے کبھی خوش نہ ہوتے اور نقصان سے محزون نہ ہوئے۔ بہت سی شادیاں کیں کافی اولاد کے باپ بنے۔ دو لڑنے جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرا دیا کرتے، جب تک کسی کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تحقیق و تفسیر کیے بغیر نہ رہتے

فقہا و علماء کی مجلس میں اکثر جاتے تھے۔ واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ ...... (ملخص از تفسیر انوار النجف)

* ایک دفعہ حضرت لقمانؑ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے، اچانک انھوں نے ایک آواز سنی کہ:
"اے لقمانؑ! آپ چاہتے ہیں کہ خدا آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا دے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان صحیح فیصلے کریں؟"

* حضرت لقمانؑ نے جواب دیا: "اگر میرا مالک مجھے اختیار دیدے تو میں عافیت کی راہ اختیار کروں۔"

* فرشتے نے پوچھا: "اے لقمان! تم خلافت کو قبول کیوں نہیں کرتے؟"

* انھوں نے جواب دیا: "لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا بہت مشکل کام ہے اگر خدا ہی حفاظت کرے تو نجات پا سکتا ہے، اور اگر خطا کی تو جنّت کے راستے سے ہٹ جائے گا اور جس آدمی کا سر دنیا میں جھکا رہے اور آخرت میں بلند ہو جائے، وہ کہیں بہتر ہے اس بات سے کہ اُس کا سر دنیا میں اونچا ہو اور آخرت میں جھکا ہوا ہو۔ جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے گا، وہ نہ دنیا ہی پا سکے گا اور نہ آخرت کا اجر و ثواب حاصل کر سکے گا۔"

* فرشتے لقمانؑ کا یہ جواب سن کر حیران ہوئے۔ جب لقمانؑ سو گئے تو خداوندِ عالم نے لقمانؑ کے دل میں حکمت ڈال دی، تو اُٹھ کر وہ حکمت کی باتیں کرنے لگے۔

* ...... (تفسیر مجمع البیان جلد ۸)

لقمانؑ کی حکمت کا ایک نمونہ

"اے فرزند! دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے دنیا والے غرق ہو چکے ہیں، اِس سمندر میں تمھاری کشتی خدا کا تقویٰ (خوفِ خدا) ہونا چاہیئے، اور سامانِ سفر ایمان ہونا چاہیئے، تمھاری کشتی کا بادبان خدا پر بھروسہ ہونا چاہیئے، تمھارا ناخدا عقل کو ہونا چاہیئے اور تمھارا رہنما علم کو ہونا چاہیئے، اور تمھاری کشتی کے چپّو، صبر کو ہونا چاہیئے۔ * (تفسیر مجمع البیان)

حکیمانہ قصّہ لقمانؑ کے آقا نے اُن سے کہا کہ ایک بکرا ذبح کر کے اُس کے دو بہترین اعضاء پکا کر مجھے کھلاؤ، اُنھوں نے زبان اور دل پکا کر پیش کر دیے۔ دوسرے دن آقا نے کہا: آج دوسرا بکرا ذبح کر کے دو بدترین اعضاء پکا کر پیش کرو۔ اُنھوں نے پھر زبان و دل پیش کر دیے۔ آقا نے حیران ہو کر پوچھا تو کہا: "یہی دل اور زبان اگر پاک رہیں تو ان سے بہتر کوئی چیز نہیں، لیکن یہی غلط کار ہو جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہے۔" * ... (تفسیر بیضاوی، ثعلبی، مجمع البیان)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ (١٤) حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

نیز ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے حق کو پہچاننے کی ہدایت اور تاکید کی (دیکھو کہ) اُس کی ماں نے دُہری دُہری تکلیفوں پر تکلیفیں اُٹھا کر اُسے اپنے پیٹ میں اُٹھائے رکھا، اور دو سال تک (دودھ پلا کر) اُس کا دودھ چھڑایا (اس لیے ہم نے اس کو تاکید کی کہ وہ) میرا بھی شکر ادا کرتا رہے اور اپنے ماں باپ کا بھی۔ (بالآخر) اُس کو میری ہی طرف پلٹنا ہے۔

★ شاہ عبدالقادر صاحب نے خوب لکھا کہ "باپ نے اللہ کا حق بیٹے کو بتایا، اور اللہ نے باپ کا حق (اس کے) بیٹے کو تعلیم فرمایا۔" (حساب خبت برابر برابر)
(موضح القرآن)

والدین کے حق کی عظمت

اِس قدر عظیم ہے کہ اس کا عطف خود اللہ کے حق کی ادائیگی پر کیا گیا ہے۔ (یعنی اللہ کا حق اور ماں باپ کا حق ایک ہی لفظ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے)

اور ماں کی تکلیفوں کو اس قدر بلیغ اور غفیر الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ حاملہ عورت کی تمام تکلیفیں اُس میں شامل ہوگئی ہیں۔

★ .... (تفسیر ماجدی)

والدین کے معنی

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

* تمھارے والدین تین ہیں۔ (۱) وہ جن کے سبب سے تمھاری ولادت ہوئی۔ (نسبی و طبعی)

(۲) وہ جنھوں نے تم کو اپنی بیٹی دی۔ (ساس اور سسر)

(۳) وہ جنھوں نے تمھیں علم کے زیور سے آراستہ کیا۔ (اساتذۂ کرام)

اور ان سب میں افضل و برتر والدین وہ ہیں جو تم کو علم سکھائیں * (الحدیث)

* پھر ارشاد فرمایا: " اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّة "

یعنی: "میں اور علیؑ اِس اُمّت کے دو باپ ہیں۔" * (الحدیث)

* سارے علم کی حقیقت کا سرچشمہ جناب رسولِ خداؐ ہیں، اِسی لیے آپؐ نے فرمایا:

" اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا " (الحدیث)

(میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔)

* غرض والدین کی اعلیٰ ترین فرد جناب رسولِ خداؐ اور حضرت امام علی مرتضیٰؑ ہیں۔

* پھر اِن کے بعد ائمۂ اہلِ بیتؑ ہیں۔

* پھر علماء و صالحین، صوفیاءِ متقین، اور اساتذہ کرام ہیں

* ان کے بعد طبعی والدین ہیں، پھر اُن کے بعد سُسرالی والدین کا مرتبہ ہے

* ...... (مؤلف)

ماں کا حق

علمی اعتبار سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مائیں حمل کے دوران کمزور اور سست ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنی جان کا شیرہ اور اپنی ہڈیوں کا گودہ اپنے بچے کے لیے مخصوص کر دیتی ہیں۔ اپنے وجود کے حیاتیاتی مواد کا بہترین حصّہ بچے پر صرف کرتی ہیں۔ خود دودھ جو ماں پلاتی ہے وہ عورت کی جان کا شیرہ ہوتا ہے۔ غرض ماں ۳۳ ماہ اپنے بچے کے لیے روحانی اور جسمانی ہر طرح کی

خدمات اور قربانیاں پیش کرتی ہے۔ اسی لئے خدا نے باپ کی بجائے ماں کی خدمات کو بیان کیا۔

(تفسیر کبیر ـ تفسیر نمونہ)

★ پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ماں باپ کے حق کو بالکل خدا کے شکر کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے کہ: "میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا۔" (القرآن)

پھر اس پر الی المصیر بھی دے دی کہ: "تم سب کو میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔" یعنی: اگر ماں باپ کے حق ادا کرنے میں کوتاہی کی تو پھر میں خود ہی تم سے نمٹ لوں گا۔ اور سخت بازپرس کروں گا۔"

(تفسیر کبیر)

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ والدین کے حق کی تو تاکید کی گئی مگر اولاد کا حق اس طرح نہیں بیان فرمایا؟ وہ اس لیے کہ خدا نے ماں باپ کے دل میں اولاد کا اتنا زبردست پیار پیدا کیا ہے کہ ماں باپ سے اس کا بہت کم امکان ہے کہ وہ اولاد کا حق فراموش کر دیں جبکہ والدین کے بوڑھے اور کمزور ہونے پر اولاد اکثر اُن کا حق بھلا دیتی ہے۔

(تفسیر فی ظلال القرآن جلد ۶)

والدین کے حقوق بعد الموت

ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ سے دریافت کیا:

"والدین کے مرنے کے بعد کونسی نیکی ہے جو اُن کے لیے بجالاؤں۔"؟

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "اُن کے لیے (مغفرت کی) دعا کیا کرو اور اُن کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیا کرو۔ اُن کے وعدوں کو پورا کرو۔ اُن کے دوستوں کی عزت کرو۔ اُن کے قریبیوں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔" اسی بنا پر والدین کی قضا نمازیں و دیگر واجبات اولاد پر واجب الادا ہیں۔

نیز نمازِ ہدیۂ والدین، اولاد کے لیے مستحب ہے۔ بعض اولاد والدین کی حیات میں اطاعت گذار ہوتی ہے لیکن اُن کی موت کے بعد اُن کے لیے کارِ خیر نہ کرے تو وہ عاق محشور ہوگی، اور بعض اولاد حیات میں والدین کی نافرمان ہوگی لیکن ان کی موت کے بعد اُن کے لیے کارِ خیر کرے اور اُن کے حقوق و واجبات ادا کرے گی وہ اطاعت گذار محشور ہوگی۔

(تفسیر انوار النجف جلد ۹ ص ۲۱ - ۲۲)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

(۱۵) البتہ اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جس کا تجھے کوئی علم تک نہیں ہے تو اُن کی یہ بات ہرگز نہ ماننا، لیکن پھر بھی دنیا میں اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہنا، مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کرنا جس نے مجھ سے لو لگا کر میری طرف توجہ کر رکھی ہے (کیونکہ) پھر میری ہی طرف تم لوگوں کو پلٹنا بھی ہے اُس وقت میں تمھیں بتلا دوں گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي

(۱۶) (اور لقمان نے یہ بھی کہا) اے بیٹا! اگر کوئی (چھوٹی سے چھوٹی) چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور وہ کسی چٹان کے اندر (چھپی) ہو

السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ	یا آسمانوں میں (چھپی) ہو، یا پھر
یَاۡتِ بِہَا اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ	زمین میں کہیں (چھپی) ہو، اللہ
لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾	اُسے (ہر صورت میں) نکال لائے گا

یعنی اللہ کے علم اور گرفت سے کوئی چیز کسی طرح بچ نہیں سکتی، کیوں کہ) اللہ باریک نگاہ والا، چھوٹی سے چھوٹی چیز کا دیکھنے، جاننے اور محسوس کرنے والا بھی ہے۔ اور ہر چیز سے پوری طرح واقف بھی ہے۔

"خَرۡدَلٍ" رائی کے دانے کو کہتے ہیں جو بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھے جاتے ہیں۔

(مفردات امام راغب)

* . . . .

* فرزندِ رسولِ خدا امام حضرت ابوجعفر امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچتے رہو، کیوں کہ اُن کا بھی حساب ہوگا کیوں کہ خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ" اُنھوں نے جو بھی (عمل) آگے بھیجا ہے، اور اُن کے اثرات تک ہم نے لوحِ محفوظ میں محفوظ کرلیے ہیں"۔ (القرآن)

پھر فرمایا: "اچھے بُرے کام رائی کے دانے کے برابر بھی ہوں، پتھر کے اندر ہوں یا زمین کے کسی حصّہ میں، خدا ان سب کو حاضر کردے گا"۔ (الامالی) * (تفسیر نور الثقلین جلد ۴)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

(۱۷) (اس لیے) اے بیٹا! نماز کو پابندی سے ادا کرتے رہو۔ اچھے کاموں کی ترغیب دیتے رہو اور بُرے کاموں سے روکتے رہو، اور جو مصیبت پڑے اُس پر صبر کرتے رہو حقیقت یہ ہے کہ یہ (سب حکمتیں اُن) اہم باتوں میں سے ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے (یا) یہ بڑے مضبوط حوصلے اور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

---

* کیوں کہ علمِ خدا میں گذر چکا تھا کہ آلِ محمدؐ مصیبتوں پر صبر کریں گے، اسی لئے خدا نے آلِ محمدؐ ہی کو امام مقرر فرمایا۔ *...... (تفسیر صافی صہ ۳۹۲) بحوالہ تفسیر قمی

* آیت کے مفہوم میں وسعت سے کام لیا جائے تو زمانۂ حال کی تمام ترقیاں اس کے تحت آجاتی ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "لوگوں کو نیکی کی ترغیب دینے اور برائی سے روکنے میں جو تکالیف پہنچیں اُن کو برداشت کرلو۔" (کیوں کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔ اس سے رزق میں کمی نہیں آتی) (نہج البلاغہ۔) *...... (تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان)

بڑی بڑی نیکیاں آیت میں سب سے پہلے نماز کا حکم دیا، اس لئے کہ نماز کے ذریعے سے انسان کا خدا سے تعلق قائم ہوتا ہے اور اسی لیے نماز کے ذریعے سے انسان کا دل روشن، روح صاف، ضمیر بیدار اور زندگی پاک ہوجاتی ہے، گناہوں کا اثر مٹنے لگتا ہے، دل ایمان کی روشنی سے منور ہونے لگتا ہے، انسان برائیوں سے بچنے لگتا ہے۔ (۲) خدا سے تعلق استوار ہونے کے بعد معاشرے کی اصلاح سب سے اہم نیک کام ہے جو لوگوں کو نیکی کی ترغیب دینے سے اور برائیوں سے بچانے کے ذریعے انجام پاتا ہے

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ (۱۸) (نیز یہ کہ) لوگوں سے منہ پھیر لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي پھیر کر (یعنی) اکڑا اکڑ کر بات نہ الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کرنا، اور نہ زمین پر اکڑ مکڑ کر اتراتے لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ ہوئے چلنا (کیوں کہ) یہ حقیقت ہے کہ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ اللہ کسی خودپسند اکڑنے والے اور اتراتے ہوئے شیخی مارنے اور فخر کر کے اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو پسند ہی نہیں کرتا۔

★ "لوگوں کے سامنے اپنے رُخسار کو نہ جھکاؤ"

★ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ "مالداروں کے سامنے مال کی طمع میں ذلت نہ اختیار کرو۔"

★ ...... (تفسیر علی بن ابراہیم)

★ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ "تکبر سے لوگوں کی طرف سے منہ نہ پھیرو اور کسی کی توہین کے لیے کسی کے بات کرنے پر اس کی تذلیل و تحقیر نہ کرو۔"

★ ..... (تفسیر صافی صفحہ ۳۹۳، تفسیر قمی، تفسیر مجمع البیان)

الفاظ کا مطالعہ

★ اصل میں "صعر" اونٹ کی ایک ایسی بیماری کو کہتے ہیں جس سے اُس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اور ★ "مَرَح" "غرور کی مستی کو کہتے ہیں۔ اور ★ "مختال" اور "فخور" میں یہ فرق ہے کہ:

"مختال" اُس شخص کو کہتے ہیں جو دوسروں پر اپنی بڑائی جتاتا ہے۔ اور مختال "اُس تکبر کو کہتے ہیں جو دماغ میں خناس کی طرح پیدا ہوتا ہے۔
اور "فخور" متکبرانہ اعمال، حرکات و سکنات کو کہتے ہیں۔
* ...... (مفردات امام راغب)

* یہ سب بُرے اخلاق اور بُرے اعمال کا بیان ہے جن کی وجہ سے انسان کی تذلیل ہوتی ہے۔ معاشرتی تعلقات کٹ جاتے ہیں، اتحاد اور محبت ختم ہو جاتی ہے، نفرتیں اور عداوتیں جنم لیتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم تکبر ہے۔ یعنی خود پسندی اور غرور۔ یہ خبط کہ میں دوسروں سے بہتر اور بلند مرتبہ ہوں۔ بقول ابلیس "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ" (میں اس سے بہتر ہوں۔)

اصل میں یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے اسی لیے قرآن نے "صعر" کا لفظ استعمال کیا ہے جو اونٹ کی ایک بیماری ہے۔ یہ عقل کی بے راہ روی ہے، روح اور نفس کا مرض ہے
* ...... (تفسیر نمونہ)

؎ کہتے ہیں جس کو کبر خلل ہے دماغ کا

* حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: "بھلا اس انسان کو تکبر سے کیا کام جس کی ابتداء نطفہ جیسی گندی چیز سے ہوئی ہے، اور جس کی انتہا جیفہ "یعنی مردار بن جانا ہے۔"
(اَوَّلُہٗ نُطْفَۃٌ وَّ اٰخِرُہٗ جِیْفَۃٌ) * .... (نہج البلاغہ)

* جناب رسول خداؐ نے فرمایا: "جو شخص غرور اور تکبر کے ساتھ اکڑ اکڑ کر زمین پر چلتا ہے، تو زمین اور زمین کے اندر کی تمام چیزیں اُس پر لعنتیں بھیجتی ہیں۔" * (ثواب الاعمال، امالی شیخ صدوقؒ، نور الثقلین، نمونہ)

* نیز آنحضرتؐ نے اکڑ کر چلنے کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ: "اگر کوئی شخص اچھا لباس پہنے اور پھر اکڑے گا تو خدا اُس کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کر کے اُس کنارے تک کو جہنم کے اندر دھنسا دے گا اور وہ قارون کے ساتھ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ قارون ہی وہ پہلا شخص ہے جو اکڑا کرتا تھا۔ اُس کو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ اکڑنے والا خدا سے اُس کے جبروت کو چھین لینا چاہتا ہے۔" * (تفسیر صافی ص ۲۹۳ بحوالہ المحاسن، ثواب الاعمال، امالی شیخ صدوق، تفسیر نور الثقلین جلد ۴، اصول کافی)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾

(۱۹) (اِس لیے) اپنی چال میں اعتدال یا میانہ روی اختیار کرو (یعنی ایک شریف آدمی کی طرح شریفانہ چال چلو جس میں اکڑ مکڑ نہ ہو، اور اپنی آواز کو دھیما رکھو۔ یقیناً سب سے زیادہ بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ کبھی زور سے بولا ہی نہ جائے بلکہ گدھے کی آواز کی تشبیہ دے کر سخت و کرخت بے مقصد چیخ و پکار، دھونس جمانے والی تکبّرانہ آواز نہ نکالو۔

★ اب یہ مثبت اخلاقی صفات کا بیان ہے۔ پہلا یہ کہ: چلنے پھرنے میں اعتدال ہونا چاہیے بات کرنے میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرنی چاہیے۔ چیخ و پکار گدھوں کا کام ہے۔ یہ صفات تکبّر، خود پسندی یا بے ڈھنگے پن کی علامات ہیں۔

اصل میں چلنے میں اعتدال اور بات کرنے میں اعتدال کو مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے اندر انکساری پیدا کرو، جو کبر کی ضد ہے۔ انکساری حُسن ہے اور کبر قبیح ہے، اسی لیے تکبّرانہ آواز کو گدھے کی آواز سے نسبت دی ہے۔ کہ گدھے کی آواز تمام آوازوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتی ہے۔

(تفسیر نمونہ) ..... ★

★ فرزندِ رسولِ خدا امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "یہ آیت چیخ کر بولنے اور شور مچانے کی مذمت میں اُتری ہے۔"

★ ..... (تفسیر مجمع البیان)

اعتدال کا فائدہ

جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"جس کی طبیعت میں اعتدال (میانہ روی) پیدا ہو جائے تو اُس کا مزاج خود بخود پاکیزہ ہو جاتا ہے۔
اور جس کے مزاج میں پاکیزگی راسخ ہو جاتی ہے، اُس کے اثرات نفس قوی ہو جاتے ہیں،
اور جو اپنے نفس کے اثرات میں قوت حاصل کر لیتا ہے، وہ انسانیت کے منتہائے کمال پر بلند ہو جاتا ہے
اور جو اس معراجِ کمال پر پہنچ جائے تو وہ فضائلِ نفسانیہ سے آراستہ ہو جاتا ہے،
اور جو فضائلِ نفس سے مزین ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُس میں تمام کمالاتِ انسانی موجود ہو جاتے ہیں
اس حالت میں ایسا انسان ملکوتی صفات (کا حامل) بن جاتا ہے۔ بس اس سے زیادہ انسانی عروج
کا تصور نہیں۔ (یہ انتہائے کمالِ انسانی ہے) ★ (فلسفۃ التاریخ الاسلامی از دکتور استاد مصطفیٰ جواد)

بات کرنے کا سلیقہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "خاموشی میں آرام و راحت ہے"
★.... (وسائل الشیعہ جلد ۸)

★ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: "عقل و فہم کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان علم رکھتا ہو، بُردبار اور برداشت کرنے والا ہو، خاموش رہنا حکمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔"
★.... (وسائل الشیعہ جلد ۸)

★ نیز امام علیہ السلام نے فرمایا: "جن موقعوں پر بات کرنا ضروری ہو، وہاں مومن کو کبھی خاموش نہیں رہنا چاہیئے۔"

★ نیز فرمایا: "پیغمبروں کو بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خاموش رہنے کا نہیں۔"

★ نیز فرمایا: "جنّت میں داخل ہونے اور نجات حاصل کرنے کا ذریعہ برمحل بات کرنا ہے۔"
★.... (وسائل الشیعہ جلد ۸)

★ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اپنے مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کیا کرو۔"
★.... (بحار الانوار جلد ۷۴)

★ نیز آنحضرت صؐ نے فرمایا: "قیامت کے دن کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ قیمتی اور بہتر نہیں ہوگی۔"

★ فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: "نیک کام اور اچھے اخلاق گھروں کو آباد کرتے ہیں، اور عمروں کو بڑھاتے ہیں۔"

★ ..... (اصولِ کافی جلد ۲)

★ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "جو چیز میری اُمّت کو سب سے زیادہ جنّت میں داخل کرنے کا سبب بنے گی وہ (۱) خدا کے خوف سے برائیوں سے بچنا۔ (۲) اور اچھا اخلاق ہوگا۔"

★ جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: "شرافتِ انسانی کا معیار فروتنی اور تواضع (انکساری) ہے۔"

★ ..... (بحارالانوار جلد ۷۵)

★ فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"فروتنی، انکساری، جھک کر ملنا، دوسروں کی عزّت کرنا، سعادت اور خوش قسمتی کی جڑ ہے یہ ایک بہت بلند مقام اور مرتبہ ہے۔ اگر تواضع کوئی زبان ہوتی تو چھپے ہوئے راز اور پوشیدہ کاموں کے آخری نتائج کو بیان کرتی۔ جو شخص خدا کو خوش کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے جھکتا (انکساری سے پیش) آتا ہے، اُن کا احترام کرتا ہے، خداوندِ کریم اُس کو بہت سی مخلوقات پر برتری عطا فرماتا ہے ہر عبادت جو قبول ہوتی ہے وہ فروتنی اور عاجزی وانکساری کی راہ سے داخل ہوتی ہے۔

★ ..... (بحارالانوار جلد ۷۵)

★ جنابِ رسولِ خداؐ کہیں سے گذرے تو دیکھا کہ لوگ جمع ہیں۔ پوچھا: آپ لوگ کیوں جمع ہیں؟ عرض کی: "ایک دیوانے کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔" فرمایا: "کیا میں تمھیں حقیقی واقعی دیوانے کا تعارف کرادوں"؟ عرض کی: "ضرور" فرمایا: "حقیقی دیوانہ وہ ہے جو غرور اور تکبّر سے کاندھے جھٹک جھٹک کر چلتا ہے، ہمیشہ اپنے پہلوؤں اور لباس کو دیکھتا ہے، اور اپنے بازوؤں کو اپنے کندھوں کے ساتھ ہلا ہلا کر (مٹک مٹک کر) چلتا ہے کبر و غرور اُس کے پورے وجود سے ٹپکتا ہے ایسا شخص حقیقی دیوانہ ہے اور جسے تم دیکھ رہے ہو، یہ تو اعصابی مریض ہے"

★ ..... (بحارالانوار جلد ۷۶)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾

(۲۰) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے ہی کاموں میں لگا رکھا ہے تمام اُن چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی، کھلی چھپی نعمتوں کو پھیلا دیا ہے؟ (مگر اس پر بھی کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ) کچھ لوگ تو بغیر کچھ جانے بُوجھے، اور بغیر کسی ہدایت اور روشنی دکھانے والی کتاب کے اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔

ظاہری اور باطنی نعمتیں

ظاہری نعمتیں تکوینی نعمتیں ہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ باطنی اور چھپی ہوئی نعمتیں، وہ نعمتیں ہیں جن کا ادراک آنکھوں سے نہیں بلکہ عقل سے ہوتا ہے۔ بقول ابن عباس: ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں، اور سب اُن کو دیکھ سکتے ہیں، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو ہمارے حس و حواس بلکہ علم سے بھی باہر ہیں۔ ...... (تفسیر ابن عباس)

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا قصہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ (۸۳) اب وہ لوگ آپؐ سے ذوالقرنین

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ کے بارے میں پوچھتے ہیں، تو آپؐ اُن سے

ذِكْرًا ؕ ﴿۸۳﴾ کہیے کہ میں تمھیں اُن کا کچھ حال سُناتا ہوں۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ (۸۴) ہم نے اُنھیں زمین پر حکومت

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ اور اقتدار عطا کیا تھا، اور اُنھیں ہم نے

سَبَبًا ۙ ﴿۸۴﴾ ہر قسم کے اسباب و وسائل بخشے تھے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ (۸۵) تو اُنھوں نے (ایک مُہم کا) سامان کیا۔

(آیت ۸۳ کی تشریح) یہودیوں کے سکھانے پر مکّہ کے لوگ حضور اکرمؐ کو آزمانے کے لیے مختلف قسم کے سوالات پوچھا کرتے تھے۔ ★.... (ماجدی) **اسکندر ذوالقرنین کا تعارف**

★ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "ذوالقرنین ایک نیک آدمی تھا، اللہ کو دوست رکھتا تھا۔ دینِ خدا کا خیرخواہ تھا، اپنی قوم کو خدا سے ڈرنے اور اُس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ قوم والوں نے اُس کے سر پر تلوار ماری، جو سر کے کنارے پر لگی پس وہ غائب ہوگیا۔ پھر ظاہر ہوا، تو قوم کو دینِ خدا کی طرف پھر بلایا۔ قوم نے پھر سر پر تلوار ماری۔ اسی لیے اُن کو ذوالقرنین (دو زخموں والا) کہا جاتا ہے۔ تم بھی اُس کے جیسے بنو۔" ★... (تفسیر نورالثقلین)

★ ذوالقرنین کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ دنیا کے دونوں سروں تک پھر آئے تھے یعنی مشرق سے مغرب تک۔ بعض لوگوں نے اُن کو سکندر اعظم کا لقب دیا ہے۔ "اُن کا نام ذوالقرنین اس لیے پڑا کہ اُن کے سر کا تاج دو سینگوں والا تھا۔"

۔ا۔ (موضح القرآن) "اُن کے دو لمبے لمبے گیسو تھے۔" ★... (تبیان۔ مجمع البیان)

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ (۸۶) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے
وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ ڈوبنے کی جگہ تک پہنچے تو اُنھوں نے سورج
حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا کو ایک گدلے چشمے کے کالے پانی میں
قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ اور وہاں پر
اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اُنھوں نے ایک قوم کو دیکھا، تو ہم نے کہا:
اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾ "اے ذوالقرنین! (تمھیں اختیار ہے کہ)
تم اُن کو سزا دو یا اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔

★ "مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ" سورج کے غروب ہونے کی جگہ "سے مراد مغرب کی طرف آبادی کے ختم ہونے کی جگہ ہے۔" اور خدا کا فرمانا کہ: اُنھوں نے وہاں (سورج کو) سیاہ چشمے میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا" تو اس کا تعلق صرف اُن کے ادراک سے ہے۔ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ ★ ... (روح ابن جریر)

★ "وَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا" (وہاں اُنھوں نے ایک کو دیکھا) آیت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ کافر تھے۔ مقصد یہ ہے کہ حکم پروردگار ہوا کہ ان کو دینِ حق کی تبلیغ کر دیں اگر نہ مانیں اور اپنے کفر پر ڈٹے رہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ اُن کو سزائے موت دے دو یا اُن کے ساتھ مزید نیکی کا برتاؤ کرو

★ بعض لوگوں نے اسکندر کی نبوت کا استدلال وحی کی بنا پر کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں حکم خدا بصورتِ الہام تھا جس طرح مادرِ موسیٰ کے متعلق وارد ہوا ہے۔ وحی وہ ہے جو بصورتِ نزولِ مَلک ہو۔ الہام غیرِ نبی پر بھی ہو سکتا ہے (ملخصاً۔ تفسیر انوار النجف)

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

ذوالقرنینؑ نے کہا: "اب جو ظلم یا زیادتی کرے گا تو ہم اُس کو عنقریب (جلد ہی) سزا دیں گے۔ پھر جب وہ اپنے پالنے والے مالک کی طرف پلٹایا جائے گا تو وہ اُسے اور بھی زیادہ سخت سزا دے گا۔

"مَنْ ظَلَمَ" (یعنی جو ظلم یا زیادتی کرے گا) یہاں "ظلم" سے اوّلین مراد "شرک" ہے۔ اسی لیے ذوالقرنین نے خدا کے حکم کے مطابق پہلے تو وہاں کے رہنے والوں کو توحید کا پیغام پہنچایا اور اچھی طرح سمجھایا، پھر بھی شرک پر ڈٹے رہنے والوں کو سزا کی دھمکی دی کہ اب بھی جس نے ظلم کیا (یعنی شرک کیا) اُس کو ہم سزائے موت دیں گے (یہی سزا اُس کے لیے کافی نہ ہوگی، بلکہ) جب وہ قیامت کے دن محشور ہوگا اور اپنے مالک کی طرف پلٹایا جائے گا تو اُس وقت وہ خدا کی سزائیں اور زیادہ سختی سے گرفتار ہوگا۔ لیکن جو خدا کو یکتا مان لے گا اور اُس پر ثابت قدم رہے گا، ہم اُس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے، اور اُس پر ہمارے احکامات کا بوجھ اتنا ہوگا کہ وہ اُسے آسانی کے ساتھ اُٹھا سکے گا۔ اور اُس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ اور قیامت کے دن اُس کو بہت اچھا بدلہ ملے گا۔

(یہ ہیں توحید پر ایمان لانے اور نیکی بجالانے کے فوائد و نتائج)

(تفسیر انوار النجف) ۔۔۔۔۔ *

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ا۟لْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ ﴿۸۸﴾

(۸۸) اور جو ابدی حقیقتوں کو دل سے مانے گا اور نیک عمل بھی کرے گا تو اُس کے لیے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم بھی اُس کے ساتھ اپنے معاملے میں آسانی برتیں گے۔"

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

(۸۹) پھر اُنھوں نے ایک (دوسری مُہم) کی تیاری (شروع) کی۔

نیک عمل دنیوی اور اُخروی دونوں لحاظ سے مفید ہوتا ہے۔

یعنی آخرت میں بھی اُس کو بھلائی ملے گی اور دنیا میں بھی ہم اُس پر سختی نہ کریں گے جب کوئی بات اُس سے کہیں گے نرمی کی کہیں گے، جس کو وہ بآسانی برداشت کرے گا۔

نتیجہ محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو بادشاہ عادل ہوتا ہے وہ ذوالقرنین کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ یعنی: بُروں کو اُن کی بدی کی وجہ سے سزا دیتا ہے اور نیکوں سے نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ (شیخ الاسلام عثمانی)

★ جنابِ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا: "بادشاہ یا حاکم عادل قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے زیرِ سایہ ہوگا۔" (تحف العقول)

مفید اور سبق آموز بات "اچھے اور بُرے برابر نہیں سمجھے جانے چاہئیں"۔ اِسی لیے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مالکِ اشتر کو تحریر فرمایا تھا: "اے مالک! تمھاری نگاہ میں نیک اور بدکار کبھی ایک جیسے نہیں ہونے چاہئیں، کیونکہ اس طرح نیک لوگ اپنے نیک کاموں سے بددل ہو جائیں گے، اور بدکار لوگ (اپنی بدکاریوں پر دلیر اور) بے پرواہ ہو جائیں گے۔" (فی زمانہ یہی روش نظر آرہی ہے)

★ ---- (نہج البلاغہ)

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ (۹۰) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے

وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ نکلنے کی حد تک جا پہنچے، تو وہاں انھوں

لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر[1] طلوع

دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۙ‏ ﴿۹۰﴾ ہو رہا ہے جس کے لیے ہم نے دھوپ سے بچنے کا

کوئی سامان نہیں کیا تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا (۹۱) اُن کا تو یہ حال تھا، اور جو کچھ کہ

بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا‏ ﴿۹۱﴾ ذوالقرنینؑ کے پاس تھا، اُس کو ہم

خوب جانتے تھے۔

---

[1] ★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، کہ: "اُن لوگوں کو تعمیر کا کام ہی نہیں آتا تھا۔"
★ ۔۔۔۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

★ شاید وہ لوگ جنگلی ہوں گے کہ گھر بنانا اور چھت ڈالنا نہ جانتے ہوں۔ ★ ۔۔۔۔ (موضح القرآن)

★ اصل میں یہ قومِ زنج کے لوگ تھے۔ اُن کی زمین اتنی نرم تھی کہ کسی عمارت کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔
۔۔۔۔ (تفسیر جلالین)

★ علامہ طبرسیؒ نے لکھا: "یعنی اُس زمین پر پہاڑ نہ تھا اور نہ کوئی درخت تھا، نہ کوئی عمارت تھی
اُس زمین پر کوئی عمارت بن ہی نہ سکتی تھی۔ جب سورج نکلتا تو وہ لوگ سرنگوں میں چلے جاتے اور جب سورج ڈوب
جاتا تو وہ اپنے کام کرتے۔"
★ ۔۔۔۔ (مجمع البیان)

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ (۹۲) پھر اُنھوں نے ایک اور راستہ اختیار کیا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ (۹۳) یہاں تک کہ جب وہ اُن دونوں

وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ رکاوٹ والی دیواروں (پہاڑوں)

لَّا یَكَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ کے درمیان پہنچے تو اُن دونوں (پہاڑوں کے)

اُدھر ایک قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھتی نہ تھی۔

قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ (۹۴) اُن لوگوں نے کہا: "اے ذوالقرنین!

یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ بلاشبہ یاجوج اور ماجوج اِس سرزمین

فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ میں فساد پھیلاتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم

لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤى اَنۡ تَجۡعَلَ آپ کے لیے اِس شرط پر ٹیکس یا سرمایہ جمع

بَیۡنَنَا وَبَیۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ کردیں کہ جس سے آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک

رکاوٹ کی دیوار بنادیں"؟

یاجوج اور ماجوج یاجوج اور ماجوج دو قبیلے ہیں یافث بن نوحؑ کی اولاد میں سے۔

ترک، چینی، روسی بھی یافث بن نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ..... (تفسیر صافی ص ۳۰۹)

★ امیرالمومنین حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

" اُن لوگوں نے ذوالقرنین سے کہا کہ یاجوج اور ماجوج اِن دو پہاڑوں کے پیچھے رہتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ جب ہماری کھیتیاں پک کر تیار ہو جاتی ہیں، تو وہ ان دونوں پہاڑوں کے پیچھے سے اِس طرف آجاتے ہیں اور سب پھل اور کھیتیاں لوٹ کر لے جاتے ہیں، اور ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑتے۔"

★ ۔۔۔۔۔ (تفسیر صافی ص۳۰۹)

★ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" یاجوج اور ماجوج قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ جب وہ خروج کریں گے (یعنی حملہ کریں گے) تو تمام لوگوں کو اپنے اپنے قلعوں میں بند کر دیں گے اور تمام پانیوں کو پی جائیں گے۔ (یعنی تمام سمندروں پر قبضہ کرلیں گے) پھر آسمان کی طرف تیر (راکٹ) پھینکیں گے۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں پر بھی قبضہ پالیا، اور آسمان والوں پر بھی ہمارا قبضہ ہے۔" (امریکہ اور روس آجکل یہی کام کر رہے ہیں۔ اُن کا قبضہ زمین پر بھی ہے، سمندروں پر اور آسمان پر بھی۔)

★ ۔۔۔۔۔ (تفسیر مجمع البیان)

★ صاحبِ مجمع البیان" لکھتے ہیں کہ" میں نے علمائے ہند کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ:

" یاجوج اور ماجوج" سے مراد یوری اقوام ہیں جو سکندرِ اعظم کے زمانے میں وحشی اور درندہ صفت تھے اور اپنے گرد رہنے والوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ سکندرِ اعظم نے اُن کا راستہ بند کر کے امن قائم کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چینی لوگ تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ترک لوگ تھے۔"

★ ۔۔۔۔۔ (مجمع البیان مطابق بیانِ ابوالحسن شعرانی)

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾

ذوالقرنینؑ نے کہا: "جو کچھ میرے پالنے والے مالک نے مجھے دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے۔ بس تم جسمانی محنت اور طاقت کے ساتھ میری مدد کرو تو میں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک مضبوط اور موٹی دیوار بنا دوں گا۔

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ بادشاہ کے لیے جائز ہے کہ لوگوں کی خواہش پر لوگوں کے فائدے کے کام کرے اور اُن کی حفاظت کے انتظامات کرے۔ دوسرے یہ کہ اجرت یا معاوضہ جس طرح مال کی شکل میں لینا جائز ہے، اُسی طرح محنت یا کام کی شکل میں بھی لینا جائز ہے ۔۔۔۔ (ماجدی)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "حضرت نوحؑ کے بعد چار نبیؑ بادشاہ ہوئے۔ (۱) ذوالقرنینؑ، جنھوں نے تمام زمین پر حکومت کی۔ (۲) حضرت داؤدؑ جن کی حکومت شام اور اُس کے اردگرد کے علاقوں پر تھی۔ (۳) حضرت سلیمانؑ جو حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے (جن کی حکومت جنّ وانس سب پر تھی) اور ۔۔۔ (۴) حضرت یوسفؑ جو مصر کے بادشاہ تھے۔" ★ ۔۔۔۔ (تفسیر برہان)

سبق جن وحشی لوگوں نے حضرت ذوالقرنینؑ سے حملے کی شکایت کی تھی، حضرت ذوالقرنینؑ نے اُن کو حکم دیا کہ تم لوہے کی سلیں لاؤ۔ پھر لوہے کی دیوار کے گرد آگ جلانے کا بھی اُنہی کو حکم دیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہو انھیں خود اُن کے کام میں شریک بنانا چاہیئے۔ اِس طرح اُن کی صلاحیتیں اُبھرتی ہیں اور انھیں کام کی قدر و قیمت بھی معلوم ہوتی ہے پھر اُس کام کی خود حفاظت کرتے ہیں۔

اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی (۹۶) میرے پاس لوہے کے ٹکڑے اور
اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ چادریں لے آؤ۔ یہاں تک کہ جب انھوں نے
قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا دونوں پہاڑوں کے درمیان (خالی) حصّے کو
جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ (پاٹ کر) برابر کر دیا تو لوگوں سے کہا کہ اب
اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾ تم اس میں (آگ کو) پھونکو۔ یہاں تک کہ
جب (اُس لوہے کی دیوار کو بالکل) آگ بنا دیا، تو کہا کہ "لاؤ، اب
میں اس میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں۔

سدِ سکندری کی تعمیر

یہ دیوار (سدِ سکندری) اس طرح بنائی گئی کہ اوّل لوہے کے بڑے بڑے تختے بنا کر ایک تختہ دوسرے تختے پر رکھا۔ اس طرح دونوں پہاڑوں کو ملا دیا گیا، پھر تانبا پگھلا کر اُس لوہے کے اوپر ڈالا گیا۔ یہ سب مل کر ایک پہاڑ سا بن گیا۔
* ..... (موضح القرآن)

* سیّاحوں نے لوہے کی ایک دیوار دربند کے مقام پر دیکھی ہے، اُس کا نام بھی ... "سدِ سکندری" لکھا ہے۔ اور اس کا پھاٹک "باب الحدید" (یعنی لوہے کا دروازہ) کہلاتا ہے۔

یہ دربند کا مقام وسطِ ایشیاء کے مشرقی حصّے میں ضلع حصار میں واقع ہے جو بخارا سے ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں ہے۔ اس کا ذکر "مارکوپولو" سیّاح نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔"
* .... (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ طبع ۱۱ جلد ۱۳ صـــ ۵۲۶)

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ (۹۷) تو اب وہ (جنگلی وحشی) لوگ نہ تو اُس پر چڑھ

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ سکتے تھے، اور نہ اُس میں سوراخ کر سکتے تھے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ (۹۸) ذوالقرنینؑ نے کہا: یہ سب میرے

رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ پالنے والے مالک کی رحمت اور مہربانی ہے

رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ مگر جب میرے پالنے والے مالک کے وعدے

كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ کا وقت آئے گا، تو وہ اُسے ڈھا کر

صاف چٹیل میدان کر دے گا، اور میرے پالنے والے مالک کا ہر وعدہ

بالکل سچا ہوتا ہے۔"

وعدۂ قیامت پورا ہو کر رہے گا

ذوالقرنینؑ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ فی الحال تو میں نے تم کو اُن بدمعاشوں کے شر سے بچا لیا (اور دیوار بنا دی) ہے۔ مگر جب وقتِ فنا آئے گا (قیامت برپا ہوگی) تو اس قدر مضبوط دیوار بھی برباد ہو جائے گی تمھارے کچھ کام نہ آئے گی، اس لیے کہ قیامت کا آنا خدا کا وعدہ ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔" ★ ...... (ماجدی)

★ "نفخِ صور" (صور (بگل) میں پھونک مارنا) تین دفعہ ہوگا (۱) پہلی دفعہ جب صور پھونکا جائیگا تو تمام مخلوق میں سنسنی پھیل جائے گی اور لوگ سخت حیران ہو جائیں گے۔ (۲) دوسری مرتبہ سب کے سب مر جائیں گے۔ (۳) تیسری مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔ ★ ...... (تفسیر مجمع البیان)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ (۹۹) اور اُس دن ہم لوگوں کو ایک دوسرے
يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ سے گتھم گتھا ہونے کے لیے چھوڑ دیں
فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ﴿۹۹﴾ گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا، تو اُن سب
کو پوری پوری طرح ایک ساتھ جمع کردیں گے

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ (۱۰۰) اور اُس روز جہنّم کو حق کے منکروں کے
لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ﴿۱۰۰﴾ سامنے پوری طرح لے آیا جائے گا۔ ۱۰۰
الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ (۱۰۱) جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے
فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ میں رہیں اور وہ (حق بات کو) سُن
كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ہی نہیں سکتے تھے۔

"میری یاد" سے مراد

"میری یاد" سے مراد (۱) توحیدِ الٰہی اور اللہ کی کتاب ہے۔
(ابنِ عبّاس)

★ (۲) اِس سے مراد خدا کی عظمت اور اُس کے وجود کے دلائل بھی ہیں۔
(معالم)

★ (۳) نماز پڑھنا بھی اللہ کو یاد کرنا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الجمعۃ میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے
"اور جب جمعہ کے دن تمھیں بُلایا جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑ پڑو"۔ (سورۃ الجمعۃ)

★ (۴) خدا کی یاد سے مراد خدا کا وہ خوف بھی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان گناہ کرنے سے عملاً رک جائے۔

*------ (اصول کافی۔ بقول امام جعفر صادق علیہ السلام)

نتیجہ

محققین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ "ذو القرنین جن کو تمام اہلِ کتاب بھی بڑی شخصیت مانتے ہیں، محض ایک عظیم فاتح ہی نہ تھے بلکہ توحید اور آخرت کے عقیدے کے پرچار کرنے والے بھی تھے۔ عدل و انصاف اور فیاضی کی خصوصیات کے مالک بھی تھے۔ عام بادشاہوں کی طرح کم ظرف اور ظالم نہ تھے کہ ذرا طاقت و اقتدار ملا اور فرعون بن بیٹھے۔

*------ (تفہیم القرآن)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:
"امامِ عادل (یعنی) عادل حکمراں قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوگا۔"

*------ (اصول کافی)

★ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ: "خود اُن کی اپنی عقل کی آنکھ ٹھیک نہ تھی کہ خدا کی قدرت کے نشانات دیکھ کر خدا کو یاد کرتے۔ غرض اپنی ضد کی وجہ سے اُنھوں نے کسی کی بات نہ سنی، اِس لئے دوسروں کے سمجھانے پر بھی کچھ نہ سمجھ سکے۔"

*------ (شیخ الاسلام عثمانی)

★ "اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اِسی لیے اُنھیں میری (خدا کی) یاد سُجھائی نہیں دیتی تھی" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ غفلت کی وجہ سے وہ لوگ خدا کی قدرت اور حکمت کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی لیے وہ خدا کو افسانہ سمجھ کر بھلا بیٹھے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کی یاد کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ خدا کے آثارِ قدرت و حکمت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اُن کو دیکھنا خدا کو دیکھنا ہے۔

*------ (تفسیر نمونہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾

(۱۵۷) اور اُن کا (طنزاً) یہ کہنا کہ ہم نے خدا کے رسول، مسیح عیسیٰ ابنِ مریم کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اُنھوں نے نہ تو اُن کو قتل ہی کیا اور نہ سُولی پر ہی چڑھایا۔ بلکہ اُن کو شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور جنھوں نے بھی اِس بات میں اختلاف کیا ہے وہ دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ اُن کے پاس اِس بات کا کوئی علم ہے ہی نہیں، سوا اِس کے کہ وہ اپنے وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ یقیناً اُن کو قتل نہیں کر پائے۔

بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

(۱۵۸) بلکہ خدا نے اُنھیں اپنی طرف اُٹھا لیا۔ اور اللہ تو زبردست طاقت رکھنے والا، ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

حضرتِ عیسیٰؑ کے قتل کی چال چلنے والے کا انجام

جس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی چال سوچی تھی خدا نے اُسی کو حضرت عیسیٰؑ

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کی شبیہ بنا دیا یعنی اُس کی شکل و صورت بالکل حضرت عیسیٰؑ جیسی ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا وہ خود اپنے ساتھیوں اور حمایتیوں کے ہاتھوں حضرت عیسیٰؑ کے بدلے سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا۔ (تفسیر صافی صہ ۸۲ بحوالہ تفسیر قمیؒ)

(خس کم جہاں پاک)

نتیجہ: "محققین نے نتیجہ نکالا کہ انبیاءؑ اور اولیاءؑ خدا کے دشمنوں اور اُن کے خلاف چالیں چلنے والوں کا انجام دنیا میں بھی بہت بُرا ہوتا ہے اور آخرت میں تو عذابِ شدید ہے ہی۔ اکثر وہ خود اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔"

"شبیہ کا جواز"

"بعض فقہاء نے اِس سے کسی جاندار کی شبیہ بنانے کا جواز ثابت کیا ہے۔"

قادیانیوں کا عقیدہ:

قادیانی حضرات کا یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ نہیں گویا خدا کے مقابلے پر یہودیوں کی تائید کرنا ہے۔ (فصل الخطاب)

غرض قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اُن کا حقیقی منصب بھی بیان کر دیا کہ وہ (۱) مسیح تھے۔ (۲) خدا کے نہیں بلکہ حضرت مریمؑ کے بیٹے تھے۔ (۳) خدا نہیں بلکہ خدا کے رسول تھے۔ (۴) وہ قتل نہیں کیے گئے بلکہ زندہ حالت میں آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے۔ یہ اسلوب قرآن مجید کا عام ہے کہ وہ ضمناً بڑی بڑی حقیقتوں کو بیان کر کے ہدایتوں کے ابواب کھولتا چلا جاتا ہے۔

(بحر، کبیر، کشاف، بیضاوی، مدارک)

قتلِ حضرت عیسیٰؑ میں یہودیوں کو دھوکہ ہوا

یعنی وہ حضرت عیسیٰؑ کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔

اِس دھوکہ کھانے کی وجوہات درجِ ذیل ہوسکتی ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰؑ یروشلم کے لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔ اِس لیے یہودیوں کو اُنھیں گرفتار کرنے کے لیے یہوداہ منافق کا سہارا لینا پڑا تھا۔

(۲) حضرت عیسیٰؑ کو یہ کمال حاصل تھا کہ وہ اپنی شکل وصورت کو بدل لیا کرتے تھے۔ مثلاً: انجیل میں ہے، "چھ دن بعد یسوعؑ (حضرت عیسیٰؑ) نے پطرس اور یعقوب کو اپنے ساتھ لیا اور اُنھیں ایک اونچے پہاڑ پر لے گئے اور اُن کے سامنے اُن کی صورت بدل گئی اور اُن کا چہرہ سورج کی مانند چمکا۔"

(متی ۱۷: ۱، ۲، لوقا ۹: ۲۹)

(۳) شام اور فلسطین میں حکومت تو رومیوں کی تھی مگر آبادی اسرائیلیوں کی تھی۔ رومیوں کی نگاہ میں سب اسرائیلی ایک ہی شکل کے تھے۔ جیسے ہم لوگوں کو سارے چینی یا سارے گورے ایک ہی شکل کے لگتے ہیں۔

(۴) جب حضرت کو سولی دی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا، شام کا وقت تھا۔ یہودیوں کو جلدی تھی کہ سولی دیں، کیونکہ شام ہی سے اُن کا یومِ سبت شروع ہوجاتا تھا۔ اِس لیے وہ جلدی میں حضرت عیسیٰؑ اور یہوداہ کی شباہت میں تمیز نہ کرسکے اور اپنے ہی آدمی کو سولی دے بیٹھے۔

وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ (۱۵۹) اور اہلِ کتاب میں کوئی بھی ایسا
اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ نہیں کہ جو اُن (عیسیٰ مسیح) کے مرنے
مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ سے پہلے اُن پر ضرور ایمان نہ لے
يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ‏ ۱۵۹ آئے گا۔ اور قیامت کے دن وہ
(عیسیٰ) اُن سب کے خلاف گواہی دیں گے۔

حضرت عیسیٰ قیامت سے قبل نازل ہونگے اور اہلِ کتاب کے خلاف گواہی دیں گے اور امام مہدیؑ کی مدد کریں گے

اِس آیت نے بتا دیا کہ حضرت عیسیٰؑ ابھی زندہ ہیں۔ اُن کی موت بعد میں واقع ہوگی اور جتنے اہلِ کتاب اُس وقت موجود ہوں گے وہ اُن پر ایمان لائیں گے۔ (شاہ ولی اللہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا ص نے فرمایا کہ: "قیامت سے پہلے حضرت عیسےٰؑ نازل ہوں گے اور اُس وقت تمام یہودی حضرت عیسےٰؑ کی تصدیق کریں گے اور تمام عیسائی اُن کی نبوت پر سچا ایمان لائیں گے۔ اور اُن کے خدا ہونے سے انکار کریں گے۔"

(تفسیر صافی ص۲۷ بحوالہ تفسیر قمی بروایت شہر بن اَشب)

(باقی تشریح اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

(پچھلے صفحے کا بقیہ) — یاد رہے کہ اِس آیت میں تمام ضمیریں حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہیں اِس لئے کہ عربی قواعد کے اعتبار سے ضمیر ہمیشہ اُس مرجع کی طرف پھرتی ہے جو قریب ہوتا ہے۔ بصورتِ دیگر اضطراب اور نقص پیدا ہوتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ اِس لیے اِس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت ہے۔ (القرآن المبین)

— شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔ جب دجّال پیدا ہوگا تب اِس جہان میں آکر اُس کو ماریں گے اور یہود و نصاریٰ سب اُن پر ایمان لاویں گے۔ (موضح القرآن)

— مستند احادیث سے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ جب امام مہدیؑ ظاہر ہوں گے، اُسی کے بعد حضرتِ عیسیٰؑ آسمان سے اُتریں گے اور امام مہدیؑ کی مدد فرمائیں گے۔ (بخاری شریف)

— خدا کا فرمانا کہ "حضرت عیسیٰؑ اُن کے خلاف گواہ ہوں گے"۔ لیعنی، اہلِ کتاب نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جو غلط تصوّرات قائم کر رکھے ہیں، حضرت عیسیٰؑ خود اُن کی نفی کریں گے۔ یعنی عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں، خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے باطل ہوجائے گا۔ (جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے) (تفسیر تبیان)

حضرتِ امام محمّد باقر علیہ السّلام نے یہ اُلجھن ہی دور کردی:

شروع شروع میں بہت سے مفسّرین اِس آیت سے یہ سمجھے تھے کہ کوئی اہلِ کتاب ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لائے۔ اِس لیے لوگ

قرآن کی حقانیت پر شک کرنے لگے۔

چنانچہ حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السّلام نے اِس غلط فہمی کو دور کیا۔ اور فرمایا کہ: "یہ ضمیر اہلِ کتاب کی طرف نہیں پھرتی بلکہ حضرت عیسیٰ ؑ کی طرف پھرتی ہے۔ یعنی: "حضرت عیسیٰ (علیہ السّلام) کی موت سے پہلے کوئی ایسا اہلِ کتاب نہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السّلام) کو دل سے نہ مان لے۔ اور یہ اُسی وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ (علیہ السّلام) بظاہر حضرت امام مہدی (علیہ السّلام) کی مدد کرنے کے لیے آسمان سے اُتریں گے۔ حتّٰی کہ مشہور دشمنِ اہلِ بیتؑ حجّاج ابنِ یوسف (لعنہ) جیسے ظالم انسان نے بھی اعتراف کیا کہ:

" امام محمدؐ باقر (علیہ السّلام) کی اِس تفسیر سے میری اُلجھن دور ہوگئی۔

(تفسیر علی ابن ابراہیم)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ؀

(۷۲) یقین جانو کہ وہ لوگ کافر (حق کے منکر) ہوگئے جنھوں نے یہ کہا کہ مریمؑ کے بیٹے مسیحؑ ہی اللہ ہیں جبکہ مسیحؑ نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پالنے والا ہے اور تمھارا بھی پالنے والا ہے۔ بلاشبہ جو بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شرک کریگا اللہ نے اُس پر جنّت کو حرام کردیا ہے اُس کا ٹھکانا جہنّم کی آگ ہے۔ اور ظالموں (یعنی حد سے بڑھنے والوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔

اللہ وحدہٗ کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ

بظاہر تو عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ مسیح کے علاوہ خدا کا انکار تو نہیں کرتے وہ بظاہر حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ: "باپ بیٹا اور روح القدس یہ تینوں خدا ہوتے ہوئے ایک ہیں"۔ قرآن نے بھی صاف صاف یہ نہیں کہا کہ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ ہی بس اللہ ہیں۔ بلکہ قرآن نے یوں کہا کہ: "جنھوں نے یہ کہا (یا)

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ ہی بس اللہ ہیں' وہ کافر ہیں"۔ اس سے یہ مطلب نکلا کہ عیسائیوں کا کوئی فرقہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ مسیح ہی کو خدا سمجھتا ہے۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ذات کے لحاظ سے بھی متحد ہو گیا۔ یعنی دونوں ایک ہو گئے۔ ______ (تبیان ۔ مجمع البیان)

لیکن آج بھی جو معقول عیسائی ہیں وہ ایسے احمقانہ عقیدے کو قبول نہیں کرتے۔ ہبرٹ جزل (لندن) دُنیائے عیسائیت کا ایک بلند پایہ سہ ماہی رسالہ اکتوبر ۱۹۳۴ء نمبر میں لکھتا ہے۔ " ٹھیٹھ مسیحی کے عقیدے میں مسیح تمام تر خدا نہیں' جو عقیدہ عقل سے جتنا دور ہوتا ہے اُسی قدر خوش عقیدگی کے قریب ہوتا ہے۔"

* ______ (ہبرٹ جزل لندن شمارہ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

مفسرین نے نتیجہ نکالا کہ "اس آیت میں صاف رد ہے خدا کے حلول کرنے اور خدا سے اتحاد کرنے کا۔" یعنی خدا کسی دوسرے کے جسم میں داخل نہیں ہوتا اور نہ کسی سے متحد ہوتا ہے۔ یہ بعض جاہل غالی صوفیاء کا عقیدہ ہے۔

* ______ (تھانوی)

موجودہ محرّف مسخ شدہ انجیل بھی ایک خدا کے عقیدے کی تائید کر رہی ہے:

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر۔ اور صرف اُسی کی عبادت کر۔" (متی ۴: ۱۰) (لوقا ۴: ۸)

"یسوعؑ نے اُس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے ؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک' یعنی خدا۔"

* ______ (لوقا ۱۸ : ۱۹)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (۷۳)

وہ لوگ بھی حق کے منکر ہو گئے کہ جنھوں نے کہا: اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ کوئی خدا (معبود) ہے ہی نہیں سوائے ایک اکیلے خدا کے۔ اب بھی اگر یہ اُس بات سے کہ جو یہ کہہ رہے ہیں باز نہ آئیں گے، تو پھر اُن میں سے جو بھی اِس کفر پر قائم رہے گا تو اُس کو بڑی ہی تکلیف دہ سزا دی جائے گی۔

اللہ کی وحدانیت میں عیسائیوں کی تثلیث

یہ عام عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث ہے۔ یعنی اللہؒ، حضرت عیسٰیؑ اور روح القدس یہ تینوں تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ یہ عقیدہ صریحی کفر و شرک ہے۔ انھیں تینوں کو اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں ———————— (تبیان)

شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "نصارٰی میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ ہی تھا جو صورتِ مسیح میں آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں (خدا) تین حصے ہو گیا۔ ایک اللہ رہا، ایک روح القدس، اور ایک مسیح۔ یہ دونوں باتیں صریحی کفر ہیں" ———————— (موضح القرآن)

(مزید وضاحت اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

غرض اِس سے پہلی آیت پہلی قسم کے عیسائیوں کی ردّ تھی اور یہ آیت دوسری قسم کے عیسائیوں کی ردّ ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سرے سے ایسے خدا کا کوئی وجود ہی نہیں جو صفتِ وحدانیت سے متّصف نہ ہو۔ جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔ ———— (کشّاف۔ بحر)

آیت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ اپنے مشرکانہ عقائد سے باز آکر ایک خدا پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ اِس سزا سے محفوظ رہیں گے۔ ———— (معالم۔ بیضاوی۔ تفسیرِ کبیر)

انتباہ: ملکائیہ فرقہ اگرچہ تین کا قائل نہ تھا بلکہ وہ ذاتِ واحد کے تین اقنوم یعنی مظہرِ صفات مانتے تھے لیکن چونکہ اُن کا عقیدہ تین کے اقرار کو مستلزم ہے۔ اس لئے ان کو قائلِ ثلاثہ کہا گیا۔

★ حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السّلام صفات کو عینِ ذاتِ الٰہی مانتے ہوئے فرماتے ہیں "کمالِ توحید و اخلاص یہ ہے کہ اللہ سے صفتوں کی نفی کی جائے کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفات مانے اُس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اُس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مان لیا، اُس نے دوئی پیدا کی، اور جس نے دوئی پیدا کی، اُس نے اُس کے لیے جزء بنا ڈالا اور جو اُس کے لیے اجزاء کا قائل ہوا وہ اُس سے بے خبر رہا، اور جو اُس سے بے خبر رہا، اس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھا اس نے اُس کی حد بندی کر دی، اور جو اُسے محدود سمجھا وہ اُسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا.... الخ"

(مزید تفصیل کے لیے نہج البلاغہ خطبہ ۱ صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۴:۷۴) ۷۴

تو یہ لوگ آخر خدا سے توبہ کیوں نہیں کر لیتے اور اُس سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے؟ کیوں کہ اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

توبہ کی تعریف بزبانِ وحی ترجمان

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "خدا سے استغفار کرنے کے اصل معنی اپنے گناہوں پر شرمندہ ہونا ہے۔" "اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ"

امام غزالی نے لکھا ہے کہ گناہوں اور جرائم کا دھبہ صرف دو ہی چیزوں سے دُھل سکتا ہے (۱) یا جہنم کی آگ اُس دھبے کو مٹا سکتی ہے۔ (۲) یا شرمندگی کے آنسو۔ (احیاء العلوم)

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عَرَقِ انفعال کے

کافر یا مشرک کی توبہ کرنے کے معنی کفر و شرک کے عقیدے کو چھوڑ کر خدا و رسولؐ اور اصولِ دین کو دل سے مان لینا ہے۔ اور ایمان لانے کے بعد اُس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ہے یعنی فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرنا اور گناہوں سے بچتے رہنا۔ اور استغفار کرنے کے معنی اپنے گناہوں پر حقیقی معنی میں شرمندہ ہو کر خدا سے معافی کی درخواست کرنا ہوتا ہے۔ اِس طرح جو کفر و شرک، ظلم و گناہ ماضی میں کیا ہوتا ہے وہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ جس کا حق مارا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا (۷۵) مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں
رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ کہ وہ خدا کے ایک پیغمبر تھے۔ اُن سے
الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ پہلے اور بھی بہت سے پیغمبرؑ گذر چکے
كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ تھے۔ اور اُن کی ماں قول و عمل کی
اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ بڑی سچی (صدّیقہ) تھیں۔ اور وہ دونوں
الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○۵، تو کھانا بھی کھاتے تھے (یعنی فرشتے
نہ تھے بلکہ انسان تھے) دیکھو تو سہی ہم کس کس طرح اُن کے سامنے حقیقت
کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ لوگ کس طرف
اُلٹے ہی پھرے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ صرف ایک پیغمبرِ خدا تھے عیسائیوں کیلئے عبرت کا مقام

اِس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کا صحیح مقام بتایا جا رہا ہے۔ کہ (۱) وہ خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ خدا کے سچے رسولؐ تھے۔ (۲) اُن کی ماں (والدہ) حضرت مریمؑ بڑی باکردار پاکیزہ خاتون تھیں۔ اِس طرح عیسائیوں کے اُن عقائد کی ردّ ہوگئی جو وہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کرتے تھے اور یہودیوں کی اُن بیہودہ باتوں کی ردّ ہوگئی جو وہ حضرت مریمؑ کے بارے میں بکا کرتے تھے۔ (۳) نیز یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ کھانا کھایا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ

وہ خدا نہ تھے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ دونوں بشر تھے۔

* ____________ (فصل الخطاب)

ایک طرف اِس میں ردّ آگیا عیسائیوں کا جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا، خدا کا بیٹا مظہرِ خدا، یا خدا کا اوتار سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف یہودیوں کو بھی ردّ کر دیا جو حضرت عیسیٰؑ کو (معاذ اللہ) ایک چالاک شعبدہ باز جادوگر سمجھتے ہیں۔

* ____________ (ماجدی)

(۴) حضرت عیسیٰؑ کو ابنِ مریمؑ کہہ کر یہ بتا دیا کہ عیسیٰؑ تو ایک فانی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اِس لیے وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔

* ____________ (ماجدی)

حضرت مریمؑ کو صدّیقہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر گناہ سے بہت دور اور خدا کی اطاعت کے کمال (درجے) پر فائز تھیں۔ اِس میں ردّ ہے عیسائیوں کے اُس عقیدے کا، کہ وہ خدا ہیں! اور یہودیوں کا بھی کہ معاذ اللہ وہ بد کردار تھیں۔

* ____________ (تفسیر کبیر)

(۵) جب وہ دونوں کھانا کھاتے تھے تو معلوم ہوا کہ اُن کی زندگی کا دار و مدار کھانے پر تھا پس وہ حادث بھی تھے اور محلِ تغیّر بھی! اِس طرح وہ نفع نقصان بھی پاتے تھے۔ اِس لیے وہ محتاجِ طعام ہوتے ہوئے خدا کے رزق و روزی کے محتاج تھے، پھر وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہ رکھتے تھے بغیر خدا کی اجازت کے۔ کیونکہ قدرتِ مطلقہ صرف خدا کے لیے ہے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۷۶) اُن سے کہیے کہ کیا تم اللہ کو
مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا چھوڑ کر اُس چیز کی بندگی یا پرستش
نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ۷۶، کرتے ہو جو نہ تو تمھیں کوئی نقصان
ہی پہنچا سکتی ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتی ہے؟
اور اللہ تو سب کچھ سُننے والا اور خوب جاننے والا ہے

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبرؐ پر ایمان لاؤ۔ تو اُنھوں نے کہا کہ: ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۱۲ (۱۱۲) جب حواریوں نے کہا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا آپ کا پالنے والا یہ قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اُتار دے؟ تو (عیسیٰؑ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم اللہ کو مانتے ہو۔[1]

حواریوں کی فرمائش پر مائدہ (دسترخوان) کا نزول اور اُن کا انجام۔

[1] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "جناب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ "تم تیس دن روزے رکھو"۔ جب وہ روزے رکھ چکے تو کہنے لگے کہ اگر ہم نے کسی آدمی کا کوئی کام کیا ہوتا تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا۔ ہم نے روزے رکھے اور بھوکے مرے۔ اب آپؑ اللہ سے دعا کیجیے کہ ایک دسترخوان آسمان سے ہم پر اُتار دے۔ چنانچہ فرشتے ایک خوان لے کر آگئے جس میں سات بڑی بڑی روٹیاں تھیں اور سات رکابیاں تھیں۔ وہ سب کے سامنے رکھا گیا اور سب نے کھایا۔

پھر اُن سے کہدیا گیا کہ یہ خوان تمھارے لیے اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ تم اس میں خیانت

نہ کروگے اور کچھ اُٹھا کر نہ چھپاؤ گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو سزا دوں گا۔''

حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: ''پھر ایک دن بھی نہ گزرا کہ اُنھوں نے اُٹھایا بھی اور چھپایا بھی۔''

(تفسیر صافی صفحہ ۱۵۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ یہ دسترخوان چالیس دن تک اُترتا رہا۔ جب تک لوگ کھاتے رہتے بچھا رہتا، جب فارغ ہوجاتے تو بلند ہوجاتا۔ جب تک اُس کی پرچھائیں رہتی لوگ اسے دیکھتے رہتے، یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہوجاتا۔ وہ ایک دن آتا تھا اور دوسرے دن نہ آتا تھا۔

پھر خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ یہ دسترخوان صرف محتاجوں اور فقیروں کے لیے مخصوص کردو۔ امیروں کو نہ دو۔ یہ بات امیروں کو ناگوار گذری۔ اُنھوں نے شکایتیں کیں تو حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی کہ: ''خدایا: اگر تُو انھیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں معاف کردے تو بے شک تُو ہر چیز پر غالب ہے۔ اور گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک کام کرنے والا ہے۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ آدمی جو رات کو اپنی اپنی عورتوں کے پاس سو رہے تھے صبح کو مسخ ہو کر سوّر (خنزیر) بن گئے۔ جو راستوں اور کوڑے کرکٹ پر دوڑتے پھرتے تھے گندگی کھاتے تھے۔ وہ لوگ اسی حالت میں تین دن زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے۔

نتیجہ: اِس آیت سے علّامہ طبرسیؒ نے یہ نتیجہ نکالا کہ کسی پیغمبرؐ یا کسی انسان سے روزی طلب کرنا شرک نہیں ہوتا۔ یہ آیت دلیل ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے رازق ہوتے ہیں۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ: ''خدا تمام رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔'' ثابت کرتا ہے کہ رازق اور بھی ہیں خدا نے خود کو خیر الرّازقین فرمایا ہے۔ (یعنی بہترین روزی دینے والا خدا ہے۔)

(تبیان)

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ۱۱۳

(۱۱۳) اُنھوں نے کہا: "ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اُس (خوان) سے کھانا کھائیں تاکہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آپؑ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے اور ہم اُس پر گواہ بن جائیں۔"

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۱۱۴

(۱۱۴) (اِس پر) مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے دُعا کی: "اے خدا! اے ہمارے پالنے والے! مالک! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دے۔ جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلے پچھلوں کے لیے "عید" قرار پائے۔ اور وہ تیری طرف کی ایک نشانی بھی ہو۔ اور ہمیں رِزق دے اور تُو تو رزق عطا کرنے والوں سب سے بہتر رِزق عطا کرنے والا ہے۔

عیسائیوں کی ناشکری پر قہرِ خداوندی

عیسائیوں کی ناشکرگزاری یہ تھی کہ دسترخوان آتا تھا اور سب لوگ مل جُل کر کھانے کھاتے تھے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ مگر کچھ دن کے بعد مالدار لوگوں نے کہا کہ ہم غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اِس لئے ہمارے لیے الگ خوان آنا چاہیئے۔ اِس کفرِ نعمت پر خدا کا قہر جوش میں آیا اور دسترخوان اُترنا بند ہو گیا۔ اور ایسا کہنے والوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم) (اُن کو سوروں کی شکلوں میں مسخ کیا گیا تھا) - یہ زیادہ صحیح ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۟ ۱۱۵

(۱۱۵) اللہ نے جواب دیا: "بیشک میں اُسے تم پر اُتار دوں گا لیکن اب اس کے بعد بھی جو تم میں سے حق سے انکار کی روش اختیار کریگا، تو پھر یقیناً میں اُس کو ایسی سخت سزا دوں گا جیسی کائنات میں کسی کو بھی نہ دی گئی ہوگی۔"

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۱۱۶

(۱۱۶) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ کہے گا۔ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو؟ تو وہ کہیں گے کہ: "ہر عیب سے پاک ہے تیری ذات، مجھے یہ حق ہی نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو میرے لیے مناسب نہیں ہے۔ اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو آپ کو اُس کا ضرور علم ہوتا۔ آپ تو میرے دل تک کی بات کو جانتے ہیں جبکہ میں آپ کے ذاتی علم کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ تو تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جاننے والے ہیں۔

(آیت ۱۱۶) یہ اس لیے پوچھا گیا کہ عیسائیوں نے گمان کیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے علاوہ معبود بنالو۔ خدا قیامت کے دن عیسائیوں کے سامنے یہ سوال حضرت عیسیٰؑ سے کریگا۔ جس کا جواب حضرت عیسیٰؑ یہ دیں گے جو اوپر آیت میں مذکور ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۰ بحوالہ تفسیر قمی)

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ ۱۱۷

(۱۱۷) میں نے تو اُن سے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی مالک اور پالنے والا ہے اور تمہارا بھی مالک اور پالنے والا ہے میں تو صرف اُسی وقت تک اُن پر گواہ تھا جبتک کہ میں اُن میں تھا جب آپ نے میری مدت پوری کردی تو پھر آپ ہی اُن پر نگراں تھے اور آپ تو ہر چیز پر نگراں ہیں۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي یعنی "پھر جب تُو نے مجھے (آسمان کی طرف) اُٹھالیا۔" یا۔ "پھر جب تُو نے میری مدت پوری کردی" "توفّی" کے اصل معنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے ہوتے ہیں۔ موت بھی وفات کی ایک قسم ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ: "اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت پوری طرح لے لیتا ہے اور جو نہیں مرتے اُن کو نیند کے وقت لے لیتا ہے"۔ (سورۃ الزمر آیت ۴۲)
(تفسیر صافی ص ۱۵۰)

ہ حضرت عیسیٰؑ کا کمالِ ادب اور کمالِ عبدیّت ملاحظہ فرمائیں کہ آپؑ نے پیغام توحید کو بھی اپنی طرف منسوب نہ فرمایا، بلکہ کہا: "میں نے تو وہی کہا تھا جو آپ نے حکم دیا تھا۔"
(تفسیر کبیر)

اصحاب کہف کا قصہ

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ (۹) کیا تم سمجھتے ہو کہ غار والے (اصحابِ کہف)

الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا اور کتبے والے (اصحابِ رقیم) ہماری کوئی

مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ عجیب اور انوکھی نشانیوں میں سے تھے۔؟

پچھلی آیتوں میں دنیا کی زندگی کی حقیقت بتائی گئی، کہ دنیا امتحان لینے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اب اِس آیت میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کر کے اُن لوگوں کا نمونہ بتایا جارہا ہے جو زندگی کے عیش و آرام کو چھوڑ کر ایک غار میں اِس لیے پناہ لے رہے ہیں کہ وہ دنیا کو امتحان گاہ سمجھ کر اصولوں پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ وہ توحید کے عقیدے کی خاطر ہر چیز کو قربان کر رہے ہیں۔ اِس لیے وہ لوگ ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

اُنھوں نے ہر چیز سے منھ موڑ کر اور ہر چیز سے مایوس ہو کر خدا کا رُخ کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ: مالک! ہمیں رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لیے راہِ نجات کھول دے۔

پھر خدا نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کے کانوں پر نیند کے پردے ڈال دیے۔ وہ سالہا سال تک غار میں سوتے رہے۔ پھر خدا نے اُن کو نیند سے اُٹھایا اور اپنی نشانی بھی دکھائی، اور اِس طرح اُنھیں اپنی نشانی بنا دیا۔

* ...... (تفسیر نمونہ)

★ اصحابِ کہف کے معنی غار والے۔ اور "رقیم" کے معنی کتبہ یا اُس تختی کے ہیں جو اصحابِ کہف کے غار کے اوپر لگا دی گئی ہے۔ جس پر اُن کے نام اور مختصر قصہ لکھا ہوا ہے۔

* .... (تاج از ابنِ عباسؓ)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ (۱۰)	جب اُن جوانوں نے غار کی طرف
فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ	پناہ[1] لے کر کہا: "اے ہمارے پالنے والے
رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ	مالک! ہمیں اپنی طرف سے خاص لطف و کرم
اَمْرِنَا رَشَدًا ۱۰	عطا فرما اور ہمارے لیے صحیح راستے پر قائم رہنے کا سامان کردے۔
فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى (۱۱)	تو ہم نے اُن کے کانوں پر اسی غار
الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۱۱	میں گنتی کے کچھ سالوں کے لیے پردے[2] ڈال دیے۔
ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ (۱۲)	پھر ہم نے اُن کو اٹھایا' تاکہ ہم
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا	دیکھیں کہ (اُن کے) دونوں گروہوں
لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۱۲ ع	میں سے کون ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت تک سوتا رہا۔

---

[1] نتیجہ | فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ جب جان کا خوف ہو تو امکانی حد تک ضرور کوشش کرے کہ اپنا دین سلامت لے کر ہجرت کر جائے۔ *.... (جصّاص)

[2] کانوں پر پردے ڈالنے سے مراد نیند کا غالب کر دینا ہے۔ کیونکہ نیند میں انسان کچھ سن نہیں سکتا۔ اس اندازِ بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف پر نیند طاری رہی تھی۔ موت اُن کو نہ آئی تھی۔ *.... (تفسیر ماجدی)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (۱۳) ہم آپؐ کے سامنے اُن کا قصہ

نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ بالکل ٹھیک حقیقت کے عین

فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ مطابق بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ

زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ ۱۳ ہے کہ وہ چند جوان تھے جو اپنے پالنے

والے مالک کو مانتے تھے (اس لئے) ہم نے بھی اُن کی ہدایت میں ترقّی بخشی۔

لہ خداوندِ عالم نے اصحابِ کہف کو "فِتْيَةٌ" کہا ہے۔ جو فَتٰی کی جمع ہے۔ جس کے معنی "جواں مرد" ہوتے ہیں لیکن یہ لفظ کبھی کبھی سن رسیدہ لوگوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو جواں مردی کے ساتھ حق پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اور شجاعت کا مظاہرہ کریں۔ * .... (تفسیر نمونہ)

"فتٰی" کے معنی: نوجوان۔ سخی۔ غلام۔ اس کا تثنیہ فتوانِ و فِتْيَانِ۔ اس کی جمع فِتْيَانٌ فِتْيَةٌ و فِتْوَةٌ و فُتُوٌّ و فُتِيٌّ و فِتِيٌّ۔ * .... (المنجد اردو ترجمہ ص۲۹)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا: "فتٰی" کس کو کہتے ہیں؟

صحابی نے عرض کی: نوجوان کو کہتے ہیں۔

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اصحابِ کہف پکی عمر کے لوگ تھے؟ مگر خدا نے اُن کو نوجوان (دیا) جواں مرد کہا۔ یہ اس لیے کہ وہ خدا کو دل سے ماننے والے تھے۔ اس لیے جو شخص بھی خدا کو دل سے مانتا ہو اور خدا کی ناراضگی سے عملاً بچتا ہو (یعنی تقوٰی اختیار کیے رہے) وہ "فتٰی" یعنی جواں مرد ہے۔" (روضۃ الکافی، تفسیر نمونہ، تفسیر نور الثقلین جلد ۳ ص۲۴۴)

★ غرض خداوندِ عالم نے اصحابِ کہف کو "فتیٰ" "جواں مرد" اُن کی جرأت، عزم، استقلال، عزّتِ نفس، شجاعت، شرافت اور ہمّتِ مردانہ کی وجہ سے کہا۔
★..... (مجمع البیان)

★ جس طرح حضرت جبریلؑ نے جنگِ اُحد کے میدان میں حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام کے فرمایا تھا:

"لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار"

(یعنی:) "علیؑ کے سوا کوئی جواں مرد نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں"
★..... (فصل الخطاب)

★ اسی لیے علماء نے کہا: "راس الفتوۃ الایمان"
یعنی: "جواں مردی یہ ہے کہ خدا کو دل سے مانا جائے۔"
★..... (تفسیر نمونہ)

★ عرفاء نے لکھا کہ خدا نے اصحابِ کہف کو جواں مرد اس لیے کہا کہ انھیں تقلیدی ایمان کے بجائے تحقیقی ایمان نصیب ہوا اور اس طرح تحقیق کرنے کے بعد خدا نے اُنھیں بغیر واسطہ ہدایت عطا فرمائی۔

★ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "خدا نے فرمایا ہے:"
"جو ایک بالشت میرے قریب ہونا چاہتا ہے، میں ایک ہاتھ برابر اُس کے قریب ہو جاتا ہوں۔"
★..... (تاویلات نجمیہ، روح البیان)

★ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: "وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا"
یعنی: "اور جو لوگ ہمارے بارے میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور اُن کو اپنے راستے کی ہدایت دیتے ہیں۔" (سورۃ العنکبوت ۲۹ آیت ۶۹)

وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (۱۴) اور اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ — یہاں تک کہ اُنھوں نے کھڑے ہو کر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ — اعلان کر دیا کہ ہمارا پالنے والا مالک تو وہ ہے

نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا — جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم تو

لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۱۴ — اُس کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکاریں گے۔

اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بیجا اور بیہودہ بکواس ہوگی۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا (۱۵) یہ ہماری قوم والوں نے تو اُس (خدا)

مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ — کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لیے ہیں۔ تو

لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ — یہ لوگ اُن کے معبود ہونے پر کوئی

بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ — واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ آخر

افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۱۵ — اُس شخص سے بڑا حد سے بڑھ جانے

والا (ظالم) اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا (۱۶) — اب جب کہ تم نے اُن سے اور

یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا — اُن کے اُن جھوٹے خداوں سے علیحدگی

اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ — اختیار کر ہی لی ہے، جن کی وہ خدا

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ — کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہیں، تو چلو اب

لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ ۱۶ — فلاں غار میں پناہ لو تمہارا پالنے والا

مالک اپنی رحمت کو تم پر پھیلائے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام کی بہتری اور فائدے کا سامان کرے گا۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ (۱۷) — آپ اُنھیں غار میں دیکھتے تو

تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ — (ایسا معلوم ہوتا کہ) جب سورج نکلتا ہے

الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ — تو اُن کے غار سے داہنی طرف مڑ جاتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ — اور جب ڈوبتا ہے تو اُن کے غار سے بائیں

وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ — طرف کترا کر اُتر جاتا ہے اور وہ غار کے

ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ — اندر اُس کے ایک وسیع حصے میں ہیں

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ ۱۷

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت کردے، وہ ہدایت پائے ہوئے ہوگا، اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے (یا) گمراہ قرار دے دے، تو پھر تم اُس کا کوئی مددگار، دوست، یا سرپرست نہ پاؤ گے، جو اُسے سیدھا راستہ بتانے والا ہو۔

ایمان اور امدادِ الٰہی [1]

اِس آیت [16] سے اور قرآن کی دوسری بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ اگر انسان خدا کی راہ میں پہلا قدم اُٹھاتا ہے تو خدا کی طرف سے اُس کی امداد اُس کو سہارا دینے کے لیے لپکتی ہے۔ مثلاً اصحابِ کہف ہی کے بارے میں خدا نے فرمایا

"وہ ایسے جواں مرد تھے کہ جو دل سے (ہمیں) مانتے تھے (اِس لیے) ہم نے اُن کی ہدایت کی (یا ہدایت بخشی)" (القرآن)

پھر خدا اِسی بات کو ایک فارمولے کی شکل میں بیان فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝" (سورۃ ۲۹ عنکبوت آیت ۶۹)

(یعنی) "اور جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم خود اُن کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اور بےشک اللہ تو احسان کرنے والوں (یا نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے۔"

نیز فرمایا: "اور جو ہدایت کے راستے پر چلے، اللہ اُن کی ہدایت میں اور اضافہ کرتا ہے۔ اور اُن کو پرہیزگاری کی توفیق عطا کرتا ہے۔" (سورۃ ۴۷ محمد آیت ۱۷)

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ (۱۸)	اور تم اُنھیں جاگتا ہوا سمجھو گے حالانکہ
رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ	وہ سو رہے ہیں۔ اور ہم اُنھیں دائیں اور
الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ	بائیں کروٹ بدلواتے رہتے۔ اور اُن کا
وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ	کُتا غار کے منھ پر بازو پھیلائے ہوئے
بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ	بیٹھا ہے۔ اگر تم اُنھیں جھانک کر دیکھ
عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ	لو تو پیٹھ پھیر پھیر کر اُن کے پاس سے بھاگ
فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ	کھڑے ہو، اور تمھارے دلوں میں اُن کا
رُعْبًا ○ ۱۸	رُعب داب اور دہشت بیٹھ جائے۔

اصحابِ کہف اور اُن کا کتا

فرزندِ رسولؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ اصحابِ کہف والرّقیم ایک جابر و ظالم بادشاہ کی حکومت میں رہتے تھے جو اپنی رعایا کو بُت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ جو انکار کرتا تھا اُس کو قتل کر دیتا تھا۔ جبکہ یہ چند جوان تھے جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ایک دن مجبوراً شکار کے بہانے سے یہ لوگ شہر سے باہر نکلے۔ راستے میں اُنھیں ایک چرواہا ملا، جسے اُنھوں نے اپنے ساتھ لے لینا چاہا تو وہ ساتھ ہوا اور اس کا کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ جوان

ایک غار میں جاکر سوئے تو یہ کتا اُس غار کے دروازے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے سو گیا۔

نیز حضرت امامؑ نے فرمایا کہ "جنت میں تین جانوروں کے سوا کوئی جانور داخل نہ ہو گا۔

(۱) بلعم باعور کا گدھا (۲) حضرت یوسفؑ والا بھیڑیا جس نے حضرت یعقوبؑ کو بتایا تھا کہ میں نے حضرت یوسفؑ کو نہیں کھایا۔ (۳) اصحابِ کہف کا کتا۔ (تفسیر صافی ملا۲)

★ اصحاب کہف کے نام: مکسلمینا۔ تملیخا۔ مرطوس۔ نینوس۔ ساریونس، دربونس اور کشوطبنونس (چرواہا) ★.... (تفسیر مجمع البیان) بحوالہ تفسیر انوار النجف)

★ اصحاب کہف کے کتے کا نام "قطمیر" تھا۔ اور اس کا رنگ ابلق (سیاہ و سفید) تھا۔ ★---- (تفسیر انوار النجف)

★ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:

" اصحابِ کہف چھ افراد تھے۔ دقیانوس بادشاہ نے اُن کو اپنا وزیر بنا رکھا تھا۔ ایک دفعہ فوجی کمانڈر نے اُسے بتایا کہ ایران کا لشکر اُس کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ کانپنے لگا اور اُس کے سر کا تاج زمین پر گر گیا۔ اس کے وزیر تملیخا نے دل میں سوچا کہ بادشاہ کا دعوٰیٔ خدائی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اس کے اوپر دوسرے بادشاہ کے حملے کا خوف طاری ہے پھر یہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے دیگر وزیر تملیخا کے گھر جمع ہوتے۔ تملیخا نے اُن سے کہا کہ: میں نے اس بلند آسمان پر بہت غور کیا کہ یہ بے ستونوں کے کیسے قائم ہے ؟... میں نے زمین کی طرف دیکھا اور اپنے آپ سے پوچھا کہ کس نے اسے پانی سے باہر نکالا اور پھیلایا ہے ؟ غرض میں نے ہر شئے پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ضرور کوئی عظیم المرتبت طاقت ہے جو یہ سب نظام چلا رہا ہے اور وہ دقیانوس نہیں ہو سکتا۔ سب وزیروں نے تملیخا کی تائید کی اور اس شہر سے بادشاہ کے خوف سے نکل کھڑے ہوئے۔ دورانِ راہ ایک چرواہا ملا، وہ ہم خیال ہو کر اُن کے ہمراہ چلا۔ اُس کا کتا بھی اُن کے ہمراہ چل دیا۔ پھر یہ سب پہاڑ کی ایک غار میں جا چھپے۔ اور خدا نے ان پر موت جیسی نیند طاری کر دی۔ کتا غار کے دہانے پر بیٹھ گیا۔

(سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۳۸۲)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

(۱۹) اور (ایک دفعہ) یوں ہی ہم نے انھیں اٹھا کر بٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں سوال جواب کریں۔ تو اُن میں سے ایک نے پوچھا: "کہو، اس حال میں تم کتنے دن رہے ؟" تو دوسروں نے کہا: "دن بھر یا دن کا کچھ حصّہ"۔ تو پوچھنے والوں نے کہا: "تمھارا پالنے والا مالک ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنا رہے ؟ اچھا تو اب اپنے ایک ساتھی کو چاندی کا ایک سکّہ دے کر شہر بھیجو اور وہ یہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کون سا ہے۔ ؟ پھر وہاں سے وہ تمھارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔ اور لازم ہے کہ وہ ذرا ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے محتاط اور مناسب رویّہ اختیار کرے، اور کسی ایک کو بھی تمھاری خبر نہ ہونے دے۔

"وَلْيَتَلَطَّفْ" تعدادِ حروف کے لحاظ سے مشہور ہے کہ یہ لفظ (وَلْيَتَلَطَّفْ) قرآن مجید کا نصف ہے۔ اس لفظ کے حرفِ "تا" تک پہلا نصف ختم اور "لام" سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔ ✽۔ (تفسیر انوار النجف)

اصحابِ کہف ۳۰۹ سال کے بعد بیدار ہوئے تو

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "بیدار ہوتے ہی انھیں بھوک محسوس ہوئی اور ایک آدمی کو کھانا لانے کے لیے بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ تملیخا نے کہا میرے سوا کوئی نہ جائے۔ چرواہے سے کہا کہ تم اپنا لباس مجھے دے دو، تاکہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ پس لباس تبدیل کر کے تملیخا شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ تو اُن کو شہر کا سب کچھ نیا معلوم ہوا۔ نہ وہ نشانیاں تھیں، نہ وہ راستے تھے۔ جب شہر کے باہر پہنچے تو سبز رنگ کا علم لہراتے ہوئے دیکھا جس پر زرد رنگ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِيسٰى رَسُولُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا۔ پس پھریرے کو آنکھوں سے لگایا اور دریائے حیرت میں ڈوب گئے۔ خیال کیا کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ غرض بازار میں ایک نانبائی کی دکان پر جا پہنچے۔ اُس سے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا کہ اس شہر کا نام "افسوس" ہے۔ پھر پوچھا کہ یہاں کے بادشاہ کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا کہ "عبدالرحمٰن"۔ پھر کہنے لگے کہ اے بھائی! میرے جسم کو جھنجوڑو، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ نانبائی نے حیرت سے کہا: تم کیسے انسان ہو؟ مجھ سے باتیں بھی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ میں نیند میں ہوں۔

اب تملیخا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جیب سے ایک درہم نکال کر دکاندار کو دیا اور اُس سے روٹیاں طلب کیں۔ نانبائی نے اُس درہم کو دیکھتے ہی حیرت سے کہا: بھلے آدمی یہ تو بتاؤ کہ کیا تمھیں پرانے زمانے کا کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ تملیخا نے جواب دیا: اے برادر! پرسوں میں نے اپنی کھجوریں بیچ کر یہ درہم لیا تھا اور شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کیونکہ شہر والے دقیانوس کو معبود مان کر اُس کی پوجا کرتے تھے اور میں خدائے حقیقی کی عبادت کرتا تھا

دکاندار یہ سن کر بگڑ گیا اور غصہ میں آکر بولا کہ جو خزانہ تم کو ملا ہے یا تو اُس میں سے مجھے بھی کچھ حصہ دیدو ورنہ میں تم کو گرفتار کرا کر بادشاہ کے پاس بھجوا دوں گا، تم ایک ایسے شرابی بادشاہ کے زمانے کا ذکر کرتے ہو جو ربوبیت کا دعویدار تھا جس کو مرے ہوئے تین سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ چنانچہ بات بڑھ گئی اور وہ دکاندار اُس کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں لے گیا۔ اُس کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے نہایت نرمی اور متانت سے کہا کہ اے جوان! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ نے خزانوں سے خمس وصول کرنے کا حکم دیا ہے پس تم بھی اُس خزانے سے جو تم کو ملا ہے خمس ادا کر دو، باقی تم خود استعمال کرو۔ یہ سن کر تملیخا کا حوصلہ بڑھا: کہنے لگا: اے بادشاہ! سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے کوئی خزانہ نہیں ملا، اور میں مسافر بھی نہیں ہوں، بلکہ اسی شہر کا باشندہ ہوں۔ بادشاہ نے کہا، اگر تم اس کے باشندہ ہو تو اپنے واقف کاروں کے نام بتاؤ۔ تملیخا نے تقریباً ہزار نام گنوا دیے لیکن اُن میں سے کسی ایک کو بھی بادشاہ نہ جانتا تھا۔ اُس نے کہا کہ ان ناموں کے لوگ یہاں نہیں ہیں اچھا تم اپنا گھر دکھاؤ۔ چنانچہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ چل دیا۔ تملیخا ایک بڑی عمارت کے پاس جا کر ٹھہرا اور کہا یہی میرا گھر ہے۔ چنانچہ دق الباب کیا تو گھر میں سے ایک بہت بوڑھا شخص نکل آیا۔ بادشاہ نے کہا اے شخص! یہ جوان کہتا ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔ بوڑھے نے پوچھا اے جوان! تمہارا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا تملیخا بن قسطنطین پس بوڑھا یہ کہہ کر اُس کے قدموں میں گر پڑا، کہ یہ میرے دادا ہیں۔ بادشاہ بھی اُس کی تعظیم کے لیے گھوڑے سے اُتر پڑا اور بولا کہ یہ جوان اُن چھ افراد میں سے ایک ہے جو دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر روپوش ہو گئے تھے۔ پھر اُس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کا پتہ بتایا۔ بادشاہ اُس کو لیکر غار کی طرف چل دیا۔

جب بادشاہ تملیخا کی نشاندہی پر غار کے دہانے پر پہنچا تو اُن سے خطاب کرنا چاہا لیکن وہ نہ بولے۔ تملیخا بھی دوبارہ غار میں داخل ہو گیا۔ اور پھر سب کے سب مر کر سو گئے۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ پھر بادشاہ اور اُس کے ساتھیوں نے نشاندہی کے لیے وہاں مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔

★ - - - - (تفسیر انوار النجف)

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ (۲۰) یقیناً اگر وہ تم پر قابو پا گئے تو تم کو يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ سنگسار کر کے چھوڑیں گے، یا پھر تمہیں مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اپنے مذہب پر واپس لے آئیں گے۔ اور اَبَدًا ۝۲۰ ایسا ہو گیا تو پھر تم کبھی ہرگز حقیقی، ابدی اور بھرپور کامیابی حاصل نہ کر سکو گے۔"

اصحابِ کہف کے قصّے کے نتائج واسباق

(۱) ہمیں دقیانوسی پرانے نظریات کی اندھی نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر بات کو بغیر تحقیق کیے درست نہیں مان لینا چاہیے۔

(۲) فاسد اور خراب ماحول کے خلاف عملی اقدام کرنا ضروری ہے اور باطل کی مخالفت جوانمردی ہے

(۳) اگر ماحول کو ٹھیک کرنے کی طاقت نہ ہو تو خراب ماحول سے ہجرت کر لینی چاہیئے۔

(۴) ایمان اور توحید کی حفاظت کے لیے مال واولاد اور اقتدار کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

(۵) ظلم وجور کفر و شرک کا ساتھ کسی قیمت پر نہیں دینا چاہیئے۔

(۶) وقتِ ضرورت تقیّہ کرنا چاہیے، اپنی جان خواہ مخواہ نہ گنوانی چاہیئے۔

(۷) راہِ خدا ہی سب انسانوں کے لیے مساوات کی راہ ہے، مادّی عہدے کوئی چیز نہیں ہیں۔

(۸) خدا کی راہ پر چلنے والوں کی مشکلوں میں خدا معجزانہ طور پر اُن کی غیبی مدد کرتا ہے۔

(۹) خدا پر بھروسہ کرنا تمام کامیابیوں کی چابی ہے۔

(۱۰) اس واقعہ سے معادِ جسمانی کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔..... (ملخص از تفسیر نمونہ)

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ (۲۱) اور اس طرح ہم نے اُن کو (شہر والوں کو

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اور خود اُن کو اُن کا حقیقی حال) بتا دیا، تاکہ

وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ اُنھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا

فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ ہے، اور یہ بھی کہ قیامت کے آنے میں کوئی

اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ شک نہیں ہے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو

بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ کہ جب وہ لوگ آپس میں اصحابِ کہف کے

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي معاملہ میں بحث مباحثہ اور جھگڑا کر رہے

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ تھے۔ کچھ نے تو کہا کہ اِن (کے غار کے منھ) پر

مَّسْجِدًا ۝۲۱ ایک دیوار چُن دو۔ (کیونکہ) خود اُن کا پالنے

والا مالک ہی اُن کا حال خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر جو لوگ اُن کے معاملات

پر غالب آئے، اُنھوں نے کہا کہ ہم تو اِن (کے غار) پر ایک مسجد بنائیں گے۔

قبر پر عمارت بنانا جائز ہے فقہاء نے آیت کے آخری الفاظ سے نتیجہ نکالا کہ اللہ کے خاص بندوں کی قبروں پر بطور یادگار کوئی عمارت یا مسجد بنانا جائز ہے۔ ... (فصل الخطاب)

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۙ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۞ ۲۲

(۲۲) اب عنقریب کچھ لوگ تو یہ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے، جن کا چوتھا کتّا تھا۔ اور کچھ دوسرے لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ آدمی تھے، جن کا چھٹا کتّا تھا۔ یہ سب الٹکل پچّو غیب کی چھپی ہوئی باتیں بتانے کے طور پر ہانک رہے ہیں جبکہ کچھ اور لوگ یہ کہیں گے کہ وہ سات آدمی تھے، اور اُن کا آٹھواں کتّا تھا۔ آپؐ فرمادیں کہ "میرا پالنے والا مالک ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے آدمی تھے۔ اُن کی تعداد سوائے چند آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا۔" تو آپؐ اُن کے بارے میں اُن لوگوں سے بحث مباحثہ نہ فرمائیں، سوا اُس بحث کے جو بالکل صاف ہو، اور اُن (اصحاب کہف) کے بارے میں اُن لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی کچھ نہ پوچھیں۔

لہ "رَجْمًا بِالْغَيْبِ" کے معنی بغیر سوچے سمجھے منہ سے بات نکال دینے کے ہوتے ہیں۔ رجم کے معنی پتھروں سے مارنا ہوتا ہے یا پتھر مار مار کر قتل کرنا، لعنت کرنا، بُرا بھلا کہنا، پھٹکارنا، دھتکارنا بھی ہوتا ہے۔
* ---- (لغات القرآن نعمانی جلد ۳ صہ ۶۲)

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ (۲۳) اور کسی چیز کے بارے میں کبھی کبھی یہ

فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ ۲۳ نہ کہا کیجیے کہ کل میں یہ کام کر دوں گا۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ (۲۴) مگر (اِس شرط کے ساتھ کہا کیجیے) اگر

رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ اللہ چاہے گا۔ اور اگر (بروقت یہ کہنا)

عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ بھول جائیں تو فوراً اپنے مالک کو یاد

لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۲۴ کر لیجیے اور دعا کیجیے کہ "اُمید ہے کہ

میرا پالنے والا مالک میری اس معاملہ میں اور بھی زیادہ صحیح طریقۂ کار کی ہدایت فرمائے۔

"انشاء اللہ" کہنے کی ہدایت

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "اگر کوئی شخص آئندہ کے بارے میں کوئی بات کہے اور انشاء اللہ نہ کہے تو خدا اُسے اُس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور اُس سے اپنی حمایت کو اُٹھا لیتا ہے۔" *... (تفسیر نور الثقلین جلد ۳ صفحہ ۲۵۲)

★ حضرت امام جعفر صادق ؑ نے اپنے منشی کو خط لکھنے کا حکم دیا۔ جب خط پیش کیا گیا تو اُس میں کہیں "انشاء اللہ" نہیں لکھا گیا تھا۔ حضرت امام ؑ نے فرمایا: "تمہیں ان کاموں کے انجام پانے کی اُمید کیسے ہوئی جبکہ اس میں تم نے انشاء اللہ کہیں نہیں لکھا؟ دیکھو! اس میں جہاں جہاں آئندہ کی بات کہی گئی ہے وہاں وہاں انشاء اللہ لکھو۔" پھر فرمایا: "اگر کسی بات کو سال بھر پہلے بغیر انشاء اللہ کے کہا تھا تو یاد آنے پر انشاء اللہ کہہ کر اُس کی تلافی کر لو۔" *... (نور الثقلین جلد ۳ صفحہ ۲۵۴)

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلی وحی کا آنا اور ابو جہل کا ستانا

آیاتُها ۱۹ | سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوعُها ۱

خون کے جمے ہوئے ایک ٹکڑے کے ذکر والی سورۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ ①

(۱) (اے نبیؐ!) آپؐ اپنے پالنے والے مالک کے نام کے سہارے سے پڑھیئے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔

تفسیرِ اہلِ بیتؑ

فرزندِ رسولِؐ خدا حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"یہ سب سے پہلی سورۃ ہے جو نازل کی گئی۔ جب جبرئیلؑ اس سورۃ کو جنابِ رسولِ خداؐ کی خدمت میں لائے تو فرمایا: "اے محمدؐ!: اِقْرَاْ: پڑھیئے۔" آپؐ نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ پھر یہ آیت پڑھی: "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ"

★ یہاں "خَلَقَ" پیدا کرنے سے اولین مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نور کو سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا۔ (تفسیر ملانی تعلیقی)

★ روایت میں ہے کہ جب جناب رسولِ خداؐ کی عمر چالیس سال ہوگئی اور آپؐ غارِ حرا میں خدا کی عبادت فرما رہے تھے تو آپؐ نے ایک آواز سُنی، جبکہ بولنے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ دوسرے دن حضرت جبرئیلؑ بہت ہی خوبصورت شکل میں دکھائی دیئے اور آپؐ کو خداوندِ عالم کا سلام پہنچایا، اور فرمایا کہ خداوندِ عالم نے آپؐ کو تبلیغِ دین کا حکم دیا ہے، اور آپؐ کو جنوں اور انسانوں پر اپنا رسولؐ بنایا ہے۔

پھر جبرئیلؑ نے زمین پر اپنا پر مارا۔ جس سے میٹھے پانی کا چشمہ نمودار ہوا۔ آپؐ نے پانی پیا، اور وضو فرمایا۔ پھر جبرئیلؑ نے سورۃ العلق کی آیات پڑھیں، اور واپس چلے گئے۔ جب آپؐ غارِ حرا سے واپس گھر تشریف لا رہے تھے تو راستے میں ہر درخت اور ہر پتھر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہکر آپؐ کا استقبال کرتا۔ جب آپؐ نے یہ واقعہ حضرت خدیجہؑ کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔

جب ورقہ بن نوفل (جناب خدیجہؑ کے چچا) کو آپؐ نے یہ آیات اور سورۃ الحمد پڑھ کر سنائیں تو وہ سنتے ہی ایمان لے آئے اور کہنے لگے کہ آپؐ یقیناً وہی نبیؐ ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسٰیؑ نے دی تھی۔ اور آپؐ حضرت موسٰیؑ کی طرح صاحبِ شریعت ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو ضرور آپؐ کی مدد کروں گا۔"
مگر اُن کا انتقال ہوگیا، اور حضورِ اکرمؐ نے اُن کو جنت کے باغات میں دیکھا۔ (سبحان اللہ)

★ (تفسیر انوار النجف) ★

تفسیر اہلِ سنّت

یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی کریمؐ پر اُتری، جب آپؐ غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا: پڑھ! آپؐ نے فرمایا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" پھر فرشتے نے آپؐ کو پکڑ کر زور سے بھینچا (دبایا) اور کہا: "اب تو پڑھ"۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ فرشتے نے آپؐ کو بھینچا۔ ★ (صحیح بخاری باب بدء الوحی، مسلم باب بدء الوحی)

★ جناب رسولِ خداؐ نے حضرت خدیجہؑ سے فرمایا کہ جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔"

جناب خدیجہؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم! آپؐ امانتدار، ایماندار انسان ہیں، لوگوں پر رحم کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس لیے خدا آپؐ کے ساتھ خیر کے سوا کچھ نہیں کرے گا۔" ★ (تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۱۲ از علامہ طبرسیؒ) ★

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ جس نے جمے ہوئے خون کے ایک ٹکڑے سے انسان کو پیدا کر دیا۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ پڑھیے، کہ آپؐ کا پالنے والا مالک بڑے فضل و کرم والا ہے،

الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا،

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ (بالکل) جانتا تک نہ تھا۔

آیتؐ میں "عَلَقَ" فرمایا: انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ یہ انسان کی وہ ابتدائی حالت ہے جو حمل قرار پانے کے بعد پہلے چند دنوں میں ہوتی ہے، پھر وہ گوشت کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ پھر بتدریج انسان کی شکل بنتی چلی جاتی ہے۔ یہ خداوندِ قدیر کی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ کی دلیل ہے کہ اتنی حقیر و ذلیل اور نجس چیز سے بننے والے انسان کو صاحبِ علم اور صاحبِ قلم بنایا۔

(سبحان اللہ) * (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان) *

* "علق" وہ حالت ہے جو نطفہ قرار پانے کے بعد دوسری منزل میں ظاہر ہوتی ہے، اس کے بعد مضغہ بنتا ہے۔ قرآن نے انسان کی پہلی شکل کو کبھی نطفہ فرمایا، کبھی "ماءٍ مھین" حقیر پانی فرمایا علق، نطفہ اور مضغہ کی درمیانی شکل کا نام ہے۔ یہ تینوں حالتیں انسان کے اندر روح داخل ہونے سے پہلے کی ہیں۔ * (فصل الخطاب) *

آیت ۴ میں فرمایا: "جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔" اِس سے معلوم ہوا کہ آپؐ لکھنا جانتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ آپؐ مصلحتاً لکھتے نہ تھے۔

* (تفسیر انوار النجف) *

قلم کے فوائد (۱) قلم سے علم محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۲) قلم کے ذریعہ علم کی اشاعت ہوتی ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل کتابوں کے ذریعہ علم سیکھ لیتی ہے۔ اور اِس طرح ترقّی کی راہیں کھلتی اور منکشف ہوتی رہتی ہیں۔

* (تفسیر کبیر۔ تفہیم) *

نتائج و تعلیمات جنابِ رسولِ خداؐ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی، اُس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پہلی وحی میں تلوار کا ذکر ہوتا، مگر قلم کا ذکر سب سے پہلے ہونا، اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہمارے رسولؐ دنیا میں علم اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے تشریف لائے تھے، جنگ کرنے کے لیے نہیں، بلکہ امن پھیلانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

* اب یہ کہنا کہ اسلام خوں ریزی کا دین ہے، یہ سراسر تہمت ہے مسلمانوں کا عمل، رسولؐ کا عمل یا اسلام نہیں کہلایا جا سکتا۔

* یہ کہ انسان کو جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ خدا کی دین و عطا سے ہوتا ہے۔ خدا جتنا چاہتا ہے ہمیں علم عطا فرماتا ہے۔ اس لیے وہ چاہے ہم سے علم کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ علم پر تکبر سب سے بڑی جہالت ہے۔

* (فصل الخطاب) *

كَلَّآ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَيَطْغَىٰٓ ﴿٦﴾ (۶) ہرگز نہیں (یعنی انسان کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ) انسان سرکشی کرتا ہے

أَن رَّءَاهُ ٱسْتَغْنَىٰٓ ﴿٧﴾ وہ بھی اِس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو خدا سے بے نیاز سمجھتا ہے۔ (مال و اولاد، عزّت پاکر بھی خدا کی عطا کا منکر ہے)

" کَلَّا " یعنی ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ جس خدا نے انسان پر اتنے بہت سے کرم فرمائے ہیں، وہی انسان اپنے خالق و مالک کے مقابلے پر جہالت کا مظاہرہ کر کے سرکشی پر اُتر آئے اور خود کو اپنے مالک سے بے نیاز سمجھے جبکہ اُس کو اُسی اپنے مالک کی طرف واپس پلٹ کر بھی جانا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا طرزِ فکر و عمل ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ جب اُسے مال و دولت عزت و اولاد مل جائے تو وہ بجائے شکرگزار ہونے کے، دینے والے مالک کے مقابلے پر سرکشی اور بغاوت پر اُتر آئے اور اُس کی مرضی کے خلاف چلے اور بندگی کی حدیں توڑ ڈالے۔ بالآخر اُسے اپنے خالق و مالک کے سامنے واپس جا کر کھڑا ہونا ہے، تب اُسے سرکشی اور تکبر کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

* (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ) *

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ حالاں کہ اُسے لازمی طور پر آپؐ کے پالنے والے مالک ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ تو کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جو روکتا ٹوکتا اور منع کرتا ہے،

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ خدا کے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر وہ (نماز پڑھنے والا بندہ) سیدھے اور صحیح راستے پر ہے،

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اور وہ لوگوں کو تقویٰ (یعنی) خدا سے ڈرنے اور بُرائیوں سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔

آیت ۸ تا ۱۲ : مطلب یہ ہے کہ آدمی کی حقیقت تو صرف اتنی سی ہے کہ وہ جمے ہوئے نجس خون سے بنا، اور وہ جاہلِ محض تھا، پھر خدا نے اس کو علم دیا، پھر مال و دولت، اولاد دی تو مغرور ہو گیا اور اپنی حقیقت کو بھول بیٹھا اور سرکش ہو گیا، جبکہ اوّل بھی خدا ہی نے اُسے پیدا کیا ہے اور آخر کار اُسے خدا ہی کے پاس جانا ہے، اُس وقت تکبّر اور خدا فراموشی کی پول کھلے گی۔

ذرا اِس انسان کی سرکشی کی انتہا تو دیکھو کہ اُسے خود تو خدا کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں ہے، کوئی دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے جھکتا ہے تو اُسے بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ابوجہل جیسوں کی طرف اشارہ ہے جب رسولِ خداؐ نماز پڑھا کرتے تھے تو ابوجہل سخت چڑتا تھا، اور آپؐ کو دھمکیاں دیتا تھا اور بڑا اکڑتا تھا۔

آخر میں فرمایا: اگر یہ احمق نیک راہ پر ہوتا تو لوگوں کو بھلے کام سکھاتا تو کیا اچھا ہوتا، اب جو اُس نے ہم سے منھ موڑا تو ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنے کو تباہ کیا۔

* (شیخ الاسلام عثمانی۔ تفسیر روح البیان) *

* اگرچہ آیت میں یہاں پر انسان سے خاص مراد ابوجہل ہے، مگر مسلّم طور پر یہاں انسان ایک مفہومِ کلّی بھی رکھتا ہے یعنی ابوجہل جیسے تمام احمق اِس میں شامل ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ "اے احمقو! یہ بھی سمجھ لینا کہ تمھیں لوٹنا بھی خدا کی طرف ہے،" یہ حقیقتاً بہت ہی سخت تنبیہ (Warning) ہے صاحبانِ عقل کے لیے۔

ے پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر ؛ مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر (اقبال)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ نماز سے روکنے والا (ابوجہل) جو حق کو جھٹلاتا ہے اور اُس سے اپنا منھ پھیر لیتا ہے (کیا یہ دونوں قسم کے لوگ ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟)

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾ کیا وہ (نماز سے روکنے والا) یہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ ۙ (۱۵) ہرگز نہیں (یعنی ابوجہل جو یہ کہتا ہے

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ (۱۵) کہ جب رسولؐ نماز پڑھیں گے تو میں اُن کی گردن اپنے پاؤں سے دبا دوں گا" یہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا) اگر وہ (اپنی ان بدمعاشیوں سے) باز نہ آیا، تو ہم اُس کے ماتھے کے بال پکڑ کر اُسے گھسیٹیں گے۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ (۱۶) اُس ماتھے کو جو جھوٹا بھی ہے اور خطا کار بھی۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ (۱۷) وہ بُلا لے اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے مجمع کو۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ (۱۸) ہم سخت سزا دینے والے فرشتوں اور دھکے دینے والے چوکیدار بُلائے لیتے ہیں۔

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ (۱۹) ہرگز نہیں یعنی ہم اُسے ہرگز نہ چھوڑیں گے) آپؐ اُس کی بات ہرگز نہ مانیئے گا (اپنے مالک کی بارگاہ میں) سجدہ کیجیے اور اُس کا قرب حاصل کیجیے۔
(سجدۂ واجب ادا کیجیے)

ابوجہل نے جب جناب رسولِ خداؐ کو پہلی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھا تو سخت غصّہ میں آگیا اور جب آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے تو اُس نے چاہا کہ حضور اکرمؐ کی گردن پر پیر رکھ کر دبا دے لیکن جب اِس نیت سے

آگے بڑھا تو فوراً ہانپتا کانپتا واپس بھاگ آیا، اور کہنے لگا میں نے دیکھا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے اور میں نے اُن کے قریب پروں کے پھڑپھڑانے کی آوازیں سُنیں۔" بعد میں حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اگر ابوجہل اور آگے بڑھتا تو ملائکہ اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے۔ * (تفسیر مجمع البیان) *

* غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ابوجہل اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اسی حالت پر مر گیا تو قیامت کے دن ہم اُس کو پیشانی سے پکڑ کر جہنّم میں پھینک دیں گے۔

* جب ابوجہل نے یہ آیتیں سُنیں تو کہنے لگا، میں مکّہ کا سربراہ ہوں۔ بھلا مجھے کون پکڑ سکتا ہے اس پر یہ آیت اُتری "فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ اچھا تو پھر بُلالے وہ اپنے حمائتوں چمچوں کو "سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ" ہم بھی عنقریب جہنّم کے محافظ فرشتوں کو بلائیں گے۔"

* (تفسیر انوار النجف) *

* "زَبَانِيَة" کلامِ عرب میں پولیس کو کہا جاتا ہے۔ (بقول قتادہ)

* اصل میں "زبن" عربی میں زور سے دھکا دینے کو کہتے ہیں۔ بادشاہوں کے چوکیدار بادشاہ کے ناراض ہونے پر لوگوں کو دھکے دے کر باہر نکالا کرتے تھے اس لیے اُن کو "زبانیة" کہتے تھے۔

* (مفردات امام راغب) *

* آیت میں "زبانیة" سے مراد جہنّم کے فرشتے ہیں۔ * (شیخ الاسلام عثمانی) *

ابوجہل کا دنیا ہی میں بُرا انجام: عبرت

جس وقت سورۂ رحمٰن اُتری تو عبداللہ ابنِ مسعودؓ صحابیٔ رسولؐ نے یہ سورۃ قریش کے سرداروں کے سامنے پڑھی۔ ابوجہل نے عبداللہ ابنِ مسعودؓ کو اتنا زوردار تھپڑ مار کر اُن کا کان پھٹ گیا۔ آنحضرتؐ نے جب اُن کو دیکھا تو غمگین ہو گئے۔ جبرئیلؑ نے آکر خبر دی کہ عنقریب ابوجہل کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ چناں چہ جنگِ بدر میں ابوجہل زخمی پڑا ہوا تڑپ رہا تھا عبداللہ ابنِ مسعودؓ اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ ابوجہل نے کہا: "اے حقیر چرواہے! تو اتنے بلند مقام پر پہنچ گیا" عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: "الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیه" اسلام ہی بلند ہو جائے گا، اسلام پر

کسی چیز کو برتری یا بلندی نہیں حاصل ہو سکتی ۔"

ابوجہل نے کہا: "اپنے دوست محمدؐ سے کہدینا کہ نہ تو میری زندگی میں کوئی شخص اُس سے زیادہ میری نظر میں بُرا تھا اور اس آخری سانس کے وقت میری نگاہ میں اُس سے زیادہ قابلِ نفرت کوئی نہیں ۔"

جب جناب رسولِ خداؐ کو یہ قصہ بتایا گیا تو فرمایا :

"میرے زمانے کا فرعون، موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون سے بدتر ہے۔ کیوں کہ موسیٰؑ کے فرعون نے مرتے وقت کہا تھا: "میں ایمان لے آیا، میں نے دل سے مان لیا۔" لیکن میرے زمانے کے فرعون کی سرکشی موت کے وقت اور بڑھ گئی ۔"

پھر ابوجہل نے ابنِ مسعودؓ سے کہا: "میرا سر اُس تلوار سے کاٹ جو بہت زیادہ تیز ہے" ابنِ مسعودؓ جب اُس کا سر کاٹ چکے تو اُس کے سر کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹتے ہوئے اُس کا سر رسولِ خداؐ کے قدموں میں لاکر پھینک دیا۔ گویا آیت کا مضمون کس حد تک دنیا ہی میں پورا ہو گیا۔ * (تفسیر کبیر، امام رازی) *

اللہ نے ہر سرکش پر زبردست کو مسلّط فرمایا

فرزندِ رسولؐ خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ: "اللہ جلّ شانہٗ عزّ اسمہٗ نے پہلے سمندروں کو پیدا کیا۔ جب اُنھوں نے اپنی طاقت اور طوفانوں پر فخر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرکشی کو دبانے کے لیے اُن کے اوپر زمین کے سینے کو فرش کی طرح بچھا دیا، جس سے اُن کا تلاطم دب کر رہ گیا اور سارا دم خم جاتا رہا۔ پھر جب زمین نے اپنی طاقت پر فخر کیا تو خداوندِ عالم نے زمین کے سینے میں دگہ جگہ، سر بفلک پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں

پھر جب پہاڑوں نے اپنی بلندیوں اور مضبوطی پر فخر کیا تو خداوند قدیر نے اُن کی سرکوبی کے لیے لوہے کو پیدا کردیا (جس سے پہاڑوں کے پرخچے اڑا دیے جاتے ہیں)، جب لوہے نے اپنی مضبوطی اور سختی پر فخر کیا تو خدا نے آگ کو پیدا کردیا جو لوہے کو پگھلا ڈالتی ہے)
جب آگ نے اپنی گرمی پر ناز کیا تو خدائے تعالیٰ نے پانی کو پیدا کردیا' جو آگ پر غالب آجاتا ہے۔
جب پانی نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر سر اُبھارا تو اللہ عزیز و غالب نے ہوا کو پیدا کردیا' جو پانی کو اُڑائے اُڑائے لیے پھرتی ہے۔ جب ہوا نے فخر کیا تو خدا نے انسان کو پیدا کردیا' جس کے سامنے ہوا بے بس ہے۔ پھر جب انسان نے فخر کیا تو خدائے تعالیٰ نے انسان کا سر نیچا کرنے کے لیے موت کو پیدا کردیا، پھر جب موت نے فخر سے سر بلند کیا تو خدا نے اعلان کردیا کہ جنّت اور جہنّم کے درمیان تجھے ذبح کردیا جائے گا' جس کے بعد تجھے کبھی زندہ ہی نہ کیا جائے گا۔ (جب ابوجہل نے فخر کیا تو عبداللہ ابن مسعودؓ کے ذریعہ اُس کا سر قلم کرا دیا) (یہ عبرت کا مقام ہے)۔
یہ اعلان سن کر موت خدا کے خوف سے لرزتی رہتی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: "اسی طرح حلمؑ غصّے پر غالب ہوجاتا ہے، اور رحمت، ناراضگی و غضب پر غالب آجاتی ہے، اور صدقہ، گناہوں پر غالب آتا ہے۔
* (تفسیر برہان، انوار النجف) *

آیت: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "بندہ سب سے زیادہ اپنے پالنے والے مالک سے اُس وقت قریب ہوتا ہے جب وہ اُس کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے۔" * (صحیح مسلم) *

* یہ روایت بھی آئی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ جب بھی یہ آیت پڑھتے تھے تو سجدے میں گر جاتے تھے' اور حالتِ سجدہ میں اِس آیت کو پڑھتے تھے۔ * (صحیح مسلم) *

* فقہ جعفریہ کے مطابق یہ چوتھی جگہ ہے جہاں سجدہ کرنا واجب ہے (قرآن میں چار جگہ سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔) * (فصل الخطاب) *

آیَاتُهَا ۸ — اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ — رُکُوْعُهَا ۱

کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا ؟ کے سوال سے شروع ہونے والی سورت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① اے نبیؐ! کیا ہم نے آپؐ کے سینے کو کھول نہیں دیا ؟

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② اور آپؐ پر سے وہ (ذمہ داری کا) بھاری بوجھ اُتار دیا۔

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ جو آپؐ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ اور آپؐ کے ذکر کو اونچا (مشہور) کیا۔

شانِ نزول اور شرحِ صدر کے معنی	سینہ کھولنے کے معنی پریشانی کو دور کرنا، عزم و ہمت عطا کرنا،

بے چینی کو اطمینان سے بدل دینا۔ * (فصل الخطاب) *

جناب رسولِ خداؐ اپنے ابتدائی کارِ رسالت کے زمانے میں بہت ہی سخت ناگوار حالات سے گزر رہے تھے

اُن حالات میں خدا اپنے رسولؐ کو تسلی دے رہا ہے کہ اے رسولؐ! کیا ہم نے تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا؟

یعنی: تمھیں ہر قسم کے ذہنی خلجان، پریشانی، فکر، خوف، تردّد، تکلیف اور بے چینی سے نکال کر پوری طرح پُرسکون اور پُر اطمینان نہیں بنادیا۔

جس طرح حضرت موسیٰؑ کو جب خدا نے یہ حکم دیا کہ تم فرعون کے پاس جاکر اسلام کا پیغام پہنچاؤ۔" تو اُنھوں نے عرض کی تھی کہ:" مالک! (میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلادیں گے اس لیے) میرا سینہ تنگ ہورہا ہے:" اِنِّیٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ۝ القصص ع۲۸ آیت ۳۴ پ۲۰

پھر اسی احساس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعاء فرمائی: رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَ یَسِّرْ لِیٓ اَمْرِیْ ۝" لیعنی:" مالک! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان کردے۔"

* (سورۃ طٰہٰ آیت ۲۵-۲۶ پارہ ۱۶) *

یعنی: میرا سینہ کھول دے تاکہ مجھ میں اسقدر ہمت اور ولولہ پیدا ہو جائے کہ میں جاکر بلا کسی خوف کے آپ کا پیغام پہنچادوں اور فرعون کو ٹھیک کردوں۔

بس اسی طرح انہی معنی میں ہمارے نبیؐ کو بغیر دعاء مانگے یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ خود خدا نے اپنی طرف سے مبارکبادیں پیش کیں، کہ ہم نے تمھیں نبوّت عطا کرنے ساتھ ساتھ وہ حوصلہ، ہمت اور جذبۂ کامل، وسعتِ قلب و نظر عطا فرمادی ہے جو منصبِ رسالت کی عظیم ذمّہ داریاں سنبھالنے کے لیے درکار ہوتی ہیں۔

* (تفسیر نمونہ۔ تفسیر مجمع البیان۔ تفہیم) *

شرحِ صدر کے غلط معنی:۔ بعض مفسّرین نے اس کا مطلب یہ لکھا کہ:" ایک دن جبرئیلؑ نے جناب رسولِ خداؐ کو دبوچ لیا اور سینہ کاٹا، دل نکالا، دھویا، صاف کیا، پھر سینے میں فٹ کردیا۔

ایسی باتوں کو حدیث یا روایات کے راویوں سے جانچنا چاہیئے۔ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں قرآن سے ثابت کرنے کی کوششیں نہیں کرنی چاہیئیں۔ عربی ادب میں شرحِ صدر کبھی شقِ صدر (آپریشن) دل پھاڑنے کاٹنے، نکالنے کے معنی میں نہیں آتا۔

* (تفہیم مولانا مودودی - مفردات امام راغب) *

* جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "میں نے اپنے پالنے والے مالک سے ایک درخواست کی، حالاں کہ میں سوال کرنا نہیں چاہتا تھا، مگر میں نے عرض کی کہ: مالک! آپ نے مجھ سے پہلے کسی نبیؑ کو ہواؤں پر اختیار عطا فرمایا، کچھ انبیاءؑ نے مردے زندہ کیے"۔ اِس پر خداوندِ عالم نے مجھ سے فرمایا: "کیا تم یتیم نہ تھے کہ میں نے تمھیں پناہ دی؟" میں نے عرض کی: "جی ہاں"۔ پھر فرمایا: "کیا تم حیران نہ تھے تو میں نے تمھیں ہدایت دی؟" میں نے عرض کی: "جی ہاں"۔ پھر فرمایا: "کیا میں نے تمھارے سینے کو کشادہ نہیں کیا۔؟ (شرحِ صدر نہیں کیا؟) میں نے تمھاری پشت کا بوجھ ہلکا نہیں کردیا؟ ؟ (کیا تمھارا کام آسان نہیں کردیا؟) میں نے عرض کی: "جی ہاں! اے میرے پالنے والے مالک!"

* (تفسیر مجمع البیان جلد۱۰) *

* غرض "شرحِ صدر" کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے قلبِ رسولؐ میں سکون و اطمینان، صبر و استقامت قوّتِ عمل، معارف کے علوم کے سمندر اُتار دیے، زبردست حوصلہ اور قوّتِ برداشت عطا فرمائی، اور مخالفین کی مخالفتوں پر ڈٹے رہنے کی قوّت عطا فرمائی۔

احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہری طور پر بھی فرشتوں نے کئی کئی مرتبہ آپؐ کا سینہ کاٹا اور صاف کیا، لیکن مدلولِ آیت کا ظاہر اِس معنی کو ثابت نہیں کرتا۔ * (شیخ الاسلام عثمانی) *

* خدا نے خود قرآن میں فرمایا: "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ"

یعنی: "اللہ جس کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے، اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" (سورۃ الانعام آیت ۱۲۵ پارہ ۸)

آیتؑ کی تشریح : سوال یہ ہے کہ وہ کونسا بوجھ تھا جس نے پیغمبرِ اکرمؐ کی پشت سے اُٹھالیا؟
اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کارِ رسالت و نبوّت کا بوجھ تھا، جو خدا کی مدد سے ہلکا ہوگیا۔

* (۱) بعض مفسّرین نے لکھا: "یہ وحی کا بوجھ تھا جس کو خدا نے آپؐ پر آسان کر دیا۔"
* (۲) بعض مفسّرین نے لکھا: "یہ اُس غم و اندوہ کا بوجھ تھا جو حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات سے آپؐ کے دل پر چھا گیا تھا، اور آپؐ اکیلے اور بے سہارا ہوگئے تھے۔"

* (تفسیر نمونہ، تفسیر کبیر) *

تفسیرِ اہلِ بیتؑ : رسولؐ کا بوجھ اس طرح ہلکا ہوا کہ یتیم تھے تو حضرت ابوطالبؑ سے کفالت کرائی اِس سے یتیمی کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ حضرت خدیجہؑ سے شادی کے ذریعہ خداوندِ عالم نے فقر و فاقے کا بوجھ ہلکا کرادیا اِسی طرح سینے کی کشادگی حضرت امام علیؑ کی ولایت و محبت سے ہوئی۔ اور دشمنوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پشت کے بوجھ کی تکلیف حضرت امام علیؑ کی تائید و نصرت سے دور ہوگئی۔

* (تفسیر انوار النجف) *

آیتؑ: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ "(اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا)"

حضورِ اکرمؐ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جہاں جہاں توحید کا علَم بلند ہوا وہاں حضورؐ کا نامِ نامی بھی ساتھ ہی ساتھ بلند ہوتا ہے۔ چناں چہ اذان، اقامت، نماز، دُرود اِس آیت کا سب سے بڑا اور واضح مصداق ہیں۔ توحید کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی نبوّت و رسالت کی شہادت بھی دی جاتی ہے۔

* (فصل الخطاب۔ انوار النجف) *

* ابوسعید خُدری سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ: "آپؐ کو معلوم ہے کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کا نام کس طرح بلند فرمایا؟" میں نے کہا کہ: میرا رب ہی بہتر جانتا ہے۔" جبرئیلؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: "جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی کیا جائے گا۔" (ابونعیم، ابن حبان، ابن جریر، ابن ابی حاتم۔ مسند ابویعلیٰ، ابن منذر، ابن مردویہ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان نبوت فرمانا اور ابوطالب کی خدمات

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ (۹۴) تو اب جس چیز کا آپؐ کو حکم دیا
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ ۹۴ جا رہا ہے اُس کو ڈنکے کی چوٹ پر
ظاہر کر دیجئے اور مشرکوں کی ذرا پرواہ نہ کیجئے۔

حضور اکرمؐ کو علانیہ تبلیغ کا حکم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسولِ خداؐ پانچ سال تک خائف رہے اور خفیہ بھی رہے (یعنی تقیہ فرمایا) آپؐ نے پانچ سال تک امرِ رسالت کو علی الاعلان ظاہر نہیں فرمایا۔ اُن پانچ سالوں میں صرف حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؑ حضور اکرمؐ کا ساتھ دینے والے تھے، پھر اللہ نے حکم دیا کہ "جو پیغام آپؐ کو دیا گیا ہے اُس کا علی الاعلان اظہار فرمائیں"۔ تب آپؐ نے پیغامِ رسالت کو عام فرمایا۔

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "اِس آیت نے اُس آیت کو، کہ: "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ"... یعنی "اپنی نماز کو باآوازِ بلند نہ پڑھو" کو منسوخ کردیا۔"

(تفسیر صافی صفحہ ۲۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

★ اعلانِ رسالت پر مکہ کے مشرکوں نے رسولِ خداؐ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کی تو ہم آپؐ کو قتل کر دیں گے۔ آپؐ غمزدہ ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد جبریلؑ آئے اور فرمایا کہ خدا حکم دیتا ہے کہ آپؐ کو جو حکم دیا گیا ہے اُس کو ظاہر فرمائیں۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اے جبریلؑ! اُن لوگوں نے تو مجھے قتل کی دھمکی دی ہے"۔ اس پر جبریلؑ نے یہ آیت پڑھی: یعنی: "ہم نے مسخری کرنے والوں سے آپؐ کی کفایت کرلی"۔ یعنی ٹھکانے لگا دیا گیا۔" حضورؐ نے فرمایا: "وہ تو ابھی ابھی یہاں موجود تھے"۔ جبریلؑ نے عرض کی: "میں ابھی ابھی اُن کو ٹھکانے لگا کر آرہا ہوں"۔ پھر آپؐ نے علانیہ تبلیغ شروع فرمائی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (۹۵) تمھاری طرف سے توہم خود اُن مذاق اُڑانے والوں (سے نمٹنے) کے لیے بہت کافی ہیں۔[1]

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ (۹۶) جو لوگ کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۹۶) معبود قرار دیتے ہیں، تو بہت جلد انھیں (انکا برا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

حضور اکرم کا مذاق اُڑانے والوں کا بُرا انجام

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"خداوندِ عالم نے حضور اکرمؐ کا مذاق اُڑانے والوں کو بدترین موت کا مزا چکھایا۔ (یہ چھ آدمی تھے جو بات بات پر آپؐ کا مذاق اُڑاتے اور رنجیدہ کرتے تھے (۱) عاص بن وائل (۲) ولید بن مغیرہ۔ (۳) ابو زمعہ اسود بن مطلب (۴) اسود بن عبد یغوث (۵) حارث بن قیس (۶) حارث بن طلاطلہ)

(۱) عاص بن وائل پہاڑی سے پھسلا اور نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ (۲) ولید بن مغیرہ کے پیر میں تیر کی نوک چبھ گئی جس سے اُس کی رگ کٹ گئی اور اس طرح وہ تڑپ تڑپ کر مرا۔ (۳) ابو زمعہ کو جبریلؑ نے درخت کے تنے سے ٹکرا ٹکرا کر مار دیا۔ (۴) اسود بن مطلب حضورؐ کی بد دعا سے نابینا ہو کر مرا۔ (۵) حارث بن طلاطلہ گھر سے نکلا، بادِ سموم (لُو) چل رہی تھی جس سے اُس کا چہرہ سیاہ (منھ کالا) ہو گیا اور گھر والوں نے اُسے پہچاننے سے انکار کر دیا اور پھر قتل کر دیا۔ اور بروایت مجمع البیان (۶) حارث بن قیس نے مچھلی کھائی اور پیاس کے غلبہ سے پانی پی پی کر مر گیا۔ اور

ان میں سے ہر ایک مرتے وقت یہی کہتا تھا کہ "مجھے محمدؐ کے خدا نے مارا ہے"۔ اور اِن سب کی موت ایک گھنٹہ کے اندر واقع ہوئی۔

*۔۔۔۔ (تفسیرِ صافی بحوالہ احتجاج ، تفسیر انوار النجف)

★ اِن بدمعاشوں کے ایک گھنٹہ کے اندر اندر مرنے کے بعد جبریلؑ، حضورِ اکرمؐ کے پاس آئے اور فرمایا کہ "اب آپؐ اعلانِ نبوّت علی الاعلان فرمائیں"۔ تب آپؐ نے میدان میں کھُل کر قدم رکھا، اور فرمایا: "اے گروہِ مردم! میں تم کو کلمۂ توحید اور اپنی رسالت کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تم کو بُت پرستی سے بچنے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر تم میری بات مان لوگے تو پورے عرب پر تمھاری حکومت کا جھنڈا لہرائے گا۔ عرب و عجم تمھارے سامنے جُھک جائیں گے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ خدا تمھیں جنّت جیسی عظیم الشان نعمت بھی عطا فرمائے گا۔"

یہ سُن کر عرب کہنے لگے "یہ دیوانہ ہے، شاعر ہے، خبطی ہے۔" (معاذ اللہ)

لیکن حضرت ابو طالبؑ کے بلند وقار اور رُعب و دبدبہ کی وجہ سے حضورؐ کو کوئی اذیّت نہ پہنچا سکا۔

*۔۔۔ (تفسیرِ صافی)

حضرت ابو طالبؑ کی خدمات

خداوندِ بزرگ و برتر نے حضرت ابو طالبؑ کے ذریعے سے حضورِ اکرمؐ کی کفایت فرمائی۔ جب حضورؐ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو قریش کے تمام سردار حضرت ابو طالبؑ کے پاس حاضر ہوتے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہم کو بے وقوف بنا رہا ہے وہ ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ ہمارے جوانوں کو گمراہ کر رہا ہے، ہماری اجتماعی زندگی میں اختلاف اور انتشار پیدا کر رہا ہے۔ اگر وہ مال کا طلبگار ہے تو ہم چندہ ڈال کر اُس کو مالدار کیے دیتے ہیں۔ اگر شادی کرنا چاہتا ہے تو جس عورت سے چاہے ہم اُس کی شادی کر دیتے ہیں۔ اگر حکومت چاہتا ہے تو ہم اُس کو سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔"

حضرت ابو طالبؑ نے حضور اکرمؐ کے سامنے تمام عربوں اور قریشیوں کی درخواست دہرائی۔

آپؐ نے فرمایا: "مجھے خدا نے اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ میں کفارِ قریش کو خوش کرنے کے لیے خدا کو ناراض نہیں کروں گا۔"

اس پر قریش کے سرداروں نے کہا کہ "آپ محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں۔"

یہ سن کر حضرت ابو طالبؑ نے انھیں سخت جواب دے کر رخصت کر دیا۔ جب قریش نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے ایک عہدنامہ پر دستخط کیے تو حضرت ابو طالبؑ نے تمام بنی ہاشم کو بلا کر کعبہ کے اندر رکن و مقام اور بیت اللہ کی قسم دے کر کہا کہ "اگر میرے بیٹے محمدؐ کو کسی نے کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچائی تو میں تم سب کو قتل کر ڈالوں گا۔"

پھر چار سال تک شعبِ ابو طالبؑ میں رہ کر مکہ کے لوگوں کے بائیکاٹ کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کی حفاظت اور کفایت کا فریضہ انجام دیا۔ جب حضرت ابو طالبؑ کی موت کا وقت آیا تو جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "چچا جان! آپ نے میری تربیت، کفالت اور حفاظت کا بہترین کردار ادا فرمایا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔" اب آپ کلمۂ اسلام کا اظہار فرمائیں۔" اس پر حضرت ابو طالبؑ نے کلمۂ اسلام کا اظہار فرمایا۔

اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا: "جب میں مقامِ محمود پر ہوں گا تو اپنے والدین اور چچا کی شفاعت کروں گا۔"

(تفسیر برہان، تفسیر علی ابن ابراہیم، تفسیر انوار النجف)

ایمان ابو طالبؑ

نوٹ:۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے خلفاء نے حضرت علیؑ کی دشمنی میں یہ روایتیں گھڑی ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ نے آخر وقت کلمہ نہ پڑھا۔ بنی عباس نے اس روایت کو اس لیے گھڑوایا تھا تاکہ کسی طرح سے اُن کی کوئی فضیلت آلِ علیؑ پر ثابت ہو سکے

مثلاً یہ کہ حضرت علیؑ کے والد نے اسلام قبول نہیں کیا تھا جبکہ ہمارے جدّ اکبر حضرت عباسؓ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

لیکن یہ روایت سراسر عقل و منطق کے خلاف ہے۔ جو شخص اتنے سخت حالات میں اتنی سخت تکالیف کو اتنے طویل عرصے تک برداشت کرتے ہوئے حضورؐ کی کفالت اور حفاظت کر رہا ہو، اور خود خدا اُس کی حفاظت کو اپنی حفاظت بتلا رہا ہو' اُس کے بارے میں یہ سوچنا بھی سراسر عقل دشمنی ہے کہ وہ اسلام نہ لایا تھا، بلکہ معاذاللہ مشرک تھا۔ اور اُس نے آخرِ وقت کلمہ نہ پڑھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے تقیّہ فرماتے ہوئے حضورِ اکرمؐ کی حفاظت اور کفالت کا فریضہ انجام دیا' اور جب حضورِ اکرمؐ نے آخر وقت اظہارِ اسلام کا حکم دیا تو آپؑ نے تقیہ کو ترک فرما کر اسلام کا اعلان فرمایا۔

(مؤلف)

★ نتائج اور تعلیمات

(۱) خدا' انبیاءؑ سے مذاق کرنے سے سخت ناراض ہوتا ہے۔ اور

(۲) دین کا مذاق اُڑانے والوں کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا۔

(روح البیان)

(۳) انبیاءِ کرامؑ یا دینِ خدا کا مذاق اُڑانا بہت عظیم گناہ ہے۔

(۴) خدا دین کی تبلیغ کرنے والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ البتہ اُس کی حفاظت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اُن مبلّغینِ دین کی شہادت کے ذریعہ اُن کے درجات بلند کیے جاتے ہیں۔

لیکن دین خدا یا انبیاءِ کرامؑ کا مذاق اُڑانے والوں کو دوہری سزا ملتی ہے۔ دنیا کی سزا اور آخرت کی سزا۔

(مؤلف)

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ (۹۷) اور ہمیں معلوم ہے کہ اُن کی باتوں صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ‏ ۹۷ پر جو وہ لوگ کرتے ہیں آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ (۹۸) (تو اس کا علاج یہ ہے کہ): مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ‏ ۹۸ (۱) آپؐ اپنے پالنے والے مالک کی حمد و تعریف کے ساتھ اُس کی پاکیزگی اور بے عیب ہونے کو بیان کرتے رہیں۔ (۲) اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

غم و اندوہ کا قدرتی علاج

دوبارہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دلجوئی اور تسلی کے لیے خداوندِ عالم فرما رہا ہے کہ: "ہم یہ جانتے ہیں کہ حق دشمنوں اور منکروں کی باتیں آپؐ کے سینے کو تنگ کر دیتی ہیں، اور آپؐ پریشان ہو جاتے ہیں لیکن آپؐ پریشان نہ ہوں۔ اِن کی گھٹیا باتوں پر توجہ ہی نہ دیں۔ بلکہ اِن کی باتوں کے اثرات کو کم کرنے کے لیے آپؐ اپنے پالنے والے مالک کی پاکیزگی اور بے عیبی کو بیان کریں، اور اُس کی بارگاہ میں شکر کے سجدے بجا لائیں اس لیے کہ خدا کا ذکر و فکر و نماز انسان کو روحانی قوّت عطا کرتی ہے، دماغ کو منوّر کر دیتی ہے۔ دل کو زندہ کر دیتی ہے۔ بندے سے خدا کے رشتے کو مضبوط کرتی ہے مومن کے ارادے کو قوی کرتی ہے، قوّتِ برداشت کو کئی کئی گنا بڑھا دیتی ہے، جہاد پر آمادہ کرتی ہے"۔ اِسی لیے جناب رسولِ خداؐ جب زیادہ غمگین ہو جاتے تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور نماز کے ذریعہ اپنے غم کو دور فرماتے۔ .... (تفسیرِ نمونہ)

"وَاِذَا سَمِعُوْا" پارہ ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳

(۸۳) اور جب وہ (قرآن کو) سنتے ہیں جو رسولؐ پر اُتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ اُنھوں نے "حق کو" پہچان لیا ہے وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ: اے ہمارے پالنے والے! (مالک!) ہم ایمان لے آئے، تو ہمارا نام (حق کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

حضرت جعفر طیارؑ کی حالتِ خوف میں بحکمِ رسولؐ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت

آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب کفارِ مکہ نے حضور اکرمؐ اور مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچائیں تو آپؐ نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اِس حکم پر حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؑ کی سرکردگی میں ستّر مسلمان حبشہ روانہ ہو گئے اس قافلے میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعود اور عثمان بن مظعون جیسے بزرگ اصحاب کرام بھی شامل

تھے۔ کفارِ مکّہ نے عمرو عاص کی سرکردگی میں ایک وفد مسلمانوں کے تعاقب میں حبشہ بھیجا۔ جس نے وہاں کے بادشاہ کو کفّارِ مکّہ کی طرف سے بڑے قیمتی تحفے پیش کیے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کیا جائے، اِس لیے کہ وہ مکّہ کے رہنے والے ہیں۔ اور ہمارے مجرم ہیں۔

بادشاہِ حبشہ انصاف پسند آدمی تھا اُس نے مسلمان مہاجرین کو بُلا کر اُن کا جُرم دریافت کیا۔ حضرتِ جعفرِ طیّارؓ نے بڑی فصاحت و بلاغت اور پُرعزم خطابت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات پیش کیں۔ پھر جب بادشاہ نے حضرتِ عیسیٰؑ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرتِ جعفرِ طیّارؓ نے سورۂ مریمؑ تلاوت فرمائی۔ یہ آیات سُن کر حبشہ کا نصرانی بادشاہ نجاشی بہت متاثر ہوا اور شدّت سے رونے لگا اور بولا کہ "قرآن انجیل سے کس قدر مشابہ ہے اور یہ حقیقت پر مبنی ہے۔"

چنانچہ بادشاہ کے رونے اور اعترافِ حق کو خدا نے اتنا پسند فرمایا کہ اس کی تعریف میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (تفسیرِ صافی ۲۲۵ بحوالہ تفسیرِ قمی، تفسیرِ کبیر، ابنِ ہشام)

نتیجہ: عارفین نے نتیجہ نکالا کہ رونا عارفین کی خصوصیت ہے۔

اہلِ علم کا تاثر اِسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ آنسو چلنے لگتے ہیں۔ (قرطبی)

چوتھے امامؑ نے فرمایا: خدا کو دو قطرے بہت پسند ہیں۔ (۱) وہ قطرہ جو رات میں خوفِ خدا کے سبب جاری ہو۔ اور (۲) دوسرا وہ خون کا قطرہ جو راہِ خدا میں بہایا جائے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۱۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "جو قطرہ خوفِ خدا سے جاری ہو اُس سے جہنّم پناہ مانگتی ہے۔" (مفاتیح الجنان)

توریت میں ہے کہ: "سب لوگ شریعت کی باتیں سُن کر روتے تھے۔" (النحمیاہ ۸ : ۹)

غزوہ بدر

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۴۲

(۴۲) (اور وہ وقت یاد کرو) جب تم تو وادی کے نزدیکی کنارے پر تھے اور وہ (کافر) دُور کے کنارے پر تھے، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اور اگر تم بھی آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کر لیتے تو بھی تمہارے وہ (پہنچنے کے اوقات) مختلف ہو جاتے۔ مگر اللہ کو تو اُس بات کو پورا کرنا تھا جو ہونے والی تھی، تاکہ جو بھی ہلاک ہو وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہے، وہ بھی روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ اور یقیناً اللہ سُننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

---

* یہ آیت جنگِ بدر کے متعلق قدرے تفصیل سے نازل ہوئی ہے۔ جنگِ بدر کی تفصیل نویں پارے میں بیان ہوئی اب یہاں اِس آیت میں لفظ بِالْعُدْوَةِ ، الْقُصْوٰى ، وَالرَّكْبُ کی تشریح بیان کی جاتی ہے۔

بِالْعُدْوَةِ : کا معنی ہے کنارا۔ یعنی مسلمان مدینے کی جانب جو وادی کا کنارا تھا، اُس پر تھے اور کفار دوسری طرف تھے۔

الْقُصْوٰى : اقصیٰ کی مؤنث ہے جس کا معنی ہے "دُور" اور یہ وہ تھے جو ابوسفیان کی امداد و حفاظت کے لیے بصورتِ لشکر مکہ سے آئے تھے جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور اُنہی کو نفیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالرَّكْبُ : اس کا معنی "قافلہ" ہے اور یہ ابوسفیان کا قافلہ تھا۔ جو شام سے تجارتی مال لیکر مکہ جا رہا تھا۔ ......(تفسیر انوار النجف ص۲۴۳)

* خداوندِ عالم کو شاید جنگِ بدر اِس لیے منظور تھی تاکہ اِس سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اس قدر قلّتِ عدد اور قلّتِ سامان کے باوجود مسلمان غالب آگئے۔ یہ بات دل میں یقین پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (۴۳)

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ آپؐ کے خواب میں اُن کی تعداد کم دکھا رہا تھا۔ اور اگر وہ آپؐ کو اُن کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ضرور سُست ہو کر ہمت ہار جاتے۔ اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے۔ لیکن اللہ نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ یقیناً وہ سینوں کے اندر کی حالت کا حال خوب جانتا ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ نے حضورؐ کو ایک خواب دکھایا

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ مشرکین ہماری آنکھوں میں اتنے کم نظر آ رہے تھے کہ میں نے اپنے پہلو میں کسی سے پوچھا کہ کیا یہ ستّر آدمی ہیں؟ تو اُس نے کہا: مجھے تو سَو نظر آتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن میں سے ایک کو قید کیا اور اُس سے پوچھا کہ تم کتنے آدمی تھے؟ اُس نے بتایا کہ ہم ایک ہزار تھے۔ ★ .... (تفسیر صافی ص۱۱ بحوالہ الجوامع)

★ خدا نے رسولؐ کو خواب میں کافروں کی تعداد اس لیے کم دکھائی تاکہ مسلمان کشمکش اور خوف سے بچے رہیں اور آپس میں نہ اُلجھ پڑیں۔ ★ ...... (جلالین) شاہ عبدالقادر صاحب نے خوب لکھا: "پیغمبرؐ کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے ..... تاکہ مسلمان جرأت سے لڑیں۔ پیغمبرؐ کا خواب غلط نہیں (تھا) کیونکہ اُن میں کافر رہنے والے کم ہی تھے۔ اکثر وہ تھے جو پیچھے (بعد میں) مسلمان ہوئے۔" ★ .... (موضح القرآن)

★ اِسی کو "تقیہ" بھی کہتے ہیں کہ بعض اہم مصالح کی بناء پر حقیقتِ حال کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ ★ .... (فصل الخطاب)

★ عرفاء نے لکھا کہ: "بعض اوقات خدا، نبی کریمؐ سے بھی کچھ باتیں چھپا لیا کرتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہوا کہ کفار زیادہ تھے مگر نبیؐ کو کم دکھائے گئے۔ ★ .... (تھانوی)

★ خدا کے اِس قول سے کہ: "اگر اللہ اُنھیں زیادہ دکھا دیتا..... جھگڑنے لگتے۔" اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ باوجود اپنی قوّتِ قدسی اور مقامِ عالی کے بشری کمزوریوں سے محفوظ نہیں کر دیے گئے تھے۔ ★ ...... ا ۔ ب ۔ د

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴

(۴۴) اور (یاد کرو کہ) جب تم ایک دوسرے کے مقابلے پر آئے تو خدا دشمنوں کی تعداد کو تمھاری نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھا رہا تھا۔ اور تمھیں اُن کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھا رہا تھا۔ تاکہ اللہ اُس بات کو پورا کردے جو وہ کرنے والا تھا۔ اور آخر کار سارے کے سارے معاملات (فیصلے کے لیے) اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

کفار کو یہ احساس کہ مسلمان تعداد میں بہت کم ہیں جنگ شروع ہونے سے پہلے تک قائم رہا۔ مگر جب لڑائی شروع ہوگئی تو خدا کا کرنا یہ ہوا کہ اب کافروں کو مسلمان اُن کی اپنی تعداد سے دو گنے نظر آنے لگے۔ یہی بات سورۂ آلِ عمران میں بھی بتائی گئی ہے۔ .... (تفسیر جلالین)

اللہ کا فرمانا کہ " تاکہ اللہ اِس امر کو پورا کردے، جو ہو کر رہنا تھا "

یعنی: (۱) ایک تو تمھاری کافروں کے لشکر سے مڈبھیڑ کرادے۔

(۲) دوسرے یہ کہ مشرکوں کو ذلیل کردے۔

(۳) اسلام کو سربلندی عطا فرمائے۔

.... (قرطبی)

اِس آیت سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ بجائے خود مقصود نہیں، بلکہ اصل مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو اِن اُمور سے آخرت میں حاصل ہوگا۔ کیونکہ آخر میں خدا نے فرمایا: " اور اللہ ہی کی طرف سارے اُمور پلٹیں گے "۔

.... (تفسیر کبیر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ (٤٥) اے ایمان لانے والو! جب بھی کسی گروہ سے
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ (جنگ میں) تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۴۵ اللہ کو بہت یاد کیا کرو۔ تاکہ تم بہتری حاصل کرو۔
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا (٤٦) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ کرو اور آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو۔
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ورنہ تمہارے اندر کمزوری اور سستی پیدا ہو جائے
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۴۶ گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی (رُعب داب
جاتا رہیگا' اس لیے) صبر و برداشت سے کام لیا کرو۔ حقیقتاً خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جہاد میں ثابت قدمی فرض ہے

محققین نے نتیجہ نکالا کہ جہاد سے بھاگنے والے ہر قسم کی بھلائی سے محروم رہیں گے۔ اور کیونکہ دین و دنیا کی بہتری ہی کو نجات کہتے ہیں' اس لیے ثابت ہوا کہ جہاد سے بھاگنے والے نجات سے محروم رہیں گے اس لیے بعض مفسرین نے "فلاح" یعنی "بھرپور کامیابی" کے معنی میں نجات کے لیے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ۔ شاہ رفیع الدین)

محققین نے نتیجے نکالے: (۱) مشرکوں' کافروں اور باغیوں سے اسلامی جنگ لڑتے ہوئے ثابت قدم رہنا لازمی ہے۔ ......(تفسیر تبیان) کیونکہ فلاح' ثبات قلب اور ثباتِ قدم پر منحصر ہے اور فلاح میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھرپور کامیابی داخل ہے۔ (۲) اور قلب میں قوت و ثبات ذکرِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ......(قرطبی)

آپس میں اختلاف پیدا کرنے کی ممانعت

(آیت ۴۶): آیت کا پیغام یہ ہے کہ جس طرح تم لوگوں نے بدر و اُحد میں آپس میں اختلاف کر کے جھگڑا کیا تھا' ایسا نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تم کمزور ہو جاؤ گے' اور تمہارا رُعب و دبدبہ جاتا رہے گا' تمہاری ہوا (حکومت) اُکھڑ جائے گی۔ حکومت کو ہوا سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ حکومت اور احکام کا چلنا ہوا کے چلنے سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی لیے' جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی ہوا بندھ گئی یعنی

اُس کی حکومت قائم ہوگئی اور اُس کا حکم چلنے لگا۔

مگر ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگ میں مسلمانوں کو اُس وقت تک فتح نہ ہوئی جب تک خدا نے کافروں پر تیز ہوا نہ بھیجی؛ اِسی لیے حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

"خدا نے ہماری مدد ہوا سے بھی کی، جبکہ قومِ عاد کو آندھی سے ہلاک کیا گیا۔" (الحدیث)

(تفسیر صافی ص ۱۹۹) ......*

یہ خدا کا کمالِ قدرت ہے کہ جس چیز کو چاہے رحمت بنا دے، اور جب چاہے اُسی چیز کو عذاب بنادے واقعاً خدا ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

اتحاد پیدا کرنے کا طریقہ

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں، جلد بازی، گھبراہٹ، طمع، نامناسب جوش و خروش سے بچیں اور ٹھنڈے دل سے جچی تُلی قوّتِ فیصلہ کے ساتھ ہر کام کریں۔ خطرات اور مشکلات میں قدموں میں لغزش نہ آنے دیں۔ اشتعال انگیز مواقع پر کوئی بے محل حرکت نہ ہونے پائے۔ حالات بگڑتے نظر آئیں، تو بدحواس نہ ہوجائیں؛ حصولِ مقصد کے جوش میں بے قرار ہو کر کسی کمزور تدبیر پر سرسری غور و فکر کر کے عمل نہ کر بیٹھیں، جلد بازی کی وجہ سے اپنے ارادوں سے مغلوب نہ ہوجائیں، دُنیوی فوائد اور لذات تمھیں اپنی طرف نہ لے جائیں۔

یہ تمام مفاہیم ایک لفظِ "صبر" کی تفسیر ہیں۔ ایسے صابروں کو خدا کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

(تفہیم) ......*

نتیجہ:- محققین نے نتیجہ نکالا کہ:

(۱) انتشارِ قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہوتا ہے۔ (۲) خدا کا ساتھ ہونا خدا کی مدد حاصل ہونے کی ضمانت ہے۔ (۳) صبر ہر حال میں محمود ہے، مگر جنگ میں بہت زیادہ قابلِ تعریف ہے۔

(قرطبی) ......*

فَتَفْشَلُوْا:- فشل سے ہے اور اس کا معنی ہے: خوف کی وجہ سے بزدلی کا پیدا ہوجانا۔

رِيْحُكُمْ: "ریح" کا معنی ہے: عزت، دولت، شان اور شوکت وغیرہ۔

(تفسیر انوار النجف ص ۳۴۶) ......*

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○ (۴۷)

اور تم اُن لوگوں کی طرح سے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اِتراتے، اکڑتے، لوگوں کو اپنی شان و شوکت دکھانے کیلئے نکلے، اِس حال میں کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ (حالانکہ) وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اللہ اُس پر اچھی طرح سے حاوی ہے۔ (اللہ کی گرفت میں ہیں)

اِترانے، دکھاوا کرنے اور اکڑنے کی مذمّت

مشرکین کا اِترانا اور دکھاوا کرنا یہ تھا کہ جب اُن کا لشکر جحفہ کے قریب پہنچا تو اُن کو ابوسفیان کا قاصد ملا، جس نے کہا کہ تم لوگ یہیں سے لَوٹ جاؤ۔ اِس لیے کہ مسلمانوں نے ہمارا قافلہ نہیں لُوٹا۔ مگر ابوجہل نے لَوٹنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک ہم بدر نہ پہنچ لیں، اور وہاں (جو میلہ لگتا تھا اُس میں اپنی شان دکھانے کے لیے) جب تک (میلے میں آنے والے عربوں کو) کھانا نہ کھلالیں، خوب شرابیں نہ پی لیں، اور جوان لڑکیوں کے گانے نہ سنوالیں، ہم اُس وقت تک واپس نہ لَوٹیں گے۔ یہ تھا اُن کا اِترانا اور دکھاوا کرنا۔ مگر بدر میں بجائے شراب پینے کے اُنھیں موت کا شربت پینا پڑا، اور بجائے گانے والیوں کے نوحہ کرنے والیوں کے نوحے سُننے پڑے۔ اِسی واسطے خدا نے مومنوں کو اِترانے اور دکھاوا کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اِس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ *... (تفسیر صافی ص۱۹۹)

؎ اِس طرح تو ہوتا ہے اِس طرح کے کاموں میں

بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں خاص طور پر ابوجہل اور اُس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ ہے *..... (تفسیر تبیان۔ فتح الرحمان)

مگر دوسرا تصوّر یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی جہاد میں جاتے ہوئے اکڑ مکڑ اور تکبّر سے روکا گیا ہے۔ *.... (موضح القرآن)

کفّار کی فوجوں کا آج بھی یہی حال ہے جو پہلے تھا۔ اُن کے سپاہی بڑی بے شرمی کے ساتھ عورتوں اور شراب کا زیادہ سے زیادہ راشن مانگتے ہیں۔ جب وہ اپنی ہی قوم سے ایسا (گھناؤنا اور مذموم) مطالبہ کرتے ہوئے

غزوہ اُحد

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾

(۱۶۸) یہی وہ لوگ ہیں کہ جو خود تو (گھر میں) بیٹھے رہے اور اپنے اُن بھائی بندوں کے لیے (جو جنگ میں مارے گئے تھے) کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے اُن سے کہیے کہ: "اگر تم سچے ہو تو جب خود تمھاری موت آئے تو اُسے ہٹا کر دکھا دینا۔

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

(۱۶۹) اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انھیں تم ہرگز مُردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں[۱] (۱۶۹)

---

[۱] ۱۶۹ یہ آیت شہدائے بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہ آیت شہدائے بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اِس آیت میں ہر وہ شخص بھی داخل ہے جو خدا کی راہ میں قتل ہوا ہو۔ چاہے وہ جہادِ اصغر ہو یا جہادِ اکبر، جہاں خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۰ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

نوٹ: جہادِ اصغر، دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا۔ اور جہادِ اکبر، خواہشاتِ نفسانی سے مقابلہ کرنا ہے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۱۷۰)

جو کچھ کہ اُن کے رب نے اُن کو اپنے فضل وکرم سے دیا ہے اُس پر وہ بہت ہی خوش ہیں۔ وہ تو اپنے پیچھے (دُنیا میں) رہ جانے والوں کی حالت پر بھی بہت خوش اور مطمئن ہیں، جو ابھی تک اُن کے پاس نہیں پہنچے ہیں۔ (کیونکہ) اُن کیلئے بھی نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج ہوگا۔

شہادت پانے کے بعد شہداء کی کیفیت

حدیثِ نبوی ہے کہ:

" جو شخص نیک عمل لے کر دنیا سے جاتا ہے اُسے اللہ کے ہاں اسقدر پُرلطف اور پُرکیف زندگی میسّر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دُنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ مگر شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ یہی تمنا کرتا ہے کہ پھر دُنیا میں بھیجا جائے اور پھر اُسی لذّتِ شہادت کے نشّے سے لُطف اندوز ہو، جو راہِ خدا میں جان دیتے وقت حاصل ہوتا ہے۔" (مُسند احمد ابن حنبل)

" اور دنیا میں وہ ایمان و تقویٰ پر رہے، جب شہید ہوں گے اُن کے ساتھ ملیں گے اور روزِ قیامت امن اور چین کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔" (قرآنِ عظیم محمد احمد رضا خاں بریلوی صفحہ ۱۱۶)

شہید کو قتل سے تکلیف نہیں ہوتی مگر ایسی جیسی کسی کو ایک خراش لگے۔"

(صحیح ترمذی و نسائی بحوالہ قرآنِ عظیم محمد احمد رضا خاں بریلوی صفحہ ۱۱۶)

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (۱۷۱) وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

(غرض) وہ اللہ کی نعمت[1] اور اُس کے فضل وکرم پر نہایت خوش اور مطمئن ہیں۔[2] (کیونکہ وہ یہ دیکھ چکے ہیں کہ) اللہ مومنوں کے اجر و ثواب کو ہرگز برباد نہیں کرتا۔

---

[1] نعمت سے مراد اُن کے اعمال کا ثواب ہے اور فضل سے مراد اس ثواب پر زیادتی ہے۔ جیساکہ خدا نے فرمایا ہے کہ "جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لیے بہتری بھی ہے اور زیادتی بھی۔" (سورۂ یونس) (تفسیر صافی صہ ۹۷)

[2] **قرآن شہداء کو زندہ کہکر خاموش نہیں ہوتا**

قرآن، لفظ "زندہ" کہکر خاموش ہوجاتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ یہ زندہ کہنا نتائج کے لحاظ سے مجازی طور پر کہدیا گیا ہے۔ مگر قرآن شہیدوں کو صرف زندہ کہکر خاموش نہیں ہوتا، بلکہ اُن کی زندگی کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کررہا ہے، جس سے ماننا پڑتا ہے کہ شہداء کی زندگی ایک خاص طرح کی بھرپور زندگی ہے جو بقائے روح یا حیاتِ برزخی سے الگ کوئی اور چیز ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ہم اُس زندگی کی پوری کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ ہم کو اُس زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ سونے والا خواب کے عالم میں جاگنے کی حالت کو کہاں سمجھ سکتا ہے، جو ہم اُس حیات کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔ (فصل الخطاب)

اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (۱۷۲) مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۚ (۱۷۳)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی، اُن میں سے جنھوں نے اچھے کام بھی کیے، اور جو بُرائیوں سے بھی بچتے رہے اُن کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

غزوۂ اُحد کے زخمی مجاہدوں کیلئے اللہ کا حکم

جب رسولِ خداؐ غزوۂ اُحد کے بعد مدینہ تشریف لائے تو جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ اللہ آپؐ کو حکم دیتا ہے کہ قریش کا پیچھا کرو اور آپؐ کے ساتھ سوا اُن لوگوں کے جو زخمی ہیں، دوسرا کوئی نہ جائے۔ جناب رسولِ خداؐ نے منادی کرادی کہ جسے کوئی زخم لگ چکا ہے وہ نکلے۔ پس لوگوں نے یہ حکم قبول کیا اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ یہ آیت اُنہی کی شان میں اُتری۔ اگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوتی تو قریش کے سرداروں کا یہ ارادہ تھا کہ مدینے پر شب خون ماریں۔ مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ مسلمان خود اُن کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ بھاگ نکلے۔

ابو رافع سے روایت ہے کہ جب مشرک اُحد کے میدان سے بھاگے اور روحا کے مقام پر پہنچے تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم نہ تو کمسن عورتوں کو لا سکے، نہ ہم نے محمدؐ کو قتل کیا۔ جب یہ خبر رسولِ خداؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو بنی خزرج کے ہمراہ مشرکوں کے تعاقب میں بھیجا۔ جس جگہ سے مشرک کوچ کرتے حضرت علیؑ وہیں جا اُترے یہ آیت خدا نے اُنہی کی شان میں نازل فرمائی۔ روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے زخموں پر لعابِ دہن لگایا اور اُن کے حق میں دعا بھی فرمائی۔ (تفسیر نور الثقلین) جلد (تفسیر صافی صفحہ ۹۰ بحوالہ تفسیر قمی)

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖۚ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ‏۝۱۷۳ (۱۷۳)

جن لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمھارے مقابلے کے لیے بڑا لشکر جمع کیا ہے لہٰذا تم ان سے ڈرو۔ تو اس بات سے اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور اُنھوں نے کہا کہ: "ہمارے لیے خدا کافی ہے اور وہ تو بڑا ہی اچھا کام بنانے والا ہے۔"[۱]

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ‏۝۱۷۴ (۱۷۴)

نتیجتاً وہ اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ لوٹے۔ اُنھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ وہ اللہ کو خوش کرنے کے کوشاں رہے۔ اور اللہ بڑا ہی فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

مسلمانوں نے کہا: "ہمارے لیے اللہ کافی ہے

[۱] ایک روایت کے مطابق جب ابوسفیان کو یہ علم ہوا کہ مسلمان اُس کا پیچھا کر رہے ہیں تو اُس نے ایک شخص کو اُن لوگوں کی اخلاقی قوت کو آزمانے کیلئے بھیجا، تاکہ وہ ان لوگوں کو اس بات سے ڈرائے کہ دشمن اکثریت میں ہے اور وہ کم ہیں۔ پھر دیکھیں کہ اُن پر اس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اُس شخص نے آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم کس کے مقابلے پر جا رہے ہو؟ اُن کے پاس تو بہت زیادہ

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ (۱۷۵) یہ تو حقیقت میں شیطان ہے
يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تو تم
وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اُن سے مت ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو
اگر واقعی تم مومن ہو۔

(پچھلے صفحہ ۷۱۴ کا بقیہ) اسلحہ اور فوج ہے۔ مگر مسلمانوں نے جو حضرت علیؑ کی سرکردگی میں جا رہے تھے، یہ بات سُن کر کہا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" یعنی "ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین سرپرست ہے۔" اُن کی تعریف میں یہ آیتیں اُتریں۔ (تفسیر درِ منثور)

★ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ بات غزوۂ بدرِ صغریٰ کی ہے۔ (تفسیر صافی و مجمع البیان)

★ اسی کے بعد آدابِ اسلامی میں یہ بات شامل ہوگئی کہ جب کوئی عظیم مہم درپیش ہو تو یہی الفاظ زبان پر جاری کیے جائیں۔ (مجمع البیان)

★ یہاں خدا کا فضل مسلمانوں پر اِن صورتوں میں ظاہر ہوا کہ (۱) اُن کے ایمان کے درجات میں ترقی ہوئی (۲) انہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کے لیے نکلنے کا موقع ملا (۳) وہ کافروں کی شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ (۴) مالی اور تجارتی فوائد حاصل ہوئے (۵) اجرِ عظیم کی بشارت ملی۔ (ماجدی)

(اِس صفحہ کا نوٹ) لہ شیطان کسی نہ کسی انسانی شکل میں وار کرتا ہے۔ یہی لوگ شیطان کے اولیاء کہلاتے ہیں۔ (قرطبی)

یعنی منافقین و مشرکین جو شیطان کے دوست ہیں اُن کا خوف نہ کرو۔ کیونکہ ایمان کا مقتضا ہی یہ ہے کہ بندے کو خدا ہی کا خوف ہو۔ (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۱۷۶)

اور یہ لوگ جو کفر میں تیزی دکھا رہے ہیں آپؐ کو رنجیدہ نہ کریں[۱]۔ یہ اللہ کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے تو یہ طے کرلیا ہے کہ اُن کو آخرت میں کوئی حصّہ نہ دے گا۔ اور اُن کیلئے تو بہت بڑی (دردناک) سزا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۱۷۷)

وہ لوگ جو ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہوئے ہیں[۲] وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں اور اُن کے لیے تو بڑی ہی دردناک سزا ہے۔

اللہ رسولؐ کو تسلی دے رہا ہے[۱] علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ رسولِ خداؐ کو کبھی کبھی اپنی عبدیّت کے تقاضے سے یہ فکر پیدا ہوتی تھی کہ کہیں میری طرف سے دین کی تبلیغ میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے جسکی وجہ سے ایمان ان لوگوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوتا۔ اسی بات کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

رہے یہ کفر میں تیزی کرنے والے، تو یہ کافر نہ تھے۔ بلکہ وہ تھے جو خود کو مومن کہہ رہے تھے، مگر اُنکی حرکتیں کافروں کی جیسی تھیں۔ جنھیں آجکل کالی بھیڑیں کہا جاتا ہے۔ (تفسیر صافی)

[۲] یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی، ان کیلئے اسباب ہدایت فراہم ہوچکے تھے

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (۱۷۸)

اور یہ کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم جو انھیں مہلت (پر مہلت) دیے چلے جا رہے ہیں، یہ اُن کے لیے کوئی فائدے کی بات ہے۔ (بلکہ) ہم تو اُن کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں، پھر اُن کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

(پچھلے صفحہ ۷۱۴ کا بقیہ) یہ پیغمبرؐ کی خدمت میں بھی پہنچ چکے تھے۔ حلقۂ اسلام میں بھی داخل ہو چکے تھے، گویا ہدایت اِن کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اُنھوں نے دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور منافقانہ چالیں چل چل کر گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ اِسی لیے کہا گیا کہ اُنھوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا۔ (فصل الخطاب)

کافروں کو مہلت پر مہلت کیوں دی جاتی ہے

حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ "کافر کی زندگی بہتر ہے یا موت؟" آپؑ نے فرمایا: "مومن اور کافر دونوں کیلئے موت بہتر ہے" اس لیے کہ مومن کے لیے خدا فرماتا ہے کہ "جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کیلئے سب سے اچھا ہے"۔ اور کافروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے :" اور پھر آپؑ نے یہی آیت ۱۷۸ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر صافی ص۹۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اگرچہ آیت کا تخاطب منافقوں سے ہے مگر یہ حکم تمام کافروں پر عام ہے۔ سب کافروں اور منافقوں کو ڈھیل پر ڈھیل ملتی ہے اور اُن پر نعمتوں کی فراوانی بھی ہوتی ہے۔ اِس طرح خدا اُن پر اپنی حجت تمام کرتا ہے اور اُن کی سزا میں اضافے پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اُن کو مکمل تباہی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے خواہ اِسی دُنیا میں یا مرتے ہی۔ (مخلص از فصل الخطاب)

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ (۱۵۱) كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ۝۱۵۱

عنقریب ہم کافروں (منکروں) کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال دیں گے، اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک سمجھ رکھا ہے، جبکہ اُن کے بارے میں کوئی دلیل (یا سند) نہیں اُتاری گئی، اور اُن کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ کیسا بُرا ہے

۱۔ کافروں پر اُحد میں مسلمانوں کے رُعب کا ذریعہ علیؑ تھے اور جبرئیل کا کلمہ " لَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار " ہے

جنگِ اُحد میں مسلمان تو اپنی لالچ اور رسولؐ کا کہنا نہ ماننے کے سبب سے شکست کھا ہی چکے تھے مگر پھر اللہ نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا جس کے سبب وہ واپس جانے پر مجبور ہوگئے۔ مگر یاد رہے کہ خدا کے تمام کام عالمِ اسباب میں کسی نہ کسی سبب یا واسطے سے انجام پاتے ہیں۔ کافروں پر رُعب ڈالنے کا ذریعہ حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی ذات کو بنایا۔ جن کی تلوار کی تعریف جبرئیل نے اسی جنگ میں اس کلمے سے کی:

" لَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار "

(نہ تو علیؑ جیسا کوئی جوان ہے اور نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے۔)

(تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۷ مطبوعہ مصر)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۵۲)

اور بلاشبہ اللہ نے اپنا وعدہ[۱] (نصرت) سچ کر دکھایا جبھی تو تم خدا کے حکم سے اُن کو قتل کر رہے تھے ۔ تااینکہ جب تم نے خود کمزوری دِکھائی اور خود آپس ہی میں اپنے کام میں جھگڑنے لگے[۲] اور جب (خدا نے) تم کو وہ کچھ دکھایا جو تم چاہتے تھے، تو تم نے نافرمانی کی۔ تم میں سے کچھ تو دُنیا ہی کے طلب گار تھے[۳] اور کچھ آخرت کے طلب گار تھے (اسی لئے) (خدا نے) تمھیں اُن کے مقابلے میں شکست دے دی تاکہ تمھارا امتحان کرلے ۔ اور اب یقیناً اُس نے تم کو معاف کردیا کیونکہ خدا مومنین پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے۔ (۱۵۲)

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح و شکست کے اسباب، بعدہٗ اللہ کا مومنوں پر فضل و کرم

[۱] مطلب یہ ہے کہ تم سے جو وعدۂ نصرت بشرطِ تقویٰ و صبر کیا گیا تھا اُسے پورا کیا گیا۔ یہاں تک کہ تمھارے تیر اندازوں نے ہمارے حکم کی مخالفت کی۔ اسی لیے مشرکین سامنے آگئے ۔ تیر اندازوں نے اُنھیں چھیدنا شروع کیا اور

ـــــــــــ دوسروں نے اُنھیں تلواروں سے مارا۔ یہاں تک کہ کافر شکست کھا کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کیا۔

۲ـ اور اُن تیر اندازوں کے آپس میں جھگڑا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب اُنھوں نے مشرکوں کو بھاگتے دیکھا تو کچھ نے تو کہا کہ اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کا کیا فائدہ ؟ مگر دوسروں نے کہا کہ ہم رسولِ خداؐ کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کریں گے ۔ غرض اُن کا امیر تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ وہاں ٹھیرا رہا، لیکن زیادہ تر لوگ اُس گھاٹی سے نیچے آکر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے۔ (تفسیرِ صافی ص ۹۶)

۳ـ اور " دنیا کی خواہش " سے مراد عبداللہ ابنِ جبیر کے وہ ساتھی مراد ہیں جو مالِ غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ (تفسیر صافی)

۴ـ اور " آخرت کی خواہش " سے مراد عبداللہ ابنِ جبیر کے وہ ساتھی ہیں جو حکمِ رسولؐ پر گھاٹی پر کھڑے رہے یہاں تک کہ قتل کر دیے گئے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶ بحوالہ تفسیر قمی)

خدا کا یہ ارشاد فرمانا کہ " اللہ نے تو اپنا وعدہ اُس وقت ہی پورا کر دیا تھا جب تم (جنگِ اُحد میں) اُن کا قلع قمع کر رہے تھے "۔ اِس سے مراد اُحد کی جنگ میں شروع کی فتح ہے۔ (تفسیر صافی)

اور یہ فتح مادی اسباب کے خلاف تھی کیونکہ کفّار کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی اسی لیے آیت میں کہا گیا کہ " تم خدا کے حکم سے ان کا تیا پانچا کر رہے تھے " تو وہ فتح خدا کے فضل و کرم کا نتیجہ تھی۔ اب اُس کے بعد جو فتح شکست میں بدل گئی اس کی وجہ تمہاری حرص اور رسولِ خداؐ کے حکم کی خلاف ورزی تھی

(فصل الخطاب)

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (۱۵۳)

وہ وقت یاد کرو کہ جب تم (پہاڑ پر) بے تحاشا چڑھے ہی چلے جا رہے تھے اور کسی طرف مُڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، اور پیغمبرؐ تمہارے پیچھے سے تم کو آواز دے رہے تھے۔ غرض (خدا نے) تمھیں رنج پر رنج دیئے[۱]، تاکہ (تم یہ جان لو کہ)

(۱) جو کچھ بھی تمھارے ہاتھ سے نکل جائے یا (۲) جو مصیبت بھی تم پر نازل ہو، اُس پر تم غمگین نہ ہوا کرو (۳) اور (یہ سبق بھی سیکھ لو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔[۲]

پیغمبرِ خدا کا کہنا نہ ماننا اور جنگ سے گریز کرنے پر مصائب، اور رنج پر رنج دیے گئے

[۱] حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اُن میں سے کچھ قتل بھی ہوئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزاروں سواروں کے ذریعے سے مسلمانوں کو پیچھے سے گھیر لیا۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۶ بحوالہ تفسیر قمی)

[۲] آیت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی نقصان بغیر کسی غلطی کے از خود پہنچا ہے تب تو اُسے پتہ ہونا چاہیے کہ آخر ہم اس مصیبت میں کیوں گرفتار ہوئے؟ کیونکہ جب نقصان خود اپنی ہی حماقت اور غلطیوں کی وجہ سے ہو تو پھر صدمے کے بجائے اپنے کردار پر پشیمانی اور شرمندگی ہونی چاہیے اور اپنے اندر صبر کی عادت پیدا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے تاکہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرے۔ (فصل الخطاب)

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآٮِٕفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآٮِٕفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ‌ؕ قُلْ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ؕ (۱۵۴)

پھر اِس غم کے بعد (خدا نے) تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسے سکون و اطمینان کی حالت طاری کردی کہ وہ اُونگھنے لگے۔ مگر ایک دوسرے گروہ کو جنھیں اپنی جان جانے کی فکر کھائے جا رہی تھی، وہ اللہ کے متعلق طرح طرح کی جاہلانہ بدگمانی کرنے لگے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار حاصل ہے؟ کہہ دیجیے کہ پورا پورا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپاتے ہوئے ہیں جنھیں آپؐ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تب بھی، جن لوگوں کے لیے قتل ہونا ہی لکھا جا چکا تھا، وہ تو اپنی قتل گاہوں کیطرف نکل جاتے، تاکہ خدا جو کچھ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ تمہارے سینوں میں ہے اُسے آزمائے اور جو کچھ کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے۔[۲] (کیونکہ) اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے ـــــــــــــــ (۱۵۴)

مکمّل اختیار صرف خدا کو حاصل ہے، جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کے احوال

[۱] اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم مدینے کے اندر ہی رہتے اور باہر نہ نکلتے جیسا کہ اُبیّ ابنِ کعب نے رائے دی تھی، تو ہم نہ تو مارتے اور نہ ہمارے آدمی قتل ہوتے۔ (تفسیر صافی ص۹۶)

اللہ نے اِس کا جواب یہ دیا کہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ کسی کی موت مقدر کر دیا کرتا ہے تو اُن کے مدینے میں ٹھہرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوتا کیونکہ اللہ کے فیصلے کو رد کرنا ممکن نہیں۔ (تفسیر صافی ص۹۶)

[۲] خدا کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمہارے دلوں کا امتحان لے اور تمہارے دلوں کے بھیدوں کو ظاہر کر دے اور تم میں جو اخلاص یا نفاق ہے اُسے کھول کر رکھ دے۔ (تفسیر صافی ص۹۶)

اصل میں میدان سے بھاگنے والے دو قسم کے تھے۔ کچھ تو ایسے تھے کہ ایک دفعہ بھاگے اور پھر واپس آگئے۔ اب احساسِ ندامت کی وجہ سے ایسے ڈٹ گئے کہ اُنھیں کوئی خطرہ خطرہ ہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ نیند کے عالم میں ہیں۔ اب جو بھاگ کر واپس نہ آئے اُن کا یہاں ذکر نہیں۔ (بلاغ)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ آیت عین جنگ کے موقعے کا حال نہیں بیان کر رہی ہے بلکہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب شہرِ مدینہ کی طرف واپسی ہوئی تو کیونکہ مشرکوں نے بھاگتے بھاگتے یہ

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

دھمکی بھی دی تھی کہ ہم پھر واپس آئیں گے۔ تو جو سچے مسلمان تھے اُن کو تو کوئی پرواہ نہ تھی، اِس لیے کہ اُنھیں خدا کی طرف سے ایسا اطمینان حاصل ہوا کہ وہ چین کی نیند سو رہے تھے۔ اب جو کمزور دل اور کمزور ایمان والے مسلمان تھے، اُنھیں اپنی جان کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اب انھیں نیند کہاں سے آتی، وہ طرح طرح کی باتیں بناتے پھر رہے تھے۔

(مجمع البیان)

وہ یہ بات بک رہے تھے کہ "ہر بات میں بس اللہ اور رسولؐ اپنا حکم چلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں تو اپنی رائے سے کام لینے کا موقع دیا ہی نہیں جاتا۔ اگر ہماری بات مانی جاتی تو یہ بُرا دن دیکھنا نہ پڑتا۔" (تفسیر صافی)

معلوم ہوتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے مقابلے میں حقِ خود ارادی کا مطالبہ ایک جماعت کی طرف سے بہت پہلے سے تھا۔

مسلمانوں کا یہ کہنا کہ "کیا ہمیں بھی آپؐ کے کاموں میں کچھ اختیار ہے؟" اور خدا کا جواب میں ارشاد فرمانا: "کہہ دیجیے کہ پورا پورا اختیار صرف اللہ کو ہے" اِس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ خدا و رسولؐ کے کاموں میں مسلمانوں کا اختیارات کے حاصل کرنے کا مطالبہ خدا اور رسولؐ کو قبول ہی نہیں۔ یہی مطالبہ رسولِ خداؐ کے بعد اجماع اور شوریٰ کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(فصل الخطاب)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۱۵۵)

بلاشبہ تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، اُن کو حقیقتاً شیطان نے اُن کی بداعمالیوں کے سبب سے اِس غلطی میں مبتلا کیا۔[۱] اور خدا نے (پھر بھی)، اُنھیں معاف کر دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت ہی معاف کرنے والا، بڑا ہی برداشت کرنے والا ہے۔ (۱۵۵)

ہماری بداعمالیوں کے سبب سے شیطان ہم سے گناہ کرواتا ہے؛ آیت کے نتائج اور مثالیں

[۱] اِس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور غلطیوں میں مبتلا ہونے کا سبب خود ہماری اپنی فکر و عمل کی غلطیاں ہی ہوا کرتی ہیں۔ خود ہماری بدنیتی، لالچ، ایمان کی کمزوری، عیش پسندی ہی کو شیطان استعمال کر کے ہمیں گناہوں میں دھکیل دیتا ہے۔ اِس لیے ہم کو اپنے گناہوں کی نسبت اور اُن کی ذمّے داری خود اپنے آپ قبول کرنی چاہیے۔ یہ ذمّے داری خدا پر ڈال دینا تو ایک مزید گناہ، بلکہ خدا پر ناقابلِ تلافی و معافی جسارت کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ اِس آیت میں بتایا گیا کہ گناہ شیطان کرواتا ہے، مگر اُس کو ہم پر غلبہ خود ہماری ہی بداعمالیوں کے سبب سے حاصل ہوتا ہے، اِس لیے ہر گناہ کے ہم خود ہی ذمّے دار ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۵۶

اے ایمان والو! کافروں جیسے نہ ہو جاؤ، اور جن کے بھائی بندوں نے جب زمین میں سفر کیا یا جنگ پر گئے تو وہ کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے[۱]۔ اللہ ایسی باتوں کو اُن کے دلوں میں رنج اور حسرت کا سبب بنا دیتا ہے[۲]۔ ورنہ دراصل خدا ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اُس کو خوب دیکھتا ہے ——— (۱۵۶)

موت بہرحال آکر رہیگی سفر یا حضر کی قید نہیں ہے

[۱] یہ اُن کے بیان کی رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس گھروں میں رہتے تو نہ مرتے۔ گویا موت گھر میں نہیں آسکتی، صرف سفر میں آسکتی ہے۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اگر چاہے تو مسافروں کو زندہ رکھے اور گھروں میں رہنے والوں پر موت وارد کردے۔ (تفسیر صافی صہ ۹۶)

[۲] مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کا دماغ میں آنا اور زبان پر لانا نتیجہ ہے نورِ ایمان سے محرومی کا جب دل میں خدا پر یقین نہیں ہوتا، اس لیے امرِ تکوینی اور تقدیری سے اُنکے دلوں میں حسرت اور رنج و طعن کا اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔
(قرطبی)

ہماری قوّتِ ارادی کی کمی سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے

شیطان جو انسان کو بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اصل میں انسان کی اپنی قوّتِ ارادی کی کمی کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پھر وہ بڑے بڑے گناہ کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن شیطانی تحریک کے مقابلے پر مضبوطی سے جم جائے تو پھر مقابلے کی قوّت' طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ پھر وہ شیطان کی قوی محرّکات سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ (بلاغی)

اس لیے کسی گناہگار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے گناہ کا ذمّے دار شیطان کو قرار دے۔

مثلاً جنگِ اُحد ہی کو دیکھیے کہ مسلمانوں نے شروع ہی میں اپنے سے چار گنے طاقتور مشرکوں شکست دے دی، مگر غلطی یہ کی کہ فوراً مالِ غنیمت پر ہلّہ بول دیا اور دشمن کی نقل و حرکت سے بے پرواہ ہو گئے دوسری(۲) غلطی یہ کی کہ جو لوگ دَرّے پر معیّن کیے گئے تھے اور اُن سے رسولِ خداؐ نے خاص طور پر فرمادیا تھا کہ کسی بھی وجہ سے اس جگہ سے نہ ہٹنا' وہ مال لُٹتا دیکھ کر صبر نہ کر سکے اور نیچے آکر لوٹ مار میں اپنا حصّہ بنانے لگے پھر تیسری(۳) غلطی یہ کی کہ جب کفّار نے حملہ کیا تو بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے جہاد سے فرار اختیار فرمایا۔ اسطرح جرمِ عظیم میں مبتلا ہوئے۔ یہ سب کچھ اُن کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ تھا۔ (تفسیر صافی)

محققین نے نتیجائج نکالے کہ (۱) ہر پچھلا گناہ نئے گناہ کا سبب بنا کرتا ہے۔ یہاں مراد حُبّ دُنیا' زندگی کی محبّت اور مالِ غنیمت کی ہوس ہے۔ (بحر۔ روح المعانی) دوسرا(۲) نتیجہ یہ نکالا کہ جو گناہ بھی سرزد ہو اُسکی نسبت خدا کی طرف نہ دینی چاہیے۔ بلکہ اپنی یا شیطان کی طرف دینی چاہیے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا: "اسکے بعد کہ جب شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی" یا حضرت موسیٰؑ کے خادم نے کہا: "اس بات کو مجھے شیطان نے بھلا دیا۔" (قرآن) (تفسیر کبیر۔ مدارک)

غزوۂ خندق (احزاب)

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ (۱۶) اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

آپ کہدیجیے کہ تمھیں موت یا قتل سے بھاگنے سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوگا (کیوں کہ) بھاگنے کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تمھیں بہت ہی تھوڑا سا موقع مل سکے گا۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ (۱۸) مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اُن سے پوچھو کہ کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکتا ہے، اگر اللہ ہی تمھیں نقصان پہنچانا چاہے؟ اور کون اللہ کی رحمت کو تم سے روک سکتا ہے؟ اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوست، حمایتی یا مددگار نہیں پائیں گے

آیت ۱۶ کی تشریح: مطلب یہ ہے کہ میدانِ جنگ سے بھاگنے کی وجہ سے تمھاری عمر میں اضافہ نہیں ہوجائے گا۔ تم بھاگ کر ہمیشہ ہمیشہ زندہ بھی نہ رہ سکو گے، صرف اتنا

ہی زندہ رہ سکو گے جتنی زندگی تمہاری قسمت میں خدا نے لکھ دی ہے۔ اور پھر بہرحال مرنا ہے۔
*...... (تفہیم القرآن)

* امیر المومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:
"جب مرنا لازمی ہے، اور اس زندگی کو بہرحال ختم ہونا ہے، تو پھر کیوں نہ یہ زندگی خدا کی راہ میں خرچ ہو، تاکہ شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل ہو۔"
*...... (نہج البلاغہ)

آیت کی تشریح : محققین اور مفسرین نے لکھا کہ۔

"قرآن کریم کا یہ عام اصول ہے کہ: وہ اس حکیمانہ اندازِ تعلیم کو اختیار کرتا ہے کہ واقعات کو بیان کرتے کرتے اخلاق اور شریعت کے اصول سکھاتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً پچھلی آیتوں میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ:

(۱) جو عہد یا وعدے کیے جاتے ہیں اُن کے بارے میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی کہ وہ پورے کیے یا نہیں۔؟

(۲) میدانِ جنگ سے بھاگنا کام نہ آئے گا۔

(۳) اگر اللہ تمھیں نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ کے سوا تمھیں اُس نقصان سے کوئی بھی بچا نہیں سکتا۔

(۴) آگے یہ سبق بھی پڑھایا جائے گا کہ: "تمھارے لیے رسول خدا کی زندگی بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔"

(۵) منافقین قابلِ اعتماد نہیں ہوتے (وغیرہ وغیرہ)

*..... (تفسیر ماجدی، تفسیر کبیر امام رازی)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

(۱۸) اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (لوگوں کو جہاد سے) روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے یہ کہتے ہیں کہ "ہماری طرف آؤ"۔ وہ جنگ کے لیے نہیں آتے مگر بہت ہی کم۔

شانِ نزول

* ایک صحابیٔ رسولؐ کسی ضرورت سے میدانِ خندق چھوڑ کر مدینہ آئے جہاں اُنھوں نے اپنے بھائی کو دیکھا کہ وہ بدبخت بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور شراب پی رہا ہے۔
* صحابی نے اپنے بھائی سے کہا: "تو یہاں شراب پی رہا ہے اور خدا کا رسولؐ تلواروں اور نیزوں کے درمیان محصور ہیں۔"
* اُس نے کہا، "بیوقوف! آ، ہمارے ساتھ بیٹھ کر مزے اُڑا۔ اُسی خدا کی قسم جس کی قسم محمدؐ کھاتے ہیں، اب وہ اُس میدان سے کبھی نہیں پلٹیں گے۔ عربوں کا یہ عظیم لشکر اُن کو زندہ نہ چھوڑے گا۔"

یہ سن کر صحابی نے کہا: "تو جھوٹ بکتا ہے"۔ صحابی نے جاکر رسول اللہؐ کو پوری گفتگو سے آگاہ کیا۔ اِس پر یہ آیتیں اُتریں۔ * (تفسیرِ کبیر۔ تفسیرِ مجمع البیان، تفسیرِ نمونہ)

اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ (۱۹) دکیوں کہ ، وہ تمہارا ساتھ دینے میں
الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ بڑے کنجوس ہیں، اور اگر خوف کا موقع
اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ آجائے تو تم اُنھیں دیکھو گے کہ وہ تمھیں
كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ (ڈر کے مارے) آنکھیں گُھما گُھما کر دیکھ
مِنَ الۡمَوۡتِ‌ۚ فَاِذَا ذَهَبَ رہے ہیں، جیسے مرنے والے پر غشی طاری
الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ ہو رہی ہو۔ اور جب خطرہ گذر جاتا ہے
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ‌ؕ تو یہی لوگ مالِ غنیمت کے فائدوں کے
اُولٰٓـئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ حریص بن کر قینچی کی طرح تیز چلتی ہوئی
اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ‌ؕ وَكَانَ ذٰ لِكَ زبانوں کے ساتھ (طعنے دیتے اور باتیں بناتے)
عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ‏﴿۱۹﴾ تم سے ملاقات کو آجائیں گے۔ یہی وہ
لوگ ہیں جو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اسی لیے اللہ نے اُن کے
تمام اعمال برباد یا اکارت کر دیے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

★ یہاں کنجوسی کرنے سے مراد یہ ہے کہ : یہ منافقین تمھاری مدد کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں۔ اپنی جان

بچا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ اپنی دولت خرچ کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی چاہتے ہیں کہ مالِ غنیمت میں سب سے زیادہ حصہ پائیں۔ یہ ہوتا ہے منافق کا کردار۔

* ..... (تفسیر ماجدی۔ فصل الخطاب)

* مومن کا کردار، اِس کے برعکس ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبالؔ:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن ✲ نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

* منافقوں کا یہ کہنا تھا کہ: "هَلُمَّ إِلَيْنَا" "آؤ ہماری طرف"

یعنی: چھوڑو اِس پیغمبرؐ کو۔ تم کب تک اِس دین، ایمان، حق و صداقت کے چکروں میں پڑے رہو گے۔ تم بھی وہی عافیت اور بچاؤ کی پالیسی اختیار کرو جو ہم نے کر رکھی ہے۔

* ..... (تفہیم القرآن)

* یعنی: بظاہر مسلمان بنے رہو تاکہ مسلمانوں کو جو فائدے ہیں وہ تمھیں بھی حاصل ہوں اور جب مسلمان بنے رہنے میں نقصان نظر آئے تو اسلام اور مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ۔

* ..... (مؤلف)

رِند کے رِند رہے ہاتھ سے جنّت نہ گئی۔

* اب خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "اللہ نے اِن کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔"

یعنی: جو کچھ بھی نیکیاں اُنھوں نے کی تھیں خدا نے اُن کو برباد کر دیا۔ کیوں کہ خدا کے ہاں اعمال کی ظاہری شکل نہیں دیکھی جایا کرتی۔ خدا ظاہری اعمال کی تہ میں عمل کرنے والے کا ایمان، نیّت، ارادے اور خلوص کو دیکھتا ہے۔ منافقوں کی منافقت امتحان کے وقت کھل جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اُن کی نیکیاں صرف دکھاوے اور ظاہری فائدے سمیٹنے کے لیے تھیں۔ اِسی لیے امتحان کے وقت اپنی جان، مال، محنت یہ کچھ خرچ نہ کی۔ معلوم ہوا کہ خدا ظاہری اعمال کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتا، بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اِس آدمی کی وفاداریاں کس طرف ہیں؟ یہ شخص دل سے خدا و رسولؐ کو مانتا ہے یا نہیں۔ اگر دل سے مانتا ہی نہیں تو اس کے نیک اعمال کی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ * .. (تفہیم القرآن)

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ (۲۰) یہ (لوگ) سمجھ رہے ہیں کہ (حملہ
يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ کرنے والی) فوجیں ابھی گئی نہیں ہیں
الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ اگر وہ فوجیں پھر آپڑیں تو وہ یہ تمنا
بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ کریں گے کہ کاش ہم صحرائی عربوں کے
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۖ ساتھ جنگلوں میں رہتے ہوتے اور
وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا وہیں سے تمھاری خبریں معلوم کرتے
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ہوتے۔ اور اگر وہ تم میں ہوتے تب
بھی صرف برائے نام ہی جنگ میں حصہ لیتے (یعنی تمھارے کسی کام نہ آتے)

★ اِن آیتوں میں منافقوں کا نقشہ ایسا حسین اور حقیقی کھینچا گیا ہے کہ اُن کے افکار و اعمال کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ صرف اُن کی بزدلی ہی کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں کہ فوجیں واپس جاچکی ہیں، مگر وہ ابھی تک گم صُم سہمے، ڈرے، دبے، دُبکے بیٹھے ہوئے ہیں۔

پھر جیسے ہی مالِ غنیمت بٹنے لگا تو زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ مالِ غنیمت دیکھ کر منھ میں پانی بھر آتا، جب فوجیں مقابلے پر آگئیں تو تمنائیں کرنے لگے کہ کاش ہم صحرائی عربوں کے ساتھ جنگلوں میں ہوتے۔

★ ..... (تفسیر کبیر، تفسیر ماجدی، قرطبی)

★ بالآخر انجام بھی بتا دیا گیا کہ: "اللہ نے ان منافقوں کے تمام اعمال اکارت کر دیے"۔
(آیت ۱۹) (القرآن)

) متکلمین نے نتیجہ نکالا کہ: "جناب رسولِ خدا م کی حیثیت صرف ڈاکیے کی نہیں ہے، بلکہ کامل ترین نمونۂ حیات کی بھی ہے۔

* ...... (فصل الخطاب)

اِس موقع پر جناب رسولِ خدا م کی زندگی کو نمونۂ عمل اس لیے بتایا جا رہا ہے کہ یہودیوں کے قبیلۂ بنی قریظہ کی غدّاری کے ظاہر ہونے کے بعد سارے مدینے کے گھر بظاہر خطرے میں تھے مگر جناب رسولِ خدا م نے اپنے گھر اور بچّوں کی حفاظت کے لیے کوئی الگ اہتمام نہ فرمایا یعنی آپؐ دینِ اسلام کے لیے خود بھی سب کچھ قربان کر دینے کو تیّار تھے۔ اِسی لیے کہا جا رہا ہے کہ: "اگر تم مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو تو تمھیں رسولِ خدا م کی پیروی کرنی چاہیے۔"

یہ مفہوم تو موقع اور محل کے لحاظ سے ہے۔ مگر آیت کے الفاظ عام ہیں، اِس لیے اِس کے معنی محدود نہیں ہو سکتے۔ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان، ہر معاملے میں جناب رسولِ خدا م کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنائے، اور اُن کے اعمال کے مطابق اپنے تمام اعمال کو ڈھالے۔ (تفہیم القرآن)

~ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا ::: میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا۔

* جناب رسولِ اکرم م کی زندگی ایسی عظیم نمونۂ صبر و استقامت، بلند حوصلگی، پامردی، زیرکی، شجاعت، خلوص، حسنِ اخلاق تھی کہ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کی مثالی زندگی کو تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔

اِسی لیے اِس زندگی کو ہمارے لیے نمونۂ عمل قرار دیا گیا ہے۔ *... (تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر)

مثلاً صرف آنحضرت م کی شجاعت ہی کا اندازہ فرمائیں کہ اسد اللہ الغالب علی کلِّ غالب حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسا شجاع یہ فرماتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ: "جب جنگ کی آگ سخت سے سخت گرم ہو جاتی تھی تو ہم رسولِ خدا م کے پہلو میں جا کر پناہ لے لیا کرتے تھے اور اُس وقت ہم میں سے کوئی شخص بھی اُن سے زیادہ دشمن کے قریب نہ ہوا کرتا تھا۔"

* ... (نہج البلاغۃ، کلماتِ قصار، فصل غرائب جملہ ۹)

★ آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔"

★ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا:

" تم پر قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا ' اور اللہ کو بہت یاد کرنا لازم ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے آسمانوں کے فرشتے تمھیں یاد کریں گے۔ اور زمین میں بھی تمھارے لیے نور ہوگا۔"

★ .... (تفسیر نور الثقلین جلد ۴)

★ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

" جب انسان اللہ کو دن میں سو مرتبہ یاد کرے تو یہ ذکرِ کثیر کہلائے گا۔"

★ ..... (سفینۃ البحار جلد ۱)

★ جناب رسولِ خدا نے اپنے اصحاب کرام سے دریافت فرمایا: میں میں تمھیں بہترین اعمال اور پاکیزہ ترین کام بتا دوں"؟ ایسا عمل جو تمھارے درہم و دینار ، بلکہ راہِ خدا میں جہاد کرنے اور قتل کرنے سے بھی افضل ہے۔"

اصحابِ کرام نے عرض کی: "ضرور بتائیں۔"

فرمایا: " اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔"

★ .... (سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۴۸۲)

★ نیز فرمایا کہ: " جنّت کے باغوں کی طرف دوڑو "

★ دریافت کیا گیا: "جنّت کے باغات کیا ہیں" ؟

★ فرمایا: " مجالسِ ذکر" ★ ... (سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۴۸۶)

نوٹ: " مجالسِ ذکر" سے مراد قوالی یا جاہلوں کے اپنے دل سے بنائے ہوئے اذکار نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت ، درس قرآن ، اسلامی علوم کا احیاء ، اخلاق کی تربیت کے دروس ، فقہ ، تفسیر قرآن کا درس ہیں

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

(۲۲) (اِس لیے) جب خاص اور سچے ایمان والوں نے اُن فوجوں کو (آتے) دیکھا تو انھوں نے کہا: "یہ تو وہی موقع (امتحان) ہے جس کا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اُس کے رسولؐ نے بالکل سچ فرمایا تھا۔" اِس واقعے نے اُن کے ایمان اور تسلیم (یعنی) اطاعت اور فرماں برداری (کے جذبہ) کو اور بڑھا دیا۔

سچے اور پکّے مومنوں کا کردار

* منافقوں کا کردار دکھانے کے بعد، اب سچے اصحابِ رسولؐ اور مومنین کا کردار دکھایا جارہا ہے تاکہ دونوں میں تمیز ہو سکے۔ کیوں کہ نماز، روزے، حج وغیرہ میں مومن، منافق یکساں نظر آتے تھے، مگر اب امتحان اور آزمائش کی گھڑی میں دونوں کے کردار ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور اب صاف صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ اور رسولؐ کے سچّے مخلص، وفادار کون ہیں اور صرف نام کے مسلمان کون ہیں؟ * (تفہیم القرآن)

اُحد میں کوئی پہاڑ پر ہے، نبیؐ کا سینہ سپر ہے کوئی ٭ ہزار دعوے ہوں دوستی کے، جگر جگر ہے، دِگر دِگر ہے

★ اب یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ اور رسولِ خداؐ کے وعدوں کا مطلب وہ نہ تھا جو منافقین سمجھے تھے۔ خدا کا وعدہ یہ نہیں تھا کہ انگلی ہلائے بغیر تم کامیاب ہو جاؤ گے اور فرشتے تمہاری تاجپوشی فرمائیں گے۔ خدا کے وعدے یہ تھے کہ سخت امتحانوں میں سے تمہیں گذرنا ہوگا، خدا کی راہ میں قربانیاں دینی ہوں گی۔ اگر تم اُن امتحانوں میں کامیاب ہو جاؤ گے تو خدا کی رحمتیں اور نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی۔ دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں اور عزتیں تمہارے قدم چوم لیں گی۔

جیسا کہ خود خدا نے ارشاد فرمایا:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس یہ کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لے آئے" اور اُن کا امتحان نہ لیا جائے گا؟ حالاں کہ ہم نے تو اُن سب کا امتحان لیا ہے جو اِن سے پہلے گذرے ہیں۔ اللہ کو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں، اور جھوٹے کون ہیں؟"

(سورۃ العنکبوت ۲-۳) پ ۲۰

★ اِس لیے مومنین کا ایمان حملے دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ایمان دعووں کا نام نہیں ہے، بلکہ نفس کی ایک کیفیت کا نام ہے، جو ہمیں خدا کی راہ میں ثابت قدمی اور ایثار و قربانی کا سبق سکھاتی ہے۔

★..... (مؤلف)

۵ . . . . ★ وفاداری بشرطِ اُستواری اصلِ ایماں ہے ★ (غالب)

★ فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "ایمان عمل کا نام ہے"

ع..... (تحف العقول)

★ امیرالمومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام نے فرمایا: "ایمان کے چار رکن ہیں۔ (۱) صبر، (۲) یقین (۳) عدل (۴) جہاد۔ اور ان چاروں کے چار چار شعبے ہیں"۔ (نہج البلاغۃ کلمات قصار)

★ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "(۱) علیؑ کلِ ایمان ہیں۔ (۲) سلمانؓ ایمان کے دس درجوں پر (۳) ابوذرؓ نو درجوں اور (۴) مقدادؓ ایمان کے آٹھ درجوں پر فائز ہیں۔ (الحدیث)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

(۲۳) ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو سچ کر دکھایا، اُن میں سے کچھ نے اپنا وقت اور عہد پورا کر لیا اور کچھ اپنے وقت کے آنے کے منتظر ہیں، اور انہوں نے اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی نہیں کی۔

اس آیت کے مصداق حضرت حمزہؑ، حضرت جعفر طیار اور حضرت امام علیؑ ہیں

خداوندِ عالم کا ارشاد فرمانا کہ: "اُن میں سے کچھ نے تو اپنا وقت پورا کیا" یعنی وہ شہادت پر فائز ہو گئے "اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار کر رہے ہیں۔" یعنی شوقِ شہادت رکھتے ہوتے شہادت پر فائز ہونے کے منتظر ہیں۔:

* پہلے جملے سے خصوصی طور پر اوّلین مراد حضرت حمزہؑ اور حضرت جعفر طیار ہیں، اور دوسرے فقرے سے اوّلین مراد حضرت امام علیؑ ہیں۔

* حضرت امام علیؑ نے فرمایا: "یہ آیت ہمارے بارے میں اُتری ہے۔ خدا کی قسم! وہ انتظار کرنے والا میں ہوں، اور میں نے خدا سے جو جو وعدے کیے تھے اُن میں ذرہ برابر بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔" (تفسیر مجمع البیان)

* میدانِ کربلا میں امام حسینؑ اپنے جس ساتھی کو جہاد کی اجازت عطا فرماتے اور وہ سلام کر کے رخصت ہوتا تو امامؑ اسی آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے: "ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھلایا۔ اور اپنے وقت کے آنے کے انتظار میں ہیں۔"

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ (۲۴) (اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ
بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ سچوں کو اُن کی سچائی کی جزا دے اور
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے
يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اُن کی توبہ قبول کرلے۔ بیشک اللہ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾ بیحد معاف کرنے والا اور بیحد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲۵) اور اللہ نے حق کے دشمن کافروں کو
بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ غم و غصّہ کے ساتھ پلٹا کر اُن کا منھ پھیر دیا
وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر، اپنے دل
الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا کی جلن لیئے، یوں ہی پلٹ گئے، اور اللہ
عَزِيْزًا ۚ﴿۲۵﴾ نے (علیؑ کے ذریعہ) مومنین کی جماعت کو
بچالیا۔ اللہ بڑی طاقت والا، زبردست، اور بڑی عزّت والا ہے۔

آیت ۲۴ کی تشریح: "صدق" کی صفت، صرف صبر کرنے والا شخص ہی اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے۔ اسی لیے

امیرالمومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "صبر کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کیوں کہ خدا نے اپنے رسول اسلام کو حکم دیتا ہے کہ "صبر اختیار کرو"، اسی وجہ سے تمام اولوا العزم پیغمبروں نے صبر کا طریقہ اختیار فرمایا۔"

× ...... (تفسیر نور الثقلین جلد ۴ - احتجاج طبرسی)

آیت ۲۵ کی تشریح :

★ فرزند رسول خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "جنگ احزاب میں خدا مومنین کے لئے کافی ہوا حضرت علیؑ کے ذریعے سے وہ اس طرح کہ حضرت امام علیؑ نے عرب کے نامور سردار عمرو ابن عبدود کو قتل کیا جس سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور آخر کار اُن کو میدان چھوڑنا پڑا۔

★ .... (تفسیر صافی ص ۱۷۴، تفسیر مجمع البیان، تفسیر انوار النجف)

★ لشکر مشرکین کے اُس طویل محاصرے کے دوران حضرت امام علیؑ ایک فوجی دستہ کے ساتھ مدینہ والوں کی حفاظت میں رات بھر پہرہ دیا کرتے تھے اور کسی بھی کافر و مشرک کو مدینہ میں داخل ہونے موقع نہ دیتے تھے اور خندق کے پار قریش کے فوجی کیمپوں کے قریب جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ وہ جگہ اب بھی مسجد علیؑ کے نام سے معروف ہے اور یہ مسجد، مسجد فتح کے قریب ہے۔ جب جناب رسول خداؐ نے مسلمانوں کی بے چینی دیکھی تو آپؐ مسجد فتح تشریف لے گئے جو پہاڑی کے اوپر واقع ہے، اور یہ دعا مانگی: "يَا صَرِيخَ الْمَكْرُوبِيْنَ وَيَا مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَكَاشِفَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اَنْتَ مَوْلَايَ وَوَلِيِّ اٰبَائِي الْاَوَّلِيْنَ اِكْشِفْ عَنَّا غَمَّنَا وَهَمَّنَا وَكَرْبَنَا وَاكْشِفْ عَنَّا شَرَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ بِقُوَّتِكَ وَحَوْلِكَ وَقُدْرَتِكَ"

یعنی: "اے بے چینوں کی فریاد کو پہنچنے والے خدا! اے بے چینوں کی پکار کا جواب دینے والے خدا! اے سخت بے چینیوں کو دور کرنے والے خدا! تو ہمارا بھی سرپرست اعلیٰ ہے اور ہمارے باپ داداؤں کا بھی آقا ہے۔ ہمارے غم کو دور کر دیجئے، اور ہماری بے چینیوں کو بھی دور کر دیجئے، ہمارے اِن دشمنوں کے شر سے ہمیں بچا لیجئے اپنی طاقت، قوت اور قدرت کے ذریعے سے۔"

یہ دعا مانگی۔ فوراً جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی کہ آپؐ کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ایک سخت ٹھنڈی ہوا بھیجی کفار کے خیمے اُکھڑ گئے۔ ساری فوجیں درہم و برہم ہو گئیں اور وہ مکہ کی طرف بھاگ نکلے۔ * (تفسیر برہان، الانوار النجف)

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ (۲۶) پھر اللہ اُن اہلِ کتاب میں سے

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ جنھوں نے اُن کافروں کی مدد کی تھی، اُن کو

صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ اُن کے قلعوں سے اُتار لایا، اور اُن کے دلوں

قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا میں خدا نے (تمھارا) ایسا رُعب ڈال دیا

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝۲۶ کہ آج اُن میں سے ایک گروہ کو تو تم قتل

کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔

وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ (۲۷) اور تم کو اُن کی زمین، اُن کے گھروں

وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ اور اُن کے مال و دولت کا وارث و

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مالک بنا دیا، اور وہ زمین بھی تمھیں

قَدِيْرًا ۝۲۷ دے دی جسے تم نے چل پھر کر فتح بھی نہیں

کیا تھا۔ (غرض) اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

عہد و پیمان توڑنے کا بدترین انجام

★ جب کفارِ قریش اور قبائلِ عرب ناکام ہو کر واپس پلٹ گئے اور جناب رسولِ خدا اور لشکرِ اسلام اپنے اپنے گھروں میں اگر ہتھیار اُتار رہے تھے، اور

جناب رسولِ خداؐ نے بھی ہتھیار اُتار دیے اور غسل فرمایا۔ جبرئیل نے آپؐ کو خبر دی کہ ملائکہ ابھی تک میدانِ جنگ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔" یہ سن کر آنحضرتؐ اور تمام مسلمانوں نے پھر جنگ کے لیے اسلحہ اُٹھا لیے۔ اور حضرت امام علیؑ کو علم عطا فرمایا۔ حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں کہ "جب میں بنو قریظہ کے یہودیوں کے قلعے کے اوپر پہنچا تو وہ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ" وہی آگیا جس نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا تھا۔ علیؑ اسلام کا شہباز ہے۔" دوسرا بولا: قَصَمَ عَلِيٌّ ظَهْرًا اَبْرَمَ عَلِيٌّ اَمْرًا " (علیؑ نے کفر کی کمر توڑ ڈالی، اور علیؑ نے اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں۔) اَهْتَكَ عَلِيٌّ سِتْرًا (علیؑ نے کفر کا پردہ چاک کر دیا۔)

غرض مسلمانوں نے پچیس" دن تک یہودیوں کو محاصرے میں رکھا۔ قلع کے قریب قریب کھجوروں کے درخت تھے۔ حضورِ اکرمؐ نے اُن کو دستِ حق پرست سے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ وہ درخت وہاں سے دور ہو گئے اور پھر محاصرے کو مزید تنگ کر دیا گیا۔ اور اللہ نے یہودیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ آخر کار کعب بن سعد نے یہودیوں کے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ (۱) رسولِ خداؐ پر ایمان لے آؤ کیوں کہ تورات بھی اُن کی تصدیق کرتی ہے۔ یہودیوں نے کہا: "یہ ناممکن ہے۔" (۲) کعب نے کہا: "عورتوں اور بچّوں کو قتل کر دو اور مسلمانوں سے جم کر مقابلہ کرو۔ اگر ہم جیت گئے تو عورتیں اور تلاش کر لیں گے اور اولاد بھی ہو جائے گی۔" یہودیوں نے اس کو بھی نہ مانا۔ (۳) اُس نے کہا: "آج ہفتہ کی رات میں شب خون مارو کیوں کہ مسلمان ہماری طرف سے مطمئن ہوں گے۔" انھوں نے کہا: "ہم ہفتہ کی حرمت برباد نہیں کریں گے۔" *.... (تفسیر برہان)

* آخر کار یہودیوں نے سعد بن معاذ کا حکم مان لیا کہ جو فیصلہ سعد کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔

سعد بن معاذ نے فیصلہ سنایا کہ تورات کے مطابق یہودیوں کے تمام مردوں کو بدعہدی کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اُن کی عورتوں کو اسیر کر لیا جائے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر فرما چکا ہے۔" چنانچہ مردوں کو قتل کیا گیا، اور عورتوں، بچّوں اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہودیوں کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔

* . . . (سیرت ابنِ ہشام جلد ۳۔ کامل ابنِ اسیر ۲)

یکا یک حملے سے محفوظ رہیں ۔ اسی لیے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں ۔

* آخر کار دشمنوں کا سب سے بڑا بہادر سردار عمرو ابنِ عبدِوُد خندق پھاندکر آگیا اور رسولِ خدا کے خیمہ پر نیزہ پھینک کر مقابلے پر آنے کو للکارا ۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے پوچھا کہ اس کُتّے کے مقابلے پر کون جائے گا ؟ کسی کی ہمت نہ ہوئی ۔ بار بار علیِ مرتضیٰؑ کھڑے ہو کر فرماتے کہ : اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ "اے اللہ کے رسولؐ! میں حاضر ہوں ۔

* بالآخر جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو اُس کے مقابلے پر جانے کی اجازت دے دی ۔ اور ارشاد فرمایا : " آج کُلِّ ایمان ، کُلِّ کُفر کے مقابلے پر جارہا ہے ۔"

آپؑ میدانِ جنگ میں وارد ہوئے ۔ عمرو نے ۷۰ وار کیے ، ایک وار حضرت علیؑ کا سرِ اقدس زخمی ہوا ۔ پھر آپؑ نے حملہ کیا اور اُس کو دو ٹکڑوں میں برابر تقسیم کر دیا جب آپؑ واپس ہوئے تو جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا : " خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے ۔ " (الحدیث)

اِس مقابلے کے بعد دشمن کے حوصلے پست ہو گئے ۔ اچانک طوفانی ہوا چلنے لگی جس نے اُن لوگوں کے خیمے اکھاڑ پھینکے ، سردی سے سارا لشکر کانپ اُٹھا ، اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے ۔

* ..... (تاریخ طبری ۔ ابنِ ہشام متفق علیہ)

* یہ آندھی اُس وقت آئی جب اسلام کے دشمن لشکروں نے مدینہ پر ایک ساتھ چڑھائی کر دی تھی ۔ اور محاصرہ کیے ایک مہینہ گزر گیا تھا ۔ اور نظر نہ آنے والی قوتوں سے مراد چھپی ہوئی طاقتیں جو اللہ کے حکم پر کام کرتی ہیں اور انسان کو اُن کی خبر تک نہیں ہوتی ۔ یہی وہ مخفی طاقتیں ہیں جو اکثر ایسی زبردست مدد کرتی ہیں کہ جو فیصلہ کُن ثابت ہوتی ہیں ۔ حالاں کہ انسان اپنے کم علم کی بنا پر اپنی کامیابی کو ظاہری اسباب کا نتیجہ سمجھتا ہے ۔ مخفی طاقتوں سے مراد فرشتے بھی لیے گئے ہیں ۔

* ..... (تفہیم القرآن)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا	(۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد کرو
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ	اللہ کے احسان کو جو اُس نے تم پر
جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا	کیا ہے، جب کئی فوجیں اور
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ	گروہ کے گروہ تم پر چڑھ آئے،
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۹	تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی

بھیج دی، اور ایسی فوجیں بھی (بھیج دیں) جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ (اُس وقت) تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اُسے خوب اچھی طرح سے دیکھ رہا تھا۔

سن ۵ ہجری، جنگ احزاب (جنگِ خندق)

* سنہ ۵ ہجری میں اسلام کے دشمنوں نے ایکہ کر کے مدینہ پر حملہ کر دیا، اور شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تاریخ میں اس کو جنگِ احزاب کہا گیا ہے۔ چار ہزار تو صرف قریشِ مکہ کا لشکر تھا۔ کل دس ہزار سے زیادہ سپاہی تھے۔ بعض نے ۱۵ ہزار لکھے ہیں۔ ان سب کا افسر ابوسفیان تھا۔ عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی لشکر کشی اس سے پہلے نہ ہوئی تھی۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے جنابِ رسولِ خداؐ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے لشکر کو پہاڑ کے دامن میں رکھ کر سامنے خندق سے محفوظ کر لیا جائے۔ غرض ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی، تاکہ دشمنوں کے

جنگ کی ابتدا

جنگ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ مدینہ کے یہودیوں کا قبیلہ بنی نضیر جو حضرت ہارون کی اولاد تھا، اپنی شرارتوں اور اسلام دشمنی کی وجہ سے مدینہ بدر کر دیا گیا۔ یہ قبیلہ خیبر کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہوا۔ انھوں نے سارے عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا، اور مکہ جا کر ابو سفیان سے کہا کہ "تم مشرکوں کا مذہب دینِ محمدؐ سے بدرجہا بہتر ہے۔ تم اپنے دینِ شرک پر قائم رہو۔ اور یہودیوں کے تمام قبیلے تمھارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑنے پر تیار ہیں۔"

مشرکوں کے دل میں جنگِ بدر کے زخم تازہ تھے، اس لیے یہودیوں کے ساتھ مل کر فوج کشی کی تاریخ مقرر کر دی۔ حی ابنِ اخطب جو یہودیوں کا سردار تھا اس نے یہاں تک وعدہ کر لیا کہ ہمارا ایک قبیلہ جو مدینہ میں آباد ہے۔ جس کو بنو قریظہ کہتے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہد کر لیا ہے، اُن کو بھی توڑ کر اپنے ساتھ ملا لوں گا۔

*..... (تفسیر برہان)

غرض قریشِ مکہ کا لشکر جو چار ہزار جنگی جوانوں پر مشتمل تھا، نکلا اور بہت سے عرب قبیلوں کو ساتھ ملا ملا کر ابو سفیان کی سربراہی میں مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اُن کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ حضرت سلمانؓ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو خندق کے اندر ہی محفوظ رہنا چاہیئے۔ اس لیے مدینہ کے باہر دو پہاڑوں کے درمیان خندق کے اندر محفوظ کر لیا۔ مسلمان تعداد میں کل تین ہزار تھے۔ مہاجرین کا علم زید بن حارثہ کے پاس تھا، اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے پاس تھا۔

*..... (تفسیر برہان)

* غرض دشمنوں کے پہنچنے سے تین دن پہلے خندق مکمل ہو گئی۔ خود رسول اللہؐ نے بھی خندق کے کھودنے میں حصّہ لیا۔ کیوں کہ سلمانؓ دس آدمیوں کی برابر کھود رہے تھے اس لیے انصار نے چاہا کہ سلمانؓ کو اپنی طرف ملا لیا جائے اور مہاجرین اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْت "سلمانؓ ہم اہلِ بیت سے ہیں۔

* جب حی ابنِ اخطب، بنو قریظہ کے سردار کعب کے پاس پہنچا اور کہا کہ تم مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد کو توڑ کر ہمارے ساتھ مل جاؤ کیوں کہ سارے عرب قبائل محمدؐ کے خلاف حملہ آور ہوئے ہیں۔ کعب نے کہا کہ: "یہ سب کھوکھلے بادل ہیں۔ جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔ ہم نے تو محمدؐ میں شرافت، نجابت، حُسنِ اخلاق، کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اِس لیئے ہم اُن سے دوستی کا عہد ہرگز نہ توڑیں گے۔" یہودیوں کے ایک بہت عمر رسیدہ سردار زبیر نے کہا کہ: "میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ خدا آخری زمانے میں ایک نبیؐ بھیجے گا جو مکّہ میں ظاہر ہوگا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہ زین کے بغیر گدھے کی سواری کرے گا، سر پر چادر اوڑھے گا، ہنس مکھ ہونے کے باوجود بہادر ہوگا، تلوار ساتھ رکھے گا اور کسی خطرہ سے نہ ڈرے گا۔" اِس لیئے عربوں کا لشکر اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

* حی ابنِ اخطب نے کہا: یہ وہ نہیں ہے کیوں کہ یہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہے۔

* بالآخر حی ابنِ اخطب اپنی شیطانی چالوں میں کامیاب ہوگیا اور اُس نے عہدنامہ لے کر پھاڑ ڈالا اور اُنہیں بھی مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا۔

* القصہ: جنگ کا آغاز اِس طرح ہوا کہ دشمنوں کی طرف سے عمرو ابنِ عبدوُد جو ایک ہزار کے لشکر کے لیئے اکیلا کافی تھا، خندق پار کر کے مسلمانوں سے مبارز طلب ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "ہے کوئی جو اِس کتے کو خاموش کرے۔" مسلمانوں میں سناٹا چھا گیا۔ اور اُس کی بہادری کی داستانیں بیان کرنے لگے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی: یارسول اللہؐ مجھے اجازت دیجیئے۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی، اپنے دستِ حق پرست سے حضرت امام علیؑ کے فرقِ اقدس پر نو پیچ کا عمامہ باندھا اور فرمایا: "کلِ ایمان، کلِ کفر کے مقابلہ پر جارہا ہے۔" پھر آنحضرتؐ نے کامیابی کی دعا فرمائی۔

حضرت امام علیؑ اُس کے مقابلے پہنچے تو اُس نے کہا: آپ کون ہیں؟" فرمایا: "میں علی ابنِ ابی طالبؑ ہوں۔" اُس نے کہا: ابوطالبؑ تو میرے دوست ہیں، اِس لیے میں تمہارا خون گرانا پسند نہیں کرتا۔" آپؑ نے فرمایا: "میں تو تمہارا خون بہانا بہت پسند کرتا ہوں۔" یہ سن کر اُس نے طیش میں آکر ستر حملے کیے: ایک حملہ سے آپؑ کے سر پر زخم آیا۔ پھر آپؑ نے دو چار حملوں میں اُس کی ٹانگیں کاٹ دیں، اُس نے اپنا لعابِ دہن آپؑ پر پھینکا، آپؑ نے صبر کیا۔ کچھ دیر کے بعد سر قلم کردیا۔ (ملخص از تفسیر انوار النجف)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ (۱۰) جب وہ اوپر اور نیچے سے تم پر
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ چڑھ آئے تھے اور جب خوف کے مارے
زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ تمہاری آنکھیں تک پتھرا گئی تھیں
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ اور کلیجے منہ کو آگئے، اور تم اللہ کے
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ بارے میں بھی طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۱) اُس وقت ایمان والے (مومنین)
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱ خوب خوب آزمائے گئے اور بُری طرح سے ہلا ہلا دیے گئے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ (۱۲) اور جب منافق لوگ اور جن کے دلوں میں
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ بیماری تھی یہ تک کہنے لگے تھے کہ: "اللہ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے جو (فتح کے)
وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وعدے کیے تھے، وہ سب دھوکے کے سوا کچھ نہ تھے"۔

آیت ۱۲ کی تشریح : مسلمانوں نے جب دشمنوں کا اتنا بڑا لشکر دیکھا تو اُن کی حالت سخت خراب ہوگئی۔ خوف کے مارے آنکھیں نکل پڑیں اور کلیجے منھ کو آگئے۔ منافقوں کو بد دلی پھیلانے کا موقع مل گیا۔ پھر جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ بنی قریظہ کے یہودی بھی عہد سے پھر گئے تو خوف اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اِسی حالت کو قرآن نے یوں فرمایا کہ:

"مومنوں کو بڑی سختی سے ہلا ہلا ڈالا گیا۔"

..... (تفسیر انوار النجف)

شانِ نزول

جنگِ احزاب کی تاریخ میں آتا ہے کہ جب مسلمان خندق کھود رہے تھے تو ایک ایسا سخت پتھر آگیا جو کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ جناب رسولِ خداؐ خود تشریف لائے اور اُس پر ایسی سخت چوٹ لگائی کہ اُس میں سے ایک چمک نکلی جس سے تمام مدینہ روشن ہوگیا، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آنحضرتؐ نے بھی نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ آپؐ نے پھر دوسری ضرب لگائی، چمک پھر نکلی، سب نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پتھر کا ایک حصّہ اور ٹوٹ گیا۔ آنحضرتؐ نے پھر تیسری ضرب لگائی، اِس دفعہ بھی چمک نکلی، نعرۂ تکبیر پھر بلند کیا۔ حضرت سلمانؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! یہ کیسی روشنی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پہلی روشنی سے میں کسریٰ کے محلات دیکھے جبرئیلؑ نے اُن پر فتح کی بشارت دی، اور دوسری روشنی پر جبرئیلؑ نے روم پر مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی، اور تیسری روشنی پر صنعائے یمن کے محلات دیکھے اور مجھے فتح کی بشارت دی گئی۔ پھر آپؐ نے مدائن میں کسریٰ کے محلات کی تفصیل سنائی جو سلمانؓ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ سلمانؓ بہت خوش ہوئے اور تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔" (تفسیر انوار النجف)

★ یہ سن کر منافقوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے "عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ آدمی اِس بیچارگی کے عالم میں مدائن، ایران، کسریٰ و روم کی فتح کے خواب دیکھ رہا ہے جبکہ تم عربوں ہی کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو۔ یہ سب بے تکی باتیں ہیں۔"

★ اِس پر یہ آیت اُتری کہ "منافقوں کے دل بیماری میں مبتلا رہیں، اِسی لئے وہ ایسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔"

______ (کامل ابنِ اثیر جلد ۲ - سیرت ابنِ ہشام - تفسیر بیر)

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

(۱۳) اور جب اُن میں سے ایک گروہ نے تو یہاں تک کہدیا کہ: "اے مدینے کے رہنے والو! اب تمہارے لیے (یہاں میدانِ جنگ میں) ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ تم واپس (مدینہ) چلو۔" جبکہ (عین اُسی وقت) اُن میں سے ایک جماعت یہ کہہ کر نبیؐ سے (واپس جانے کی اجازت مانگ رہی تھی کہ "ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں"۔ جب کہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہ تھے۔ وہ لوگ تو صرف میدانِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔

★ اِس خوف کی حالت میں منافقوں کو گُل کھلانے کا خوب موقع مل گیا۔ کہنے لگے کہ: "تمھارے رسولؐ تو قیصر و کسریٰ، یمن اور شام کی فتح کی خبر سنا رہا تھا۔ اب اُس کے وعدے کیا ہوئے؟" یہ باتیں سُن کر کمزور ایمان والے مسلمانوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، اور وہ بد دل ہو گئے۔ بہت سوں نے بھاگنے کی ٹھان لی، اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، "اب یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔"

★ جب کفار کے محاصرے کو بیس دن گذر گئے، اور وہ خندق عبور نہ کر سکے، صرف تیراندازی کرتے رہے، تو آخرِ کار پانچ سرداروں نے خندق پار کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اُن میں (۱) عَمرو بن عَبدِ وُد سب سے زیادہ بہادر تھا۔ (۲) عکرمہ بن ابوجہل (۳) ضرار بن خطاب (۴) ہبیرہ بن وہب (۵) نوفل بن عبداللہ یہ ایک مقام سے خندق پار کرکے اندر داخل ہوگئے۔

عَمرو بن عَبدِ وُد ہزار جوانوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اِس لیئے کہ اُس نے ایک مقابلے میں ایک ہزار ڈاکوؤں کو مار بھگایا تھا، جب اُس نے اپنے مقابلے کے لیے مسلمانوں سے مبارزطلبی کی تو کوئی مسلمان اُس کے مقابلے پر آنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ بار بار مدِّمقابل کو للکار رہا تھا۔ اور ہر مرتبہ حضرت امام علیؑ آنحضرتؐ سے اِذنِ جنگ طلب کرتے رہے۔ آخرِکار رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی زرہ پہنائی، ذوالفقار عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا: برز الایمان کلہٗ اِلیٰ کفر کلہٖ۔ یعنی "کلِ ایمان، کلِ کفر کے مقابلے پر جارہا ہے۔

جب حضرت امام علیؑ، عَمرو بن عَبدِوُد کے سامنے آئے تو اُس نے آپؑ کا نام ونسب دریافت کیا۔ آپؑ نے نام بتایا تو کہنے لگا کہ تمہارے باپ سے میری دوستی ہے اِس لیے میں تمہارا خون گرانا نہیں چاہتا، اور تم ابھی کمسن ہو، واپس جاؤ اور کسی دوسرے کو بھیجو۔

حضرت امام علیؑ نے فرمایا: اے عَمرو پہلی بات تو یہ کہ کفر و اسلام کی دوستی کبھی نہیں ہوسکتی دوسری بات یہ ہے کہ میں اِس کم عمری میں تجھے قتل کرنے کا خواہشمند ہوں کیوں کہ تو قتل ہونے کے بعد جہنم میں جائے گا، اور میں تجھے قتل کرنے پر جنت کا مستحق ہوجاؤں گا۔

غرض وہ غضبناک حالت میں حملہ آور ہوا۔ اور اس قدر شدت کی جنگ ہوئی کہ دونوں کی پیکار سے گرد و غبار اُڑنے لگا، عَمرو نے ستر ناکام حملے کیے اور حضرت علیؑ نے ایک وار کے علاوہ سب رد کردیے۔ جب گرد و غبار کم ہوا تو حضرت امام علیؑ، عَمرو کو قتل کرکے تلوار کو اُس کی قمیص سے صاف کر رہے تھے۔ (تفسیر نمونہ) (انوارِ نعمت)

★ "تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ جب امیرالمومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے عمرو ابن عبدوُد کے دونوں پیر کاٹ ڈالے اور آپؑ اُس کا سرِ نجس قطع کرنے لگے تو اُس نے آپؑ کے چہرہ پر اپنا لعابِ دہن پھینکا۔ آپؑ کو اُس کی اِس کمینہ حرکت پر غصّہ آیا۔ لہٰذا غصّہ دور کرنے کے لیے آپؑ نے کچھ توقف فرمایا اور جب غصّہ ختم ہوا تو سرِ نجس اُس کا کاٹ لیا۔ جب لوگوں نے آپؑ سے دریافت کیا کہ آپؑ نے عمرو کا سرِ نجس کاٹنے میں توقف کیوں فرمایا تھا حالاں کہ جلدی ہی کاٹ لینا چاہیے تھا۔؟ آپؑ نے فرمایا: میں اگر غصّہ کی حالت میں اُس کا سر کاٹ لیتا تو اِس کام میں میرا نفس شامل ہو جاتا جبکہ میرا جہاد صرف اللہ کے لیے ہوتا ہے اپنے نفس کے لیے نہیں۔

★ پھر حضرت عمر بن الخطاب نے دریافت کیا: اے علیؑ! تم نے اُس کی قیمتی زرہ اُس کے جسم سے کیوں نہ اُتاری، حالاں کہ سارے عرب میں وہ زرہ نہایت قیمتی اور بے مثال ہے۔؟ آپؑ نے فرمایا: "میری غیرت و حیا، مانع ہوئی کہ دشمن کے جسم سے اُس کا لباس یا زرہ اُتار کر اُس کا جسم عریاں چھوڑ دوں"۔

★ جنابِ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو اِن الفاظ سے خراجِ تحسین پیش فرمایا:

"اے علیؑ! تم کو بشارت ہو کہ آج کا تمھارا عمل اگر میری ساری اُمّت کے جملہ اعمال کے ساتھ تولا جائے تو تمھارا عمل زیادہ وزنی ثابت ہوگا۔ کیوں کہ مشرکین کے گھروں میں عمرو کے قتل ہونے کمزوری داخل ہو چکی ہے، اور مومنوں میں برتری اور عزتِ نفس نے جگہ حاصل کر لی ہے۔ (تفسیر برہان)

★ اور یہ حدیث عوام میں اس طرح منقول ہے: "ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ۔" یعنی: "خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت (جن وانس) ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔"

بیعت شجرہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ (۱۸) اللہ اُن ایمانداروں سے خوش ہوا،

الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت

تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ کر رہے تھے (کیونکہ) خدا کو اُن کے

مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ دلوں کا حال معلوم تھا (اِس لئے) اُس

السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ نے اُن کے دلوں پر سکون واطمینان

فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ اُتارا، نیز انھیں ایک جلد حاصل ہونے

والی فتح عطا کی۔

وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا (۱۹) اور بہت سا مالِ غنیمت بھی

وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۹﴾ انھیں عطا کیا جسے وہ (عنقریب

فتح خیبر کے موقع پر) حاصل کرلیں گے۔ (اس لئے) اللہ بہت زبردست طاقت والا

عزت والا، اور دانائی کے ساتھ بالکل صحیح کام کرنے والا ہے۔

آیت ۱۸ کی تشریح | خداوندِ عالم کا آخر میں فرمانا کہ "نیز انھیں ایک جلد حاصل ہونے والی فتح عطا کی"

"فتح قریب" سے مراد فتحِ خیبر ہے، جو انھیں حدیبیہ سے واپسی پر فوراً ہی نصیب ہوئی۔ (تفسیر مانی)

★ حدیبیہ کے مقام پر جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لی تھی اسی لیے اُس بیعت کو بیعتِ شجرہ کہتے ہیں۔ اسی بیعت کے متعلق یہ آیت اتری کہ "خدا اس بیعت سے راضی ہوا۔" لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جن جن لوگوں نے اُس دن بیعت کی وہ سب کے سب رضائے الٰہی کے مستحق ہوگئے۔ مگر اُن لوگوں نے آیت کے الفاظ پر غور ہی نہیں کیا کہ "خداوندِ عالم نے واضح طور پر فرمادیا کہ: "خدا کو اُن کے دلوں کا حال معلوم تھا" یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ"۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جن کا ایمان حقیقی ہے، جو واقعاً خدا اور رسولؐ کو دل سے مانتے ہیں جبکہ قرآن، حدیث اور تاریخ سے قطعی ثابت ہے کہ حُدیبیہ کی بیعت کے وقت مسلمانوں میں ایک باقاعدہ جماعت منافقوں کی تھی، جن کی مذمت قرآن مجید نے بار بار فرمائی ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے کہا تھا کہ "ہمیں رسولؐ کی رسالت پر جیسا شک حُدیبیہ کے دن ہوا، ویسا شک کبھی نہیں ہوا"۔

اب جو خداوندِ عالم نے یہ فرمایا کہ: "اُس نے اُن کے دلوں پر سکون اُتارا" یعنی سچے مومنین کے دلوں سے ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کردیا۔"

اس لیے اب اگر کسی کا شک کرنا تاریخ سے ثابت ہو جائے تو یقیناً وہ اس آیت کا مصداق نہ ہوگا۔ یعنی اُن لوگوں کے دلوں پر خدا نے سکون نہیں اُتارا تھا۔ اگر اُتارا ہوتا تو وہ خدا کے رسولؐ کی رسالت پر شک و شبہ نہ فرماتے۔"

★...... (فصل الخطاب، تفسیر تبیان، تفسیر انوار النجف)

★ "یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے، کہ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ ساتھ ایک جماعت منافقین کی ہمیشہ رہا کرتی تھی۔" ★...... (تفسیر تبیان)

خدا کا وعدہ حضرت امام علیؑ کے ذریعے پورا ہوگیا

★ اور خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ:

"خیبر کی فتح پر بہت سامالِ غنیمت بھی اُنھیں عطا کیا۔" تو خدا کا یہ وعدہ حضرت امام علیؑ کے ہاتھوں پورا ہوا۔ کیوں کہ جب ۳۹ دن تک خیبر کا قلعہ فتح نہ ہو سکا تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کل میں اُس مرد کو علَم دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہوگا، جری ہوگا، اللہ اور اُس کا رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں گے، اور وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا، اور اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔"

(بخاری شریف)

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن ※ اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرارؑ بھی ہے؟

(اقبال)

حضرت عمر نے اُس درخت کو کٹوا دیا

★ جس درخت کے نیچے حضورِ اکرمؐ نے بیعت لی تھی اُس کے بارے میں ایک روایت مشہور ہوگئی کہ اُس کے پاس جاکر نماز پڑھنے سے دعا قبول ہوتی ہے: لوگوں نے وہاں جاکر نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ حضرت عمر نے اُس درخت کو کٹوا دیا۔

(طبقات ابنِ سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۰)

★ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیعتِ رضوان کے کئی سال بعد صحابۂ کرامؓ نے اُس درخت کو تلاش کیا مگر پہچان نہ سکے۔ (طبقات ابنِ سعد ص ۱۰۵)

★ بخاری و مسلم کی روایت یہ ہے کہ صحابۂ کرام دوسرے سال ہی اُس درخت کو بھول چکے تھے۔

(بخاری، مسلم، طبقات ابنِ سعد بقول سعید ابنِ مسیب)

★ حضرت امام علیؑ ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام نے فرمایا: "جس وقت خداوندِ عالم بزرگ و برتر نے ہمارے خلوص کو دیکھا کہ (ہم واقعتاً دل سے دینِ خدا کی خدمت کر رہے ہیں)، تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر دیا اور کامیابیوں اور نصرتوں کو ہم پر اُتارا، اِسی لیے اسلام صفحۂ زمین پر پھیل گیا اور وسیع علاقوں پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اگر ہم بھی تمہاری طرح (ضعف الایمان) ہوتے تو دین کا ستون ہرگز قائم نہ ہوتا، اور ایمان کے درخت کی شاخیں سرسبز نہ ہوتیں۔ خدا کی قسم! تم (اپنی منافقت کی وجہ) دودھ کے بدلے خون دوہو گے اور شرمندہ ہو گے۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۵۶)

* خداوندِ عالم کا فرمانا کہ "خدا اُس کو، جو اُن کے دلوں میں چھپا ہوا تھا خوب جانتا تھا۔"
اِس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خلوصِ نیت سے جہاد کرے یا دین کی خدمت کرے تو خدائے تعالیٰ اُس کے خلوص کو جانتا ہے، اُس کی گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔

* یہاں تک کہ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"

"جب کوئی مومن فقیر یہ کہتا ہے کہ اے میرے مالک! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ایسے ایسے اچھے اچھے نیک کام کروں، اور جب خداوندِ بزرگ و برتر اُس کی سچی نیت کو جان لیتا ہے تو خداوندِ تعالیٰ اُس کے لیے وہی اجر اور صلہ لکھ دیتا ہے جو اُسے اُس کام کے انجام دینے کی صورت میں ملتا۔ کیوں کہ خدا وسیع رحمت والا ہے۔" "سبحان اللہ" (اسے کہتے ہیں شانِ کریمی اور شانِ عطا۔)

* ...... (بحار الانوار جلد ۰، ص ۱۹۹)

بیعت کے معنی اور طریقہ

ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا کہ:

"عرب جب کسی امیر کی بیعت کرتے تھے تو تاکید کے لیے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیتے تھے یہ کام بیچنے اور خریدنے والے کے کام جیسا ہوتا تھا۔"

* ...... (مقدمہ ابنِ خلدون ص ۱۷۴)

* جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کئی مرتبہ مسلمانوں سے بیعت لی۔ بیعت کرنے والا اپنا ہاتھ حضورِ اکرمؐ کے ہاتھ میں دیا کرتا تھا، اور پھر زبان سے زبانِ حال سے اپنی اطاعت اور وفاداری کا اعلان اور عہد کرتا تھا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ بیعت صرف مال کی حد تک ہے یا جان کی حد تک ہے یہاں تک کہ بیوی بچوں کو قربان کر دینے کی حد تک بھی بیعت کی جاتی تھی، میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے کے عہد پر بھی بیعت ہوتی تھی۔ حضورِ اکرمؐ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو ایک بڑے برتن میں پانی بھروا کر ایک طرف اپنا ہاتھ پانی میں ڈبو دیتے اور دوسری طرف عورتیں اپنے ہاتھ پانی میں ڈبو دیتیں۔

* (تفسیر نمونہ)

★ نیز یہ کہ پیغمبرؐ اکرم اور ائمۂ اہلِ بیتؑ کے لیے جو خداوندِ عالم کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں اِس لیے بیعت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ اُن کی اطاعت کرنا پہلے ہی سے خدا کی طرف سے واجب کردی گئی ہے۔ جیساکہ خدا نے حکم دیا ہے کہ:

"اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو، اور صاحبانِ امر (جو حکم دینے کے اہل ہیں اُن) کی اطاعت کرو۔"

★.... (سورۃ النساء آیت ۵۹ پارہ ۵)

★ اپنے زمانے کے امامِ برحق کی بیعت کی جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اُن کی بیعت کرنا گویا خدا کے حکم کو قبول کرنے کا اعلان اور تجدیدِ عہد ہوگا۔ اِس لیے امامِ برحق کی بیعت کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ انسان یہ نیّت کرے کہ ہم یہ بیعت خدا کی قُربت (اور پسندیدگی کے قریب ہونے) کے لیے کر رہے ہیں۔ نیز امامِ زمانہؑ سے بیعت کرنے کے لیے "مفاتیح الجنان" میں "زیارتِ بیعت" بھی منقول ہے۔ ہر مومن و مومنہ کو نمازِ فجر کے بعد اُس زیارت کو پڑھنا باعثِ ثوابِ بیعت ہے۔ زیارت کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ مَوْلَایَ صَاحِبَ الزَّمَانِ ...... آخر میں ہے: اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ بَیْعَةٌ لَهٗ...

بیعت کا توڑنا گناہِ کبیرہ ہے

فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ: "تین گناہ ایسے ہیں جو انسان کو ہلاک کر ڈالتے ہیں، اور اُسے خدا کے شدید عذاب میں پھینک دیتے ہیں۔ (۱) امامِ برحق کی بیعت کرکے توڑ دینا (۲) سنّتِ رسولؐ کو ترک کردینا۔ (۳) جماعتِ مسلمین سے علیحدگی یا جدائی اختیار کرلینا۔ (بحار الانوار جلد ۲، ص ۱۸۵)

بیعت کے تقاضے

جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا: "میرا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ تم مجھ سے اپنی بیعت میں وفادار رہو۔ میری بھلائی کرو، چھپ کر بھی اور ظاہراً بھی، جب میں تمہیں پکاروں تو لبیک کہو۔ جب تمہیں کوئی حکم دوں تو اطاعت کرو۔" ★ (نہج البلاغہ خطبہ ۳۴)

فتحِ خیبر

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ (۲۰) اللہ تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا

كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا وعدہ کرتا ہے جسے تم فوری طور پر فی الحال

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ (فتحِ خیبر کے موقع پر) حاصل کرو گے، تو یہ فتح

اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ اُس نے تمھیں عطا کر دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ تمھارے خلاف اُٹھنے سے روک دیے ہیں

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ تاکہ یہ (فتح) ایمان لانے والوں کے لیے (خدا کی

قدرت کی) ایک نشانی یا دلیل بن جائے (کہ جو شخص خدا و رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے

اللہ بھی ہر طرح سے اُس کی مدد فرماتا ہے) اور (اِس بات کی بھی دلیل بن

جائے کہ خداوندِ عالم) تم لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا ہے۔

یہ شرف حضرت امام علیؑ کو ملا

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "تاکہ یہ فتح مومنوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانی یا دلیل بن جائے)"۔ تو یہ شرف حضرت امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالبؑ کو حاصل ہوا۔ جب حضرت امام علیؑ قلعِ قموص کے دروازے پر علمِ اسلام لے کر پہنچے تو اوپر سے یہودیوں نے آپؑ سے آپؑ کا نام پوچھا: آپؑ نے فرمایا: "میرا نام علی ابنِ ابی طالبؑ ہے۔" قلع کا کمانڈر انچیف مرحب گھبرا گیا۔ کیوں کہ اُس کو نجومیوں نے یہ بتا دیا تھا کہ تیرے قاتل کا نام علیؑ ہوگا۔ جب مرحب مقابلے پر آیا تو حضرت امام علیؑ کی ذوالفقار کا صدقہ بنا۔ آپؑ قلع کے دروازے پر آئے، دروازے کو پکڑ کر کھینچا، دروازہ قلعے کو سمیت اُکھڑ گیا۔ مسلمان قلع میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ رسولِ خداؐ نے سب کی جان بخش دی۔ مسلمانوں

کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے کے سارے باغات یہودیوں کو واپس کر دیے، اور ان پر ٹیکس لگا دیا۔
* ..... (منتہیٰ، کامل ابنِ اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ سے ۲۲۱)

مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا ٭٭ چھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اُتار کے

★ حضرت علی ؑ سرخ لباس زیبِ تن فرما کر میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے تھے۔
* ..... (تاریخِ کامل جلد ۲ صفحہ ۸۳)

★ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ حضرت امام علی ؑ سیدھے قلعہ قموص کے نیچے جا پہنچے اور ایک پتھر کی چٹان میں عَلَم کو نصب کر کے ٹہلنے لگے تو بالاخانے سے ایک یہودی عالم نے جھانک کر آپ ؑ سے نام و نسب دریافت کیا۔؟ آپ ؑ نے فرمایا: "میں علی ابنِ ابی طالب ؑ ہوں"۔ یہ سن کر یہودی عالم نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا: مجھے توارات کی قسم، اب تم مغلوب ہو جاؤ گے کیوں کہ یہ شخص فتح کیے بغیر واپس ہرگز نہ جائے گا۔ اِس خبر سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ وہ یہودی عالم توارات میں حضرت علی ؑ ابنِ ابی طالب ؑ کا نام اور اوصاف اور آپ ؑ کی شجاعت کے کارناموں کو پڑھ چکا تھا۔" * (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

★ "تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ "پس مسلمانوں نے عامر نامی شاعر صحابی حُدی خواں کی شہادت کے بعد قلعہ خیبر کا محاصرہ کر لیا، حضور اکرم ؐ نے فوجِ اسلام کا عَلَم عمر بن خطاب کے حوالے کیا لیکن ناکام واپس ہوئے (اور حضرت ابوبکر بھی عَلَم لیکر تشریف لے گئے اور خیریت سے واپس آگئے) پھر حضور اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا:

"کل میں فوجِ اسلام کا علم ایسے مرد کو عطا کروں گا، جو اللہ اور اُس کے رسول ؐ کو دوست رکھتا ہوگا، اور اللہ اور رسول ؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں گے، وہ کرار، غیر فرار ہوگا، اور وہ فتح کے بعد ہی واپس ہوگا، اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح دیگا۔"
یہ فرما کر آں حضرت ؐ نے حضرت امام علی ؑ کو طلب فرمایا جن کو آشوبِ چشم تھی، آپ ؐ نے اپنا لعابِ دہن آنکھوں میں لگایا تو فوراً آنکھیں درست ہو گئیں، آپ ؐ نے اُن کو عَلَمِ اسلام عطا فرمایا اور فرمایا اے علی ؑ! سب سے پہلے اُن کو دعوتِ اسلام دینا۔ کیوں کہ ایک آدمی کا بھی ہدایت پانا ہر بڑی سے بڑی غنیمت سے افضل ہے۔" پس حضرت امام علی ؑ اپنی شجاعانہ شان

اور مجاہرانہ انداز سے میدانِ جنگ میں وارد ہوئے۔

مرحب، جو کفارِ یہود کا مایۂ ناز بہادر تھا، آپ کے مقابلے میں آیا اور اس نے رجزیہ اشعار پڑھے

کہ: "خیبر جانتا ہے کہ میں ہی مرحب ہوں جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو اس وقت

میں سلاح پوش آزمودۂ کارزار بہادر ثابت ہوتا ہوں

حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اس کے جواب میں رجزیہ اشعار میں اپنا تعارف کرایا کہ

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ ؛ کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہ

یعنی "میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں بیشۂ شجاعت کا وہ شیر ہوں

کہ جس کے صرف دیکھنے سے بہادروں پر ہیبت طاری ہو جایا کرتی ہے۔"

اس کے بعد طرفین میں تلوار چلی اور چند ہی لمحوں بعد مرحب فی النّار ہوا، اور سب فوجی علیؑ کے

رعب سے حیران و ششدر تھے۔ یہودیوں کی پوری فوج نے حضرت علیؑ پر حملہ کردیا، گھمسان کی جنگ کے دوران

آپؑ کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی، تو فوراً ہی آپؑ نے قلعۂ خیبر کے دروازے میں بایاں ہاتھ ڈال کر اسے اکھاڑ

کر ڈھال کی جگہ استعمال کیا۔ بالآخر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

جابرؓ بن عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ حضرت علیؑ نے بائیں ہاتھ سے تنہا بابِ خیبر کو اٹھایا جب کہ اس کے

اوپر سے قلعہ میں داخل ہونے کے لیے سارے مسلمان گذر گئے۔ اور جب آپؑ نے اسے پھینک دیا تو

ستّر آدمی مل کر اسے اٹھا نہ سکے تھے۔ * (تفسیر مجمع البیان - انوار النجف)

نتائج و تعلیمات | خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "اور اللہ سیدھے راستے کی تمھیں ہدایت بخشے گا۔"

یعنی: تمھیں مزید یہ بصیرت اور یقین حاصل ہو جائے کہ اگر تم خدا اور رسولؐ کی اطاعت پر ثابت قدم

رہو گے تو خدا خود تمھیں اپنا سیدھا راستہ دکھاتا رہے گا، اور تم راہِ حق میں آگے بڑھتے رہو گے۔

؎ مومن کو ہے اللہ کی قوّت پہ بھروسہ ؛ افرنگ کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

(اقبالؒ)

(فتح مکہ)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ (۲۷) اللہ نے اپنے رسولؐ کو حقیقتاً

الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ بالکل ہی سچّا خواب دکھایا کہ تم لوگ

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اگر اللہ نے چاہا تو ضرور مسجدِ حرام میں

اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ پورے امن و امان کے ساتھ داخل ہوگے

رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۙ سر منڈائے ہوئے اور اپنے بال

لَا تَخَافُوْنَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ ناخن ترشوائے ہوئے اور تمہیں

تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ کسی کا کوئی خوف بھی نہ ہوگا۔

دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا (۲۷) خدا اس بات کو جانتا تھا جسے تم

نہیں جانتے تھے (اِس لئے) خواب کے پورا ہونے سے پہلے ہی تمہیں دوسری قریبی فتح

عطا کردی

★ یہ اُس کھٹک کا جواب ہے کہ جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی۔ کھٹک یہ تھی کہ: جنابِ رسولِ خداؐ نے یہ خواب میں دیکھا تھا کہ آپؐ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے ہیں اور طواف کیا ہے۔ پھر یہ کیا ہوا کہ ہم بغیر عمرہ کیے واپس جارہے ہیں۔ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خواب میں اسی سال پورے ہونے تصریح نہ تھی، مگر پھر بھی خلش باقی رہ گئی تھی۔ اِس لیے آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"خواب ہم نے ہی رسولؐ کو دکھایا تھا، جو بالکل سچا تھا اور یقیناً پورا ہوگا۔"

اعتراض خداوندِ عالم نے یہاں جو "انشاء اللّٰہ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اس پر اعتراض ہے کہ خدا خود اپنے لیے "انشاء اللّٰہ" "اگر اللّٰہ چاہے" کیوں فرما رہا ہے؟

اصل میں یہاں یہ الفاظ اِن معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں جن میں ہم استعمال کرتے ہیں

اصل میں قریشِ مکہ نے اس لئے مسلمانوں کو عمرے سے روکا تھا کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہم اسقدر طاقتور ہیں کہ جب ہم چاہیں گے تب مسلمان عمرہ کرسکیں گے۔ اگر ہم نہ چاہیں گے تو مسلمان عمرہ نہ کرسکیں گے جواب میں فرمایا کہ عمرہ اس لیے نہیں ہوا کہ کفار نے نہ چاہا، بلکہ اس لیے عمرہ مسلمان نہیں کرسکے کہ خداوندِ عالم نے ایسا نہ چاہا کہ بے گناہ خون بہ جائے۔ پھر خدا جب چاہے گا مسلمان عمرہ کریں گے چاہے کفار کتنی ہی طاقت استعمال کریں، خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اُن کے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ چناں چہ خداوندِ عالم کا یہ وعدہ اگلے ہی سال ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں پورا ہوکر رہا۔ تاریخ میں اس کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔

عمرۃ القضاء تاریخوں میں ہے کہ رسولؐ نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے اونٹ ساتھ لیے اور عمرہ کے لیے مکہ چلے۔ جب مشرکین نے مسلمانوں کو آتے دیکھا تو ڈر گئے اور سمجھے کہ شاید رسولِ خدا صلح کا معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں۔ جب آپؐ مکے کے قریب پہنچے تو مسلمانوں سے کہا کہ سب اپنے تیر اور نیزے ایک زمین جس کا نام یاجج لکھا ہے، جمع کرادیں، صرف تلواریں جو نیام کے اندر تھیں ساتھ لے کر چلے۔ مکے والے یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، مگر اُن پر رسولِ اکرمؐ کا رُعب طاری ہوگیا۔ مکے کے سردار مکہ چھوڑ کر چلے گئے، مگر عوام نے راستوں اور چھتوں سے رسولِ اکرمؐ دیکھا اور سخت مرعوب ہوئے۔ آپؐ نے مکہ والوں کے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کیا۔ مکے کے سردار سخت تنگ تھے۔ آپؐ نے قریش کی ایک بیوہ عورت سے عقد کیا اور سرداروں کو کھانا کھانے کی دعوت دی، مگر سرداروں نے دعوت قبول نہ کی اور درخواست کی کہ آپؐ جلد مکہ چھوڑ دیں۔ حضورِ اکرمؐ نے مکہ چھوڑ دیا، مگر مکہ والوں پر آپؐ کا رُعب بیٹھ گیا۔ (مجمع البیان، تاریخِ طبری جلد ۲، فی ظلال القرآن جلد ۷)

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ (۱۵۷) اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحۡمَةٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ○

اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا مرجاتے تو اللہ کی طرف کی بخشش اور رحمت تمہارے لیے اُس سے کہیں بہتر ہوتی جو وہ جمع کرتے ہیں۔

"سَبِیۡلِ اللّٰهِ" سے مراد حضرت علیؑ اور گیارہ ائمہؑ ہیں

(الحدیث)

۱ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "اِس آیت میں" سَبِیۡلِ اللّٰهِ" یعنی اللہ کے راستے سے مراد حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد کے گیارہ ائمہؑ ہیں۔ جو شخص ان کی امامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے قتل ہوجائے گا وہ "مقتول فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کے راستے میں قتل ہوگا" اور جو آپؑ کی ولایت پر عقیدہ رکھتے ہوئے بستر پہ بھی مرے گا وہ بھی" فی سبیل اللہ" مرتا ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں مرتا ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

۲ اگرچہ حقیقتاً دنیا کی دولت آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی، مگر کیونکہ دنیا والے دنیا کی دولت کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں، اِس لیے آخرت کی نعمتوں کا دنیا کی دولت سے تقابل کیا گیا ہے تاکہ دنیادار لوگ سمجھ سکیں کہ جس چیز کو تم بڑا سمجھتے ہو، آخرت کی نعمتیں اُس سے کہیں بہتر ہیں (مجمع البیان)

ایک مغربی مفکر ڈینی سن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: "مسلمانوں کے اِس تقدیر کے عقیدے، یعنی ہر امرِ تکوینی کو خدا کو سپرد کردینے کی عادت نے اور عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید شہید ہوتے ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کردی ہے۔"

(Emotion a Basis of Civilisation Page 206)

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ (۱۵۸) لَاِ۠لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸

اور (کیونکہ) تم (اپنی موت) مرو یا مارے جاؤ (بہرحال) بلاشبہ تم کو تو خدا ہی کی طرف سمٹ کر جانا ہے۔ [1]

موت کے بارے میں امیر المومنینؑ کا ارشاد

[1] امیر المومنین حضرت علیؑ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ: "جب مرنا ضروری ہے اور جان بہرحال دینا ہی ہے تو کیوں نہ یہ جان اللہ کی راہ میں دی جائے"۔ تاکہ اجرِ عظیم حاصل ہو، نیز خداوند عالم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا اپنی موت مرتے" بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو خدا کی راہ میں میدانِ جنگ میں نکل کر جہاد کرنے اور قتل ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا لیکن وہ زندگی بھر خدا کی رضامندی کے حصول کی راہ پر چلتے رہے، تو اگر وہ بستر پر بھی مر جائیں گے تو بھی وہ اپنے شوقِ شہادت اور اطاعتِ خدا و رسولؐ کے سبب خدا کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہوں گے۔ اسی لیے حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص بھی آلِ محمدؐ کی محبت پر مرے گا وہ شہید ہوگا"۔ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

کیونکہ آلِ محمدؐ کی حقیقی محبت ہی شوقِ شہادت اور خدا کی رضامندی کے لیے مسلسل جد و جہد کا جذبہ بیدار رکھتی ہے۔ بقول اقبالؔ

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

غزوہ حنین

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ (۲۵)

اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے۔ ابھی (جنگِ) حُنین ہی کے دن جب تم میں اپنی تعداد کے زیادہ ہونے پر غرور پیدا ہوگیا تھا مگر اُس نے تمھیں کچھ بھی تو فائدہ نہ پہنچایا اور وہ کثرتِ تعداد تمھارے کچھ بھی تو کام نہ آئی اور زمین اپنی وُسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگ نکلے۔ (ذرا قرآن کے آئینہ میں رسولؐ کے ساتھیوں کا کردار ملاحظہ فرمائیں)

اللہ کی نصرت اور کثرت کے معنی

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ مواقع جن پر اللہ نے اپنے رسولؐ کی مدد فرمائی تعداد میں اَسّی ۸۰ تھے جسے خدا نے "مواطن کثیرۃ" فرمایا ہے۔

(کافی، تفسیر عیاشی، تفسیر قمی)

معلوم ہوا قرآن کے نزدیک کسی کام کو اَسّی ۸۰ مرتبہ انجام دینا کثرت سے انجام دینے کے مترادف ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے عباسی خلیفہ متوکل نے پوچھا کہ میری والدہ نے کثیر رقم صدقہ دینے کی نذر کی تھی، مگر رقم معین نہ کی تھی۔ اب وہ نذر پوری کرنا چاہتی ہیں تو کتنا مال دیں کہ وہ کثیر مال کہلایا جاسکے؟

آپؑ نے فرمایا: اَسّی دینار۔ خلیفہ نے دلیل مانگی۔ آپؑ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی، کہ خدا نے فرمایا ہے کہ:

"میں نے تمھاری کثیر مواقع پر نصرت کی" جب خدا کی نصرت کو شمار کیا تو اَسّی ۸۰ مواقع پر غیبی امداد خدا نے آنحضرؐ کی فرمائی۔

(منتہی الآمال)

علماءِ اسلام نے اَسّی ۸۰ ایسے مواقع گنائے ہیں جب خدا نے رسولؐ کی غیبی امداد فرمائی۔ (بحر)

جنگِ (غزوہ) حُنین

حُنین، مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر مکّہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے

فتحِ مکّہ کے دو ہی ہفتے کے بعد وادیٔ حُنین میں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے مشہور

تیراندازوں سے ہوا۔ یہ معرکہ ۶ شوال ۸ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء کو ہوا۔ مسلمان بارہ ہزار تھے، اس لیے مسلمانوں کو یقین تھا کہ فتح ہماری ہوگی۔ اسی لیے شروع میں جب مشرک بھاگے تو مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ مشرکین موقع دیکھ کر پلٹ پڑے۔ تیراندازوں نے اس شدت سے تیر اندازی کی کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے کیونکہ مشرکین پہاڑوں میں چھپے بیٹھے تھے جبکہ مسلمان کھلی وادی میں تھے۔ غرض حضرت علیؑ، حضرت عباسؓ اور چند اصحاب کے سوا کوئی رسولؐ کے پاس نہ رہا۔ جناب رسولِ خداؐ دشمنوں کی طرف بڑھے ہی چلے جا رہے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے: "اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ۞ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ" یعنی: "میں نبی برحق ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلبؑ کا فرزند ہوں۔" (ذوالفقارِ حیدری چمکی) فرشتوں نے مدد کی، تب مسلمانوں کو غیرت آئی اور پلٹے۔ آخر کار مشرکین بھاگے، کچھ قتل ہوئے، کچھ گرفتار ہوئے۔ ..... (ماجدی)

صاحبِ تفسیر انوار النجف لکھتے ہیں کہ: جناب رسالت مآبؐ نے صبح کی نماز ادا کی اور وادی میں اُترے ہی تھے کہ ہر طرف سے قبیلۂ ہوازن کی فوج نے احاطہ میں لے لیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ پس مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ سب سے آگے بنی سُلیم تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو پھر کیا تھا سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر ناز تھا جس کو خدا نے توڑ دیا۔ صرف حضرت علیؑ بچ گئے جو برابر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؑ نے حضورؐ کی سواری کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ فضل بن عباسؓ اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؑ آپؐ کے دائیں بائیں تھے۔ غرضیکہ نو آدمی بنی ہاشم کے تھے اور دسواں اُمِ ایمن کا بیٹا ایمن تھا، جو درجۂ شہادت پر فائز ہوگیا۔

ادھر جناب رسالت مآبؐ خود آوازیں دے رہے تھے کہ اے انصار! کہاں جا رہے ہو؟ میں رسولِ خدا یہ موجود ہوں۔ لیکن اب کون سنتا تھا۔ کہتے ہیں قبیلۂ مازن کی ایک عورت جس کا نام نسیبہ بنتِ کعب تھا، وہ بھاگنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالتی اور کہتی تھی خدا اور رسولؐ کو چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ پس خدا کی طرف سے مدد و نصرت نازل ہوئی اور قبیلۂ ہوازن کو شکست ہوئی۔ مالک بن عوف جو اُن کا سرغنہ تھا، بھاگ کر طائف کے قلعے میں گھس گیا۔ اس جنگ میں چھ ہزار غلام و کنیزیں اور بے حساب مال ہاتھ لگا۔ جو نئے اسلام لانے والوں میں تقسیم کیا گیا۔ ..... (ملخص از تفسیر انوار النجف)

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى (۲۶) پھر اللہ نے اپنی طرف کا سکون اپنے رسولؐ
رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ اور (سچے) ایمانداروں پر اُتارا اور ایسی فوجیں
جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ بھی اُتار دیں جو تم کو دکھائی تک نہ دیتی تھیں، اور
كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۲۶ اس طرح حق کے انکار کرنے والوں کو سزا دی۔
(اس لئے) کہ منکرینِ حق کی ایسی ہی سزا ہوتی ہے۔

ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ (۲۷) پھر اللہ نے جس کو چاہا توبہ کی توفیق عطا
عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ فرما کر اُس کی توبہ قبول کی کیونکہ اللہ تو بڑا
رَّحِيۡمٌ ۲۷ ہی معاف کرنے والا، بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

فرشتوں کے ذریعے خدا نے مدد فرمائی (آیت ۲۶) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہاں عذاب سے مراد قتل ہے۔" ...... (تفسیر صافی صفحہ ۲۰۹ بحوالہ تفسیر قمی)

★ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کی طرح جنگِ حُنین میں بھی فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی مدد کے لیے آیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ حُنین میں صرف مسلمانوں کے دلوں میں سکون پیدا کرنے کیلئے فرشتے آئے، جبکہ بدر میں فرشتوں نے جنگ بھی کی تھی لیکن حُنین میں جنگ نہیں کی۔ (تفسیر تبیان)

★ مگر بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں بھی ملائکہ نے بدر کی طرح جنگ بھی کی تھی۔ ...... (تفسیر علی ابن ابراہیم)

★ خدا نے جو اپنی طرف سے اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر تسلی نازل کی تھی تو اس سے مراد صرف تسلی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایسی تسلی ہے جس سے غلبے کی اُمید ہو۔ اس لیے انسان اگر تکبر نہ کرے اور خدا پر بھروسہ کرے تو خدا ایسی تسلی نازل کیا کرتا ہے۔ (تھانوی)

رسولِ اکرمؐ کی فیاضی کے نتائج (آیت ۲۷) غزوۂ حُنین کی فتح کے بعد نبیٔ کریمؐ نے شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ جس فیاضی کا سلوک کیا اُس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر دشمن مسلمان ہوگئے۔ ★...... (تفہیم)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ماننے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ: "تم اُن کو زبان سے نہیں، بلکہ اپنے عمل سے اپنے دین کی طرف بلاؤ۔" (غرض خدا کی اسی عام معافی کی وجہ سے بہت سے کافر مسلمان ہوئے۔) ★...... (الکافی) ...... (ماجدی)

واقع غدیر حضرت علی علیہ السلام کی ولایت

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۶۷

(۶۷) اے رسولؐ! جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر اُتارا گیا ہے، اُسے پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے خدا کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ خود لوگوں سے آپؐ کی حفاظت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ منکرینِ حق کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا اعلان جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن جو یوم عرفہ بھی تھا، فرمایا۔ آیتِ ولایت اُسی دن نازل ہوئی تھی۔ اور دین کی تکمیل حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان پر ہوئی۔

جب خدا نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمائیں تو جناب رسولِ خداؐ نے عرض کی کہ میری اُمت ابھی ابھی کفر سے اسلام

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

میں داخل ہوئی ہے ۔ اگر میں اپنے چچازاد بھائی کی ولایت کا اعلان کروں گا تو کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ باتیں بنائے گا۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "یہ بات میں نے اپنی زبان سے کسی سے نہیں کہی تھی۔ صرف میرے دل میں ایسا خیال گذرا تھا کہ خدا کا دوسرا حکم آگیا ، جس میں مجھے ڈرایا گیا تھا کہ اگر میرے اِس حکم کو نہ پہنچایا تو گویا کارِ رسالت ہی انجام نہ دیا۔"

یہ آیت سُنتے ہی اُسی وقت جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: "اے لوگو ! جو نبیؑ مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں اُن میں سے ہر ایک کا خدا نے ایک وقت معیّن کر دیا تھا۔ جب خدا نے اُن کو بُلایا وہ چلے گئے ۔ اب قریب ہے کہ میں بھی بُلایا جاؤں اور میں بھی چلا جاؤں ، مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی۔ بتاؤ اُس وقت تم کیا کہو گے ؟"

سب نے عرض کی کہ " ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے خدا کے سارے احکامات ہمیں پہنچائے اور ہماری بھلائی چاہی۔ جو کچھ آپؐ کے ذمّے تھا آپؐ نے ادا کیا۔ خدا آپؐ کو تمام پیغمبروں سے افضل و برتر جزاء عطا فرمائے۔"

جب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ جواب سُنا تو تین دفعہ فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" (یعنی) اے اللہ ! تو گواہ رہنا۔" پھر فرمایا: "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اُس کا مولا ہے۔" (یعنی یہ علیؑ میرے

بعد تم سب کا ولی (سرپرست، حاکم) ہے۔ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ حاضر نہ ہونے والوں کو یہ خبر ضرور پہنچا دیں۔"

پھر جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "چونکہ جناب رسولِ خداؐ ساری مخلوق پر خدا کے علم اور اُس کے دین کے امین تھے جو اللہ نے اُن کو عطا فرمایا تھا، اِس لیے اُنھوں نے امانت کا حق ادا فرمایا۔ اِس طرح کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو حضرت علیؑ کی ولایت کے پہنچانے کا حکم دیا اور اُن پر یہی آیت نازل فرمائی اور اِس طرح اولی الامر (یعنی وہ لوگ جن کو خدا نے اپنے معاملات اور دین کی حفاظت کا کام سپرد کیا ہے، اور جو حکم دینے کے اہل ہیں) اِس لیے اُن کی اطاعت واجب کی۔ مگر لوگ نہ سمجھے کہ ولایت کیا چیز ہے؟

اِس وجہ سے خدا نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ اُن کے لیے ولایت کی تفسیر ایسی کر دیں جیسی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد کی تفسیر کی تھی۔ جب خدا کا یہ حکم پہنچا تو جناب رسول خداؐ کو کچھ تردُّد ہوا۔ اُن کو ڈر یہ تھا کہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور مجھے جھٹلا دیں گے۔ پس جناب رسولِ خداؐ نے خدا کی طرف رُجوع فرمایا۔ اِس پر خدا کی طرف سے یہی آیت اُتری۔

یہ سُن کر جناب رسول خداؐ نے خدا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ (یہ آیت اُس وقت اُتری جب جناب رسولِ خداؐ اپنے آخری حج سے واپس ہو رہے تھے اور غدیرِ خُم کے مقام پر تھے۔)

آپؐ نے غدیرِ خُم پر "الصلوٰۃ الجامعۃ" سب کو بلائے جانے کا حکم ہوا۔ جب سب حاضر ہوئے تو علیؑ کے مولیٰ ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ جو حاضر ہیں وہ غائب کو اِس بات کی خبر دیں۔" اِس اعلان سے پہلے آپؐ نے ایک طولانی خطبے میں حضرت علیؑ اور دیگر اہلِ بیتِ رسولؐ کے فضائل اور اہمیت کو بیان فرمایا۔

(تفسیر صافی صہ ۱۳۹ سے صہ ۱۸۳ مع مفصل خطبہ)

اہلِ سنت کی تفاسیر میں بھی ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے یہ آیت غدیرِ خم میں حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابنِ مردویہ نے ابنِ مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ جناب رسول خداؐ کے زمانے میں اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے "یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ) وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ"۔ (یعنی) اے رسولؐ جو حکم تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے تم پر اُتار گیا ہے (کہ بلاشبہ علیؑ مومنین کے مولیٰ ہیں) اُسے پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے رسالتِ خدا کا کوئی پیغام ہی نہ پہنچایا"......۔ (تفسیر درِ منثور علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ سطر ۹ مطبوعہ مصر)

اسی تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۲۹۸ پر ہے کہ: "پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو قریب بلا کر اُن کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپؐ کے زیر بغل کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا یہ علیؑ بھی مولیٰ ہے۔ خدایا دوست رکھ اُس کو جو اِس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو اِس کو دشمن رکھے اور مدد کر اُس کی جو اِس کی مدد کرے اور چھوڑ دے اور ذلیل کر اُس کو جو اِس کو چھوڑ دے۔" اس کے بعد آپؐ نے علیؑ کو ایک خیمے میں مبارکبادی لینے کے لیے بٹھا دیا۔ حضرت عمر فرماتے تھے "مبارک ہو مبارک اے علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کہ تم میرے اور تمام مومنین، مومنات کے آج سے مولا قرار پاگئے۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۱۵، اسباب النزول، ابونعیم، تفسیر کبیر، ثعلبی وغیرہ)

پس حضرت ابوبکرؓ نے بھی حضرت علیؑ کو مبارکباد دی اور کہنے لگے :

" بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابنَ اَبِی طَالِب اَصْبَحْتَ وَ اَمْسَیْتَ مَوْلَایَ وَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَۃٍ ۔ "

یعنی : " مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالبؑ کے بیٹے ! آپ تو آج سے میرے اور کل مومنوں اور مومنات کے مولیٰ و سرپرست ہو گئے ۔ "

عبداللہ ابنِ عباسؓ نے وہیں کہہ دیا تھا کہ : " خدا کی قسم اب یہ چیز لوگوں کی گردنوں میں پڑ گئی ہے ۔ تو حسانؓ بن ثابت نے عرض کی حضور ! مجھے بھی اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں بھی علی ابنِ ابی طالبؑ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار آپ کے سامنے پیش کروں ۔ تو حضورؐ نے فرمایا : اللہ کی برکت سے کہو ۔ حسانؓ اُٹھے اور کہنے لگے کہ اے بزرگانِ قریش سُن لو کہ رسولِ خداؐ کے سامنے میرا قول ولایت کے معاملے میں ناقابلِ تردید ہو گا ۔ اِس کے بعد اپنا قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ ہے :

فَقَالَ لَہٗ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّنِیْ رَضِیْتُکَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَامًا وَّ ھَادِیًا

یعنی حضورؐ نے فرمایا حضرت علیؑ سے کہ اے علیؑ ! کھڑے ہو جاؤ میں تم کو اپنے بعد والوں کا امام اور ہادی مقرر کرتا ہوں ۔ فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا وَلِیُّہٗ ۔ پس جس کا میں مولیٰ اُس کا یہ علیؑ بھی ولی و سرپرست ہے ۔ "

حارث بن نعمان نے تو اللہ سے اپنے لیے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ ! اگر رسولؐ کا یہ عمل تیری جانب سے ہے تو مجھ پر عذاب کر ۔ چنانچہ آسمان سے ایک شعلہ اُترا اور سر سے داخل ہو کر اُس کی مقعد سے نکل گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا ۔ " سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ " (سورۃ المعارج) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں ۔

واقعہ مباہلہ (پنجتن پاک کی فضیلت)

مباہلہ کا حکم اور پنجتنؑ پاک کی فضیلت

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (۶۱)	(۶۱) اب اِس علم کے آجانے کے بعد بھی کوئی آپؐ سے اِس بات میں بحث مباحثہ یا جھگڑا کرے، تو آپؐ اُس سے کہیں کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بُلائیں، تم اپنی عورتوں کو بُلاؤ، ہم اپنی جانوں (نفسوں) کو بُلائیں اور تم اپنی جانوں کو بُلاؤ۔ اِس کے بعد ہم سب خدا سے التجا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

واقعۂ مباہلہ

آیت ۶۱ کی وضاحت : ۹ ؁ھ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کے ۱۴ بڑے علماء اور راہب رسولِ اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موضوعِ بحث حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے بہترین دلیل دی کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی سی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ صرف اِس لیے خدا کے بیٹے ہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، تو حضرت آدمؑ تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اتنی واضح دلیل پر بھی وہ نہ مانے تو کہا گیا کہ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم کے سارے طریقے طے ہو چکے تو اب مباہلہ کرلو۔ اصل میں عیسائی راہبوں کو اپنی روحانی طاقتوں پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ رسولؐ جو شادیاں کرتا ہے، صاحبِ اولاد ہے، حکومت کا انتظام کرتا ہے، روحانی طاقتوں سے بے بہرہ ہے۔ خدا نے اُن کے اسی تکبّر پر ضرب ماری اور مباہلہ کی دعوت دے دی۔ مباہلہ میں

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۶۴)

(۶۴) آپؐ کہیے کہ اے اہلِ کتاب! ایسی بات ہی کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں، اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا "مالک اور پروردگار نہ بنائے[۱]۔ اب اگر اس بات سے بھی وہ مُنہ موڑیں تو پھر تم لوگ کہدو: اب تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم (خدا کے حکم کے تابعِ فرمان) ہیں۔ (۶۴)

اہلِ کتاب کو توحید کی بنیاد پر متحد ہونے کی دعوت:

آیت ۶۴ [۱]: اِس کا مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے شریعت میں حلال اور حرام مقرر کرنے کا اِن ملاؤں کو ٹھیکیدار سمجھ لیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے رسولِ خداؐ سے پوچھا: ہم جب عیسائی تھے تو اُن ملاؤں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا ایسا نہ تھا کہ وہ تمھارے لیے حلال و حرام مقرر کرتے تھے اور تم اُن کے قول پر (اندھا دھند) عمل کرتے تھے؟" اُنھوں (عدی) نے کہا: ہاں۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "بس یہی وہ ہے جسے قرآن نے اِس طرح فرمایا ہے۔"

ہمارے مجتہدین قرآن و حدیث کی روشنی میں حلال و حرام کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ مقرر نہیں کرتے (مترجم و مفسر)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

(۶۲) یقیناً یہ بالکل حقیقی اور سچے واقعات ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

(۶۳) سو اگر یہ لوگ اب بھی منہ موڑیں تو اللہ ایسے خرابی اور فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ؎

آیت ۶۲: ؎ آخر میں خدا نے خود کو "عزیز" یعنی "زبردست" طاقتور اور حکیم" یعنی ہر کام ٹھیک کرنے والا فرمایا ہے۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ اس میں شرک کی نفی بھی موجود ہے اس لیے کہ شریک کی ضرورت یا تو قوت کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، یا علم کی کمی کی وجہ سے کیونکہ نہ تو اللہ کی طاقت میں کوئی نقص ہے اور نہ علم میں کوئی کمی ہے، اس لیے اُس کو اپنا شریک بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (تفسیر صافی)

آیت ۶۳: ؎ محققین نے نتیجہ نکالا کہ شرک بہت بڑا فساد اور خرابی ہے کیونکہ اس سے انسانی ارتقاء کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔ ذہنیت کی پستی کے ساتھ ہر قسم کی عملی پستی پیدا ہوتی ہے اور بالآخر انسانیت ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔ (تفسیر صافی)

ازدواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصہ

آیاتھا ۱۲ | سُورَةُ التَّحْرِيمِ مدنیّۃ | رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے، جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

* * *

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

① اے نبیؐ! آپؐ اپنے اوپر اُس چیز کو کیوں حرام کیے لیتے ہیں جسے اللہ نے آپؐ کے لیے حلال قرار دیا ہے؟ آپؐ اپنی بیویوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ آپؐ کو اپنی رحمتوں سے ڈھک لینے والا، اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا "رحیم" ہے۔ ①

شانِ نزول | جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کے گھر (کمرے میں) شہد کا شربت پیا۔ اِس پر آپؐ کی دوسری بیویوں حضرت عائشہ اور حضرت صفیہ وغیرہ نے باہمی مشورہ کر کے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: "ہم کو آپؐ کے منہ سے مغافیر (ایک بدبودار گوند) کی بو آتی ہے۔" یہ سن کر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کا استعمال بند کر دیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

* (تفسیر صافی) *

مزید یہ کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد کر لیا کہ آئندہ شہد استعمال نہیں فرمائیں گے (کیوں کہ آپؐ کو بدبو سے سخت نفرت تھی) مگر آپؐ کے اِس عمل سے ممکن تھا کہ لوگ شہد کو حرام سمجھ لیں یا عملاً اِس کا استعمال ترک کر دیتے۔

عرفار نے نتیجہ نکالا کہ حلال چیزوں کا ترک کر دینا یا ترکِ لذات خدا کو پسند نہیں۔

* (تفسیر کبیر۔ تفسیر ماجدی) *

* جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ نمازِ عصر کے بعد تمام ازواج کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک دن ام المومنین حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ دیر بیٹھے۔ ازواج کو معلوم ہوگیا کہ اُنھوں نے شہد کا شربت پیش کیا تھا، اِس لیے دیر تک تشریف فرما رہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے مل کر تدبیر کی کہ حضرت زینب کے ہاں دیر تک بیٹھنا چھوڑ دیں، کہنے لگیں کہ آپؐ کے منھ سے بدبو آرہی ہے۔ آپؐ نے شربت پینا چھوڑ دیا اور حفصہ سے فرمایا: "میں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا، مگر اب قسم کھاتا ہوں کہ کبھی نہیں پیوں گا۔" پھر حفصہ سے فرمایا کہ: یہ بات کسی کو نہ بتانا۔" (شاید زینب کو تکلیف ہو۔) حضرت حفصہ نے یہ بات چپکے سے حضرت عائشہ کو بتا دی، اور یہ بھی کہہ دیا کہ کسی سے نہ کہنا۔ خدا نے پیغمبرؐ کو سارا معاملہ بتا دیا۔ حضورؐ نے حفصہ سے

باز پرس کی۔ وہ تعجب سے پوچھنے لگیں کہ آپؐ سے کس نے کہا ؟

* حضورؐ نے فرمایا: "مجھے علیم وخبیر خدا نے بتایا۔"

* اس واقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

* (شیخ الاسلام عثمانی) *

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ ۞ اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ قسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے

مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ کا طریقہ مقرر کردیا ہے (کیونکہ) اللہ

الْحَكِيْمُ ۞ ہی تمھارا مالک ومختار ہے اور بڑا

جاننے والا بھی ہے، اور گہری مصلحتوں کے مطابق دانائی کے ساتھ

بالکل ٹھیک کام کرنے والا بھی۔

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ کسی حلال چیز کے لیے یہ کہہ دینا کہ میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کیا، اور پھر ایسے موقع پر قسم کھالی جائے تو اُس کا کفّارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

اُم المومنین ماریہ قبطیہ نے فرمایا: "جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اُس عہد کا کفّارہ ادا فرمایا۔"

* (تفسیر مجمع البیان) *

معلوم ہوا کہ حلال کا حرام کرنا اور ترکِ لذّات کا عہد یا ارادہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔

* (مؤلف) *

ہوگیا۔ خداوندِ علیم وخبیر نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری حقیقت بتادی۔

چناں چہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ سے باز پُرس بھی کی اور اپنی چند بیویوں سے کچھ عرصے کے لیے علیحدگی بھی اختیار فرمائی۔

* (تفسیر صافی ۔ تفسیر قمی) *

★ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: "مجھے اُس علم والے "اللہ" نے بتادیا ہے جو بڑا باخبر ہے۔" حالاں کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جس میں رسولؐ کو یہ راز بتلایا گیا ہو

اِس سے ثابت ہوگیا کہ ہر وحی قرآن کا جز نہیں بنتی تھی۔ قرآن کے علاوہ بھی بہت کچھ علم رسولؐ کو وحی کے ذریعہ دیا جاتا تھا۔ یہ بات اُس زمانے کے لوگ خوب جانتے تھے۔ اگر نہ جانتے ہوتے تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ضرور یہ فرماتیں کہ یارسول اللہؐ! وہ آیت سنائیے جس کے ذریعہ خداوندِ عالم نے آپؐ کو یہ راز بتادیا ہے۔"

گویا اُس زمانے کی عورتیں تک یہ بات جانتی تھیں کہ ساری کی ساری وحی قرآن میں موجود نہیں ہے یعنی قرآن میں وحی کا بہت سا حصہ شامل نہیں ہے۔ اِس لیے قرآن کو ہدایت کے لیے کافی نہیں مانا جاسکتا۔

* (فصل الخطاب) *

★ فقہی حیثیت سے یہ کہدینا کہ "فلاں چیز مجھ پر حرام ہے۔" بے معنی اور بے اثر ہوتا ہے۔ مگر کیوں کہ حضورِ اکرمؐ نے ساتھ ساتھ وَاللہِ یعنی خدا کی قسم بھی کھائی تھی، اِس لیے (بقول حضرت ماریہؑ) اِس لیے بعد میں خدا نے حکم دیا کہ قسم توڑنے کا کفّارہ بھی دیجیے۔

* (مجمع البیان) *

★ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا دس آدمیوں کو لباس پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے

ہوگیا ۔ خداوندِ علیم وخبیر نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری حقیقت بتا دی ۔
چناں چہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ سے باز پُرس بھی کی اور اپنی چند بیویوں سے کچھ عرصے کے لیے علیحدگی بھی اختیار فرمائی ۔

* (تفسیر صافی ۔ تفسیر قمی) *

★ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ : " مجھے اُس علم والے " اللہ " نے بتا دیا ہے جو بڑا باخبر ہے ۔ " حالاں کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جس میں رسول ص کو یہ راز بتلایا گیا ہو
اِس سے ثابت ہوگیا کہ ہر وحی قرآن کا جزو نہیں بنتی تھی ۔ قرآن کے علاوہ بھی بہت کچھ علم رسول ص کو وحی کے ذریعہ دیا جاتا تھا ۔ یہ بات اُس زمانے کے لوگ خوب جانتے تھے ۔ اگر نہ جانتے ہوتے تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ضرور یہ فرماتیں کہ یا رسول اللہ ص ! وہ آیت سنائیے جس کے ذریعہ خداوندِ عالم نے آپ ص کو یہ راز بتا دیا ہے ۔"
گویا اُس زمانے کی عورتیں تک یہ بات جانتی تھیں کہ ساری کی ساری وحی قرآن میں موجود نہیں ہے ۔ یعنی قرآن میں وحی کا بہت سا حصہ شامل نہیں ہے ۔ اِس لیے قرآن کو ہدایت کے لیے کافی نہیں مانا جا سکتا ۔

* (فصل الخطاب) *

★ فقہی حیثیت سے یہ کہہ دینا کہ " فلاں چیز مجھ پر حرام ہے ۔ " بے معنی اور بے اثر ہوتا ہے ۔ مگر کیوں کہ حضورِ اکرم ص نے ساتھ ساتھ وَاللہِ یعنی خدا کی قسم بھی کھائی تھی ، اِس لیے (بقول حضرت ماریہ رض) اِس لیے بعد میں خدا نے حکم دیا کہ قسم توڑنے کا کفارہ بھی دیجیے ۔

* (مجمع البیان) *

★ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ، یا دس آدمیوں کو لباس پہنانا ، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے

اور جو اِن تینوں میں سے کوئی کام نہ کرسکے وہ تین روزے رکھے۔

* (تفسیر نمونہ) *

* پیغمبر اکرمؐ کے لیے خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "اُنھوں نے اپنی زوجہ سے ایک حصّہ تو بیان کیا اور دوسرا حصّہ بیان نہ کیا۔" اِس سے محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ شریف لوگ کسی کی بازپرسی کرتے ہوئے کسی کو بہت زیادہ شرمندہ نہیں کرتے بس تھوڑا سا اشارہ کرکے چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

* (تفسیر المیزان جلد ۱۷) *

* آیت سے نتیجہ نکلا کہ بند کمروں میں کتنا ہی چھپ چھپا کر کوئی بات کی یا کہی جائے، مگر جب اللہ اُس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو وہ چھپ نہیں سکتی۔

* دوسرے، اِس سے حضور اکرمؐ کی نرم اخلاقی کا پتہ چلتا ہے کہ بیویوں پر سختی نہ فرماتے، ہر کسی کی دلجوئی فرماتے۔ شکایت کے مواقع پر بھی الزام نہ دیتے۔

* (موضح القرآن) *

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ ﴿۴﴾	اب اگر تم دونوں (بیویاں)
صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَاِنۡ	اللہ سے توبہ کرلو (تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے)
تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ	کیوں کہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے
هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ	ہو گئے ہیں، اور اگر نبیؐ کے مقابلے
وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ	پر تم نے ایکا کیا، تو پھر جان لینا کہ

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④ — یقیناً اللہ بھی اُن کا مددگار ہے اور جبرئیل اور مومنین کا وہ فرد بھی

جو بالکل نیک "صالح" ہے (مراد حضرت علیؑ) اور اُس کے بعد تمام فرشتے بھی اُن کے ساتھی، مددگار اور پشت پناہ ہیں۔ ④

یہ خطاب عائشہ اور حفصہ سے ہے — کہ اگر تم توبہ کرتی ہو تو یہ توبہ کا موقع ہے

کیوں کہ تمہارے دل جادۂ عدل سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک گئے ہیں۔

(شیخ الاسلام عثمانی)

* غرض متفقہ طور پر آیت کا خطاب ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت حفصہ سے ہے۔ کیوں کہ اِن دونوں کے طرزِ عمل سے حضورؐ کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔

"مولیٰ" کے معنی مالک سرپرست کے ہوتے ہیں۔ مگر کیوں کہ یہاں خدا کے ساتھ ساتھ جبرئیلؑ اور صالح المومنین (یعنی حضرت علیؑ) کا نام بھی لیا گیا ہے۔ اِس لیے یہاں "مولیٰ" کے معنی مددگار کے لیے جانے چاہئیں۔

(فصل الخطاب)

* حضرت ابنِ عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "مجھے معلوم ہوا کہ اِس قصّے کے بعد جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب بیویوں سے کنارہ کشی اختیار فرمائی ہے، اور مشربہ ام ابراہیم نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ نے سب کو طلاق دے دی؟ فرمایا: "نہیں۔" میں نے عرض کی۔ اللہ اکبر

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ ۝ بہت ممکن ہے، کہ اگر نبی تم سب
اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا بیویوں کو طلاق دے دیں، تو اللہ
مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ انھیں ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں،
قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ عطا فرمادے جو تم سے بہتر ہوں، جو
سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ سچی مسلمان ہوں، ایمان دار ہوں،
اطاعت کرنے والیاں ہوں، توبہ کرنے والیاں دیا، خدا سے رجوع
کرنے والیاں ہوں، عبادت گزار ہوں، روزہ دار ہوں، چاہے
وہ پہلے شادی شدہ رہی ہوں یا کنواری ہوں۔

یہ خطاب ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے ہے

★ مطلب یہ ہے کہ تم دونوں سے ایسی ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں کہ جن کی وجہ سے تم پر توبہ کرنا واجب ہے۔ تمہارے دل اطاعتِ الٰہی سے ہٹ گئے ہیں۔ کیوں کہ تم پر واجب تھا کہ جو بات رسولِ خدا کو پسند تھی وہی کرتیں۔
★ (تفسیر صافی) ★

★ حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ: "میں نے حضرت عمر سے پوچھا کہ وہ دو عورتیں جو رسولِ خدا کے خلاف ایکدوسرے کی مددگار تھیں، کون تھیں؟" حضرت عمر نے فرمایا: "وہ عائشہ اور حفصہ تھیں۔"
★ (تفسیر صافی۔ مجمع البیان) ★

* یہ راز بعد میں فاش ہوگیا کہ اُن دونوں خواتین نے سازش فرمائی تھی، تاکہ پیغمبرؐ اُس زوجہ کے پاس نہ جائیں، جنھوں نے آپؐ کو شہد کا شربت پلایا تھا۔ اِس کے معلوم ہونے سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت رنج ہوا۔

* (فصل الخطاب) *

* بخاری شریف میں روایت ہے کہ: "پیغمبر اکرمؐ اپنی زوجہ زینب بنتِ جحش کے پاس جاتے تو وہ آپؐ کو شہد کا شربت پلاتیں، جو آپؐ کو بہت پسند تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے مل کر یہ پروگرام بنایا کہ جب رسولِ خداؐ ہمارے پاس تشریف لائیں تو اُن سے کہیں گے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر (جو ایک بدبودار گوند ہوتا ہے) کی بدبو آرہی ہے۔
کیوں کہ جنابِ رسولِ خداؐ کو بدبو سخت ناپسند تھی، اِس لیے آپؐ نے فرما دیا کہ آج کے بعد شہد نہیں پیوں گا۔" (آپؐ کو غالباً یہ خیال ہوا ہوگا کہ شہد کی مکھی نے مغافیر سے رس چوس کر شہد بنایا ہوگا) مگر ساتھ ہی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے یہ بھی فرما دیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا (تاکہ کہیں یہ میری سنّت سمجھ کر لوگ شہد کا استعمال بند کردیں) مگر دونوں بیویوں نے راز فاش کر دیا۔ پھر بعد میں حضورِ اکرمؐ کو خداوندِ عالم نے بتا دیا کہ یہ سب سازش تھی۔ جس پر پیغمبرؐ کو رنج ہوا اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

* (ملخص از صحیح بخاری جلد ۶، تفسیر کبیر) *

* جنابِ رسولِ خداؐ اِسی سازش کی وجہ سے ایک ماہ تک اپنی ازواج سے الگ رہے۔ یہاں تک کہ مشہور ہوگیا کہ آپؐ اپنی ازواج کو طلاق دے دیں گے۔ یہ سُن کر ازواجِ پیغمبرؐ سخت پریشان ہوئیں اور اپنے عمل پر پشیمان بھی ہوئیں۔ * (تفسیر نمونہ) *

* معلوم ہوا کہ گھر، ادارہ یا معاشرے میں دوسروں کو کاٹنے کے لیے اِس طرح کی سازش کرنا خدا کو سخت ناپسند ہے۔ * (مؤلف) *

* **آیت کا پیغام :** یہ ہے کہ : "اے ازواجِ رسولؐ ! کبھی بھول کر بھی یہ نہ سوچ بیٹھنا کہ مرد کو تو عورتوں کی ضرورت ہوتی ہی ہے ، پھر ہم سے اچھی عورتیں رسولؐ کو کہاں سے ملیں گی ۔ اس لئے رسول ہو مجبوراً ہماری باتیں سہتے رہیں گے ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ چاہے تو تم سے کہیں بہتر عورتیں اپنے نبیؐ کو دے سکتا ہے ، اُس کے لیے کوئی کمی نہیں ۔

* (شیخ الاسلام عثمانی) *

نتائج : (۱) معلوم ہوا کہ ازواجِ رسولؐ مثالی کردار کی مالک نہ تھیں ، ورنہ یہ نہ فرمایا جاتا کہ "خَيْرًا مِّنْكُنَّ " تم سے بہتر عورتوں سے خدا ازواج کو بدل سکتا ہے ۔

(۲) اِس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ازواجِ رسولؐ لاکھ بڑی مرتبہ والی ہوں ، مگر آیتِ تطہیر کی مصداق نہیں بن سکتیں ، اِس لیے کہ اگر آیتِ تطہیر کی مصداق ہوتیں تو اُن سے بہتر کوئی اور عورت ہو ہی نہیں سکتی تھی ، اور اگر آیتِ تطہیر کی مصداق ہوتیں تو خدا یہ الفاظ اُن کے لیے نہ فرماتا "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا " تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں ۔ (آیت ۴)

* اور جن کے لیے خدا یہ فرمائے کہ "يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" : "وہ ایسے پاک رکھے گئے ہیں کہ جو حق ہے پاک رکھنے کا " (سورۃ الاحزاب آیت ۳۳ پارہ ۲۲)

* دلوں کے ٹیڑھ تو بڑی سخت نجاست ہے ، بلکہ حقیقی نجاست ہے ۔ پھر انہی ازواجِ رسولؐ کے لیے خدا یہ کیسے فرماتا کہ : "یہ ایسی پاک ہیں جو حق ہے پاک ہونے کا " یہ تو پھر تضاد بلکہ مذاق ہو جائے گا اِس لیے کم سے کم یہ بات ضرور ماننی پڑے گی کہ ازواجِ رسولؐ آیۂ تطہیر میں شامل نہیں ہو سکیں ۔

* (مؤلف) *

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ ۳ اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش
سے بات تک نہیں کرتا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞ ۴ اُن کا کلام (تمام تر) ایک وحی ہے
جو (اُن پر) خفیہ اشارے کے
ذریعہ بھیجی جاتی ہے۔

واقعہ معراج النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ اُسے زبردست قوّت والے، مضبوط طاقتوں والے (خدا نے بذریعۂ جبرئیل) تعلیم دیا ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ جو بڑا شاندار صاحبِ عقل و حکمت، صاحبِ قدرت، صحیح رائے والا ہے۔ پس وہ (رسولؐ معراج کی منزل پر) ٹھہرے

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ جبکہ وہ آسمان کے بلند ترین نقطے پر تھے۔

آیت ۵ کی تشریح

مطلب یہ ہے کہ ہمارے رسولؐ کو کسی اور انسان نے تعلیم نہیں دی ہے۔ اُس کو جو علم ملا ہے ایک فوق البشر ذریعے سے ملا ہے۔ "شَدِيْدُ الْقُوٰى" (یعنی) زبردست قوت والے سے مراد جبرئیلِ امین کو بھی لیا ہے * (بقول عبداللہ ابنِ مسعود، حضرت عائشہ، ابوہریرہ، تفسیر کبیر، روح المعانی، قتادہ وغیرہ)

* مگر اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ جبرئیلؑ، جنابِ رسولِ خداؐ کے اُستاد تھے۔ کیوں کہ جبرئیلؑ جو علم بھی رسولؐ تک پہنچایا کرتے تھے، وہ اُن کا ذاتی علم نہیں ہوتا تھا، وہ خدا کے علم کو رسولؐ تک پہنچانے کا صرف ذریعہ تھے۔ اِس لیے وہ رسولؐ سے افضل ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ * (تفسیر کبیر، تفہیم، مجمع البیان، فصل الخطاب)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ (۸) پھر وہ (رسولؐ) قریب ہوئے پھر اور زیادہ قریب ہوئے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨ (۹) یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر (قریب ہوگئے) یا اِس سے بھی کمتر فاصلے پر آگئے۔

مرکزِ جلالِ الٰہی سے اور قریب ہوگئے

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "پھر وہ قریب ہوئے"

یعنی حضرت جبرائیلؑ اور جناب رسولِ خداؐ دونوں اُفقِ اعلیٰ سے اور زیادہ قریب ہونے چلے گئے۔ اور پھر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُفقِ اعلیٰ سے بھی آگے بڑھ گئے۔

یہاں تک کہ مرکزِ جلالِ الٰہی سے اتنے زیادہ قریب ہوگئے کہ جب خداوندِ عالم نے اِس حقیقت کو محسوسات کے دائرے میں لاکر سمجھایا تو آں حضرتؐ کا فاصلہ مرکزِ جمال و جلالِ الٰہی سے صرف دو کمانوں سے بھی کم رہ گیا۔ "سبحان اللہ"

یہاں پر "اَوْ" یعنی "یا" کا لفظ جیسا کہ فرمایا: "دو کمانوں کے برابر" یا "اِس سے بھی کم"۔ تو "یا" کا لفظ شک کی وجہ سے نہیں بلکہ یہاں "یا" کے معنی "بلکہ" ہیں، تاکہ سننے والے خدا سے قُربِ رسولؐ کو دو کمانوں کے فاصلے تک محدود نہ کرلیں، بلکہ یہ بات بتادی جائے کہ خدا سے رسولؐ کے قُرب کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

* (فصل الخطاب)

★ "عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی" یعنی: حضورؐ کو شدید القوٰی نے تعلیم دی۔ یعنی یہ قرآن جو بذریعۂ وحی اتارا گیا ہے۔ یہ اُن کی خواہشِ نفس کی ترجمانی نہیں، اور نہ خود انھوں نے اُسے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ آں حضرتؐ پر وحی کی گئی ہے، اور مضبوط طاقت والے اللہ نے اُس کو تعلیم کیا ہے، اور ذُوْ مِرَّۃٍ" کا مبتدا "ھُوَ" ضمیر غائب محذوف ہے۔ اِس جگہ بعض مفسّرین نے شدید القوٰی" سے مراد جبرئیلؑ لیا ہے۔ اور ذُوْ مِرَّۃٍ سے مراد بھی جبرئیلؑ لیا ہے۔

★ "فَاسْتَوٰی" سے مراد یہ ہے کہ شبِ معراج حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوئے۔ کیوں کہ وہ جب وحی لے کر آتے تھے تو بشکلِ انسانی ہوتے تھے۔ لیکن وہاں آپؐ نے چاہا کہ اُن کو اصل شکل میں دیکھیں۔ تو وہ اُفقِ اعلیٰ پر اپنی اصل شکل میں تھے۔

اور یہ معنی قرینِ عقل نہیں ہوتے کیوں کہ حضورؐ کو جبرئیل کا تعلیم دینا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ حضورؐ کو اللہ ہی نے سب کچھ تعلیم دیا ہے۔ کیوں کہ یہ مسلّم ہے کہ حضورؐ جبرئیل سے افضل تھے۔

★ (تفسیر انوار النجف)

"ذُوْ مِرَّۃٍ" کے معنی (۱) خوبصورت اور شاندار وجود

★ (بقول ابنِ عباسؓ اور قتادہ)

(۲) دوسرے معنی "طاقتور" کے ہیں۔ (بقول مجاہد، حسن بصری، ابنِ زید، سفیان ثوری)

(۳) تیسرے معنی "صاحبِ حکمت" کے ہیں۔ ★ (بقول سعید ابنِ مسیّب)

(۴) جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: اِس کے معنی "صحیح القوٰی" یعنی تندرست۔

(۵) عربی محاورے میں اِس کے معنی "صاحبُ الرّائے" اور عقلمند۔ ★ (تفسیر کبیر)

★ "اُفُقِ الْاَعْلٰی" سے مراد آسمان کے اوپر مشرقی کنارہ، جہاں سے سورج نکلتا ہے، اور روشنی پھیلتی ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل سب سے پہلے آسمان کے مشرقی کنارے پر رسولؐ کو دکھائی دیے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس وقت اپنی اصل شکل میں تھے۔

★ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ⑩ پھر اللہ نے اپنے بندے کو وحی کے ذریعہ خفیہ پیغام دیا، جو اُسے وحی کرنا تھا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اُن (رسولؐ) کے دل نے کوئی دھوکہ نہ کھایا اُس میں جسے اُنھوں نے دیکھا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ تو کیا تم اُن سے بحث یا جھگڑا کرو گے اُس میں جسے اُنھوں نے خود دیکھا ہے۔

آیتؑ کی تشریح اُس قُرب کے عالم میں خداوندِ عالم نے فرمایا: "فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى" "اس اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو اُسے کرنا تھی۔"

* اب قرآن میں اُس وحی کا خاص طور پر کوئی ذکر نہیں۔
* اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ "وحی قرآن میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں درج نہیں ہے۔ اِس لیے یہ تصور غلط ثابت ہوگیا کہ جتنی وحی ہوئی وہ سب قرآن میں ہے۔ (فصل الخطاب)

وہ وحی کیا تھی؟

* تفسیر بُرہان میں تفسیر علی ابنِ ابراہیم سے منقول ہے کہ: حضور اکرمؐ سے کسی نے دریافت کیا کہ: یارسول اللہؐ! وہ وحی کیا تھی"؟

آں حضرتؐ نے فرمایا: "وہ وحی یہ تھی کہ اللہ نے فرمایا: علیؑ سید الوصیین، امام المتقین، اور قائد الغرّ المحجلین ہیں۔ اور خاتم النبیینؐ کے پہلے خلیفہ ہیں۔" پس لوگوں نے اِس پر شک کیا تو آیت اُتریں۔ (انوار النجف)

آیت ۱۱ کی تشریح

مطلب یہ ہے کہ معراج کا جو بلند ترین تجربہ جناب رسولِ خدا کو ہوا وہ پوری بیداری کے عالم میں ہوا، کھلی آنکھوں ہوا۔ اس تجربہ کو اُن کے دل نے یہ نہ کہا کہ یہ کوئی نظر کا دھوکہ ہے یا کوئی جن یا شیطان مجھے دکھائی دے رہا ہے، یا کوئی خیالی صورت نظر آگئی ہے، بلکہ اُن کے دل نے ٹھیک ٹھیک وہی کچھ سمجھا جو اُن کی آنکھوں نے دیکھا، انھیں اِس سلسلے میں کوئی شک واقع نہیں ہوا کہ وہ جبرائیل کو دیکھ رہے ہیں اور خدا کے قریب ترین مقام پر ہیں، اور خدا سے گفتگو فرما رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم)

★ اللہ فرماتا ہے کہ تم لوگ رسول اللہ صؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو، تاکہ وہ اپنے چشم دید حقائق کے متعلق شک میں پڑ جائیں۔

★ مذہب شیعہ کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضورؐ اکرم اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے، اور اللہ نے ہی اُن کو سیر کرائی اور عالمِ بیداری میں تشریف لے گئے۔ پس آپؐ نے ملکوتِ سماویہ اور مقدراتِ الٰہیہ کا آنکھوں سے مطالعہ فرمایا تھا نہ کہ صرف دل اور روح نے دیکھا تھا۔

(تفسیر انوار النجف)

دیدارِ الٰہی

بعض شیعہ علماء نے تو دیدارِ الٰہی کا کلی طور پر انکار کیا ہے۔ اِس بنا پر کہ اللہ پاک اور بلند ہے اِس سے کہ اُسے دیکھا جا سکے۔ لیکن سنّی علماء اور بعض شیعہ علماء جیسے آیت اللہ العظمیٰ خمینیؒ نے مشاہدۂ جلال و جمالِ الٰہی کا انکار نہیں کیا۔

آیت اللہ العظمیٰ خمینیؒ کا بیان ہے کہ خدا کے جلال و جمال کا مشاہدہ ممکن ہے۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کی کنہِ ذات (حقیقتِ ذات) کو دیکھنا ممکن ہے، نہ اُس کا علم کلی حاصل ہونا ممکن ہے۔

خدا کے دیدار اور ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان دل کو صرف اور صرف خدا کے لیے خالی کر دے، انانیت کو ختم کر دے اور خدا کے اسماء و صفات کی طرف مکمل توجہ کرتے رہنے کی مسلسل مشق کرتا رہے

اور بالآخر خدا کی حبِّ ذات میں غرق ہو جائے، تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس کا دل غیر اللہ کے تعلّق اور محبت سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے، پھر ایک صاف و شفّاف آئینے کی طرح اُس دل پر خداوندِ عالم کے اسماء و صفات کی تجلّیات پڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خداوندِ عالم کے اسماء اور صفات اور بندے کے درمیان تمام موٹے تاریک حجابات پھٹ کر ہٹ جاتے ہیں اور بندہ بارگاہِ خداوندی سے مکمّل تعلّق پیدا کر لیتا ہے

اِس حالت میں پہنچنے کے بعد سالک کی روح اور خدا کے درمیان سوائے اسماء اور صفات کے کوئی حجاب باقی ہی نہیں رہتا۔ پھر وہ تجلّیاتِ ذاتی اور عینی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اپنی نظروں سے تمام موجودات کے وجود ظلِّ حق کو دیکھتا ہے۔

(چہل حدیث از امام خمینی رہ)

★ فرزندِ رسولِ خدا م حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "سورج کی شعاعیں جتنا سورج سے تعلّق رکھتی ہیں، اُس سے کہیں زیادہ گہرا تعلّق مومن کی روح اور خداوندِ عالم میں ہوتا ہے۔"

(اصول کافی جلد ۲ ص ۱۶۶، کتاب کفر و ایمان باب اخوۃ المومنین حدیث ۴)

اللہ کو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں

★ جنابِ امیر المومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدایا! مجھے اپنی طرف سے مکمّل انقطاع عطا فرما۔ ہمارے دلوں کی آنکھوں کو اپنی نظرِ کرم ڈال کر اتنا روشن کر دے کہ ہمارے دلوں کی آنکھیں نور کے پردوں کو کاٹ کر معدنِ عظمتِ خدا تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیرے عزِّ قدس سے معلّق ہو جائیں۔ مالک! تو مجھے اُن لوگوں میں قرار دے جن کو تُو نے جب بھی پکارا تو اُنھوں نے لبیک کہا، اور جب تُو نے اُن کو دیکھا تو وہ تیرے جلال کو دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ پھر تُو نے اُن سے چپکے چپکے باتیں کیں، اور اُنھوں نے فقط تیرے لیے عمل کیا۔" (مناجاتِ شعبانیہ از مفاتیح الجنان، اقبال الاعمال، اعمالِ ماہِ شعبان وغیرہ)

★ آپ نے یہ بھی فرمایا: "لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ وَلٰكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوبُ بِحَقَائِقِ الْإِيْمَانِ"

"اللہ کو کھلم کھلا ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ دلوں کے ایمان کی حقیقتوں سے درک کیا جا سکتا ہے۔" (نہج البلاغہ)

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ پھر انھوں نے (رسولؐ نے) انھیں (جبرئیلؑ کو) دیکھا دوسری دفعہ کے اترنے میں۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ سدرۃ المنتہٰی کے پاس

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ جس کے پاس جنت الماوٰی ہے

(یعنی) بہشت بریں ہے۔ یہ وہ جنت ہے جو مومنین کے ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، یا وہ جنت ہے جس میں شہداء کی ارواح رکھی جاتی ہیں۔

قلب کی آنکھوں سے مشاہدۂ قدرت

پیغمبر اکرمؐ نے دوسری مرتبہ پھر سدرۃ المنتہٰی کے قریب خدا کی ذات پاک کا مشاہدہ اپنے قلب کی آنکھ سے کیا۔ یعنی دوسری مرتبہ پھر آپؐ کے قلب پر نزول فرمایا (نَزْلَةً اُخْرٰى)

اس طرح حضور اکرمؐ کو دوسری مرتبہ پھر شہود کامل حاصل ہوا۔ اس مقام کو خداوند عالم کا قرب حقیقی اور انتہائی قرب کہہ سکتے ہیں۔ اُس وقت نور کے حجابوں نے سدرۃ المنتہٰی کو ڈھانپ رکھا تھا۔ آپؐ نے خدا کے نور کے سوا کسی اور چیز کو نہیں دیکھا۔ وہیں پر آپؐ نے خدا کی عظمت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

شہودِ باطنی ایک قسم کا ادراک اور دیکھنا ہے جو نہ تو ادراکاتِ عقلی سے مشابہ ہوتا ہے اور نہ ادراکاتِ حسی سے

جس طرح ہم اِس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم موجود ہیں کہ اپنی خواہشات اور ارادے کو جانتے ہیں، مگر یہ آگاہی نہ دو دلیلوں سے ہوئی ہے اور نہ مشاہدۂ ظاہری سے۔ اصل میں یہ ایک شہودِ باطنی ہے جو معلومات شہودِ باطنی سے حاصل ہوتی ہے، اِس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی جبکہ جو معلومات دلیلوں سے حاصل ہوتی ہیں، وہ غلط ہو سکتی ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ رسولِ اکرمؐ کو معراج میں جو شہودِ باطنی ہوا اُس کی حقیقت کو ہم نہیں سمجھ سکتے، اِس لیے کہ وہ بہت ہی اعلیٰ تجربہ تھا۔

(تفسیر نمونہ)

آیت ۱۴ کی عام تفسیر جبریلِ امین سے دوسری ملاقات کا ذکر ہے جس میں وہ جناب رسولِ خداؐ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوئے۔ یہ ملاقات سدرۃ المنتہیٰ پر ہوئی جس کے قریب ہی جنّت الماویٰ ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم)

پھر جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں سے تنہا آگے چلے۔

سِدرَۃُ المُنتَھیٰ "سدرۃ" عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔

"یہ وہ بلند مقام ہے جہاں ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اِس کے آگے جو کچھ ہے اُسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(علامہ آلوسی صاحبِ تفسیر روح المعانی)

★ ابنِ اثیر نے لکھا کہ: "ہمارے لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ اِس عالمِ مادّی کی آخری حد پر وہ بیری کا درخت کیسا ہے اور اُس کی حقیقی نوعیت کیا ہے۔ یہ کائناتِ خداوندی کے وہ راز ہیں جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ بہرحال وہ کوئی ایسی چیز ہے جسے انسانی زبان میں سدرہ سے زیادہ کوئی موزوں لفظ نہیں کہہ سکتے۔

(ابنِ اثیر، ابنِ جریر)

غرض "سدرۃ المنتہیٰ" وہ مقام ہے جو کائناتِ عالم کی انتہا ہے۔ یہ ساتویں آسمان پر انتہائی بلند مقام ہے۔ گویا وہ نقطہ کہ جہاں سے عالمِ بالا (عالمِ لاہوت) شروع ہوتا ہے، اور کائناتِ عالم ختم ہوتا ہے۔ یہیں سے تمام ملائکہ کو عالمِ بالا سے احکامات ملتے ہیں۔ یہ اُن کا بلند ترین مقام ہے۔ پھر ملائکہ ان احکامات کو حاصل کر کے زمین پر لاتے ہیں۔ اِسی طرح مومنین کے اعمال بلند ہو کر یہیں پر آتے ہیں، پھر اوپر اُٹھائے جاتے ہیں۔

(جصّاص از ابنِ مسعود، ضحاک، معالم، تفسیر کبیر)

تفسیرِ اہلِ بیتؑ

جبریلؑ امین اُفقِ اعلیٰ پر ٹھہرے جو اطرافِ آسمان کا بلند ترین نقطہ ہے۔ رسولِ اکرمؐ اُس سے بھی آگے بڑھ گئے، اِس لیے کہ روایت میں آیا ہے کہ "سدرۃُ المنتہےٰ پر پہنچ جبرئیل رُک گئے، اور فرمایا کہ: "اے محمدؐ! بس میرا مقام یہاں تک ہے، میں یہاں سے آگے بڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا، مگر آپؐ آگے بڑھیں"۔ "پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃُ المنتہیٰ سے آگے بڑھ گئے اور جبرائیلِ امین پیچھے رہ گئے۔"

(علل الشرائع، تفسیرِ صافی)

★ یعنی: آخری آسمان جس کے آگے کوئی آسمان نہیں ہے، یہ جناب جبریلؑ کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد جو ہے وہ عرشِ الٰہی ہے۔ اس عرش کا بلند ترین نقطہ قابَ قوسین ہے جہاں جناب رسولِ اکرمؐ پہنچے۔ پھر واپسی میں دوبارہ جبریلؑ ملے۔ قابَ قوسین پر جو خداوندِ بزرگ و برتر کی بڑی بڑی نشانیاں آنحضرتؐ نے دیکھیں اُن میں آپؐ کے دل نے کسی قسم کا دھوکہ نہیں کھایا۔

(فصل الخطاب)

جنّتُ المأویٰ

(یعنی گھنا اور سرسبز و شاداب باغ)

★ یہ وہی جنّت ہے جو اہلِ ایمان کو آخرت میں ملے گی۔ اور یہ آسمان پر ہے۔ (تفسیر کبیر بقول حسن بصریؒ)

★ اس میں شہداء کی ارواح رہتی ہیں۔ (تفہیم بقول قتادہ) ★ جو جنّت مومنوں کو دی جائے گی وہ زمین پر ہوگی۔ (تفسیر ابن عباسؓ)

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ (۱۶) اُس وقت اُس سدرہ (یعنی
مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ بیری کے درخت کو وہ (نور) لپٹ رہا
تھا جو وہاں چھا رہا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (مگر) نہ تو اُن کی (رسولؐ کی)
نظر چوکی، نہ چندھیائی، اور نہ حد سے آگے
بڑھی۔ (یعنی رسولؐ نے حد سے آگے بڑھ کر خدا
کی عینِ ذات کو دیکھنے کی کوشش نہ کی)

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ (۱۸) حقیقتاً اُنھوں نے اپنے پالنے
الْکُبْرٰی ﴿۱۸﴾ والے مالک کی (قدرت کی) نشانیوں
میں سے بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (مراد جنّت، جہنّم، مکافاتِ عمل،
انبیاءِ کرامؑ کی ارواح، عرش، نورِ خدا کا پرتو یا جبرئیلؑ کو اُن کی اصل شکل میں دیکھا)

وہ نشانیاں جو حضورِ اکرمؐ نے معراج پر دیکھیں

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "میں نے

(۱) "سدرۃ المنتہیٰ" (بیری کے درخت) کے ہر پتّے پر ایک فرشتے کو دیکھا جو اُس پر کھڑا خدا کی تسبیح کر رہا تھا۔

(۲) فرزندِ رسولِ خدا امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اُس کے ہر پتّے کے سائے میں ایک امت کھڑی ہے۔"

* ---- (نور الثقلین جلد ۵ ص ۱۵۵)

معراج کا مقصد

(۱) پیغمبرِ اکرمؐ کو شہودِ باطنی کا تجربہ کرانا تھا۔

(۲) پیغمبرِ اکرمؐ کو خداوندِ قدّوس کی خاص خاص نشانیاں ظاہری آنکھوں سے دکھائی تھیں۔

مثلاً فرشتے، جنّت، جہنّم، ارواحِ انبیاءؑ

مثلاً روایات میں ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے جنّتیوں کے ایک گروہ کو جنّت میں اور دوزخیوں کے ایک گروہ کو دوزخ میں دیکھا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ سفرِ معراج میں آپؐ جبرئیلؑ کے ساتھ مدینے کی سرزمین پر بھی اُترے اور وہاں نماز پڑھی۔

(بحار الانوار جلد ۱۸)

پھر مسجدِ اقصیٰ میں حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ جیسے اولوالعزم پیغمبروں کی نماز کی امامت فرمائی۔ پھر ساتویں آسمان کا سفر کیا، اور راستے میں بہت سے پیغمبروںؑ اور فرشتوں سے ملاقات فرمائی

آخرکار سدرۃ المنتہیٰ جو ساتویں آسمان کے بعد ہے، وہاں پہنچے۔

پھر قُربِ الٰہی کی انتہا، قابَ قوسین، یعنی خدا کا شہودِ باطنی کا تجربہ فرمایا۔ وہاں خدا سے بہت سی باتیں ہوئیں، جو احادیثِ قدسی کی شکل میں موجود ہیں۔

اِسی سفرِ معراج میں کئی دفعہ حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے ساتھ ساتھ دیکھا

(تفسیر نمونہ - تفسیر میزان)

★ معراج کا سفر کوئی عام سفر نہ تھا - یہ وہ سفر تھا جو خدا نے حضورؐ سے کرایا - جیسا کہ قرآن مجید میں

خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا...." (سورۃ ۱۷ آیت پارہ ۱۵)
یعنی: "پاک ہے وہ جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا"

معرفت اور اسباق

افضل عمل

پیغمبرِ اکرمؐ نے معراج کے موقع پر خداوندِ عالم سے عرض کی:
" مالک! کونسا عمل افضل ہے؟

خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: کوئی چیز میرے نزدیک (۱) مجھ پر توکّل کرنے، اور
(۲) جو کچھ میں نے تقسیم کردیا ہے، اُس پر راضی ہونے سے بہتر نہیں ہے۔
(۳) اے محمدؐ! جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں، میری محبت اُن کے شاملِ حال ہوگی۔ (یعنی میں خود اُن سے محبت کروں گا)
(۴) میری محبت اُن لوگوں کے لیے لازمی ہے جو مجھ پر توکّل کرتے ہیں۔
(۵) میری محبت کے لیے کوئی حد، کنارہ اور انتہا نہیں ہے۔"

* ----- (حدیثِ قدسی از تفسیر نمونہ)

★ خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: "اے احمدؐ! بچّوں کی طرح ہر سبز و زرد، زرق و برق سے محبّت نہ کرو، اور نہ بچّوں کی طرح نعمتیں پاکر مغرور ہونا، اور بچّوں کی طرح نعمتیں پاکر خدا کو نہ بھول جانا۔ * (حدیثِ قدسی)

پھر جنابِ رسولِ خداؐ نے عرض کی: "مالک! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو آپ کی بارگاہ میں قُرب کا باعث ہو۔"

* ارشاد فرمایا: "رات کو دن، اور دن کو رات قرار دو۔"

* عرض کی: کس طرح؟

* ارشاد فرمایا: اِس طرح کہ تمہارا سونا نماز ہو، اور ہرگز اپنا پیٹ پورا پورا نہ بھر لینا۔

* پھر ارشاد فرمایا: "اے احمدؐ! میری محبّت (یہ ہے کہ) فقیروں اور محروموں سے محبّت کرو،

* اُن کے قریب رہو * اُن سے نشست و برخواست جاری رکھو، تاکہ وہ خود تمہارے نزدیک ہوں
* دنیا پرست دولت مندوں کو اپنے سے دور رکھو، اور اُن کے ساتھ بیٹھنے سے بچتے رہو۔
* جناب رسولِ خداؐ نے عرض کی: دنیا والے اور آخرت والے کون ہیں؟
* خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا:

دنیا والے وہ ہیں جو

زیادہ کھاتے ہیں * زیادہ ہنستے ہیں * زیادہ سوتے ہیں * زیادہ غصّہ کرتے ہیں خوش کم ہوتے ہیں * بُرائی کرنے کے بعد عذر و معذرت نہیں کرتے، اور نہ معافی مانگنے والوں کو معاف ہی کرتے ہیں * خدا کی اطاعت میں سُستی کرتے ہیں اور گناہ کرنے میں دلیر ہوتے ہیں * لمبی چوڑی تمنائیں رکھتے ہیں، جبکہ * موت اُن سے قریب ہے مگر وہ کبھی اپنے اعمال کا حساب نہیں کرتے، * اُن سے لوگوں کو بہت کم فائدہ ہوتا ہے * باتیں بہت کرتے ہیں، اور * ذمّہ داری کا احساس بہت کم رکھتے ہیں * کھانے پینے سے زیادہ غرض اور رغبت رکھتے ہیں۔ * نہ نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور * نہ مصائب پر صبر کرتے ہیں * بہت زیادہ اُن کی خدمت کرو تب بھی اُن کی نگاہ میں کم ہوتی ہے * جو اچھے کام نہیں کرتے اُن کی تعریف سننا پسند کرتے ہیں اور * اُن چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو اُن کا حق نہیں ہوتا * وہ اپنے کو بے حد عقلمند سمجھتے ہیں۔

اہلِ جنّت (آخرت والوں) کی نشانیاں

* آخرت والے باحیا ہوتے ہیں * اُن میں جہالت بہت کم ہوتی ہے
* اُن سے لوگوں کو فائدے بہت زیادہ ہوتے ہیں * لوگ اُن سے راحت

اور آرام میں رہتے ہیں جب کہ ★ وہ خود تکلیف میں ہوتے ہیں ★ اُن کی باتیں سنجیدہ ہوتی ہیں ★ ہمیشہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں ،

★ اُن کی آنکھیں سوتی ہیں ، مگر دل بیدار رہتے ہیں ★ اُن کی آنکھیں اشکبار مگر دل خدا کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں (یعنی رات کو) ★ ہر نعمت کو استعمال کرتے ہوئے خدا کی حمد بجالاتے ہیں ، اور ★ نعمتوں کے استعمال کرنے کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے ہیں ★ اُن کی دعائیں خدا کے ہاں قبول ہوتی ہیں ، اور اُن کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں ★ فرشتے اُن سے خوش رہتے ہیں ،

★ غافل لوگ اُن کے نزدیک مردہ ہوتے ہیں ★ خدا اُن کے نزدیک زندہ ہے ،

★ لوگ تو ایک دفعہ مرتے ہیں ، مگر وہ جہاد بالنفس اور اپنی بُری خواہشوں کی مخالفت میں ہر روز ستّر مرتبہ مرتے ہیں ، اور نئی زندگی پاتے ہیں ۔

★ جس وقت وہ عبادت کے لیے میرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک فولادی دیوار کی طرح ، اُس وقت اُن کے دل میں مخلوق کی طرف کوئی توجّہ نہیں ہوتی ،

★ مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم ہے کہ میں اُن کو پاک زندگی بخشوں گا ، اور اُن کی روح کو خود قبض کروں گا ۔ اور اُن کے لیے آسمان کے دروازے کھول دوں گا تمام حجابوں کو اُن کے سامنے سے ہٹا دوں گا ، اور حکم دوں گا کہ جنّت خود کو اُن کے لیے آراستہ پیراستہ کرے ۔"

★ اے احمدؐ ! عبادت کے دس حصّے ہیں جن میں نو طلبِ حلال میں ہیں جب تمہارا کھانا پینا حلال ہوگا تو تم میری حفظ و امان میں ہوگے ۔

★ اے احمدؐ ! جانتے ہو کہ کونسی زندگی زیادہ گوارا اور باقی رہنے والی ہے ؟

وہ زندگی جو زیادہ باقی رہنے والی ہے

خداوندِ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

★ وہ زندگی زیادہ گوارا اور باقی رہنے والی ہے کہ :

★ جس کا صاحب ایک لمحے کے لیے بھی میری یاد سے غافل نہ ہو ،

★ میری نعمتیں ، عطائیں نہ بھولے ،

★ میرے حق سے بے خبر نہ رہے ،

★ رات دن میری خوشی حاصل کرنے کی کوششیں کرے ،

★ دنیا اُس کی نظر میں حقیر و معمولی ہو ،

★ آخرت اُس کے نزدیک بڑی اور اہم ہو ،

★ میری رضا کو اپنی رضا پر ترجیح دے ،

★ ہمیشہ مجھے خوش کرنا چاہے ،

★ جب کوئی گناہ اُس سے سرزد ہو مجھے یاد کرے ،

★ اپنے دل کو اُن چیزوں سے پاک رکھے جو مجھے پسند نہیں ،

★ شیطان اور شیطانی خیالات سے نفرت کرے ، اور شیطان کو اپنے دل میں جگہ نہ دے ،

★ اگر وہ ایسا کرے گا تو میں اُس کے دل میں ایک خاص محبت ڈال دوں گا ، پھر اُس کا سارا دل میرے اختیار میں ہوگا ، پھر وہ اُن چیزوں کے بارے میں بات کرے گا جو میں اہلِ محبت کو بخشتا ہوں ، پھر میں اُس کا دل اور کان کھول دوں گا ، تو وہ اپنے دل کے کان سے غیب کی باتیں سنے گا ، اور اپنے دل سے میرے جلال اور عظمت کو دیکھے گا ۔

★ (ملخّص از بحار الانوار جلد ۷۷)

زید بن حارث کا قصہ

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ اَمۡسِكۡ عَلَیۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِیۡهِ وَتَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَیۡ لَا یَكُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۳۷﴾

(۳۷) اور وہ وقت یاد کیجیے کہ جب آپؐ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپؐ نے احسان کیا تھا کہ "اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو" اور آپؐ اُس وقت اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا (کہ زید کی بیوی کا نام آپؐ کی بیویوں میں شامل ہے) آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے، جبکہ اللہ اِس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپؐ اُس سے ڈریں۔ پھر جب زید اُس (خاتون) سے اپنی ضرورت پوری چکا (یعنی جب زید

نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی)، تو ہم نے اُس (خاتون) کی شادی آپؐ سے (طے) کر دی تاکہ ایمان لانے والوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے، جب کہ وہ اُن سے اپنا مطلب بھی پورا کر چکے ہوں۔ غرض اللہ کی بات تو انجام تک پہنچ کر ہی رہتی ہے۔ (اللہ کے حکم کو پورا ہو کر ہی رہنا ہوتا ہے)

★ اِن آیات کا پس منظر یہ ہے کہ: جناب زینب بنتِ جَحش، جناب رسولِ خداؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور اُن کے شوہر زید بن حارثہ، جناب رسولِ خداؐ کے منہ بولے بیٹے تھے جناب رسولِ خداؐ نے غلاموں کے مرتبے کو بڑھانے کے لیے حضرت زینب کو راضی کر کے اُن کی شادی زید سے کر دی تھی، جبکہ زید غلامِ رسولؐ تھے۔ جن کو آپؐ نے خرید کر آزاد فرما دیا تھا، اور پھر اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ مگر زید اور زینب کے تعلقات بعد میں خراب ہو گئے۔ اِس لئے زید نے اُن کو طلاق دے دی، حالانکہ جناب رسولِ خداؐ نے زید کو طلاق دینے سے روکا، جیسا کہ خدا نے اِس آیت میں فرمایا۔ بہر حال طلاق ہو گئی۔ اب خدا یہ چاہتا تھا کہ رسولِ خداؐ کو محلِ امتحان میں لا کر عہدِ جاہلیت کی اس غلط ذہنیت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے کہ منہ بولے بیٹے سگے بیٹوں کی طرح ہوتے ہیں، اور اُن کی بیویاں حرام ہوتی ہیں۔

اِس لیے خدا نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ تم زینب سے نکاح کرو۔ آخرِ کار خداوندِ عالم کا یہ حکم پورا ہو کر رہا۔ (اور آنحضرتؐ نے اُن سے شادی کر لی) ★ (تفسیر مجمع البیان، فصل الخطاب، کشاف، نمونہ تفسیر کبیر امام رازی۔)

حضرت زید بن حارثہ پر خدا کے احسانات

حضرت زید غلام تھے اُن پر خدا نے احسانات کیے۔

(۱) جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کو خریدا اور

(۲) غلامی سے آزاد کیا۔

(۳) پھر اپنا منھ بولا بیٹا بنالیا۔

(۴) پھر جب حضور اکرمؐ نے اسلام کا پیغام عام کیا تو حضرت زید کو مسلمان ہونے کی توفیق ملی۔
وہ شروع شروع میں ایمان لائے جبکہ اُن کی عمر ۳۰ سال تھی۔

(۵) جناب رسول خداؐ نے اُن کا عقد اپنی پھوپھی زاد بہن جناب زینب بنتِ جحش سے فرمایا۔

(۶) چھٹا احسان یہ تھا کہ جب زید اور زینب کے تعلقات خراب ہوئے تو اُنھوں نے جناب رسولِ خداؐ سے عرض کی کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں کیوں کہ زینب مجھے اپنے برابر کا نہیں سمجھتیں۔ تو حضورؐ نے صلح کرانے کی کوشش فرمائی اور طلاق سے روکا۔

★ اصل بات یہ ہے کہ جب زید اور زینب میں تلخیاں زیادہ پیدا ہوگئیں تو خداوندِ عالم نے جناب رسولِ خداؐ کو حکم دیا کہ اب تمھیں خود زینب سے نکاح کرنا ہوگا۔ کیوں کہ (۱) تمھارے حکم پر ہی زینب نے زید کو قبول کیا تھا۔ (۲) دوسرے یہ کہ خداوندِ عالم چاہتا تھا کہ عرب سے یہ غلط رسم ختم کردی جائے کہ منھ بولا بیٹا، سگے بیٹے جیسا ہوتا ہے۔ جناب رسولِ خداؐ جانتے تھے کہ سارے عرب اُن کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور مٹھی بھر مسلمان بھی شک وشبہ میں مبتلا ہو جائیں گے اسی لیے جناب رسولِ خداؐ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اب ایسے عالم میں جب زید نے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ بیان کیا تو جناب رسولِ خداؐ نے اُن سے فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو"۔ حضورؐ چاہتے تھے کہ یہ طلاق نہ دیں تاکہ میں جاہل عربوں کی مخالفت

سے بچ سکوں۔ کیوں کہ اگر زید نے طلاق دے دی تو پھر مجھے زینب سے شادی کرنی پڑے گی جب کہ خداوندِ عالم اپنے نبیؐ کو اولوالعزمی اور رضا بقضاء کے بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا، اِس لیے اللہ نے جنابِ رسولِ خداؐ سے فرمایا: "تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالاں کہ اللہ اِس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔"

★ ...... (تفسیرِ کبیر امام رازی، تفہیم القرآن مولٰنا مودودی)

★ فرزندِ رسولِ خداؐ حضرتِ امام علی ابن الحسینؑ زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالٰی نے اپنے نبیؐ کو پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آپؐ کو زینب سے نکاح کرنا پڑے گا۔"

اب جو زید نے آکر حضرتِ رسولِ خداؐ سے زینب کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے زید سے فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔"

اللہ نے جنابِ رسولِ خداؐ سے فرمایا کہ "میں تو تمھیں پہلے ہی خبر دے چکا تھا کہ میں تمھارا نکاح زینب سے کرنے والا ہوں، مگر تم زید سے یہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔"

★ ..... (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، ابنِ ابی حاتم، تفسیرِ کبیر)

★ آیت کا حاصل یہ ہے کہ خداوندِ عالم اپنے رسولؐ سے یہ فرما رہا ہے کہ تم نے زید سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، حالاں کہ میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ زینب سے تم کو نکاح کرنا ہے۔"

★ ..... (تفسیر روح المعانی)

★ حضرت زینب ازواجِ رسولؐ پر فخر کیا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ نے کیا ہے اور تمھارا نکاح تمھارے والدین نے رسولِ خداؐ سے کیا ہے۔

★ ...... (تفسیرِ مجمع البیان از طبرسی، کامل ابنِ اثیر جلد ۲)

تین ایسے اشخاص جن کا نکاح اللہ نے کیا

فرزندِ رسولِ خداؐ حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ:

"تین اشخاص ایسے ہیں کہ جن کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود کیا :" (۱) حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح جناب حوا علیہا السّلام سے ۔ (۲) حضورِ اکرم ص کا نکاح حضرت زینب بنتِ جحش سے (۳) امیر المومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کا نکاح جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے ۔

*(تفسیر برہان ۔ تفسیر انوار النجف)

حضورِ اکرم ص نے زینبؓ سے نکاح کیوں کیا

(۱) اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کے لیے ۔

(۲) حضرت زینب نے اپنی مرضی کے خلاف حضورِ اکرم ص کی فرمائش پر زید سے نکاح کیا تھا ، جبکہ وہ زید کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتی تھیں ۔ حضور اکرم ص کو اس کا بڑا احساس تھا ۔

(۳) عربوں کی اُس غلط فہمی کو دور کرنا تھا کہ " منھ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا ، اور منھ بولے رشتہ دار حقیقی رشتہ دار نہیں ہوتے ۔"

(۴) یہ ثابت کرنا تھا کہ خدا کے رسول ص لوگوں کے اعتراضات سے نہیں ڈرتے ، وہ تو وہی کرتے ہیں جو خدا کا حکم ہوتا ہے ۔

*...... (تفسیر انوار النجف)

جھوٹی کہانیاں

ایسی کہانیاں بھی بنی اُمیہ کے زمانے میں بنائی گئیں کہ ایک دفعہ جناب رسولِ خدا ص زید کے گھر گئے تو جناب زینب کو دیکھا تو اُن کے حُسن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سبحان اللہ کہکر واپس آگئے زید کو جب یہ خبر ہوئی تو انھوں نے آنحضرت ص کی خاطر زینب کو طلاق دیدی ۔

* حالاں کہ متفقہ تاریخ سے ثابت ہے کہ زینب آنحضرت ص کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ ص کے سامنے پلی بڑھی تھیں ۔ آنحضرت ص نے خود اُن کو زید کا پیغام دیا تھا ۔ آپ ص نے پہلی مرتبہ زینب کو نہیں دیکھا تھا ۔ اگر آنحضرت ص اُن کے حُسن سے متاثر ہوتے تو زید کا پیغام کیوں دیتے ، خود ہی نکاح کر لیتے ۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ منافقوں کی گھڑی ہوئی کہانی آنحضرت ص کو بدنام کرنے کے لیے وجود میں آئی ۔ (دروغگو را حافظہ نباشد) تفسیر نمونہ ۔

مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ ؕ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾

(۳۸) (نیز یہ کہ) پیغمبرؐ پر کوئی سختی یا کسی کام میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہے اُس چیز میں جو اللہ نے اُس کے لیے مقرّر کر دی ہے۔ یہی اللہ کی وہ سنّت ہے جو اُن تمام انبیاء کے بارے میں رہی ہے جو پہلے گذر چکے ہیں (کیوں کہ) اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ اندازے پر مقرّر کیا ہوا ہوتا ہے۔

الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

(۳۹) (یہی اللہ کی سنّت اور طریقہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اللہ ہی سے ڈرتے رہتے ہیں، اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے (کیوں کہ) حساب لینے کے لیے تو خدا بہت کافی ہے۔

جنوں کے ایمان لانے کا قصہ

سُوۡرَۃُ الۡجِنِّ مَکِّیَّۃٌ

اٰیَاتُھَا ۲۸ — رُکُوۡعَاتُھَا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

(۱) اے نبیؐ! کہہ دیجیے کہ میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں میں سے کچھ جنوں نے قرآن کو توجہ کے ساتھ سنا تو انھوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا کہ: ہم نے ایک بہت عجیب "کلام" قرآن سُنا ہے۔ 〈۱〉

شانِ نزولِ آیت[1]

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ اور طائف کے درمیان بازارِ عکاظ میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے آئے ، مگر کسی نے آپ کی ایک بات نہ سُنی ، واپسی میں آپ نے ایک وادی میں رات کو قیام فرمایا ۔ آجکل اُس کو وادیٔ جن کہتے ہیں رات کے وقت آپ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنّوں کا ایک گروہ وہاں سے گذرا ، اُنھوں نے قرآن کو بغور سنا اور ایمان لے آئے ۔ اور پھر اپنی قوم میں جاکر اسلام کی تبلیغ کی ۔

* (تفسیر علی ابن ابراہیم ۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۵) *

[2] خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال ؛ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

★ حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے ، اُدھر جن اِس بات کی تحقیق کر رہے تھے کہ آسمانوں پر اسقدر سخت پہرے کیوں بٹھا دیے گئے ہیں ؟ ہمیں کیوں آسمان سے کوئی خبر حاصل کرنے سے روک دیا گیا ہے ؟ اُن جنّوں نے جب رسولِ اکرمؐ سے قرآن کو سُنا تو وہ سمجھ گئے کہ یہی قرآن ہے جس کا نزول ہو رہا ہے ، اِسی لیے آسمان پر ہمارے جانے پر پہرے بٹھا دیے گئے ہیں ۔ چنانچہ وہ اِسلام لے آئے اور اسلام کے مبلّغ بن گئے ۔

* (صحیح بخاری ، مسلم ، مُسند احمد ، فی ظلال ، تفسیر کبیر ، تفسیر ابن عباسؓ) *

★ حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت وقت آگیا تو آپ نے طائف جانے کا ارادہ فرمایا ، مگر طائف کے سرداروں نے شدّت سے آپ کی مخالفت کی ۔ آپ کو اِسقدر پتھر مارے کہ پائے مبارک سے خون بہنے لگا ۔ تھکے ماندے ایک باغ کے پاس وارد ہوئے اُس باغ کے مالک کا غلام عداس آپ پر ایمان لے آیا ۔ پھر آپ مکّے کی طرف لوٹے تو رات کے وقت ایک کھجور کے

درخت کے قریب نماز پڑھنے لگے۔ اُسی جگہ نصیبین اور یمن کے جنوں کا ایک گروہ گذر رہا تھا۔ انھوں نے صبح کی نماز میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کو غور سے سنا اور ایمان قبول کر لیا۔

* (تفسیر مجمع البیان۔ سیرت ابن ہشام جلد ۱) *

* ابنِ مسعود کہتے ہیں کہ ہم نے ایک رات حضورؐ کو مکے میں نہ پایا۔ ہم آپؐ کی تلاش میں نکلے، کوئی پتہ نہ چلا، ہم ڈر گئے کہ کہیں دشمنوں نے آپؐ کو قتل نہ کر دیا ہو۔ غرض ہم تلاش کرتے ہوئے مکے کے دروں کی طرف گئے تو اچانک ہم نے دیکھا کہ رسولؐ کوہِ حرا کی طرف سے آرہے ہیں۔ ہم نے دریافت کیا: آپؐ کہاں تھے؟ ہم رات بھر آپؐ کو تلاش کرتے رہے؟ کل رات ہماری زندگی کی بدترین رات تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "جنوں میں سے ایک جن مجھے لینے کے لیے آیا تھا اور میں اُن کے لیے قرآن پڑھنے گیا تھا۔

* (تفسیر مجمع البیان) *

"قُرْاٰنًا عَجَبًا": یعنی عجیب وغریب پڑھی جانے والی چیز" شاید جنوں نے یہ الفاظ اس لئے استعمال فرمائے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ قرآن سنا تھا۔ اُن کو اُس وقت معلوم ہی نہ تھا کہ یہ کیا چیز پڑھی جارہی ہے؟

* (تفہیم) *

* "عجیب" کا لفظ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عربی میں اِس کے معنی بہت زیادہ حیران کر دینے والی چیز کے ہیں۔ جنوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم ایسا کلام سُن کر آئے ہیں جو اپنی زبان اور مضامین کے اعتبار سے حیران کُن حد تک لاجواب اور بے نظیر ہے۔ * (مفردات امام راغب) *

* قرآن مجید کو عجب اس لیے کہا گیا ہے کہ باوجودیکہ حروفِ تہجی اور الفاظ متداولہ عربیہ سے مرکب ہے لیکن معانی و مقاصد اور روانی و تسلسل کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ پس خارقِ عادت ہونے کے لحاظ سے اِس کو "عجب" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تفسیر انوار النجف)

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲

جو بالکل سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنے والا ہے (اس لیے) ہم نے اُس کو دل سے مان لیا ہے (لہٰذا) اب ہم کسی کو اپنے پالنے والے مالک کا شریک قرار نہ دیں گے۔ ‹۲›

★ اس آیت سے معلوم ہوا کہ (۱) جنّ اللہ کے وجود اور اُس کے پالنے والے مالک ہونے کے منکر نہیں۔ (۲) ان میں کچھ جنّ مشرک بھی ہوتے ہیں (۳) آسمانی کتب اور نبوت کا سلسلہ جنوں میں جاری نہیں ہے۔ (۴) جنّ انسانوں ہی میں آنے والے انبیاء کرامؑ کو مانتے ہیں۔ مثلاً یہ جنّ جنھوں نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنا حضرت موسیٰؑ کو ماننے والے تھے۔

(۵) سورۃ الرحمٰن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب انسان اور جنّ دونوں تھے۔ مثلاً "يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔" (سورۃ الرحمٰن آیت ۳۳ پارہ ۲۷)

★ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان) ★

جنّات کی حقیقت (۱) جنّ سے مراد چھپی ہوئی، نظر نہ آنے والی مخلوق، ایک ایسا وجود جو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے جبکہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) جنّ علم رکھتا ہے، منطق، استدلال جانتا ہے۔ حق اور باطل کو پہچان سکتا ہے۔

(۳) اُس پر بھی خدا نے ہماری طرح فرائض واجب کیے ہیں۔ (سورۂ جن اور سورۂ رحمٰن کی آیات)

(۴) جنوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی (بحوالہ سورۂ جنّ)

(۵) جنوں پر بھی قیامت آئے گی۔ (سورۂ جن)

(۶) جن آسمانوں پر چڑھ کر خبریں سن سکتے تھے لیکن اب اُن کو روک دیا گیا ہے۔ (سورۂ جن)

(۷) جن انسانوں سے باتیں کرتے ہیں اور کچھ چھپی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔ (سورۂ جن)

(۸) بعض جن بہت طاقتور ہوتے ہیں: مثلاً (قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ...) (سورۂ النمل آیت ۳۹ پارہ ۱۹)

(۹) جن خدا کی اجازت سے انسانوں کے کچھ کام بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً "وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ" اور جنوں میں کا ایک گروہ خدا کے حکم سے سلیمانؑ کے سامنے کام کیا کرتا تھا۔ ... يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ " عبادت خانے، تصویریں، بڑے بڑے برتن، تالابوں کی مانند لگن اور زمین میں پیوست دیگیں بناتے تھے۔" (سورۂ سبا آیت ۱۲-۱۳ پارہ ۲۲)

(۱۰) جن انسانوں سے پہلے زمین پر پیدا ہوئے تھے۔ یعنی فرمایا: وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ ۝ "اور جنوں کو ہم نے انسان سے قبل آگ کے تیز شعلے سے پیدا کیا۔" (سورۃ الحجر آیت ۲۷ پارہ ۱۴)

(۱۱) مگر انسان جنوں سے افضل ہیں۔ اسی لیے خدا نے رسولؐ انسانوں میں سے چنے اور انسان ہی کو مسجودِ ملائکہ بنایا تھا"

(۱۲) ماہرین کہتے ہیں کہ وہ موجودات جن کو ہم اپنے ظاہری حواس سے محسوس کر سکتے ہیں، اُن موجودات کے مقابلے میں جن کو ہم اپنے حواس سے درک نہیں کر سکتے، بہت کم ہیں۔ مثلاً ایسی دوربینیں ایجاد ہو چکی ہیں جن سے پتہ چل گیا ہے کہ پانی یا خون کے ایک قطرے میں ہزاروں جاندار مخلوقات موجود ہیں۔

* (تفسیر نمونہ، آکام المرجان فی احکام الجان) *

(۱۳) جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خداوندِ عالم نے جنوں کو پانچ اقسام میں پیدا فرمایا ہے:

(۱) ہوا کی طرح فضا میں (جو نظر نہیں آتے) (۲) ایک قسم سانپوں کی شکل میں۔
(۳) ایک قسم بچھوؤں کی صورت میں (۴) ایک قسم کیڑوں مکوڑوں (حراثیم) کی شکل میں
(۵) ایک قسم انسانوں کی مانند ہے جس کا حساب کتاب بھی ہوگا (ثواب و) عقاب بھی ہوگا۔
* (سفینۃ البحار جلد اول ص ۱۸۶ مادہ جن) *

* جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:
"برتن کے ٹوٹے ہوئے حصے اور اُس کے دستے کی طرف سے پانی نہ پیا کرو۔ کیوں کہ شیطان اُس کے دستے اور ٹوٹے ہوئے حصے پر بیٹھا ہوتا ہے۔" (کیوں کہ شیطان کی آماجگاہ گندے مقامات ہوتے ہیں) * (کتاب کافی جلد ۶) *

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

〈۳〉 اور یہ کہ ہمارے پالنے والے مالک کی عظمت اور شان بہت بلند، بہت اعلیٰ اور ارفع ہے اُس نے نہ تو کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ اُس کے اولاد ہے۔

---

* اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان گھروں میں پیدا ہوتے ہیں وہ اِس بات کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے کہ مشرکوں نے اپنے دیوتاؤں کے ساتھ اُن کے بیوی بچّوں کا ایک لمبا سلسلہ بنا رکھا ہے۔ جس کو بڑی بڑی مہذّب قومیں مصری، عراقی، یونانی، چینی، ایرانی اور آجکل خاصکر ہندو مذاہب خوب خوب جانتے اور مانتے ہیں۔ * (تفسیر ماجدی) *

شانِ نزول | اِن آیتوں کی شانِ نزول یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ وہاں سے کچھ جن گذر رہے تھے وہ قرآن کو سننے کے لیے رُک گئے ۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے بہت متاثر ہو کر تعجب کرنے لگے ۔ آخر کار ایمان لے آئے ، جو خود یہاں پر اُن کے اپنے بیان ہی سے ظاہر ہے جس کو وہ اپنی قوم سے جا کر کہہ رہے ہیں ، اور خداوندِ عالم اُس کو نقل فرما رہا ہے ۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خدا کا پیغام خدا کے بندوں کو پہنچانا ، خداوندِ عالم کو کسقدر پسند ہے ۔

* (فصل الخطاب) *

* جناب ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ وہ جن وادیٔ شیصبان کے رہنے والے تھے ۔

اور بعض نے کہا کہ وہ نَصیبیَن کے رہنے والے سات جن تھے اُن کو حضورؐ نے دیکھا ، تو وہ آپؐ کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے ، اور آپؐ نے اُن کو باقی جنوں کی طرف مبلّغ بنا کر روانہ فرمایا ۔

* (تفسیر انوار النجف) *

* آنے والے جن یا تو عیسائی تھے یا کسی ایسے مذہب پر تھے جو خدا کو بیوی بچوں والا مانتا ہے ۔ دوسرے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں جن سے اُن کو عقیدے کی غلطی کا اندازہ ہوگیا ، اور اُنھوں نے جان لیا کہ خداوندِ عالم کی ذات والاصفات اِس بات سے بہت بلند و بالا ہے کہ اُس کے بیوی بچے بھی ہوں ۔

* (تفسیر کبیر ۔ تفہیم) *

* اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے : کہ جو گمراہیاں آدمیوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہی جنوں میں بھی ہیں ۔ عیسائیوں کی طرح وہ بھی اللہ کے جورو (بیوی) بیٹا بتاتے ہیں ۔ * (شاہ عبدالقادر ۔ شیخ الاسلام عثمانی) *

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا ﴿۴﴾ عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے بیوقوف اور نادان لوگ اللہ کے بارے میں بہت غلط بکواس اور بے حقیقت باتیں کہا کرتے ہیں۔

---

* بیوقوف اور نادان سے مراد شیطان ہے۔ * (مجمع البیان) *

* اور عام جنات بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ * (تفسیر کبیر)

* "سفیہ": یعنی بے وقوف۔ یہ لفظ عربی میں بے عقل شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور احمقوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں اگر ایک شخص کے لیے بولا گیا ہے تو مراد ابلیس ہے اور چند لوگوں کے لیے بولا گیا ہے تو کچھ بے عقل جن مراد ہیں۔
* (تفسیر کبیر۔ مفردات امام راغب) *

* زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں "سفیہ" یعنی احمق کا لفظ ابلیس کے لیے استعمال ہوا ہے۔ کیوں کہ ابلیس خداوندِ عالم کے لیے ناروا باتیں کرتا پھرتا ہے اور خدا سے بغاوت کر چکا ہے۔ اور خود کو بہت بڑی توپ سمجھتا ہے۔ ابلیس عالمِ بے عمل اور عابدِ خود خواہ، خدا سے منحرف، متکبر تھا، اس لئے اُس کے احمق ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ بلکہ اُس سے بڑا احمق اور کون ہو سکتا ہے؟
* (تفسیرِ نمونہ) *

"شَطَط" کے معنی حدِ اعتدال سے نکل کر دور جا پڑنے کے ہیں۔ اِسی لیے حق سے دور باتوں کو شطط کہتے ہیں، اور اُن بڑے دریاؤں کے کناروں کو بھی "شَطّ" کہتے ہیں جن کا فاصلہ پانی سے بہت زیادہ دور ہوتا ہے۔
* (مفردات امام راغب) *

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنۡ لَّنۡ 〈۵〉	اور ہم غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے تھے
تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ	کہ انسان اور جنات اللہ کے بارے
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾	میں ہرگز کوئی جھوٹ بول ہی نہیں سکتے

★ جنوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے گمراہ ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ہم کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ انسان یا جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے کی بھی جرأت کر سکتے ہیں۔

لیکن اب یہ قرآن سن کر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ جھوٹے تھے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نے کسی کو اپنی بیوی اور کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔

★ (تفہیم - مجمع البیان) ★

★ اب جبکہ قرآن سننے کے بعد ہمیں حق معلوم ہو گیا ہے، اور ہم ایمان لے آئے ہیں، اس لئے اب ہمیں اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم کو یہ بات مان لینی چاہیئے کہ شرک غلط طرز فکر ہے۔ ★ (تفسیر نمونہ - تفسیر کبیر) ★

★ اصل میں یہ جنوں یا انسانوں کی انتہائی دلیری اور ہمت کی بات ہے کہ حق کو جان لینے کے بعد انھوں نے اپنے باپ دادا کے پرانے غلط عقیدوں کو یکسر چھوڑ دیا۔

ے آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اَڑنا ٭ منزل یہی کٹھن ہے، قوموں کی زندگی میں
(اقبال)

★ مطلب یہ ہے کہ ہم صرف اس غلط فہمی میں تھے کہ جنوں یا انسانوں سے کوئی فرد اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرے گا(۱)، اور ہم سمجھ رہے تھے کہ شرک کرنے میں ہم خدا کو راضی کر رہے ہیں کیوں کہ کہنے والوں نے ہم سے یہی کہہ رکھا تھا(۲)۔ اور اب جو ہم نے قرآن سنا تو معلوم ہوا کہ انھوں نے اللہ پر بہتان لگا رکھا تھا، لہٰذا اب ہم نے شرک سے توبہ کر لی ہے۔ (انوار النجف)

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

(۶) اور (کیوں کہ) انسانوں میں سے کچھ لوگ، جنّوں میں سے کچھ جنّوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، (اس لیے) انھوں نے اُن جنّوں کے غرور اور سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

★ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اُس زمانے میں لوگ کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے جن کو شیاطین وحی کیا کرتے تھے (خفیہ طور پر بتا دیا کرتے تھے) پھر وہ لوگ کاہنوں سے کہا کرتے تھے کہ تم اپنے شیاطین سے ہمارے متعلق کہہ دو کہ ہم اب تمھاری پناہ میں آگئے ہیں۔" (یعنی اب تمھارے شیاطین کو ہم نے اپنا مائی باپ یا مددگار مان لیا ہے اس لیے وہ ہماری حفاظت کریں، ہم اُن کی حفاظت میں رہیں گے)

★ (تفسیرِ صافی۔ تفسیرِ قمی) ★

★ اب کیوں کہ لوگوں نے اُن شیاطین کی پناہ لینی شروع کر دی تو اُس کی وجہ سے اُن شیاطین جنّوں کا تکبّر اور سرکشی اور بڑھ گئی۔ ★ (تفسیرِ صافی) ★

★ تفسیرِ قمی میں ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے کچھ جن کچھ آدمیوں کے پاس آیا کرتے تھے اور جو خبریں وہ آسمانوں پر جا کر سنا کرتے تھے، اُن آدمیوں کو بتا یا کرتے تھے پھر وہ لوگ دوسروں کو جنّوں کی بتائی ہوئی باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ ★ (تفسیرِ قمی) ★

★ "رَهَق" کے معنی تکبّر، سرکشی، سر چڑھنا، اترانا، ظلم و ستم کرنا، زیادتی زبردستی کرنا، زبردستی

چھا جانے کی کوشش کرنا۔ اب کیوں کہ اِس قسم کے کاموں کا آخری نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔

★ اِس لیے "رھق" کے دوسرے معنی تباہی اور بربادی کے ہیں۔ ★ (لغات القرآن نعمانی) ★

★ بعض ماہرین نے لکھا کہ: عرب جب یہ کہتے ہیں کہ: فِیْہِ رَھَقٌ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اِس میں عقل کی کمی ہے، یا وہ ہر طرف سے سفر اور برائیوں میں گھرا ہوا ہے۔ (مبرد)

★ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جاہلیت کے زمانے میں عرب جب کسی سنسان وادی سے گذرتے تو پکار پکار کر کہتے کہ: "ہم اِس وادی کے مالک جنّ کی پناہ مانگتے ہیں"۔
یا مثلاً کسی عرب کا چارہ، پانی ختم ہوجاتا تھا، تو وہ دوسری جگہ چارہ، پانی تلاش کرتے جب مل جاتا تو اُترتے وقت پکار پکار کر کہتے کہ: "ہم اِس وادی کے مالک (جنّ) کی پناہ مانگتے ہیں تاکہ ہم محفوظ رہیں۔

★ (تفسیر ابنِ عباسؓ) ★

★ عربوں کے اِس عقیدے کی بنا پر جنوں میں سرکشی اور تکبر و غرور اور بڑھ گیا تھا، حالاں کہ جنّ خدا کی مخلوق ہیں، پناہ لی جائے تو کائنات کے مالک و خالق سے لی جائے۔

★ (تفسیر مجمع البیان۔روح المعانی) ★

ع یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ∴ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبالؔ)

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ ‹۷› اور یہ کہ اُن آدمیوں کا بھی تمہاری
اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ طرح یہی خیال تھا کہ اللہ کسی کو پیغمبر
بناکر نہیں بھیجے گا۔

∴ جنّوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ: "ہم تو غلطی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ اب اللہ کسی کو اپنا رسولؐ بناکر نہیں بھیجے گا

مگر اب ہماری یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔ اب قرآن سن کر ہم کو معلوم ہوگیا کہ اللہ نے اپنا ایک رسولؐ بھیجا ہے، جو قرآن جیسا عجیب و غریب، بے حد فصیح و بلیغ کلام سناتا ہے۔

* (شیخ الاسلام عثمانی) *

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا ﴿۸﴾ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھونا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾ چاہا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں اور ٹوٹنے والے ستاروں سے بھرا پڑا ہے۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا ﴿۹﴾ اور یہ کہ پہلے تو ہم (عالم بالا کی باتیں) مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ سننے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ کوئی نہ کوئی جگہ پالیتے تھے، لیکن شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ اب جو کوئی چھپ چھپا کر کچھ سننے کی کوشش بھی کرتا ہے تو وہ اپنی گھات میں ایک ٹوٹا ستارہ لگا ہوا پاتا ہے۔

(یعنی جب ہم آسمان پر خفیہ طور پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک آگ کا میزائل ہمارا پیچھا کرتا ہے)

آیت ۸ : جنوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس رسولؐ کے آنے کی وجہ سے ہی یہ ہوا ہے کہ آسمان پر بڑے سخت پہرے بٹھا دیے گئے ہیں۔ اسی لیے اب ہم آسمان کی باتیں نہیں سن سکتے۔ * (فصل الخطاب) *

آیت ۹ : اصل میں یہی وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے جن اس تلاش میں نکلے تھے کہ ضرور کوئی ایسا خاص واقعہ

پیش آیا ہے جس کی وجہ سے آسمانوں پر اس قدر سخت انتظامات کر دیے گئے ہیں کہ اب ہم کو عالم بالا کی کوئی بات سننے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ ہم آسمانوں پر جدھر بھی جاتے ہیں، مار بھگائے جاتے ہیں۔

* (تفہیم ۔ تفسیر کبیر) *

رَصَد " کے معنی گھات لگا کر بیٹھنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تاک میں بیٹھنا)

* (مفردات امام راغب) *

"شِہَاب " کے معنی وہ شعلہ جو آگ کی طرح بھڑک کر نکلتا ہے۔ اور ایک لمبا روشن خط آسمان پر بنا تا ہے۔

* (مفردات امام راغب) *

* اصل میں یہ شہاب وہ تیر ہیں جو ان شیاطین کو مارے جاتے ہیں جو چوری چھپے آسمان کے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے اوپر آتے ہیں۔ مگر ہم اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔

* (فصل الخطاب ۔ تفسیر نمونہ۔ لغات القرآن نعمانی) *

بلا۔ اس آیت سے (۱) چوری چھپے کسی کی باتیں سننے کی مذمت نکلتی ہے۔ (۲) کاہنوں پر جو لوگوں کو عقیدت ہوتی ہے اُس کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس لیے کہ کاہن جنوں ہی سے غیب کے راز معلوم کر لیا کرتے تھے، اور اب جن خود آسمان پر جا کر راز کی باتیں معلوم نہیں کر سکتے۔ "وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔"

* (مؤلف) *

* جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "نجومی مثل کاہن کے ہے، کاہن مثل ساحر کے ہے، ساحر مثل کافر کے ہے اور کافر جہنمی ہوتا ہے۔" * (نہج البلاغۃ کلمات قصار) *

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ ﴿۱۰﴾ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا زمین والوں

بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ کے ساتھ کوئی برا معاملہ یعنی عذاب نازل کرنے

بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ کا ارادہ کر لیا گیا ہے، یا ان کے پالنے والے مالک نے انھیں صحیح راستہ دکھانے کا ارادہ کیا ہے؟

٭ محققین نے نتیجہ نکالا کہ جنوں کو یہ بات معلوم تھی کہ آسمانوں پر شیاطین کو جانے سے دو وجہ سے روکا جاتا ہے۔ (۱) جب آسمان سے کوئی عذاب آنے والا ہوتا ہے (۲) یا پھر جب خدا کسی نبیؑ کے ذریعہ سے اپنی ہدایات اُتارنا چاہتا ہے۔

جنات اِسی بات کو سمجھ کر اُس نبی کی تلاش میں نکلے تھے کہ خدا نے اُن کی ہدایت فرمائی اور وہ لوگ اُس مقام سے گذرے جہاں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ جنوں نے قرآن سنا، غور کیا، اور سمجھ گئے کہ یہی وہ رسولؐ ہیں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں، اور اِنہی کے آنے کی وجہ سے آسمانوں پر پہرے دار بٹھا دیے گئے ہیں۔

٭ (تفسیر مجمع البیان، تفسیر کبیر، کشاف، تفہیم) ٭

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

(۱۱) اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگ (بہت) نیک ہیں اور کچھ کم نیک ہیں۔ غرض ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

٭ جنوں کے کہنے کا مطلب ہے کہ: "ہم میں بھی اچھے بُرے جن پائے جاتے ہیں۔ اعتقادات میں بھی ہمارے بہت سے فرقے ہیں، اس لیے ہم بھی راہِ حق معلوم کرنے کے محتاج ہیں ہم کو خدا کی ہدایات سے لاپرواہ نہیں ہونا چاہیئے۔

٭ (تفسیر کبیر۔ تفہیم) ٭

٭ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن سے پہلے بھی تمام کے تمام جن ایک راہ پر نہ تھے۔ کچھ نیک اور کچھ بدمعاش تھے۔ اُن میں فرقے اور جماعتیں ہیں۔ کوئی مشرک، کوئی عیسائی ہے۔ قرآن کے آنے کے بعد بھی اُن میں اختلاف ہے اور انسانوں کی طرح سب کے سب حق کا راستہ قبول نہیں کرتے۔ ٭ (شیخ الاسلام عثمانی) ٭

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ 〈۱۲〉 اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَہٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اور یہ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم زمین پر نہ تو اللہ کو بے بس بنا سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اُسے ہرا سکتے ہیں۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی 〈۱۳〉 اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

اور یہ کہ جب ہم نے صحیح رہنمائی اور ہدایت کی آواز سُنی تو ہم نے اُس کو دل سے مان لیا۔ تو اَب جو کوئی بھی اپنے پالنے والے مالک کو دل سے مان لے گا، اُسے کسی حق تلفی، ظلم اور زیادتی، کسی قسم کی ناانصافی یا اپنے حق میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کا ڈر نہ ہوگا۔

آیت ۱۲ کی تشریح : مطلب یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ کوئی شخص خدا کی سزا سے بھاگ کر بچ نکلے گا ایسا سوچنا بالکل غلط ہے، اِس لیے کہ خدا کی قدرت پوری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اِس لیے پنجۂ قدرت سے فرار ممکن نہیں ہے۔ جن کہہ رہے ہیں کہ ہمارا اِسی عقیدہ نے کہ ہم خدا کے پنجۂ عدالت سے بچ کر نکل نہیں سکتے، ہمیں خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور اُس کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ کہ یہی واحد صورت ہے خدا کے عذاب سے بچنے کی۔

* (تفسیر نمونہ) *

آیت ۱۳ میں: جنّوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ (۱) یہ بات ہمارے لیے فخر کا موقع ہے کہ جنّوں میں سے

سب سے پہلے ہم نے قرآن سنا اور سب سے پہلے ہم قرآن پر ایمان لائے۔

(۲) یہ کہ سچے دل سے خدا، رسولؐ اور آخرت کو ماننے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کھٹکا یا خطرہ نہیں ہے، اُس کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا یعنی اُس کی نیکیاں ضائع نہیں جائیں گی، نہ کسی دوسرے کے گناہ اُس پر لادے جائیں گے۔ غرض خدا کے پاس جاکر سچا باعمل مومن ہر قسم کی ذلّت و رسوائی و نقصان سے محفوظ رہے گا۔

* (شیخ الاسلام عثمانی) *

* ایمان کے لفظ کے معنی امن سے ہوجانا ہوتا ہے جو خدا پر دل سے ایمان لے آتا ہے۔ یعنی خدا، رسولؐ اور آخرت اور قرآن کو دل سے مان لیتا ہے، وہ ہر قسم کے نقصان اور خطرات سے امن میں ہوجاتا ہے کیوں کہ خداوندِ عالم نے فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِیْ فَمَنْ قَالَهَا دَخَلَ فِیْ حِصْنِیْ وَمَنْ دَخَلَ فِیْ حِصْنِیْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ : "نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، یہ بات دل سے مان لینا میرا قلعہ ہے، پس جس نے یہ اقرار کرلیا وہ میرے قلعے میں داخل ہوگیا، اور جو میرے قلعے میں داخل ہوگیا، وہ میری سزاؤں سے محفوظ ہوگیا۔" (حدیث قدسی، سلسلۃ الذہب از امام علی رضاؑ، بحارالانوار، عیون الاخبار)

اِس کے بعد فرزندِ رسولؐ خدا حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے حدیث قدسی کے پڑھنے کے بعد فرمایا: بِشُرُوطِهَا وَشُرُوطِهَا وَاَنَا مِنْ شُرُوطِهَا "لیکن خدا کا یہ فرمان کچھ شرائط کے ساتھ ہے اور میں بھی اُن شرائط میں سے ہوں۔" یعنی: اگر میری امامت کو تسلیم کروگے تو عذاب الٰہی کی سزا سے امان میں رہوگے۔ (ائمہ اہلبیتؑ کی امامت و ولایت کو دل سے ماننا شرطِ نجات ہے)

* (حدیثِ قدسی مروی از امام علی رضاؑ از تفسیر نور الثقلین، تفسیر تبیان)

* امام احمد ابنِ حنبل سے اِس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: "اِس حدیث کا کیا کہنا، اِس کے راوی (یعنی ائمہ اہلِ بیتؑ) سلسلۃ الذہب (سنہری سلسلے والے) ہیں اُن کے نام اگر کسی دیوانے پر پڑھ دیے جائیں تو وہ فرزانہ ہوجائے گا۔" "سبحان اللہ"

★ اِس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ نجاتِ آخرت کے لیے ائمۂ اہلِ بیتؑ کی امامت اور ولایت کو ماننا لازمی شرط ہے۔ اور یہ پوری اُمّتِ مسلمہ کا مسلّم عقیدہ ہے کیوں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا: " مَثَلُ اَهْلِبَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰی " " میرے اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی طرح ہے، جو اُس پر سوار ہوا نجات پاگیا، اور جس نے اس سے منھ موڑا غرق ہوا اور برباد ہوا۔"

★ (الحدیث۔ از تفسیر کبیر امام رازی۔ صواعقِ محرقہ۔ ینابیع المودّة) ★

★ عظیم صوفی نیاز بریلویؒ۔ جو سلسلۂ نیازیہ کے بانی ہیں۔ فرماتے ہیں:

؎ نیاز اندر قیامت بے سروساماں نہ خواہی شد
کہ از حبّ و تولّائے علیؑ داری تو سامانی (نیاز بریلوی)

یعنی: اے نیاز! تو قیامت کے دن بے سروسامان نہ رہے گا، اِس لیے کہ تیرے پاس علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی محبت اور ولایت کے اقرار جیسا بہترین سامانِ نجات موجود ہے۔

؎ کفن میں ہے مرے کربل کی مٹی ؛ مسافر بے سروساماں نہیں ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا ﴿۱۴﴾ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلمان (یعنی) الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور کچھ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ تو جنھوں نے اسلام کا راستہ اختیار کرلیا، تو اُنھوں نے نجات کا صحیح راستہ ڈھونڈ لیا

★ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: " مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کو محفوظ سمجھیں "

★ نیز آنحضرتؐ نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

★ (اصول کافی جلد ۲ باب مومن و علامانہ) ★

★ آخر میں جنوں کا یہ کہنا کہ: "جو شخص اسلام کو اختیار کرے اُس نے سیدھی راہ انتخاب کرلی۔"

(۱) اِس سے معلوم ہوا کہ انسان کو عمل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ (مؤلف)

(۲) مومن وہ ہوتا ہے جو اپنے ارادے، قصد، تحقیق اور اپنی تلاش کی بدولت ہدایت حاصل کرتا ہے، آنکھیں بند کر کے اندھی تقلید نہیں کرتا، اِسی ایمان لانے پر عظیم اجر پاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

ے زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ الا اللہ تو کیا حاصل ۔:۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

★ (اقبال) ★

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا (۱۵) اب جو سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ ہیں، وہ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ: جن تو آگ کے بنے ہیں، پھر اُن کو جہنم کی آگ سے تکلیف کیسے پہنچ سکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ: قرآن کی رُو سے آدمی بھی مٹّی سے بنا ہے، پھر مٹّی کا ڈھیلا انسان کو مارنے پر تکلیف کیوں ہوتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ انسان اگرچہ مٹّی سے بنا ہے، مگر بننے کے بعد وہ بالکل مختلف چیز بن جاتا ہے۔

اسی طرح جن اگرچہ آگ سے بنتے ہیں مگر وہ صاحبِ احساس اور زندہ مخلوق ہیں اسی طرح آگ اُن کو بھی جلا دے گی، اور اذیّت دے گی۔ (پھر جہنم کی آگ، جس کے شعلے سے خود آگ بھی پناہ مانگتی ہے)

★ (تفہیم - مجمع البیان) ★

الْقٰسِطُوْنَ: راہِ حق سے انحراف کرنے والے۔ اسی لیے جنابِ امیرالمومنینؑ سے جنگِ صفین میں لڑنے والے لشکر کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ جنگِ جمل والوں کو ناکثین[۱] اور جنگِ نہروان والوں کو مارقین[۲] کہا جاتا ہے۔ (انوار النجف)

[۱] ناکثین یعنی بیعت توڑنے والے۔ [۲] مارقین، یعنی دین سے خارج۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى ﴿۱۶﴾ اور یہ کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے
الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ پر ثابت قدم رہتے تو ہم اُنھیں
مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ خوب اچھی بارش سے اچھی طرح سے
سیراب کرتے ۔

★ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جنّوں کی طرح اگر مکّے والے بھی خدا و رسولؐ آخرت کو دل سے مان لیتے تو ہم اُن کو بھی خوب اچھی طرح سے سیراب کرتے ۔

★ (جلالین : شاہ رفیع الدین) ★

★ کئی سال تک عرب میں قحط پڑا ۔ لوگ قحط سے تنگ آچکے تھے ، اب عربوں سے کہا جارہا ہے کہ سدھر جاؤ ۔ اگر تم ایمان لے آؤ گے (یعنی خدا رسولؐ آخرت اور قرآن کو دل سے مان لوگے) تو ہم تم پر بارش اور روزی کے دروازے کھول دینگے ۔

★ (تفسیر ماجدی) ★

★ پانی کو یہاں نعمتوں کی کثرت کے طور پر فرمایا گیا ہے ۔ اِس لیے کہ پانی ہی پر کھیتی باڑی ، زندگی زراعت ، صنعت ، بستیاں بسنے کا دار و مدار ہے ۔

★ (تفہیم) ★

★ بعض روایات میں ہے کہ اُس وقت مکّے والے اپنی شرارت کی سزا میں سخت قحط میں گرفتار تھے ، اُن کو بتایا جارہا ہے کہ اگر تم ایمان لاکر سیدھے ہو جاؤ اور جنّوں کی طرح قرآن کو دل سے مان لوگے تو بارانِ رحمت سے سیراب ہو سکتے ہو ۔

★ (شیخ الاسلام عثمانی) ★

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝۱۷

〈۱۷〉 تاکہ ہم اس نعمت کے ذریعے اُن کا امتحان لیں۔ تو اَب جو کوئی اپنے پالنے والے مالک کی یاد سے اپنا منھ پھیرے گا، تو (اُس کا مالک) اُسے ایسے سخت عذاب میں داخل کر دے گا جو بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

"ذِکْر" سے منھ موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ (۱) اللہ کی نصیحتوں کو قبول نہ کرنا۔ (۲) اللہ کی باتیں نہ سننا (۳) اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منھ موڑ لینا۔

* (تفہیم ۔ تفسیر کبیر) *

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد ∴ پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

* محققین نے نتیجہ نکالا کہ خداوندِ عالم جن چیزوں سے بندوں کا امتحان لیتا ہے اُن میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ بندے کو بہت سی نعمتیں عطا فرماتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا کفر (ناشکری) یعنی یہ دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں کو خدا کی عطا مان کر خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے، یا اُن کو اپنے باپ کا (ناجائز) مال سمجھ کر خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ اگر وہ کفر و انکار والی راہ اختیار کرتا ہے، یعنی خدا کی نعمتوں کو خدا کی عطا نہیں مانتا اور اپنی من مانی کر کے خدا کی نعمتوں کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے تو پھر خدا اُس کو اپنی سخت سزا میں پکڑ لیتا ہے۔

* (تفسیر نمونہ ۔ تفسیر کبیر ۔ مجمع البیان) *

* حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے منھ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکتا، کیوں کہ معصیتِ خدا کا راستہ سراسر پریشانیوں اور عذاب کا راستہ ہے نجات کا راستہ نہیں ہے۔ * (شیخ الاسلام عثمانی)

قصہ نجویٰ (حضرت علی علیہ السلام کی خاص فضیلت)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نَٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ فَقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾

(۱۲) اے لوگو! جو دل سے خدا و رسولؐ کو مانتے ہو، جب تم رسولؐ سے چھپ کر اکیلے میں بات کرو تو اپنی اِس بات چیت سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو۔ یہ تمھارے لئے بہتر بھی ہے اور زیادہ پاک پاکیزہ ہونے کا ذریعہ بھی لیکن اگر تم خیرات دینے کے لیے کچھ بھی نہ رکھتے ہو، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا بڑا معاف کرنے والا بھی ہے اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا بھی۔ ﴿۱۲﴾

ءَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَٰتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا۟ وَتَابَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ

(۱۳) (ارے) کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ رسولؐ سے اکیلے میں چپکے چپکے بات چیت کرنے سے پہلے تمھیں کچھ خیرات کرنی ہوگی؟ اچھا تو چلو اگر ایسا نہیں کرسکتے تو خیر، اللہ نے تمھیں اِس حکم سے معاف کیا،

فَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ تو بس نماز پابندی کے ساتھ
وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو
وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ اور (زندگی کے ہر معاملے میں)
اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو، اور تم جو کچھ بھی
کرتے ہو اللہ اُس کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ ﴿۱۳﴾

آیتؐ کی تشریح — حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ

عالمِ اسلام کے عظیم مفسرِ قرآن مجاہدؒ نے فرمایا:
"حضرت امام علی علیہ السلام، کرم اللہ وجہہ، فرمایا کرتے تھے کہ
قرآن مجید میں یہ (آیتِ نجویٰ) ایسی آیت ہے کہ جس پر نہ مجھ سے
پہلے کسی نے عمل کیا، اور نہ بعد میں کوئی شخص اِس پر عمل کرسکے گا۔
(تفسیر صافی ۔ تفسیر قمی)

★ محققین نے آیت کے آخری الفاظ سے نتیجہ نکالا کہ: "خداوندِ عالم کی اطاعت کرنا گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوجاتی ہے۔" ★..... (تفسیر ماجدی)

★ آیتؐ کا مطلب یہ ہے کہ: جب تم رسولؐ سے اپنی کوئی بات کرنا چاہو، یا کوئی حاجت طلب کرنا چاہو، تو پہلے غریبوں کو کچھ صدقہ دیدیا کرو، تاکہ وہ صدقہ تمہاری حاجت کو پورا کرانے کا بہترین ذریعہ بن جائے

مگر اِس حکم پر سوائے حضرت امام علی علیہ السلام کے کسی نے عمل نہ کیا۔
٭ ———— (فصل الخطاب - مجمع البیان)

٭ فرزندِ رسولِ خدا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"حضرت امام علی علیہ السلام نے دس بار جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کرنے کے لیے صدقہ دیا اور دسوں مرتبہ آں حضرت ص سے راز کی باتیں سیکھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اِس حکم کو منسوخ کر دیا۔
٭ ———— (تفسیر صافی - تفسیر قمی)

٭ حضرت امام علی علیہ السلام، کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم آیا تو جناب رسولِ خدا ص نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار مقرر کردوں"؟

میں نے عرض کی: یہ لوگوں کی قوّت سے زیادہ ہے۔

پھر فرمایا: "نصف دینار"؟ میں نے عرض کی: "یہ بھی زیادہ ہے۔"

پھر فرمایا: "کتنے مقرر کر دوں"؟ میں نے عرض کی: "ایک جَو برابر سونا۔"

فرمایا: "یہ تو بہت کم مقدار ہوئی۔"
٭ ———— (ابنِ جریر - ترمذی - مسند ابویعلی)

٭ حضرت امام علی کرّم اللہ وجہہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "قرآن کی یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل ہی نہیں کیا۔"
٭ ———— (ابنِ جریر - حاکم - ابنِ منذر - عبد ابنِ قمیہ - تفسیر کبیر)

دوسری شانِ نزول — دولتمندوں کا ایک گروہ اِس لیے رسولِ اکرم ص سے اکیلے میں باتیں کرنے کی خواہش کرتا تھا، تاکہ اُن کی برتری ثابت ہو جائے، اور منافقین چاہتے تھے کہ اِس طرح رسولِ خدا ص کا وقت ضائع ہو جائے۔ اِس لیے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جب خدا نے دیکھ لیا کہ امیر لوگ بھاگ نکلے تو حکم منسوخ فرما دیا۔
٭ ———— (تفسیر مجمع البیان وغیرہ)

میں نے صدقہ دے کر رسولِ خداؐ سے یہ علم سیکھا ★ حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا

"میں نے صدقہ دے کر رسولِ خداؐ سے ملاقاتیں کیں اور یہ علم حاصل کیا:

(۱) میں نے رسولِ خداؐ سے پوچھا: "وفا کیا ہے"؟ فرمایا: "توحید کو دل سے سمجھنا اور اُس کی گواہی دینا"۔

(۲) "فساد کیا ہے"؟ فرمایا: "کفر اور شرک"۔ (۳) میں نے پوچھا: "حق کیا ہے"؟ آپؐ نے فرمایا: اسلام، قرآن، اور ولایت۔ (۴) میں نے پوچھا: "مجھ پر کیا لازم ہے"؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنا"۔

(۵) میں نے پوچھا: "اللہ سے اپنی حاجت کیسے مانگوں"؟ فرمایا: "صدق اور یقین کے ساتھ۔

(۶) میں نے پوچھا: "اللہ سے کیا مانگوں"؟ فرمایا: "عافیت"

(۷) میں نے پوچھا: "سرور اور راحت کیا ہے"؟ فرمایا: "جنّت اور اللہ سے ملاقات"۔

★ ———— (مدارک - خازن)

امام رازی کا نکتۂ گریز امام رازی نے لکھا کہ: بزرگانِ صحابہ نے اِس لیے صدقہ دے کر رسولؐ سے علیحدگی میں باتیں نہیں کیں، کیونکہ اُنھوں نے اِس کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی یا اُن کے پاس رسولؐ سے باتیں کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اِس لیے حضرت امام علی کرّم اللہ وجہہٗ کا صدقہ دے کر رسولِ خداؐ سے بار بار علیحدگی میں باتیں کرنا کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور دوسرے صحابہ کرام کی مذمّت نہیں ہے۔ ★ (تفسیر کبیر امام رازی)

★ امام رازی نے کمالِ تجاہلِ عارفانہ اور حضرت امام علیؑ سے تعصّب ظاہر کر دیا۔ اور آیت کے ظاہری الفاظ تک پر غور نہیں فرمایا کہ خدا نے فرمایا کہ: "ارے، کیا تم ڈر گئے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے کہ تم نے اکیلے میں رسولؐ سے بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اب جبکہ تم نے یہ کام نہیں کیا اور خدا نے تمھاری توبہ قبول کر لی، تو اب نماز قائم کرو..... الخ اگر یہ حضرت امام علیؑ کی فضیلت نہ تھی تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ کیوں فرمایا کہ:

"علیؑ کو تین ایسی فضیلتیں مل گئیں، کہ اگر اُن میں سے ایک بھی مجھے مل جاتی تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتی۔ پہلی فضیلت حضرت فاطمہؑ سے شادی، (۲) خیبر کے دن علم کا عطا ہونا (۳) آیتِ نجویٰ پر عمل کرنا۔ (تفسیر نمونہ، روح البیان، کشاف)

* پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنے اس بیان میں "فضیلت" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جبکہ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت علیؑ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

* پھر حضرت عبداللہ ابن حضرت عمرؓ نے اس آیت پر عمل کرنے کو جناب سیدہؑ سے شادی اور خیبر کے علَم کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے جو سارے اکابرین کے نزدیک حتیٰ کہ امام بخاری کے نزدیک بھی حضرت امام علیؑ کی فضیلت ہے۔ کیوں کہ امام بخاری نے خیبر کی حدیث باب فضائل علیؑ میں لکھی ہے۔ (بہرحال امام رازی کا حضرت امام علیؑ سے بغض ظاہر ہوگیا۔)

* ...... (مؤلف)

محمد اقبال نعیمی

ریسرچ اینڈ ڈیمونسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف

میں نے پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ کراچی کا

قرآنِ مبین حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے

میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی

کمی و بیشی نہیں ہے اور یہ اغلاط سے مبرا ہے

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی

منظور شدہ پروف ریڈر

گلشن اقبال بلاک ۱۱ کراچی

پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

279، بریٹو روڈ کراچی فون نمبر 2232354

اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز

B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا کراچی فون 6364519